برصغیر میں تاریخ تصوف کا ہزار سالہ روشن باب

نظم و نثر کا حسین گلدستہ

حضرت داتا علی ہجویری نمبر رحمۃ اللہ علیہ



دینی، سماجی، اخلاقی اور ملی اقدار کا محافظ
ماہنامہ
انوارِ رضا
جوہر آباد
ملک محبوب الرسول قادری
جلد نمبر 12 شمارہ نمبر 3,4

سید ہجویر علی بن عثمان علیہ الرحمۃ کے افکار و نظریات ابلاغ دین

تدریسی و تصنیفی خدمات۔ فیوض و برکات۔ روحانی

مقام و مرتبہ پر ایمان افروز، روح پرور علمی و تحقیقی دستاویز

چیف ایڈیٹر
ملک محبوب الرسول قادری

انٹرنیشنل غوثیہ فورم علامہ شاہ احمد نورانی ریسرچ سینٹر پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ
لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا
فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ
ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ
یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ
وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا
شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ
وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

برصغیر میں تاریخ تصوف کا ہزار سالہ روشن باب

نظم و نثر کا حسین گلدستہ

حضرت داتا علی ہجویری نمبر رحمۃ اللہ علیہ

سید ہجویر علی بن عثمان علیہ الرحمۃ کے افکار و نظریات ابلاغ دین

تدریسی و تصنیفی خدمات۔ فیوض و برکات۔ روحانی

مقام و مرتبہ پر ایمان افروز، روح پرور علمی و تحقیقی دستاویز

دینی، علمی، اخلاقی اور ملی اقدار کا محافظ
سہ ماہی
انوارِ رضا
ملک محبوب الرسول قادری
جلد نمبر 12 شمارہ نمبر 3,4

ملک محبوب الرسول قادری

انٹرنیشنل غوثیہ فورم علامہ شاہ احمد نورانی ریسرچ سینٹر پاکستان

0321-9429027

شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

خاص ایڈیشن

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر

دینی، سماجی، اخلاقی اور ملی اقدار کا محافظ

جوہرآباد

سہ ماہی

انوارِ رضا

چیف ایڈیٹر
ملک محبوب الرسول قادری

2018ء

جلد نمبر 12 | شمارہ نمبر 3,4

ایڈیٹر
ملک محمد قمرالاسلام قمر

چیف ایگزیکٹو
مفتی آصف محمود قادری

معاون ایڈیٹرز
علامہ محمد شاہد جمیل اویسی
مرزا محمد کامران طاہر

قیمت فی شمارہ
1000 روپے

سالانہ رکنیت فیس
2000 روپے

انٹرنیشنل غوثیہ فورم زاویۂ قادریہ سیدنا غوث اعظم سٹریٹ (نزد چونگی نمبر 1) جوہرآباد 41200
0321-9429027 mahboobqadri787@gmail.com

الاھداء

حضرت داتا علی ہجویری رحمہ اللہ کے حوالہ سے

اپنے شیخ کریم

حضرت تاج الشریعہ جانشین حضور مفتی اعظم ہند

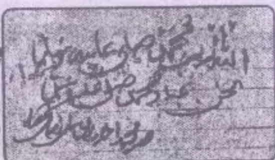
وارث علوم امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

علامہ مفتی محمد اختر رضا خان الازہری رحمہ اللہ

کی خدمت بابرکت میں نذر کرتا ہوں

(۱۹۸۵ء میں ان کے دست گرامی پر شرف بیعت حاصل کیا

اور انہوں نے پہلا درس یہ عطا فرمایا)



اللہ ان کے درجات بلند سے بلند تر کرے اور ان کی روحانی توجہات ہمیشہ ہمارے شامل حال رہیں۔

اس اشاعت خاص کی ترتیب و تدوین، اشاعت و ترسیل، کمپوزنگ و ڈیزائننگ اور دیگر مراحل جس حسن و خوبی اور سرعت و آسانی کے ساتھ تکمیل کو پہنچے اور قدم قدم پر حضور فیض عالم سیدی داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے تصرفات محسوس ہوتے رہے اس پر میں

سیدی فیض عالم

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ہدیہ نیاز پیش کرتا ہوں۔

۲۲ اکتوبر ۲۰۱۸ء

مملوک محمد
محبوب الرسول قادری

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ

دعائے صحت کی اپیل

یا اللہ! تو علیم و خبیر ہے اور تیرا پیارا حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
تیری ہی عطا سے رؤف الرحیم ہے

تیری بارگاہ عالی پناہ میں اپنی تمام تر بشری کمزوریوں
کے ساتھ عرض گزار ہوں کہ بیمار کرب و بلا، شہزادہ سید الشہداء
سید الساجدین حضرت سیدنا و مرشدنا و مولانا زین العباد

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

کے وسیلہ جلیلہ سے میرے نہایت عزیز دینی رفیق
اور روحانی بھائی کو صحت کاملہ اور شفائے عاجلہ عطا فرما کہ ۔۔۔
اس کی علالت ہمارے لئے گراں تر ہے۔

اللہ کریم! ۔۔۔ اس کے وجود سے دین کی خدمت اور مخلوق کی فلاح کے
مزید زیادہ کام لے کر دارین میں کامرانیوں کا ذریعہ بنا۔

یا اللہ! تیری بارگاہ میں اُمت مرحومہ کے تمام
مریضوں کے لئے شفائے کلی کی التجا ہے۔

یا اللہ! جو بھی اس دُعا پہ آمین کہے اسے اس کے
حق میں بھی قبول فرما۔

وصلی اللہ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد وآلہٖ وسلم

(چیف ایڈیٹر)

نذرِ عقیدت بحضور

شاہِ جیلاں میر میراں پیر پیراں

غوثِ اعظم دستگیر

حضرت سیّدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

المدد یا غوثِ اعظم المدد یا دستگیر
امت اسلام اب پھر بحرِ ظلمت میں گری
دشمنانِ دینِ مسلم جبر پر ہیں ڈٹ گئے
ارضِ پاکستان کو پھر امن کی خیرات دے
اہلِ سنت، اہلِ جنت، راسخ الایمان ہیں
مشرق و مغرب میں تیرے "علم" کا عرفان کا
حضرت احمد رضا خاں قادریؒ کے فیض سے
غوث، قطب، ابدال سارے، اولیاء مستور بھی
آپ کے لطف و کرم سے میری دنیا پر بہار
میرے ہادی، میرے آقا، میرے والی، مرشدی
قادریؔ تو کر کرم کی عرض اپنے شیخ سے
استغاثہ آپ سے اور آپ کے اجداد سے
المدد یا غوثِ اعظم المدد یا دستگیر

پیر پیراں، میر میراں، شاہ جیلاں دستگیر
شاہ محی الدین آقا، المدد یا دستگیر
یا رسول اللہ مدد کن، یا علی، یا دستگیر
یا امان الخائفین، یا خدائے دستگیر
مشکلیں حل کر خدایا، از طفیل دستگیر
ہر جگہ ہے فیض جاری، غوثِ اعظم دستگیر
ہم کو حاصل ہو گئی نسبت تمہاری، دستگیر
آپ کے دربار کے سائل ہیں سارے، دستگیر
آپ ہی عقبیٰ میں میرے مہربان و دستگیر
پنجتن کا فیض عرفان ہو عطا یا دستگیر
تجھ کو دم بھر میں نوازیں، غوثِ اعظم دستگیر
عرض کرتا ہوں دوبارہ غوثِ اعظم دستگیر
پیر پیراں، میر میراں، شاہِ جیلاں دستگیر

عرض گزار

ملک محبوب الرسول قادری

حسن ترتیب

اپنی بات

بارگاہِ گنج بخش کا ایک منظر نامہ

"...........تجلیات کی بارش ہو رہی ہے۔ برکات کی روشنی پھوٹ رہی ہے اور رحمتوں کا نزول جاری ہے۔

رات کا پچھلا پہر ہے ایک خلقت داتا" کے مزار پر ٹوٹی پڑتی ہے۔ لوگ جالیوں سے لگے جذب و عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں کسی نے ستون پر ماتھا ٹیک رکھا ہے اور کوئی چوکھٹ سے لگا خاموش کھڑا ہے اس کا دل کہہ رہا ہے۔ "داتا آج اس در سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔"

تسبیح کے دانوں پر الحمد کا ورد اور زبان پر "اللہ اکبر" کا وظیفہ آنکھوں میں آنسو اور دل میں آرزوئیں۔

کوئی جالی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے یوں کھڑا ہے جیسے آج سب کچھ لے ہی ہٹے گا۔

اس آستانہ پر کسی کا سر جھکا ہوا ہے کوئی آنکھیں بند کئے مزار کا طواف کر رہا ہے کسی نے کھڑکی کو تھام رکھا ہے اور کوئی دنیا و مافیہا سے بے خبر خلاؤں میں گھور رہا ہے۔

اس در پر آنے والے سینکڑوں آرزوئیں اور امیدیں لے کر آتے ہیں کوئی اپنے ظلم کی معافی مانگنے آتا ہے اور کوئی اپنی مظلومیت کی فریاد سنانے آتا ہے کسی کے دل میں چور ہوتا ہے اور کوئی دل کے چور سے بچنا چاہتا ہے۔ کوئی اولاد کے شر سے پناہ مانگتا ہے اور کوئی اولاد کے لئے زندگی مانگتا ہے۔

آرزوؤں اور مرادوں کا یہ میلہ یہاں رات گئے لگتا ہے اور صبح پو پھٹنے تک جاری رہتا ہے۔ بزرگان خدا جذب و شوق کی کیفیات میں مبتلا ہوتے ہیں، ہاتھ اٹھتے ہیں بار بار اٹھتے ہیں، سر جھکتے ہیں اور جھکتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ دل کا غم آنسو بن کر آنکھوں کی راہ بہنے لگتا ہے اور چند ساعتوں کے لئے دنیاوی آلام اور مادی خواہشات نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔

لوگ یہاں بہت کچھ مانگنے آتے ہیں۔کوئی راحت دینوی کی خواہش لے کر آتا ہے کسی کو عاقبت کی فکر ہوتی ہے کوئی جاہ وحشمت کا خواہشمند ہوتا ہے اور کوئی گناہ بخشوانے آتا ہے۔

لوگوں کو یہاں سے بہت کچھ ملتا ہے وہ فیض سے جھولیاں بھر بھر کرلوٹتے ہیں اور سکون کی لازوال دولت سے مالامال ہو کر آتے ہیں۔

شوق وذوق کی ان محفلوں میں زندگی اپنی تمام ترنخوت اور غرور کے باوجود مجبوریوں اور بے چارگیوں کا اظہار کرتی نظر آتی ہے۔

یہاں لوگ مجسمہ عجز وانکسار بن کر آتے ہیں۔ان کی جبینیں جھکی ہوتی ہیں۔ہاتھ بندھے ہوتے ہیں اور ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہوتی ہیں۔یہی وہ آستانہ ہے جہاں آ کر زندگی کی بے ثباتی اور انسان کی بے بسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہی وہ گھر ہے جہاں جبر وقہر اور مکر وفریب سے نفرت ہو جاتی ہے۔سر پر غرور آپ ہی آپ چوکھٹ پر جھک جاتے ہیں اور قلوب وعرفان اور وجدان کی روشنی سے منور ہوجاتے ہیں۔

جذب ومستی کے یہ مناظر صرف ایک خاص رات تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ یہاں کی ہر رات روحانی عظمتوں کی امین بن کر آتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔"۔۔۔۔۔۔

اللہ! بارگاہِ فیض عالم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارے معاشرے اور سماج کو بھر پور فیض یابی نصیب فرما۔

اللھم آمین بجاہ سیّد المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

غبارِ راہِ حجاز

ملک محبوب الرسول قادری

(چیف ایڈیٹر)

0321-9429027

mahboobqadri787@gmail.com

ادار یہ

اولیائے کرام کی محبت وصحبت اور اُس کے ثمرات

اولیاء اللہ کی صحبت، ان سے محبت اور ان کی اقتداء مسلمانوں کے لیے سرمایہ نجات ہے۔ چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاءؒ
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اولیاء اللہ کی پل بھر کی صحبت سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے یہ اس لئے کہ ان کی صحبت انسان کو ولی بنا دیتی ہے۔

ولی کے معنی لغت میں قریب کے ہیں، اور ولایت قرب اور نزدیکی کے معنی میں آتا ہے یہ نزدیکی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ بندہ خدا سے قریب ہوتا ہے اور خدا بندے سے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے بھی اپنی ذات کو اہل ایمان کے لئے ولی فرمایا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۵ — اللہ ولی ہے ایمان والوں کا۔ نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔

(البقرہ:۲۵۷)

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ — اللہ مومنوں کا دوست ہے۔

(آل عمران:۶۸)

ولی دراصل اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، وہ اپنے مخلص بندوں میں سے جسے چاہتا ہے یہ صفت عطا فرماتا اور اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ تمام انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں۔ مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا کیونکہ نبیوں کا سلسلہ سردار انبیاء حبیب خدا، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

ختم ہو چکا ہے۔ اب قیامت تک حضور ﷺ کی امت میں ولی ہوتے رہیں گے۔ نبی کوئی نہیں ہو گا۔

سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو اپنی امت کا اور ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا دوست کہا ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۝

تمہارا دوست تو وہی اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان و تقویٰ سے جس طرح بندہ اپنے مولیٰ سے قریب ہوتا ہے اسی طرح وہ اپنے رسولؐ سے بھی قریب ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ایمان و تقویٰ کے رشتہ سے مسلمانوں میں بھی مودت و اخوت مضبوط ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی شخص ایمان و تقویٰ کے بغیر سرور عالم ﷺ کا قرب حال کرنے کی کوشش کرتا ہے یا یہ سمجھتا ہے کہ ایمان و تقویٰ کے بغیر اسے حضور اکرم ﷺ کا قرب نصیب ہو جائے گا تو وہ نادان ہے۔ اولیاء اللہ صرف وہی لوگ ہیں جن کے پاس ایمان اور تقویٰ کی دولت ہو۔ خدا، اس کے رسول اور اس کی تمام باتوں پر ایمان ہو اور اس کے احکام پر عمل ہو، یہی باعمل مومن اولیاء اللہ ہیں جن کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری ہے۔

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ — نہ ڈر ہے ان پر نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(یونس: ٦٢)

یعنی وہ رنج و غم سے مامون رہیں گے اور انہیں مسرت و شادمانی کی زندگی نصیب ہو گی۔

اولیاء اللہ (اللہ کے پیارے بندوں) کی تعریف قرآن کریم میں فرمائی گئی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۝ — وہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور پرہیزگارانہ زندگی گزارتے رہے۔

(یونس: ٦٣)

یعنی اللہ تعالیٰ کے ولی و مقدس بندے وہ ہیں جو ایمان و تقوی کے درجۂ کمال پر

فائز ہوں۔ان کا دل معرفت الٰہی کے نور سے روشن ہو اور ان کے اعضاء و جوارح اطاعت خداوندی کی راہ پر گامزن۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی خدا تعالیٰ کے ان دوستوں کی کچھ ظاہری علامات اور ان کے کچھ نمایاں اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ حدیث قدسی ہے کہ فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے بندوں میں سے میرے پیارے اور میری مخلوق میں سے میرے دوست وہ ہیں جن کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ کیا جاتا ہے اور میرا ذکر ان کے ذکر کے ساتھ۔ روایت کیا اسے طبرانی نے کبیر میں اور حکیم اور ابو نعیم نے عمرو بن جموع سے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی یاد کرنے والا اللہ کو یاد کرتا ہے تو یہ بھی یاد آتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی زندگی یاد الٰہی کا بہترین نمونہ ہوتی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کا ارادہ کرے گا ان کی خدا پرستانہ زندگی کا نمونہ اس کی نگاہوں کے سامنے آ جائے گا۔

ایک دوسری حدیث شریف میں بھی فرمایا گیا ہے کہ دیکھنے والوں کو ان کی صورت دیکھتے ہی خدا تعالیٰ یاد آتا ہے۔

یعنی ان کی پابند شریعت زندگی، ان کے صاف ستھرے معاملات، اچھے اخلاق، ذکر خدا میں تر زبانیں، خوف خدا سے لرزاں دل، بھولوں کو خدا یاد دلا دے، غافلوں کو غفلت سے چونکا دے۔ ان کو دیکھ کر بد شوقوں کے دل میں خدا تعالیٰ کی یاد کا شوق پیدا ہو جائے۔ حاصل یہ کہ ان کی زندگی سے اسلام کی شعاعیں اس طرح پھوٹ نکلیں جس طرح آفتاب سے روشنی کی شعاعیں نکلتی ہیں اور اندھیرے میں اجالا کر دیتی ہیں۔

اس لحاظ سے ایمان و تقویٰ کے ممتاز مقام کو "ولایت" کہتے ہیں۔ پس جس بندۂ خدا کو فکر و عمل کی مکمل قوتیں عطا ہوتی ہیں وہ ولی ہے۔ ان کو تلاش کرنے کے لئے دیکھنا چاہئے کہ کون بندۂ خدا فکر صحیح اور نیک عملی کی زندگی رکھتا ہے۔ کس کی فکری اور عملی قوتیں کتاب و سنت کے احکام و نواہی کی پابند ہیں۔ کون قرآن کریم کا عاشق اور سنت رسول کا فدائی ہے۔ جو ایسا ہو بس وہ ولی ہے۔ خواہ اس کی زندگی میں کوئی خرق عادت و کمال و کرامت، ظاہر ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "انوار القدسیہ" میں لکھا ہے کہ کرامات کا ظہور ولایت کی شرط نہیں، ولایت کی شرط اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اس کی نافرمانی سے اجتناب ہے۔ ولی وہ

ہے کہ جس کی زندگی کتاب وسنت کے مطابق ہو، جو شخص اس معیار پر پورا اترے، قرآن مجید اس کی ولایت کی گواہی دیتا ہے اگرچہ کوئی انسان اس کا معتقد نہ ہو۔ اگر ہم کسی کو دیکھیں کہ وہ آلتی پالتی مارے ہوا میں معلق ہے تب بھی ہم اس کی ولایت کے ہرگز قائل نہ ہوں گے اگر وہ کتاب وسنت کے احکام پر عمل نہیں کرتا۔ (تفسیر المنارج 11 صفحہ 448)

ولایت حاصل کرنے کا طریق قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے......" اے ہمارے حبیب! لوگوں کو فرما دیجئے کہ اگر تم محبوب خدا بننا چاہتے ہو، تو میری اتباع کرو۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

انہیں فرما دیجئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو پھر اگر یہ روگردانی کریں تو یاد رکھو کہ اللہ انکار کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا کوئی دوست نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی دوستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری پیروی کئے بغیر ممکن نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری اور صحبت سے ہی وہ درجہ حاصل کیا جو کسی ولی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ پس ولایت حاصل کرنے کے لئے سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چلنا اور اسوۂ صحابہؓ پر عمل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

مسلمانو! تمہارا دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول ہے۔ اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے اور خدا تعالیٰ کے حضور جھکتے ہیں۔ جو کوئی اللہ کو، اللہ کے رسول کو اور ایمان والوں کو دوست رکھے گا، تو یاد رکھو کہ یہ اللہ کا گروہ ہے اور اللہ کا گروہ غالب رہنے والا ہے۔

دوستی کے لئے محبت کرنا، دوست کا حکم ماننا اور اس کی ناراضگی سے بچنا لازمی ہے۔ اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھنے سے جب انسان ان کی خاص خوبیوں پر غور وفکر کرتا ہے تو قدرتی طور پر ان سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اگر جذبہ صادق ہو تو یہ محبت بڑھتی چلی جاتی ہے نہ صرف اس ولی سے بلکہ ولی کے ولی سے حتیٰ کہ یہ سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے محبت قائم کرنے کا ایک زینہ ہے جس کے بغیر انسان منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ محبت کی صداقت تین خصلتوں سے ظاہر ہوتی

ہے اول یہ کہ اپنے محبوب کی باتوں کو دوسروں کے اقوال پر ترجیح دے۔ دوم یہ کہ اوروں کی ہمنشینی پر اپنے محبوب کی صحبت کو فوقیت دے۔ سوم یہ کہ محبوب کی خوشنودی کو غیروں کی خوشنودی سے بہتر جانے۔۔۔۔۔حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اللہ سے محبت کرتا ہے وہ اس سے بھی محبت کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہو اور جو اللہ تعالیٰ کے حبیب سے محبت کرتا ہے وہ ان سب سے محبت کرنے لگتا ہے جن کی محبت سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہونے والی باتوں سے محبت کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ لوگوں میں پہچانا نہ جاسکے۔

عام لوگوں نے اولیاء اللہ کے متعلق عجیب وغریب تصورات قائم کر رکھے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو مخصوص لباس پہنتا ہو نا قابل فہم گفتگو کرتا ہو۔

(ماہنامہ "آستانہ" دھلی (نومبر ۱۹۸۳ء)

معاذ اللہ! ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ شریعت وسنت کی پابندی کرنے والا اللہ کا ولی ہوتا ہے۔ حضور پرنور سیدنا سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے کہ پانی پہ چلنے یا ہوا میں اڑنے والا ولی نہیں بلکہ شریعت وسنت کی پابندی کرنے والا اور اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں استقامت اختیار کرنے والا اللہ کا ولی ہوتا ہے۔ حضور فیض عالم سیدی داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کا شمار انہی حقیقی اولیاء کاملین میں ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ اس امر کا حقیقی فہم اس معاشرے کو نصیب کرے اور جعلی نقلی ڈبے پیروں سے اس معاشرے کو نجات وخلاصی نصیب فرمائے کہ اس امر میں جعل سازی کرنے والے شیطان کے چیلے اور نمائندے ہیں۔ حق تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہِ عالی جناب میں فہم حق اور قبول حق کی توفیق ارزانی کے ملتجی ہیں۔

ملک محبوب الرسول قادری

(چیف ایڈیٹر)

0321-9429027

mahboobqadri787@gmail.com

مقالہ خصوصی

نامور صحافی، کالم نگار، شاعر اور دانشور جبار مرزا کے قلم سے

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

پاکستان کے سارے شہر خوبصورت ہیں مگر لاہور، لاہور ہے۔ میں لاہور جانے میں بہت خوش ہوتا ہے اس کی بس ایک ہی وجہ ہے کہ لاہور "داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ" کا شہر ہے کسی وجہ سے شہر میں داخلے کے وقت داتا رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر حاضری نہ دے سکوں تو قیام کے فوری ساتھ یا واپسی پر حاضری دیئے بغیر شہر نہیں چھوڑتا۔ ہمارے لکھنے والوں میں معروف شاعر جناب ناصر بشیر اور معروف مصنف اور ردِ قادیانیت میں یکتا جناب محمد متین خالد کے ساتھ بھی داتا جا چکا ہوں، یوں تو کئی بار ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہاسپٹل ٹرسٹ کے ممبر ایڈمنسٹریشن جناب شوکت ورک بھی ہمراہ لے گئے مگر جناب محمد متین خالد کے ساتھ جانا ہمیشہ یاد رہے گا انہیں داتا نے ایسے ہاتھوں ہاتھ لیا کہ وہ مجھے بھی کھینچ کے اوپر مزار کے اندر لے گئے تھے۔ مجاور عملے نے ہار ڈالے طرح طرح کی چادریں گلے میں ڈالیں داتا کا جلال اس قدر تھا کہ میں وہاں کھڑا نہ رہ سکا۔ ایک دم بیٹھ گیا اور دیر تک بیٹھا رہا۔ دراصل یہ وہ اولیاء کرام ہیں جو اللہ پاک کے پیغام کو جو ہمارے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے لئے چھوڑا وہ قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، بستی بستی پہنچانے کا فریضہ انجام دیتے آرہے ہیں۔ تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہوں گے کہ ہمارے یہ صوفیائے کرام تو گویا اللہ کریم کی ملازمت میں ہوتے ہیں۔ صوفی، صفا سے مشتق ہے اور صفا کی اصل دل کو غیر اللہ سے منقطع کر کے اللہ سے جوڑنا ہے۔ حضرت داتا کا فرمان ہے کہ طالب کو تمام احوال میں شرع اور علم کا پیرو ہونا چاہئے کیونکہ سلطانِ علم، سلطانِ حال پر غالب اور اس سے غافل ہے چنانچہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ چالیس برس مسلسل سفر میں رہے لیکن کبھی نماز باجماعت نہیں چھوڑی اور ہر جمعہ کی نماز کے لئے کسی قصبے میں قیام فرمایا۔ آپ ۴۰۰ ھجری میں غزنی شہر سے متصل ایک بستی ہجویر میں پیدا ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید عثمان جلابی ہے، جلاب بھی غزنی سے متصل ایک دوسری بستی کا نام ہے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، سید زید رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں حضرت شیخ ابوالعباس اشقانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابوجعفر محمد

بن المصباح الصیدلانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الکرگانی رحمۃ اللہ علیہ، ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف داستانی بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، ابوسعید فضل اللہ بن مہینی رحمۃ اللہ علیہ اور ابواحمد مظفر بن احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ کے نام ملتے ہیں۔ حضرت شیخ سید ابوالحسن علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فارسی زبان کے شاعر بھی تھے مگر آپ کا فارسی دیوان کسی دوسرے شخص نے اپنے نام سے شائع کر دیا تھا اسی طرح داتا صاحب کی ایک کتاب منہاج الدین جو اصحابِ صفہ کے مناقب پر تھی وہ بھی سرقہ ہوگئی تھی۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے سات کتابیں تحریر فرمائیں مگر "کشف المحجوب" کے سوا کوئی اور دستیاب نہیں۔ سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کے حکم پر اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے سلطان محمود غزنوی کے بیٹے ناصر الدین مسعود کے زمانے میں ۴۲۱ تا ۴۳۲ ہجری مطابق ۱۰۳۰ء تا ۱۰۴۰ء میں لاہور تشریف لائے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی حضرت شاہ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ اس خدمت پر مامور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور کے سفر کا حکم ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ سے عرض کی۔۔۔ وہاں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں میری کیا ضرورت ہے؟ لیکن شیخ نے فرمایا نہیں تم جاؤ، اور پھر جس رات حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ لاہور پہنچے، اگلی صبح حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ شہر سے باہر لایا جارہا تھا جبکہ حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۴۶۵ ہجری کو اسی مقام پر ہوا جہاں اُن کا مزار ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ ناصر الدین مسعود کے بیٹے ظہیر الدولہ نے تعمیر کروایا تھا اور خانقاہ کا فرش اور ڈیوڑھی عظیم مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر نے ۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ ہجری (مطابق ۱۵۵۵ء اور ۱۶۰۵ء عیسوی) میں تعمیر کرائی۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۳۹ء میں اور خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے میں کسبِ فیض کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چلہ کشی کی۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے چلہ کے بعد رخصت ہوتے وقت یہ شعر کہا تھا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا　　ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

مجھے جناب ملک محبوب رسول قادری نے اپنے مجلہ "انوارِ رضا" کے علی ہجویری نمبر کے لئے تاثرات کے لئے کہا پتہ نہیں میں کیا کچھ لکھ پایا۔

جبار مرزا

(اسلام آباد)

آغازیہ

سید ہجویر مخدوم امم
مرقدِ او پیر سنجر را حرم

بند ہائے کوہسار آساں گسیخت
دو زمین ہند تخم سجدہ ریخت

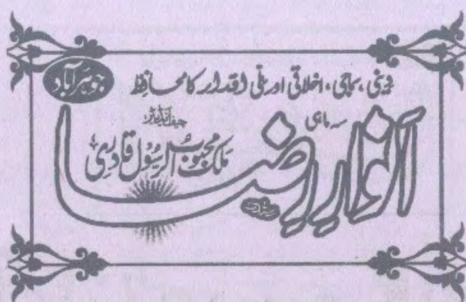
عہد فاروقؓ از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد

پاسبان عزت اُم الکتاب
از نگاہش خانۂ باطل خراب

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

عاشق وہم قاصد طیار عشق
از جنبش آشکار اسرار عشق

(علامہ محمد اقبال)



حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر

حسن ترتیب

حمدِ خدائے سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ

(راجا رشید محمود)

منفرد لہجے کے قادر الکلام شاعر حمد و نعت محترم راجا رشید محمود نے خصوصاً "انوارِ رضا" کے "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" کے لئے اور تین نعتیہ کلام عنایت کئے۔ جو حضرت فیض عالم سید ہجویر سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کی نسبت سے خاص تناظر میں لکھے گئے۔

(محبوبِ قادری)

(۱)

سب سے بڑا ہے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا خدا — سب کا خدا ہے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا خدا
ہر ملکِ دل کا، مملکتِ جان و روح کا — فرماں روا ہے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا خدا
جو شخص دل سے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا ہُوا — اس کا ہُوا ہے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا خدا
راضی ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نہیں جس بدنصیب سے — اس سے خفا ہے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا خدا
وحدت کا جس کی، درس دیا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے — وہ کبریا ہے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا خدا
مشکل جو ہو، وساطتِ داتا رحمۃ اللہ علیہ سے تم بتاؤ — مشکل کُشا ہے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا خدا

محمودؔ ہم سے بندے تو سب ہیں فنا نصیب
اصلِ بقا ہے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا خدا

(۲)

قرآں سے وہ جو کرتے رہے اِکتساب بھی — داتا" کو رب نے کر دیا عالی جناب بھی
تصنیفِ داتا رحمۃ اللہ علیہ اس طرح ہے مستجاب بھی — عرفانِ رب کے اس میں کُھلے ہیں حجاب بھی
دربار گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ میں آ کر پتا چلا — دیتا ہے بے طلب بھی خدا، بے حساب بھی
ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تھے جو تابع احکام کبریا — تابع ہیں ان کے نجم و مہ و آفتاب بھی

جدّ جناب سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ ہی تو تھے جن سے خدائے پاک ملا بے حجاب بھی
توحید کا سبق دیا داتا حضور رحمۃ اللہ علیہ نے ہم نے عبودیت کا پڑھا یوں نصاب بھی
جو چاہے، کر تو سید ہجویر سے سوال آئے گا تجھ کو عرشِ خدا سے جواب بھی
تصنیفِ "گنج بخش" میں جو کچھ ہوا بیاں توحید کا وہی تو ہے لبِ لُباب بھی
داتا رحمۃ اللہ علیہ کے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت سے، رب کرے یومِ نجات ہو مرا یوم الحساب بھی
ہم نے جو بُو الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا وسیلہ لیا، تو رب بخشے گا ہم سے عاصیوں کو بے حساب بھی
داتا رحمۃ اللہ علیہ کے در پہ جس نے کلامِ خدا پڑھا اُس نے مزا بھی لے لیا، پایا ثواب بھی

محمودؔ اب کے بھی تو درِ ربّ پہ جائے گا
تعبیریاب داتا رحمۃ اللہ علیہ کریں گے یہ خواب بھی

(۳)

علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مولا، علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خالق
ہے خالق سب عوالم کا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خالق
جہاں بھر کے لیے داتا رحمۃ اللہ علیہ انہیں رب نے بنایا ہے
ہے داتا اصل تو علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خالق
علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر ہے عکسِ نُورِ ربانی
انہیں دیتا ہے یہ رتبہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خالق
علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہیں کشافِ اسرارِ حقیقت کے
بجھاتا ہے یہ اک نکتہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خالق
پڑھے گا زندہ تصنیفِ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خالق
رکھے گا اس کو بھی زندہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خالق
سبھی حضّار "دربارِ علی ہجویری داتا رحمۃ اللہ علیہ" کے
کرے روشن دل و دیدہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خالق

تو تعلیماتِ داتا رحمۃ اللہ علیہ پر عمل کرنے کا رستہ لے
پلٹ دے گا تری کایا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خالق
گزشتہ برسوں کی مانند، اب کے بھی رشیدَ احمد
تجھے پہنچائے گا طیبہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خالق

(۴)

محبت داتا رحمۃ اللہ علیہ کا، بندہ ہے بجا داتا رحمۃ اللہ علیہ کے خالق کا
ہوا داتا رحمۃ اللہ علیہ کا جو، وہ ہو گیا داتا رحمۃ اللہ علیہ کے خالق کا
تجھے یہ گنج بخش فیض عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت ہے
کیے جا ذکر تو صبح و مسا داتا رحمۃ اللہ علیہ کے خالق کا
جسے داتا رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں سلامی کا ملا موقع
وہی پایا گیا مدحت سرا داتا رحمۃ اللہ علیہ کے خالق کا
علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ داتا رحمۃ اللہ علیہ قاسمِ اکرامِ خالق ہیں
ہمیں ملتا ہے داتا سے، دیا داتا رحمۃ اللہ علیہ کے خالق کا
کوئی اِن کی طرح دنیا میں اس کا دین پھیلائے
یہی لگتا ہے مجھ کو مدعا داتا رحمۃ اللہ علیہ کے خالق کا
ضوابط ہیں یہی جن کی یہاں تبلیغ ہوتی ہے
برائے امن ہے ہر ضابطہ داتا رحمۃ اللہ علیہ کے خالق کا
یہی تو کشفِ المحجوبِ تصوف سے ہوا ظاہر
کہ دم بھرتے ہیں سارے اولیاء رحمۃ اللہ علیہ داتا کے خالق کا
ملا ہے درس وحدت کا مجھے تصنیفِ داتا رحمۃ اللہ علیہ سے
اسی خاطر تو میں ساجد رہا داتا رحمۃ اللہ علیہ کے خالق کا
میں ہوں محمود یوں بھی سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا مادح
مجھے حاصل رہا ہے اعتنا داتا رحمۃ اللہ علیہ کے خالق کا

نعت محبوبِ خالق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱)

حبیبِ خالقِ غفار نانا جان داتا رحمۃ اللہ علیہ کے
نبی الانبیاء سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نانا جان داتا رحمۃ اللہ علیہ کے

کرم فرما و رحمت بار ہیں داتا کی نگری پر
جنابِ احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نانا جان داتا رحمۃ اللہ علیہ کے

علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ دریائے عطاو رحمت یوں ہیں
کرم کے ہیں یم زخار نانا جان داتا رحمۃ اللہ علیہ کے

ملا ہے اولیاء میں سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کو رتبہ
نبیوں کے جو ہیں سردار نانا جان داتا رحمۃ اللہ علیہ کے

عطا کرتے ہیں داتا کے غلاموں کو شہنشاہی
شہِ طیبہ، شہِ ابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نانا جان داتا رحمۃ اللہ علیہ کے

بُلا لیتے ہیں داتا کے کہے پر مجھ کو طیبہ میں
سخا کیش و کرم کردار نانا جان داتا رحمۃ اللہ علیہ کے

ثنا گویانِ داتا کی نہ کیوں محمود ہو بخشش
شفاعت کے ہیں منصب دار نانا جان داتا رحمۃ اللہ علیہ کے

(۲)

محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا
حبیب کبریا ہیں سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا

علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے، فرزندِ حسن رضی اللہ عنہ ہیں داتا ہجویری رحمۃ اللہ علیہ
کہ پدرِ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا

اِدھر داتا رسا ہیں اپنے نانا جان کے در تک
اُدھر رب تک رسا ہیں سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا

ضیا سے جس کی، اقطابِ جہاں نے نور پایا ہے
وہی روشن دیا ہیں سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا

علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جدِ پاک کی سیرت سے واقف ہیں
تو رب کے آشنا سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا

پیمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رسائی کے لیے ہیں واسطہ داتا
خدا تک واسطہ ہیں سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا

بیاں تُو مشکلیں اپنی کرے ان کے نواسے سے
تو پھر مشکل کشا ہیں سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا

دکھاتے ہیں رہِ شہرِ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داتا

دنا کے رہنما ہیں سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا
سنور سکتا ہے جس کو دیکھ کر کردار بندے کا
اک ایسا آئنہ ہیں سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا
ہے یوں محمود مادح سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا
کہ ممدوحِ خدا ہیں سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا

(۳)

رسولِ اعظم و اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نواسہ جن کا ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ
وہ ہیں اللہ کے محرم، نواسہ جن کا ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ
ہے ان کے آگے ہر سر خم، نواسہ جن کا ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ
وہ ہیں فخرِ بنی آدم، نواسہ جن کا ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ
ہیں اپنے مشفق و ہمدم، نواسہ جن کا ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ
جہاں کے محسن اعظم، نواسہ جن کا ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ
خداوندِ جہاں ہے آپ جن کا ذاکر و ناعت
ہیں ان کے نام لیوا ہم، نواسہ جن کا ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ
انہی کی بارگاہِ اقدس و پُر نور کی باتیں
مرے ہونٹوں پہ ہیں ہر دم، نواسہ جن کا ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ
جہانوں پر، جہانوں کی سبھی مخلوقِ خالق پر
نہیں ان کی عنایت کم، نواسہ جن کا ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ
کریں گوار دربارِ علی ہجویری داتا رحمۃ اللہ علیہ کے
عقیدت ان سے مستحکم، نواسہ جن کا ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ
یہ محمودِ مناقب گو، نبیؐ کا نعت گستر ہے
ہیں اس پر لطف زا پیہم، نواسہ جن کا ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ

(راجا رشید محمود)

بحضور سید ہجویر قدس سرہ

تیرا نام داتا علی علی

تو ہے نورِ احمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ہمہ وقت صورتِ مرتضیٰ
ترے در سے راہِ خدا ملی، تیرا نام داتا علی علی

تیرا عرس کم نہیں عید سے، کوئی پوچھے بابا فرید سے
تو نگارِ خواجہ سنجری، تیرا نام داتا علی علی

تیری دھوم فیض کی ہے مچی، جو مراد مانگی وہ مل گئی
ترا آستاں ہے بڑا سخی، تیرا نام داتا علی علی

ترے در سے ملتا ہے بے طلب، کوئی خالی جھولی گیا ہے کب؟
ہو عطا جمالِ محمدی، تیرا نام داتا علی علی

ترے عرسِ پاک کی دھوم ہے، ہمہ اولیاء کا ہجوم ہے
ترے در پہ جھکتا ہے ہر ولی، تیرا نام داتا علی علی

تو حبیبِ حق کا حبیب ہے، تیرا قرب عین نصیب ہے
لو سلام سیدِ غزنوی، تیرا نام داتا علی علی

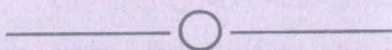
نہیں ایک واصفِ بے نوا، ہے زمانہ در پہ جھکا ہوا
ہو بلند نعرۂ حیدری، تیرا نام داتا علی علی

نذرِ عقیدت: حضرت واصف علی واصف علیہ الرحمہ
(بشکریہ: ماہنامہ تنظیم الاسلام گوجرانوالہ۔ نومبر ۲۰۱۷ء)

شجرۂ نسب و شجرۂ طریقت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہ نما



شجرۂ نسب مبارک

شکر پر بھی شکر ہے ہر دم خدا کے واسطے
دمبدم شاکر رہو ہر دم خدا کے واسطے

دو جہاں میں تُو ہی تُو ہے لا الہ کچھ نہیں
بھید اِلا اللہ سمجھو خود خدا کے واسطے

یہ نماز و روزہ ساری بندگی سجدہ سجود
کفر ہے ہرگز نہ کر تو جُز خدا کے واسطے

بعد پھر ہر بندگی کے پڑھ درود و نعت تُو
فرض پر یہ فرض پڑھ خیر الوریٰ کے واسطے

دیکھئے قرآن میں خدا نے فرمایا جا بجا
کس قدر رتبہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واسطے

اور خدا کے یار کے جو یار ہیں ان پر سلام
بھیج تو ہر دم چار یار باخدا کے واسطے

اور محبت دل میں رکھ ان کی جو ہیں بارہ امام
پیر و مرشد پنجتن ہادی ھُدا کے واسطے
معتمد شجرہ رقم داتا کا جدی اب سنو
جان و دل سے تم پڑھو روزِ جزا کے واسطے
یا الٰہی دو جہاں کی کر مجھے قوت عطا
حیدر کرار علیؓ شیر خدا کے واسطے
یاالٰہی دم بدم قرآن ہو میرا جان و دل
اس حسنؓ خستہ جگر صاحب عطا کے واسطے
یا الٰہی دو جہاں میں شاد اور آباد رکھ
سید زیدؓ سخا اہلِ وفا کے واسطے
یاالٰہی کفر و شرک و غیر سے دل پاک کر
اس حسینؓ اصغر سراسر باصفا کے واسطے
یا الٰہی فرض و سنت پر مجھے تُو قائم رکھ
ابو الحسنؒ پیارے علیؓ راہنما کے واسطے
یاالٰہی دے سعادت عشقِ احمد کی مجھے
اس شہنشاہِ شجاع یوسف لقا کے واسطے
یاالٰہی ذات واحد کا مجھے تُو عبد رکھ
عبدالرحمن باصفا و باوفا کے واسطے
یا الٰہی فقر کی نعمت سے دل معمور کر
بادشاہ سید علیؒ ہر دوسرا کے واسطے
یا الٰہی کر نہ تُو محتاج مجھ کو غیر کا
زیرِ دامن اپنے رکھ عثمانِؒ باحیا کے واسطے
یا الٰہی تو خدا را دو جہاں کا گنج بخش
گنج بخش مخدوم علیؒ صاحب سخا کے واسطے

شجرۂ طریقت

حمد و توصیف و ستائش ہے خدا کے واسطے
کبریائے خالق ارض و سما کے واسطے

یاالٰہی حضرت خیر الوریٰ کے واسطے
سرورِ عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے

حضرتِ شیر الٰہی بادشاہ بحر و بر
چشمۂ عرفان علی المرتضیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے

مخزن علمِ لدُنی معدنِ علم و حیا
اس حسن بصریؒ سراج الاولیاء کے واسطے

تاجِ فرق اولیاء شہنشاہِ ملکِ عجم
شیخ ما حضرت حبیبؒ باخدا کے واسطے

مقتدائے دو جہاں و ہادیٔ راہ خدا
حضرت داؤد طائی باصفا کے واسطے

نیر برجِ ولایت آسمان معرفت
حضرت معروف کرخیؒ بے ریا کے واسطے

شیخ عبداللہ سری سقطیؒ کانِ حیا
بادشاہ اولیاء واتقیا کے واسطے

آفتابِ چرخِ عرفاں شیخ ابو القاسم جنیدؒ
منبع ارشاد و رشد و اہتدا کے واسطے

گوہرِ عماں وحدت قلزم جود و سخا
شیخ شبلیؒ صاحب حلم وحیا کے واسطے

دور کر رنج و الم دونوں جہاں کا یا خدا
شیخ ما حضرت علی حُصری ہُدیٰ کے واسطے

دو جہاں کی سروری تُو بخش دے یارب مجھے
اس ابو الفضل ختلیؒ رہنما کے واسطے

کر کرم مخدوم علیؒ ہجویرؒ داتا گنج بخش
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و مرتضیٰؓ خیر النسا کے واسطے

حرصِ نفسانی سے دل کو پاک کر تو دمبدم
میرے مورث شیخ ہندیؒ باخدا کے واسطے

کر غریق بحرِ وحدت دے درِ عرفاں مجھے
یعنی اس مسکین عاجز باخدا کے واسطے

حُب دنیا اور دل کو بُعد صد فرسنگ ہو
اولیاؤ مرتضیٰؓ و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے

بادۂ عشق نبی کا نشہ آنکھوں میں رہے
دل بنے قبلہ نما خیر الوریٰ کے واسطے

اتباعِ سنت نبوی رہے ہر دم مجھے
ہوں نہ عازم ایک دم کو بھی خطا کے واسطے

نور احمد شمع مرقد دامن آل رسول
لطف اپنا دے مجھے روزِ جزا کے واسطے

زمرہ عشاق پیغمبر میں میرا حشر ہو
متقین وصالحین وانبیاء کے واسطے

حق کسی کا ہو نا گردن پر میری یوم تناد
کر شہادت کا سبب میری فنا کے واسطے

ان بزرگوں کا تصدق جو ہیں موصوف الصدر
بخش ایجابِ شرف میری دعا کے واسطے

یا الٰہی اب مصنف کو تُو وہ انعام بخش
شمس کی خواہش جو ہے داتاؒ خدا کے واسطے

①

پیغامات

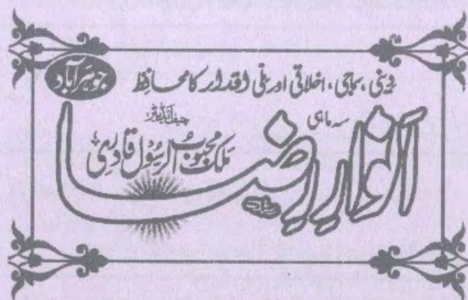
حسن تعلیماتِ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ماہتاب آفتابِ حکمت قرآن داتا گنج بخش

حجت محکم شکوہ دین واوجِ فقر کی سطوتِ حق کی قوی برہان داتا گنج بخش

محرم رازِ محبت، عشق کا رمز آشنا علم وحکمت کا دقیقہ دان داتا گنج بخش

نقش اجلال نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آئینہ شانِ علی مظہر تابانی سبحان داتا گنج بخش

(طارق سلطانپوری)



حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر

حسن ترتیب

پیغام

محسن پاکستان، عظیم ایٹمی سائنس دان

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

نشانِ امتیاز اینڈ بار



ملک محبوب الرسول قادری صاحب نے علامہ شاہ احمد نورانی ریسرچ سینٹر پاکستان کے انٹرنیشنل غوثیہ فارم سے "انوارِ رضا" کا سید ہجویری علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش نمبر شائع کر کے کمالِ احترام سمیٹا ہے۔ تبلیغ کا یہ خوبصورت انداز ہمیں انہی اولیاء اللہ سے ملا ہے، داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ان صوفیاء کرام میں سے ہیں جن سے اس خطے کی کثیر آبادی گہری عقیدت رکھتی ہے، آپ نے تصوف پر "کشف المحجوب" ایک ایسی کتاب تالیف فرمائی جو مستند مانی جاتی ہے، ہر چند کہ کشف المحجوب، فارسی میں لکھی گئی تھی مگر اب تک اس کے بے شمار اُردو ترجمے ہو چکے ہیں، ملک محبوب الرسول قادری صاحب نے زیرِ نظر "انوارِ رضا" کے "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ" کے اس خصوصی نمبر میں حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے تقریباً زندگی کے ہر پہلو کو اُجاگر کیا ہے جو تصوف کے طلباء اور اہل سنت کے لئے بیش بہا مرقع ہے۔ اللہ پاک ملک صاحب کی یہ مساعی قبول فرمائیں۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وانک لعلیٰ خُلقٍ عظیم

پیغام

پروفیسر ڈاکٹر

پیرزادہ قاسم

وائس چانسلر: ضیاء الدین یونیورسٹی کراچی، سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی



ہر برس حق تعالیٰ کے کرم سے ایک نادر عرصہ، خیر و برکت ہمیں میسر آجاتا ہے جب ہم بے پناہ عقیدت اور احترامات فراواں کے ساتھ حضرت علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس منعقد کرتے ہیں۔ ایمان افروز اور شریعت اور طریقت کے ضابطوں سے آراستہ ساعتیں ہمیں رجوع کا موقع فراہم کرتی ہیں تاکہ ہم خیر اور خیر کثیر کے حصول میں دلی کیفیات کے ساتھ شامل ہو سکیں۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ۹۷۵ویں عرس مبارک کی ساعتیں قرب کی منزلوں کے قریب پہنچ چکی ہیں۔ مگر اس برس عرس شریف کے موقعہ پر سہ ماہی "انوارِ رضا" جوہر آباد کی خاص اشاعت "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" کی صورت میں جناب مجوب الرسول قادری کی مدیرانہ پیش رفت کے ساتھ اشاعت کے آخری مرحلوں میں ہے اور عرس کے موقعہ پر دستیاب ہوگی۔

جناب مجوب الرسول صاحب ہمارے شکریے اور تحسین کے بجا طور پر حق دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ان کی اس عقیدت کو قبولیت کا درجہ نصیب ہو۔ آمین

پیغام

حضرت جگر گوشہ، تاج العلماء، یادگارِ اسلاف

علامہ مفتی محمد اطہر نعیمی

سابق رکن: اسلامی نظریاتی کونسل۔ سابق چیئرمین: مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان

آج عزیزی ملک محبوب الرسول قادری کا فون ملا کہ "انوارِ رضا" جوہر آباد کا آئندہ شمارہ "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" ہوگا اور اس کے لئے آپ کو بھی کچھ لکھنا ہے۔ میں اور رفیقۂ حیات دونوں بسترِ علالت پر ہیں اس لئے میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں کچھ لکھ سکوں۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ صدیوں سے آپ کی تحریریں (کتابیں) مسلمانوں ہی نہیں بلکہ انسانوں کے لئے سبب ہدایت ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تخلیقات میں "کشف المحجوب" پیش کی جا سکتی ہے۔ میں عزیزی محبوب الرسول کو بزرگوں کے نام سے منسوب رسالہ طبع کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ وہ اس سلسلہ کو جاری و ساری رکھیں اور اللہ پاک اس سلسلہ کو قبولیت عطا فرمائے۔



پیغام

حضرت

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

سابق استاذ: ہجویری چیئر پنجاب یونیورسٹی لاہور



اللہ جل جلالہ کا فضل خاص ہے کہ میرے جوہرآباد سے شرف صدور کے علمبردار رسالہ "انوارِ رضا" کے چیف ایڈیٹر ملک محبوب الرسول قادری صاحب نے مرشد لاہور سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ایک اشاعت مختص فرمائی ہے اور اس کے لئے کچھ لکھنے کے لئے مجھے موقع فراہم کیا ہے۔ میں اس فرمائش کو اپنے لئے ایک سعادت و سرور تصور کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ حضرت سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو داتا پیر جانتا اور مانتا ہوں۔ وہ بلاشبہ اپنی اس نگری شہر لاہور کے پیرو مرشد تو ہیں ہی، انہوں نے ہی اس نگری کو پہچان دی ہے ورنہ یہ تو "لاہور" تھا ہی نہیں، انہوں نے ہی یہاں سے کفر کو بھگایا، ہر سمت کو شکست دے کر اس شہر کو اسلام کا قلعہ بنایا اور اس کی پہلی اینٹ مہیا فرمائی ہے بلکہ اسے برصغیر کے تمام شہروں کی رہنمائی کا دائمی چشمہ فیض بنا دیا ہے۔

ملک محبوب الرسول قادری صاحب میری دلی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے "انوارِ رضا" کی اس اشاعت خاص سے میرے پیارے جوہرآباد کو بھی چمکا دیا ہے بلکہ میرے میٹھے شہر خوشاب سے اسے کچھ اونچا بھی کر دیا ہے۔ اللہ ربّ العزت سے دست بدعا ہوں کہ وہ اس اشاعت خاص کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ملک صاحب کو اجر عظیم عطا فرمائے، جوہرآباد چمکتا رہے اور خوشاب بھی اس سے دمکتا رہے یہ کوئی معمولی کام نہیں بلکہ ایک تاریخ ساز کارنامہ ہے، حضرت داتا پیر کی برکت سے لاہور اور پاکستان ہی نہیں بلکہ پورا برصغیر بھی چمکتا اور دمکتا رہے۔

ا د سید محمد قمر علی
أستاذ كرسی الشيخ الهجويری
لجامعة بنجاب بلاهور - باكستان

HUJVERI CHAIR

Oriental College, Punjab University, Lahore



Dr. Syed Muhammad Qamar Ali
Professor, Hujveri Chair,
Ph.off: 042-37248052 Res: 042-37352402, Fax: 042-99211815

D. No/ 614 /H.C/OC

Dated: 10-10-2018

مخدوم امم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمۃ والرضوان متقدمین صوفیاء کرام میں بلند مرتبہ محقق اور مربی بزرگ ہیں۔ مسلمانان برصغیر پر ان کے خصوصی اور عالم اسلام پر ان کے عمومی احسانات کو دعوت و ارشاد کے میدان میں کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی کتاب کشف المحجوب اور ان کا مزار پر انوار دونوں ہی فیضان مسلسل کے مظہر ہیں۔ سالکین راہ ہدایت اور مسافران منزل معرفت ان کی ذات اقدس سے آج بھی فیضیاب ہو رہے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ شعر اہل معرفت کیلئے دستور روحانی ہے۔

گنج بخش فیض عالم، مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہ نما

ہر دور کے اہل محبت، صاحبان تحقیق اور مجاہدان دعوت و تبلیغ اس خرمن نور سے خوشہ چینی کرتے ہیں اور عوام و خواص تک ان برکات کو پہنچاتے ہیں۔ پاکستان کے نامور صاحب قلم صحافی ملک محبوب الرسول قادری دینی و ملی اقدار کے تحفظ کے لئے ہمہ وقت کمربستہ رہتے ہیں۔ ان کی بجا طور پر رائے ہے کہ سلف صالحین کی ہشت پہلو شخصیات کے علمی، اصلاحی اور تجدیدی کارناموں کو نسل نو تک پہنچانا اہم دینی و قومی فریضہ ہے۔ انہوں نے اپنی زیر ادارت سہ ماہی انوار رضا، جوہر آباد کے خاص نمبر کا اہتمام کیا ہے۔ یہ خاص نمبر سید ہجویر مخدوم امم حضور داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ والرضوان کی جاودانی تعلیمات سے متعلق علمی، اصلاحی اور تحقیقی مقالات پر مبنی ہے۔ علم و تحقیق اور روحانیات سے وابستہ ہر فرد کے لئے اس نمبر میں روشنی ہے، اور ذوق باطنی کا سامان ہے۔ ملک صاحب نے مسند ہجویری، پنجاب یونیورسٹی سے شائع ہونے والے تحقیقی مجلہ معارف ہجویریہ کے چند تحقیقی مقالات بھی اپنے اس موقر خاص نمبر میں شامل کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ملک صاحب کو کار خیر کے لئے توفیق کی فراوانی عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین وعلیٰ آلہ الطیبین واصحابہ المکرمین

احقر

— ڈاکٹر سید محمد قمر علی

پروفیسر، شعبہ عربی، جامعہ پنجاب، لاہور

Address:
Hujveri chair, Oriental College, Allama Iqbal Campus (Old Campus) University of the Punjab, Lahore. Tel:+92-42-37248052
Email:chairman.hujverichair@pu.edu.pk Web Site: www.pu.edu.pk/Home/department/90034

پیغام

محقق العصر

مولانا مفتی محمد خان قادری

بانی و شیخ الجامعہ: جامعہ اسلامیہ لاہور



اللہ رب العالمین نے اپنی بارگاہ کے مقبول اور محبوب بندوں کی شان اپنے کلام مجید میں یوں بیان کی ہے کہ وہ ایمان لاتے ہیں اور تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں۔ گویا اولیاء اللہ کی پہچان و معرفت کا یہی طریق صائب و توانا ہے۔ کتاب سنت ہی کسوٹی ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات و افکار ان کی کتب خصوصاً "کشف المحجوب" سے ظاہر و باہر ہیں بلاشبہ ایشیاء کے عظیم و قدیم صوفیاء میں سرفہرست ہیں اور ان کی کتاب "کشف المحجوب" واقعی آج بھی مرشد کامل کا درجہ رکھتی ہے۔ اولیاء کا فیض کی عمدہ صورت ان کی تعلیمات سے آگاہی اور ان پر عمل کرنا ہی ہے اس پر توجہ رکھنی چاہیے کہ دنیا و آخرت میں فوز و فلاح اور کامیابی کا راستہ ہے۔

سہ ماہی "انوارِ رضا" جوہر آباد ہماری دینی ملکی صحافت کا معتبر حوالہ ہے اس کا ہر شمارہ اپنی نوع کا منفرد اور جامع شمارہ ہوتا ہے اب کی بار "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ جو عصر حاضر کی اہم ضرورت اور عہد قدیم کی صحیح تاریخ و تحریری تصویر ہے۔ علم و تحقیق کا شاہپارہ ہے اور صائب فکر کا غماز ہے۔ اس کی اشاعت پر میں ملک محبوب الرسول قادری کی کوشش و محنت پر خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ وہ اس نہایت مشکل و محنت طلب کارِ خیر میں سرخرو ہوں اور یہ کوشش ان کے لئے دنیا و آخرت میں خیر و برکت کا باعث بنے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



Tel:042-99210860
042-99210872
Fax042-99213289

AUQAF & RELIGIOUS AFFAIRS DEPARTMENT
GOVERNMENT OF THE PUNJAB
LAHORE

حرفِ حقیقت!

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری
ڈائریکٹر جنرل اوقاف پنجاب

مرکزِ تجلیات، منبع فیوض و برکات، مظہر العلوم الخفیہ والجلیہ الشیخ السید علی بن عثمان الہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ کے 975ویں سالانہ عرس مبارک کے موقع پر سہ ماہی مجلہ "انوارِ رضا" کی یہ خصوصی اشاعت لائقِ صد تحسین اور قابلِ مبارکباد ہے۔ بلاشبہ حضرت داتا گنج بخشؒ برصغیر میں مسلم تخلیقی فکر کے بانی ہیں، جس کا بنیادی سرچشمہ "کشف المحجوب" ہے، جس کے معرکۃ الآراء علمی مضامین اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ محض تصوف و طریقت ہی کی نہیں، عقیدہ و عقیدت اور شریعت و مسائلِ دین کی بھی کتاب ہے کہ جس کی تصنیف و ترتیب کا سبب آپ کے ہمدمِ دیرینہ اور مونس و ہمسفر حضرت ابو سعید ہجویریؒ بنے، جن کی مرقد آج بھی حضرت داتا گنج بخشؒ کے حجرۂ مزار میں آپ کی مرقد کے بائیں جانب، حضرت داتا صاحب کی کرم گستری اور محبت نوازی کا مژدہ سنا رہی ہے۔ آپ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں۔

"قال السائل وھو ابو سعید الھجویری:

بیان کن مرا اندر تحقیق طریقت تصوف، و کیفیت مقامات ایشان، و بیان مذاھب و مقالات ایشان، اظھار کن مرا رموز و اشارت ایشان، و چگونگی محبت خداوند عزوجل، و کیفیت اظھار آن بر دلھا، و سبب حجاب عقول از کنه و ماهیت آن، و نفرت نفس از حقیقت آن، و آرام روح با صفوت آن، و آن چه بدین تعلق دارد از معاملات آن"

یعنی مجھ (ابو سعید ہجویری) سے بیان فرمایئے:

الف۔ طریق تصوف کی حقیقت
ب۔ مقاماتِ صوفیاء کی کیفیت
ج۔ صوفیاء کے عقائد و مقالات کی تشریح
د۔ ان کے رموز و اشارات
ہ۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت کی نوعیت اور دلوں میں اس کے ظہور کی کیفیت و ماہیت
و۔ محبتِ الٰہی کی ماہیت کی معرفت میں حائل ہونے والے حجاباتِ عقل و نفس
ز۔ پھر کشف و حجابات کے طریقے، نفس کی حجابات سے بیزاری اور روح کی تسکین

برادرِ مکرم جناب صاحبزادہ محبوب الرسول قادری دینی صحافت کی معتبر شخصیت اور بالخصوص جدید عصری تقاضوں کی روشنی میں خانقاہ کے حقیقی کردار اور تصوف کے احیاء کی ضرورت و اہمیت سے آگاہ ہیں۔ بنا بریں انہوں نے حضرت داتا گنج بخشؒ کی ایمان افروز اور بصیرت آفریں تعلیمات سے آگاہی کا ساماں مہیا کیا ہے۔ آج جبکہ تصوف و طریقت کو علم و حکمت سے الگ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ کشف المحجوب کے اوراق کی گواہی کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، جس کے مصنف اقلیمِ علم کے تاجدار اور کشورِ روحانیت کے شہسوار ہیں۔ صوفیاء مناظروں اور مجادلوں سے یقیناً احتراز کرتے رہے ۔۔۔ کہ یہ ان کے مشرب کا بہت زیادہ حصہ نہیں رہا، لیکن احقاقِ حق اور ردِ باطل کے اہتمام سے ان کی پوری زندگی بھری پڑی ہے، بالخصوص برصغیر کے اُس قرنِ اوّل کے جملہ صوفیاء نے باطل سے سمجھوتے کو کبھی پروان نہیں چڑھنے دیا، بلکہ انہوں نے دین اور اس کی صداقت کی ترویج و ترویج کے لیے بھرپور توانائی صرف کی۔ بلاشبہ کشف المحجوب امہاتِ کتبِ تصوف میں سے ایک ہے، آپؒ نے اس کے آغاز ہی میں اس تاثر کی نفی کر دی کہ صوفی علم کے حصول سے بے نیاز یا ضروریاتِ دین سے بے بہرہ ہوتا ہے، بلکہ حضرت داتا صاحبؒ نے ایک قدم آگے بڑھ کر ۔۔۔ غافل علماء کی صحبت سے اجتناب کے ساتھ جاہل صوفیاء سے بھی اعراض کی تلقین فرما دی۔ کشف المحجوب کے مطالعہ سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ تصوف و طریقت ۔۔۔ کتاب و سنت سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ اس سے متمسک رہنے ہی کا نام ہے۔

پیغام

امیر اہل سنت، جانشین حضرت حافظ الملت

پیر میاں عبد الخالق قادری

سجادہ نشین: دربار قادریہ بھرچونڈی شریف (سندھ)



برصغیر پاک وہند میں سارا فیضانِ اسلام ہی صالحین امت کی برکت سے پھیلا ہے۔ ہندوستان میں شیطانی قوتوں سے شرک کی مستقل آماجگاہ ہر رنگ میں آباد ہوئیں۔ حکومت، معبد، عوام اور ثقافت ہر مقام پر ہی خدائی دشمنی کا پرزور اور جبری چلن تھا۔ راجہ اور پرجا میں اتنا زیادہ فاصلہ تھا کہ راجہ بھگوان ہے اور عوام بچاری تھے۔ مذہب اور اقتدار اگر باہم متحد ہو کر اشرار کی پشت پناہی کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو امان نصیب نہ ہو سکے گی۔ برصغیر میں پنڈت ازم اور اس کے زیر اثر حکمرانوں نے عوام کو بدتر سلوک کا قانونی حق دار قرار دے رکھا تھا۔ بے کسوں کا خون نچوڑنا اور ان کو اپنی زندگی کی آسائش کے لئے آلہ کار بنانے سے انہیں عزت اور راحت محسوس ہوتی تھی۔

محمود غزنوی کے جہاد نے ان راجواڑوں کو جھنجوڑا جو اپنے عوام کو موروثی غلام سمجھتے تھے۔ پنڈت اور مندر کو حرکت ہوئی تو ان سے عوام بے چارے پھر دبک جاتے۔ پھر مظلوموں کی آہیں درجہ اجابت تک پہنچیں تو ہر ایک مردِ کوہستان سے فیض باری کرتا ہوا اٹھا۔ تاہم علی بن عثمان نسب رسولی، عزم اتنا بلند کہ ملکوتی لہجے میں بات کرتا تھا۔ دلوں کی دنیا کو محبت کے فیضان سے مسخر کرتا چلا گیا۔ برصغیر کی اسلامی تاریخ زریں سرنامہ ہے۔ ایمان کی دولت لٹاتا چلا گیا اور دلوں کے سومنات ڈھاتا چلا گیا۔ زبان وقلم دونوں ہی سے کفر وشیطنت مسخر ہو گئے اب ہی قبر پر انوار الٰہیہ کی ہر

موسم میں برکھا آٹھ پہر برستی ہے۔ کشف المحجوب ان کا اعجاز قلم ہے قبر کی روشنی حاضرین و معتقدین کے دلوں کی ہدایت سامانی کا بڑا مرکز ہے۔

ملک محبوب الرسول قادری جس کی متاعِ دل اسی پاک چوکھٹ کی جبہ ساقی ہے فکری توانائی کو سمیٹتا ہے اور اعتقادی قوت کو جمع کرتا ہے۔

ادیب ہے، دردمندی، اس کے وجود میں اپنے آبائے قدیم میں آئی ہے۔

انوارِ رضا جوہرآباد سے ایک علمی ارمغان اہل علم کو ہر تین مہینے بعد پیش کرتا ہے۔

اب کی بار انہوں نے حضرت مخدوم اُمم گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب مستطاب "کشف المحجوب" کے لئے خاص نمبر کا اہتمام کیا ہے۔

فقیر دل کی گہرائیوں سے ہمیشہ اس مردِ دانا کے لئے دعاگو رہتا ہے۔ اس اشاعت خاص پر یہ گیرائی پاتال کو چھوڑ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ بطفیل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب الرسول کو ہر جہان میں سب اسم بامسمیٰ رکھے۔

فقیر قادری

میاں عبدالخالق

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ

پیغام



ڈاکٹر پیر

محمد نور الحق قادری

وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی حکومت پاکستان

مجھے یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی کہ دینی اور ملی اقدار کے محافظ ادارے سہ ماہی "انوارِ رضا" کا عالم اسلام کے نابغۂ روزگار روحانی ہستی "قلندر وقت" حضور قبلۂ عالم جناب داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک کے موقع پر آپ کی حیات اور دینی و روحانی خدمات کے اعتراف کے طور پر "خصوصی نمبر" شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے اُمید ہے اس مخلصانہ کوشش سے ملت اسلامیہ کو خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔ میں منتظمین اور بالخصوص مجاہد صفت، جواں ہمت، دینی اسکالر ملک محبوب الرسول قادری کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان کی مساعیٔ جمیلہ کو اپنی جناب میں شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

پیغام

جسٹس (ر) میاں نذیر اختر

وکیل: غازی ممتاز حسین قادری شہید رحمۃ اللہ علیہ



حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے فیض سے ایک ہزار سال پہلے ظلمت کدۂ لاہور مرکزِ انوارِ دین متین بن گیا۔ آپ کی نگاہ کی تاثیر سے ہزاروں بھٹکے ہوئے قلوب کو راہِ ہدایت نصیب ہوئی اور اب بھی آپ کے چشمۂ فیض سے ہزاروں تشنگانِ حق سیراب ہو رہے ہیں۔ ملک محبوب الرسول قادری چیف ایڈیٹر سہ ماہی "انوارِ رضا" مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے شب و روز محنت کر کے حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اہم مواد جمع کیا اور اسے "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" کی صورت میں شائع کیا۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے تبلیغ دین کے لئے اپنے رسالے کے کئی اہم اور ضخیم نمبر شائع کئے جن میں انوار سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، تحفظ ناموسِ رسالت نمبر، میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر، مولانا شاہ احمد نورانی نمبر، مولود کعبہ نمبر، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نمبر، مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ نمبر، مولانا نیازی رحمۃ اللہ علیہ نمبر، حضرت اخندزادہ سیف الرحمان رحمۃ اللہ علیہ نمبر، سفیر اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نمبر، حضرت طارق سلطانپوری رحمۃ اللہ علیہ نمبر، حضرت سلطان الشعراء نمبر شامل ہیں۔ ان نمبرز کی اشاعت بہت دشوار اور محنت طلب کام ہے جو ملک محبوب الرسول صاحب نے بڑی لگن اور تندہی سے سرانجام دیا۔ ان کا اصل جذبہ تبلیغ و اشاعت دین ہے۔ ان کا رسالہ اسی مقصد کے حصول کی تحریک ہے۔ ان کے بارے میں سلطان الشعراء طارق سلطانپوری نے درست ارشاد فرمایا ہے۔

خدا کے اولیاء سے ان کی نسبت بہت محکم نہایت ہے توانا
سراپا ہے وہ سعی جہد و حرکت فروغ دین و اوجِ حق کی خاطر

اسی سعی و جہد اور حرکت کی خوبصورت شکل "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" ہے۔ موجودہ دور میں کفر و شرک اور گمراہی کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ دلوں میں ایمان کے دیپ مدہم ہو رہے ہیں یا بجھے جا رہے ہیں۔ ایسے وقت میں ان کو فروزاں رکھنے کے لئے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی بہت ضروری ہے۔ "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" شائع کر کے ملک محبوب الرسول قادری صاحب نے ایک انتہائی اہم فریضہ سرانجام دیا ہے۔ امید واثق ہے کہ اس کے مطالعے سے قارئین کو ہدایت کے راستے بہ آسانی مل جائیں گے۔ میں اپنے اس مختصر پیغام کو طارق سلطانپوری (مرحوم) کے اِن اشعار پہ ختم کرتا ہوں:

سراہیں گے حسین لفظوں میں اس کو جو ہیں اربابِ علم و اہلِ حکمت
خدائے پاک دے گا اجر اس کو نوازیں گے اسے شاہ رسالت

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



ممتاز صحافی، قادر الکلام شاعر جناب حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے صاجزادہ

سعید احمد بدر قادری

المعروف سعید بدر



سید ہجویر نمبر، خوب ہے اور دل ربا
مقصد و معنی کا حامل دل پذیر و دل کشا
صاحب ترتیب ہے، محبوب جس کا نام ہے
ہے مجلہ حسن و خوبی، نام "انوارِ رضا"
یہ محبت اور عقیدت کا نمونہ ہے سعید!
بدر! اہل درد کو دیتا ہے یہ بے شک نوید

پیغام

شیخ طریقت حضرت

ڈاکٹر کرنل محمد سرفراز محمدی سیفی

سجادہ نشین: آستانہ عالیہ محمدیہ سیفیہ ترنول اسلام آباد



اللہ رب العالمین نے اپنے دین کی اشاعت و سربلندی کے لئے علماء و اولیاء اور مجاہدین و شہداء کو اپنی جناب سے خاص توفیقات عطا کیں اور ہر ایک سے اپنی مشیت کے مطابق کام لیا۔ بے شک وہی قوی و قدیر ہے۔ حضرت فیض عالم سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی ثم لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان پاکان اُمت میں ہوتا ہے جن سے قدرت نے برعظیم میں اولین زمانہ میں فروغ اسلام کی خدمت لی۔ ان کا آستانہ بے سہاروں، مجبوروں، فقراء اور درویشوں کا ٹھکانہ تھا۔ ان کی مجلس، تعلیم و تربیت کا ذریعہ تھی۔ ان کی نگاہ دلوں کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیتی تھی۔ وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور اجڑے ویران دلوں میں خدا کا نور بھر کر معاشرے کی حقیقی آبادکاری کا اہتمام کرتے تھے۔ ان کی خانقاہ ملٹی پرپز (Multipurpose) ہمہ جہت اہداف کو پورا کر رہی تھی۔ کفر و شرک، ظلم و جبر، غربت و افلاس، جہالت و ظلمات ہر مرض کا علاج یہاں ہوتا تھا، واقعی یہ ایک روحانی شفاخانہ تھا۔ جس کا فیض آج بھی جاری ہے اور آج بھی ہدایت اور عرفان کا نور پھوٹ رہا ہے۔ حضرت معین الہند خواجہ اجمیر شاہ معین الدین پیر سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نور کی برکھا میں نہاتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ:

گنج بخش فیض عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

سہ ماہی "انوارِ رضا" جوہر آباد وطن عزیز کا وہ جلیل القدر جریدہ ہے جو نہایت سرعت و تسلسل کے ساتھ اپنے اہداف کی طرف رواں دواں ہے۔ میرے بھائی ملک محبوب الرسول قادری کی ہمہ وقت اس سلسلہ میں جدوجہد اور عملاً وابستگی اس کی کامیابی کا راز ہے۔ جس موضوع پر بھی اس جریدہ نے اشاعتِ خاص کا اہتمام کیا۔ اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ بقول اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ۔

جس سمت آ گئے ہوں سکے بٹھا دیئے ہیں

میں اس خصوصی اشاعت کا خیر مقدم کرتا ہوں اس کے دقیع، علم افروز، تحقیقی اور مبنی برحقیقت مضامین و مناقب، مقالات و تحریروں کے حوالہ سے میرا مؤقف یہ ہے کہ ایسا علمی تحفہ ہر لائبریری، ہر دفتر، ہر خانقاہ، ہر مسجد اور سالکین کے لئے بالخصوص باعث برکت ہے اور راہنما کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تصوف اور اہل تصوف کے پیغام کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اسلام کا حقیقی چہرہ دیکھنے میں مدد ملے گی۔ مسلمانوں پر دہشت گردی اور انتہا پسندی کا بہتان لگانے والے اگر اسے پڑھ لیں تو اپنے مؤقف پر شرمندہ ہو کر توبہ کریں۔ میں دعا گو ہوں کہ رب العزت ہمارے بھائی ملک صاحب کے علم و عمل اور توفیقات میں مزید برکتیں عطا کرے۔ آمین



پیغام

شیخ العلماء، حضرت پیر طریقت، زینت المشائخ

پیر میاں محمد حنفی سیفی

آستانہ عالیہ محمدیہ سیفیہ راوی ریان شریف



قرآنِ پاک میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی عبادت کے لئے۔

(الذاریات:۵۶)

اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝

یعنی انسان کا مقصد حیات اللہ عزوجل کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

یہ ہم سنتے تو ہیں اور زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں مگر دل نہیں مانتا کہ بندہ عبادت ہی کیسے جائے روزی نہ کمائے۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ بندہ روزی کمانے کے چکر میں اپنے مقصد حیات (معرفت) کو ہی بھول جاتا ہے اور اپنے مالک حقیقی عزوجل کی نافرمانی میں لگ جاتا ہے، جس کی وجہ سے ہم ہر طرف سے ناکام ہیں۔ کیونکہ ہم نے علم دین حاصل کرنا چھوڑ دیا ہے۔

قرآنِ پاک میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ سوال کرو اہل ذکر (جاننے والوں) سے اگر تم نہیں جانتے۔

(سورہ نحل:۴۳)

کیونکہ اللہ عزوجل کی معرفت ان مشائخ سے ملتی ہے جو اہل ذکر ہیں۔حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سر الاسراء میں لکھتے ہیں قرآن پاک میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: وذکروا و کما ھدا کم۔

یعنی اللہ عزوجل کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تمہارے ذکر کے مراتب کی طرف تمہاری رہنمائی فرمائی ہے۔ذکر کے ہر مقام کا ایک خاص مرتبہ ہے خواہ ذکر جہری ہو یا ذکر خفی ہو۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ زبان سے اللہ کا ذکر کرے، پھر ذکر نفس ہے پھر ذکر قلب ہے پھر ذکر روح ہے پھر ذکر سر ہے پھر ذکر خفی ہے پھر ذکر رفضی ہے۔اور زبان سے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دل کو بھولا ہوا سبق یاد آ جائے (اور جب دل اللہ عزوجل کی یاد میں مشغول ہو جاتا ہے تو بندے کو اللہ عزوجل کی معرفت مل جاتی ہے) حدیقۃ الندیہ میں شیخ محمد بن سلیمان بغدادی فرماتے ہیں علم باطن کا جاننا ہر اس شخص پر فرض عین ہے جس کو قلب سلیم نصیب نہیں ہوا اور علم باطن سے مراد ان چیزوں کو جاننا ہے جو انسان کو ہلاک کرتی ہیں اور ہلاکت سے نجات بخشنے والی اشیاء، طریقت کے آداب واحکام و معاملات ہیں۔اور ان چیزوں کا علم مشائخ کاملین (جن کے دل اللہ تعالیٰ عزوجل کی یاد سے ذاکر ہوں) کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔وہ توحید کر کے اللہ عزوجل کی معرفت بندوں کے دل میں ڈال دیتے ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔طیبہ سے منگائی جاتی ہے، سینوں میں چھپائی جاتی ہے۔توحید کی مئے پیالوں سے نہیں نظروں سے پلائی جاتی ہے۔اور جن کے دل اللہ عزوجل کی یاد سے غافل ہوں ان کے بارے میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا

(الکہف:۲۸)

نہ اطاعت کرو اس کی جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

تو پتہ چلا کہ ذکر قلبی حقیقت میں اللہ عزوجل کی معرفت کا صحیح ترین ذریعہ ہے اور ذکر قلبی وہی کروائے گا جس نے کسی شیخ کامل سے یہ ذکر حاصل کیا ہو اور طریقت کے منظم ہونے کا راز بھی

یہی ہے کہ اس میں ذکر قانون کے مطابق کروایا جاتا ہے تو بندہ اللہ عزوجل کی معرفت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا سلوک کی منزل طے کروانا ہر شیخ کے بس کی بات نہیں بلکہ وہی شیخ سلوک کی منزل کروائے گا جس نے خود سلوک کی منزل حاصل کی۔

اور جب کوئی استاذ کے پاس پڑھتا نہیں وہ آگے کیسے پڑھا سکتا ہے؟ جب تک کوئی سیکھتا نہیں وہ آگے کیسے سکھا سکتا ہے؟ آسان لفظوں میں اس کو سمجھیں کہ جس نے قرآن کو تجوید سے نہیں پڑھا وہ کیسے تجوید پڑھا سکتا ہے اور وہ یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ تجوید اور غیر تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے میں کتنا فرق ہے؟ حالانکہ جس نے تجوید سے پڑھا ہے وہ بتائے گا کہ زمین و آسمان کا فرق ہے تو فرق وہی بتا سکا جس نے تجوید پڑھی ہے اسی طرح کوئی بھی شعبہ دیکھ لیں جب تک اس میں استاذ سے تربیت حاصل نہیں کرے گا تو وہ اس میں ناکام رہے گا۔

ایک ہوتا ہے سالک اور ایک ہے سلوک۔ سالک کہتے ہیں جو اللہ عزوجل کی راہ پر چلے۔ سلوک کہتے ہیں اللہ عزوجل کی طرف جانے والے راستہ کو اور جو اس راستہ پر چلاتا ہے اسے شیخ کامل کہتے ہیں اور جو اللہ عزوجل کے راستہ پر نہ چلائے، دل میں اللہ عزوجل کی یاد نہ ڈالے وہ شیخ کامل کیسے ہو سکتا ہے اور اس کا مرید معرفت الٰہی عزوجل سے کیسے بہرہ ور ہوگا۔؟ اللہ عزوجل نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلم کائنات بنا کر بھیجا تو جو جو ایمان لانے کے بعد آپ کی صحبت میں بیٹھتا گیا بنی نوع انسانیت کا کامل ترین انسان اور خالق حقیقی عزوجل کا محبوب بندہ بنتا گیا اور جس نے پھر جتنی زیادہ صحبت اختیار کی وہ اتنا ہی زیادہ اپنے مقصد حیات (عبادت و معرفت خداوندی) میں کامیاب ہوتا گیا یہاں تک کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: جو کچھ میرے سینے میں تھا میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا۔ پھر یہی حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے کا نور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینے سے چلتا چلتا میرے مرشد کریم حضرت مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے مجھ تک پہنچا۔ آج کیونکہ طریقت (پیری مریدی) رسم بن چکی ہے، تو سمجھانے کا مقصد یہ ہے کہ جب ایک عام سا ہنر بندہ استاذ کے بغیر نہیں سیکھ سکتا اور بغیر سیکھے سکھا بھی نہیں سکتا تو پھر اللہ عزوجل کی معرفت تو بندے کا اصل مقصد ہے وہ کیسے بغیر استاذ کے سیکھ سکتا ہے اور جس نے خود سیکھا نہیں وہ آگے کیسے سکھا سکتا ہے اور جس نے طریقت کو کسی شیخ کامل سے حاصل نہیں کیا وہ طریقت میں لوگوں کی تربیت کرے طریقت میں یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اولیاء کے سلطان اور امیر ہیں وہ اتنی بڑی جناب ہے کہ کسی کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ میں جب حاضر ہوا تو میں نے کافی دیر حاضری دی اور پھر داتا صاحب سے عرض کیا کہ جو نور اللہ پاک نے آپ کو عطا کیا ہے مجھے اس میں سے خیرات عطا کریں میں وہاں سے نکلا تو مجھے حضرت صوفی عبد الغفور سیفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملے انہوں نے میری تربیت کی مجھے میرے مرشد کی راہ دکھائی اور مجھے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ملا۔

الحمد للہ! تحدیث نعمت کے لئے کہتا ہوں کہ میرے مرشد نے میری تربیت کی تو آج جو جو ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے اور صحبت اختیار کرتا ہے وہ شریعت کا پابند بن جاتا ہے۔ بے شرع آتا ہے شریعت کا پابند بن جاتا ہے نمازی آتا ہے نمازی بن جاتا ہے، شرابی آتا ہے شراب چھوڑ دیتا ہے، زانی آتا ہے زنا چھوڑ دیتا ہے۔ دنیا سے محبت کرنے والا آتا ہے تو اللہ تعالیٰ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والا بن جاتا ہے۔ بلکہ کفار آتے ہیں تو صحبت کے اثر اور طریقت کے نور سے بہرہ ور ہو کر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور یہی طریقت میں آنے کا مقصد تھا۔

طریقت میں نقشبندیوں کے الگ اسباق ہیں قادریوں کے الگ اسباق ہیں چشتیوں اور سہروردیوں کے الگ اسباق ہیں کیونکہ یہ ایک قانون ہے جو میرے مرشد نے مجھے پڑھایا ہے جب کوئی اس علم کو حاصل کرتا ہے تو ایک دن یہ خود بھی لوگوں کو سکھانے والا بن جاتا ہے اور پھر جو ان کی بھی صحبت اختیار کرتا ہے وہ بھی شریعت کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔

اہل سنت کے نامور صحافی ملک محبوب الرسول قادری میرے دیرینہ مہربان دوست ہیں۔ ان کا ذوق وشوق اور طویل دینی خدمات قابل رشک اور لائق تحسین ہیں۔ حضرت اخندزادہ پیر سیف الرحمٰن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے انہوں نے میری ہی خواہش اور تحریک پر یکے بعد دیگرے دو خصوصی نمبر شائع کئے جو اپنی مثال آپ ہیں اور سلسلہ عالیہ سیفیہ کی بڑی خدمت کے طور پر ہمیشہ یاد رکھے جائیں۔ اب کی بار انہوں نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک شاندار علمی اور روحانی خاص نمبر شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے تو میں اس کام کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت خیال کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہِ میں شرفِ قبول بخشے۔ آمین

ظہور منزل،
اظہر منزل،
نیو شالامار کالونی،
ملتان روڈ، لاہور ۲۵۔

حمد و نعت



حکمت مآب شخصیات کے کارہائے نمایاں بروئے کار لانے کے لیے
ملک محمد محبوب الرسول کی جو ہر دار خدمات محیّر العقول کارنامے انجام دیتی ہے۔
شعورِ ملی کو اجاگر کرنے اور شعائرِ دینی کے حوالے سے نہایت دانش افروز
موضوعات پر یہ اپنی خیال آفرینی کو سعیٔ خوش انجام کی صورت دیتے ہیں تو
فیروز مندی ان کے آگے کورنش بجا لاتی ہے۔
حق و باطل کو غلط ملط کرنے کی ہر منافقانہ کوشش کی تغلیط میں یہ طاق و مشّاق
ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ ملّتِ اسلامیہ کے محسنین کی راست کاری کو بھول نہ
جائیں، اِس لیے ان کی خوش اندیشی اور خوش امیدی تبلیغ و اشاعت کے حوالے سے
کوئی ایسا کارنامہ ضرور سامنے لاتی ہے جسے قبولِ عام کی سند ملتی ہے — اور ان کی
ایسی ہر خواہش و کاوش ان کے قیمتی اندوختے میں گرانقدر اضافے کی صورت بن جاتی ہے۔
حضرت سید ہجویر داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی زیرِ نظر کاوش
نفیس پیشکش کی صورت میں اسی نوع کا میڈل ہے جو اِن شاءاللہ یوم الدین کو
بھی صدرِ "محبوب الرسول" پر تجلّی ریز ہوگا۔

(راجا رشید محمود)
چیئرمین "سیدہ ہجویر نعت کونسل"

۱۱/۱۰/۲۸

پیغام

جمیل العلماء، رفیق امام نورانی رحمۃ اللہ علیہ، بانیٔ انجمن طلباء اسلام

حضرت مفتی جمیل احمد نعیمی

استاذ الحدیث، ناظم تعلیمات: دار العلوم نعیمیہ کراچی

اسلام کے فروغ کے لئے اولیاء کا طرزِ تبلیغ نہایت مؤثر اور دیرپا ہے کیونکہ یہی روح اسلام سے ہم آشنا و ہم آہنگ ہے یہاں ہمدردی اور اخلاص کی بنیاد پر خدمت و ابلاغِ دین کے سلسلے جاری ہوتے ہیں۔ کرامات برحق ہیں اور یہ معجزہ کا عکس جمیل ہیں مگر بدقسمتی سے آج ہم نے زندگی کے ہر شعبہ میں کرامات ہی سے توقعات وابستہ کرلی ہیں جو اجتماعی اور انفرادی زندگی میں تنزل و زوال کا حقیقی سبب ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اولیاء کاملین کی تعلیمات سے آگاہی اور ان پر عمل پیرا ہونا عرفانِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

دوسری بات جہاد اسلام کا رکن ہے مگر بعض ناہنجار جہاد کے نام پر فتنہ وفساد برپا کئے ہوئے ہیں جس سے اسلام کا چہرہ داغدار ہو رہا ہے ایسے طبقات اسلام کی خدمت نہیں بلکہ اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں اولیاء و صلحا کے ماننے والوں کا ایسے کسی گروہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس حوالہ سے بھی صوفیاء کا طرزِ تبلیغ اپنانا فروغ اسلام کا بہترین ذریعہ وطریقہ ہے۔

عزیزم گرامی قدر ملک محبوب الرسول قادری ماہنامہ "سوئے حجاز" لاہور اور سہ ماہی "انوارِ رضا" جوہر آباد اور سالانہ "نورانی ڈائری" کے ذریعے باقاعدگی سے مسلک محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کر رہے ہیں۔ وہ زمانہ طالب علمی ہی سے اس مشن کو اپنائے ہوئے ہیں۔ انجمن طلبہ اسلام پھر اس کے بعد جمعیت علماء پاکستان اور مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان کے پلیٹ

فارم سے انہوں نے حضرت، قائد اہل سنت امام الشاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں کام کیا۔ ان سے تربیت پائی۔"انوارِ رضا" ان کی صحافتی خدمات کا پختہ حوالہ ہے جس کے درجنوں خصوصی نمبرز ان کی جدوجہد اور کوششوں کا ثبوت ہیں۔

اب کی بار وہ "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" شائع کرنے جارہے ہیں جس میں انہوں نے حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں جامعیت کے ساتھ مضامین و مقالات اور مناقب لکھوائے ہیں یقیناً یہ ایک علمی دستاویز ہے اللہ اسے قبول فرمائے۔

اس اہم خصوصی اشاعت پر عزیزم ملک محبوب الرسول قادری کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دُعا گو ہوں کہ رب العزت ان کی سعی کو اپنی بارگاہ میں شرفِ باریابی نصیب کرے۔

پیغام

جانشین حضور محدثِ ابدالوی، مبلغ اسلام، مصلح قوم حضرت

علامہ صاجنرادہ محمد نور المصطفیٰ رضوی

سابق مرکزی صدر: انجمن طلباء اسلام



حضور سیدی داتا گنج بخش فیض عالم علی ہجویری جلابی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے کا ہے اور آپ حضرت نواسۂ رسول جگر گوشۂ سیدہ بتول سیدنا و مولانا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں۔ اس خطے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری اور جہالت بھرے، کفر و شرک سے اٹے غلیظ معاشرے میں اسلام کے چراغ روشن کرنا آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بہت بڑا کارنامہ، تقویٰ و طہارت کا فیض اور خاندانی تقدس و نجابت کی برکت تھی۔ کفرستان ہند میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جس محنت و جانفشانی اور اخلاص و للہیت سے اسلام کا نور پھیلایا وہ فقط آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دینی، علمی، روحانی، سماجی، تصنیفی، تحقیقی ہر جہت پر مثالی کام کیا۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب "کشف المحجوب" تصوف و طریقت کے حوالہ سے اُمہات الکتب میں شمار ہوتی ہے اور اس کی عظمت کا سکہ آج بھی اس موضوع پر قائم و سلامت ہے۔

اب جبکہ حضور فیض عالم سیدی داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ۹۷۵واں عرس مبارک ۱۸، ۱۹، ۲۰ صفر المظفر (۱۴۴۰ھ۔ ۲۰۱۸ء) منایا جا رہا ہے۔ اس موقع پر سہ ماہی "انوارِ رضا" جوہر آباد کی طرف سے "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" کی اشاعت لائق تحسین ہے یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس قدر وقیع اور جامع نمبر اہل محبت کے لئے بالخصوص اور سارے اُردو خواں طبقہ کے لئے بالعموم خوشخبری کا درجہ رکھتا ہے۔ میں اپنی طرف سے "انوارِ رضا" کے مدیر اعلیٰ برادرم ملک محبوب الرسول قادری کو ہدیہ تبریک و تحسین پیش کرتا ہوں قبل ازاں انہوں نے سہ ماہی "انوارِ رضا"، ماہنامہ

"سوئے حجاز"، سہ ماہی "طلوعِ قمر" اور سالانہ "نورانی ڈائری" کے حوالہ سے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ انجمن طلباء اسلام کے پلیٹ فارم سے زمانہ طالب علمی میں ان کی طویل جدوجہد ملک کی طلباء تاریخ میں اہمیت کی حامل ہے۔ بعدازاں حضرت قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں انہوں نے جاندار کردار ادا کیا۔ اللہ کریم اس سعی کو قبول کرے۔ اسی سبب وہ میرے دل کے بہت قریب ہیں۔ میں ان کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور دعا گو ہوں ربّ العزت سیدی داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ان کی اس حاضری کو قبول فرما کر اپنی رحمت کا نور نصیب کرے۔ آمین

ظفر الاسلام ظفر برہانی

اے انوارِ رضا تجھ کو مدلل ہم نے گردانا
تجھے صد مرحبا کہتا ہے اک درویش مستانہ

☆☆☆

تو پائندہ و تابندہ رہے بزم صحافت میں
ادب کی چاشنی سے لب بہ لب ہے تیرا پیمانہ

☆☆☆

خوشا تو رنگ داتا کو سمولایا ہے دامن میں
فقر کی عظمتیں ہر مضطرب قاری کو بتلانا

☆☆☆

ترے اسلوب کی ندرت سے دنیا دنگ رہ جائے
بیاں کی شگی سے ہے ظفر بھی تیرا دیوانہ

پیغام

خوش خصال، پیکر جمال، حضرت پیر

سیّد فیض الحسن شاہ بخاری

بانی سربراہ: انجمن محبان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سجادہ نشین: بڑی خانقاہ بہاری شریف آزاد کشمیر



حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پاکستان ہی نہیں برعظیم میں اولیاء کے سرخیل ہیں ان کی حیثیت مسلم اور ان کی فکر زندہ ہے۔ ان کی کتاب "کشف المحجوب" ان کے تابندہ افکار کا روشن آئینہ ہے جو تقریباً نو سو برس سے ملت کی راہنمائی کر رہی ہے۔ واقعی یہ کتاب مرشدِ کامل کا درجہ رکھتی ہے۔

یہ معلوم کر کے مجھے انتہائی مسرت ہوئی کہ میرے بہت عزیز ملک محبوب الرسول قادری نے اپنے شہر جوہر آباد سے چھپنے والے اپنے سہ ماہی جریدہ "انوارِ رضا" کی اس اشاعت کو سیدنا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے مختص کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ اس عہد کم ظرف کی اہم ضرورت ہے اور انتشار، انارکی، افتراق، فکری اضطراب، ذہنی بے چینی، دین سے دوری اور انسانیت سے نفوز کو خاتمہ کے لئے فیضانِ گنج بخش سے ہی گوہر مراد حاصل ہو سکتا ہے جس کا بہترین ذریعہ "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" بنے گا۔ ان شاء اللہ۔

ملک محبوب الرسول قادری صاحب میرے دیرینہ دوست اور دینی بھائی ہیں۔ ہم کلاس فیلو بھی رہے اس زمانے سے ان کا دینی نشر و اشاعت کا ذوق وشوق قابل رشک اور لائق تقلید ہے۔ ہم ایک ہی مشن کے نمائندے ہیں۔ میں قادری صاحب کی صحت و سلامتی کی دعا کے ساتھ اس خصوصی نمبر کی مبارک پیش کرتا ہوں۔

پیغام

زینت السادات، آبروئے اہل سنت، مبلغ اسلام حضرت

پیر سیّد انور حسین کاظمی قادری جیلانی

بانی ناظم اعلیٰ! جامعہ قادریہ جیلانیہ شاہدرہ ٹاؤن لاہور



حضرت علی ہجویری المعروف فیض عالم داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نام اور کام اہل وطن کے لئے اجنبی نہیں۔ ان کا چرچا تو ساری دنیا میں ہے۔ ان کا شمار برعظیم کے سرخیل اولیاء میں ہوتا ہے اور ساری دنیا میں مرشد پاکستان کے حوالہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب "کشف المحجوب" سلسلہ تصوف وعرفان کی بنیادی و اساسی کتابوں میں تسلیم کی گئی ہے۔ جامعہ پنجاب لاہور میں "علی ہجویری چیئر" اسی کا اعترافیہ ہے۔ دنیا بھر میں عرفان و معرفت کے شائقین اس حقیقت پر ریسرچ ورک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو دنیا سے گزرے ساڑھے نو سو برس سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن ان کا مشن، ان کی محبت، ان کی فکر اسی طرح بڑھتی جا رہی ہے جس طرح ان کے حینِ حیات میں فروغ پذیر تھی کہ یہ ارشاد ربانی "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" کی عملی تصویر اور حقیقی تفسیر ہے۔

سہ ماہی انوارِ رضا "جوہر آباد" کے چیف ایڈیٹر برادر عزیز ملک محبوب الرسول قادری جو ہمارے دیرینہ تنظیمی و تحریکی ساتھی ہیں اپنے موقر جریدے کی علمی و تحقیقی اشاعتیں وقتاً فوقتاً منظر پر لاتے رہتے ہیں ان کی یہ کاوشیں علم و تحقیق کا خوبصورت حوالہ ہوتی ہیں۔ اب کی بار ان کی طرف سے "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" کی اشاعت پوری قوم کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ میں اس بہترین کوشش کا خیر مقدم کرتے ہوئے محترم ملک محبوب الرسول قادری کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ خدا کرے ان کی کوشش شرفِ قبولیت اور خلعت مقبولیت سے سرفراز ہو۔

پیغام

صاحب حکمت دینی اسکالر، دانشور، ماہر تعلیم

صاجزادہ محمد بدر الزمان قادری

پرنسپل: جامعہ ہجویریہ مرکز معارفِ اولیاء، داتا دربار کمپلیکس لاہور



حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ۹۷۵واں سالانہ عرس مبارک ۱۸، ۱۹، ۲۰ صفر المظفر ۱۴۴۰ھ کو تزک واحتشام اور عقیدت واحترام سے منانے کی تیاریاں اپنے جوبن پر ہیں ہر عقیدت منداپنے ذوق، طبی رجحان اور عقیدت کے زیر اثر عرس کی تقریبات سے روحانی فیوض و برکات سمیٹنے کے لیے کوشاں ہیں اندرون و بیرون ملک علمی دینی اور ادبی حلقوں کے لوگ اپنے شعبہ کے پیش نظر قارئین وسامعین کی ضیافت علمی کے اہتمام میں مصروف ہیں۔

ان حلقوں کی ایک جانی پہچانی شخصیت جناب ملک محبوب الرسول قادری زیدہ مجدہ جو کہ اپنے ذوق علمی وتحقیقی کے سبب ہر حلقے میں یکساں مقبول و دلعزیز ہیں کی زیر ادارت سہ ماہی "انوارِ رضا" جوہر آباد کا "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" منظر عام پر آنے کو ہے بلاتشکیک یہ ایک بہت جان گسل سعی ہے جس کے جمیع تقاضے جناب ملک صاحب نے کماحقہ پورے کیے ملک عظیم کے چوٹی کے قلمکار اور ادیب شہیر حضرات کے مقالہ جات، مضامین کو یکجا کر کے ایک گلدستہ ترتیب دیا گیا ہے جس کی خوشبو سے یقیناً اطراف واکناف کے قارئین فیض یاب ہوں گے حقیقت تو یہ ہے کہ تقاریر کے الفاظ و جملے اگرچہ وقتی طور پر طبع کی تسکین اور عوام الناس سے حصولِ تحسین کا عمدہ ذریعہ ہیں تاہم یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ آواز والفاظ کے یہ رنگ قوس وقزح کے رنگوں سے بھی جلدی تحلیل ہو جاتے ہیں تاہم

ضبط تحریر میں لائی گئی کاوشیں نہ صرف دیر پا ہوتی ہیں بلکہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے مصنف و مولف کو بھی امر کر دیتی ہیں۔

اللہ رب العزت ملک محبوب الرسول قادری کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور یہ سہ ماہی "انوارِ رضا" جوہر آباد کا "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" حضور سیدی فیض علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی آستانہ فیض رساں سے بھی پذیرائی و قبولیت کا حامل ہو۔

جامع معقول و منقول، عالم ربانی، شیخ طریقت

علامہ محمد اسماعیل فقیر الحسنی

سجادہ نشین شاہ والا شریف

اللہ اللہ داتا نمبر
ہر ہر لفظ مثالِ عنبر

پر لطف و پر مغز، مدلل
ہم چو تاجِ شاہِ مکلل

برحالِ مخدومِ امت
دستاویز برنگ جدّت

مخزنِ معلوماتِ معظم
معدنِ منثوراتِ منظم

یا مولای تعالیٰ، تبارک
کن سعیٔ محبوب، مبارک

بر ایں کاوش آحسن و تام
از تہہ قلبِ حسنیؔ سلام

پیغام

مخدوم زادہ حضرت علامہ

میاں محمد آصف محمدی سیفی

آستانہ عالیہ محمدیہ سیفیہ راوی ریان شریف، پرنسپل: جامعہ محمدیہ سیفیہ راوی ریان شریف



اللہ تعالیٰ نے حضرت اولیاء کرام کو قیامت تک اپنے دین کو پھیلانے اور مخلوق کو ہدایت وعرفان کی راہ دکھانے کی ذمہ داری سونپی ہے۔ یہی طبقہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ اور محبوب لوگوں کا ہے۔اس طبقہَ خاص نے ہر دور میں علم ومعرفت کے خزانے لٹانے کے ساتھ ساتھ مخلوقِ خدا کی بلا امتیاز خدمت کی۔ وہ دکھی انسانیت اور گمراہ طبقات کو ہدایت کا نور بانٹتے رہے۔حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایشیا کے عظیم اور قدیم ترین کامل واکمل ولی ہیں جن سے نہ صرف مسلمانوں کے تمام سلاسل طریقت نے فیض کے خزانے لوٹے بلکہ کفرستانِ ہند میں ان کا آستانہ مرکز عرفان اور مخزن اسلام تھا۔وہ ہندو، سکھ، عیسائی، بدھ، مشرک، کافر سب کو محبت کا درس دیتے اور اپنی حکمت و روحانیت سے انہیں اپنے قریب لاتے اُن کے دل کی دنیا بدل دیتے۔ان کی روحانی توجہ دلوں کے زنگ اُتار پھینکتی وہ گمراہیوں کو توبہ کے ذریعے راہِ سلوک پر ڈال کر ان کی منزلیں طے کراتے اُن کے وصال مبارک کو صدیاں بیت گئیں مگر ان کا جاری کیا ہوا ہر کام ان کے مزارِ مبارک سے بھی اسی طرح جاری وساری ہے ان کا لنگر خانہ آباد ہے کہ ہر بھوکا پیٹ بھر کے کھانا کھاتا ہے۔ان کی کتابیں آج بھی اسی طرح مخلوق کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہیں۔اُن کے مزارِ مبارک کی حاضری روحانی مقامات میں رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے تریاق ہے۔ایسے پاکانِ اُمت کی قبروں پر تو فرشتے اُترتے ہیں انسان تو انسان جنات کو بھی فیض ملتا ہے۔

ان کا مزار انوار و تجلیات الٰہیہ کا مرکز ہے اور یہاں نفرتوں کے بجائے محبتوں کے دیپ روشن ہوتے ہیں۔ آپ سہ ماہی "انوارِ رضا" جوہر آباد کی ایک خوبصورت اشاعتوں میں "حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر" ایک بہترین اضافہ ہے جو اہل حق کا پلڑا بھاری کرنے میں معاون ثابت ہوگا میں اپنے عزیز گرامی اور انوارِ رضا کے چیف ایڈیٹر ملک محبوب الرسول قادری کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اس کی اشاعت خاص کی قبولیت و مقبولیت کے لئے دُعاگو ہوں۔

سلسلہ عالیہ سیفیہ کے متوسلین و متعلقین اور وابستگان ایسی ہر عمدہ کوشش کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ کے ارشادِ ربانی پر عمل پیرا ہیں۔ اللہ اس کوشش کو مقبول فرما کر ذریعہ نجات اور توشۂ آخرت بنائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نادِ علیاً مظہر العجائب

تجدہ عوناً لک فی النوائب

کل ھم وغم سینجلی

بولایتک یا علی یا علی یا علی

کتبہ العبد المذنب رحیم اللہ غفرلہ

٢

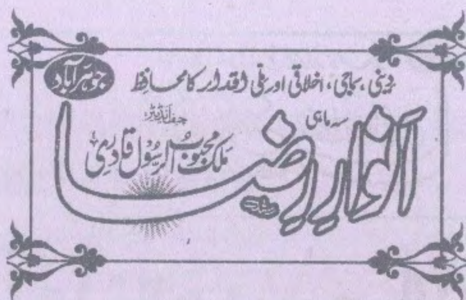
مرکز ابلاغِ توحید و رسالت

وہ فرزندِ حسن ہیں، بوترابی ہیں تعالیٰ اللہ — انہیں نورِ نگاہ تاجدارِ مرسلاں ﷺ کہیے

ہدایت ان سے لاکھوں گمرہانِ دہر نے پائی — انہیں دینِ محمد ﷺ کی صداقت کا نشان کہیے

زمینِ لاہور کی ہے دائمی آرام کہ اُن کی — فلک پایہ اسے کہیے، اے رشکِ جناں کہیے

(طارق سلطانپوری رحمۃ اللہ علیہ)



حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر

حسن ترتیب

عقیدۂ توحید کے فروغ میں

حضرت علی بن عثمان ہجویری کا کردار

ڈاکٹر محمد نعیم انور

حضرت سید علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور ومعروف کتاب "کشف المحجوب" کا پہلا جملہ ہی اثباتِ توحید کے لیے کافی وشافی ہے اور جس کے ذریعے آپ رحمۃ اللہ علیہ عقیدۂ توحید کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

"اے ہمارے رب اپنی بارگاہ سے ہم پر رحمتیں نازل فرما اور ہمارے معاملے میں ہمیں راہِ راست کی توفیق عطا فرما اور اللہ ہی ہر خوبی کا سزاوار ہے"۔(۱)

کتاب کا آغاز اور بیانِ توحید:

اب اس عبارت میں یہ جملہ خاص توحید کا حامل ہے کہ سب سے پہلا مخاطب اور پہلا کلمہ ہی توحید کا ہے کہ "اے ہمارے رب" یہ کلمہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدۂ توحید اور اس عقیدے کی تعلیمات کی مرکزیت کو واضح کرتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے جملہ معاملات کی ابتداء اور انتہاء اللہ ہی کے نام سے کرتے ہیں اور اُسی کو سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہیں۔

علاوہ ازیں رب کی رحمت کا ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی ہے کہ انسان کی ساری زندگی رب کی رحمت ہی سے ہے، زیست خسارہ ہی خسارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موحد اولیاء ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے رب کی رحمت کے طلب گار ہوتے ہیں اور ان کی دعائیں اور مناجات اسی کی طلب میں رہتی ہیں۔ اولیاء اللہ کے نزدیک انسانی زندگی دلوں کی زندگی سے ہے۔

مُردہ دلوں کی زندگی ذکر توحید سے ہے:

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اپنی بے نیازی اور کبریائی کے انوار کے ادراک سے مُردہ دلوں کو زندگانی عطا کرتا ہے اور اپنے اسماء کی مہک کے ساتھ معرفتِ الٰہی کی خوشبو سے انہیں لطف اندوز ہونے کے مواقع فراہم کرتا ہے"۔(۲)

اس عبارت کے ذریعے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کیا ہے کہ توحید ایک زندہ قوت اس وقت بنتی ہے جب باری تعالیٰ اپنے بندوں کے مُردہ دلوں کو اپنے ذکر سے زندہ کر دیتا ہے اور بندوں کے دلوں پر اُس کی معرفت کی بارش برستی ہے اور اس کے انوارِ ذات اور تجلیاتِ صفات کا نزول ہوتا ہے تو وہ دل یادِ الٰہی سے جگمگا اُٹھتے ہیں، وہ برباد دل آباد ہو جاتے ہیں، یوں خالی خولی دل ذکرِ الٰہی کی لذت اور معرفت پاتے ہیں اور بندگی کا مقصود اور اس کا کمال خود معرفتِ الٰہی ہی کی منزل ہے، جو انسان کو اللہ کی چاہت اور طلب سے میسر آتی ہے۔

جب انسان اس مقام پر پہنچتا ہے تو وہ اپنے ربّ سے دور نہیں بلکہ اس کی قربت میں آ جاتا ہے اور اپنے ظاہر اور باطن میں اُس کی راہنمائی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

عمل استخارہ علامتِ توحید ہے:

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اسی لیے فرماتے ہیں کہ کتاب لکھنے کی فرمائش ہوئی لیکن میں نے اس وقت تک نہیں لکھی جب تک اللہ کی بارگاہ سے راہنمائی بصورتِ استخارہ نہیں لے لی۔ مزید برآں فرماتے ہیں: اے طالب! تو نے مجھ سے سوال کے ذریعہ اس کتاب کی درخواست کی تو میں نے استخارہ کیا اور خود کو دلی واردات اور باطنی القاء کے حوالے کر دیا۔ (جب استخارہ میں اذنِ الٰہی حاصل ہو گیا) تو میں نے تمہارے مقصد برآری کی خاطر اس کتاب کے لکھنے کا عزمِ صمیم کر لیا۔(۳)

استخارہ جہاں عمل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے وہاں اولیاء اللہ کا توحید پر استقامت کے باب میں ایک دائمی عمل بھی ہے اور یہی عمل زندگی میں بار بار اُن کو توحید کے

جلووں سے آشنا کرتا ہے اور اللہ کی ذات پر اُن کے ایمان کو پختہ کرتا ہے اور معرفت اور قربت الٰہیہ کے نئے نئے درجات میں ان کی ترقی کا باعث بنتا ہے۔

توحید، استعانت و توفیق طلبی کا نام ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ" (۴)

توحید دو چیزوں سے مستحکم و مضبوط ہوتی ہے: ایک استعانت الٰہیہ سے اور دوسری توفیق الٰہیہ سے۔ استعانت لسانی، قولی مدد و نصرت کی دعا ہے اور توفیق، عملی مدد و نصرت کی صورت ہے۔ اولیاء اللہ کا یہی وظیفۂ حیات رہتا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے عمل صالح کی توفیق چاہتے ہیں۔ نہ مانگنے میں کمی کرتے ہیں اور نہ عمل صالح کی خواہش سے پیچھے ہٹتے ہیں۔ ان دو چیزوں پر مواظبت اور ہمیشگی اختیار کر کے اپنے تعلق بندگی کو نہ صرف پختہ کرتے ہیں بلکہ اپنے تصورِ توحید پر استقامت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (۵)

"عمل صالح پر استقامت اللہ کی رحمت کا باعث بنتی ہے اور یہی رحمت ایک ناقابل تسخیر قوت بنتی ہے"۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝" (۶)

یہی ان کی شناخت اور طاقت بن جاتی ہے۔ اس لیے حضرت علی بن عثمان ہجویری فرماتے ہیں:

"بعدہٗ، اللہ سے استعانت توفیق کی استدعا ہے کہ وہ نوشتہ کو تمام وکمال کرنے میں مدد فرمائے، اظہار و بیان اور نوشت میں اپنی اپنی قوت و طاقت پر اعتماد اور بھروسہ کرنا درست نہیں"۔ (۷)

گویا استعانت اور توفیق طلبی کا عمل اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کو توحید کے باب میں ہر حال میں اللہ پر متوسل بنا دیتا ہے۔ حال کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کا توسل اللہ کی ذات پر بڑھتا چلا جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ"۔

میں نے جو یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ سے استعانت کرتا ہوں اور اس سے توفیق کی استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس نوشتہ کو مکمل کرنے میں میری مدد فرمائے تو اس سے مراد یہ ہے کہ بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ناصر و مددگار نہیں ہے۔ وہی ہر نیکی و بھلائی کا معین و مددگار ہے اور زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرماتا ہے۔ حقیقی توفیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے ہر عمل میں بالفعل تائید فرمائے اور اس عمل پر اسے اجر و ثواب کا مستحق بنائے، توفیق کی صحت و درستگی پر کتاب وسنت اور اجماع امت شاہد و ناطق ہے۔

مشائخ طریقت کی ایک جماعت کہتی ہے کہ توفیق اس قدرت کا نام ہے جو بوقت استعمال نیکیوں پر حاصل ہوتی ہے۔ مزید برآں فرماتے ہیں کہ بندہ جو خدا کی عطا کردہ قوت سے طاعت و نیکی بجالاتا ہے۔ اس کو توفیق کہتے ہیں۔ (۸)

توحید کی معرفت خود سپردگی میں ہے:

اولیاء اللہ کا عقیدۂ توحید یہ ہے کہ وہ اپنے جملہ معاملاتِ حیات، اپنے شب و روز اور اپنی زندگی کے تمام تصرفات، حتیٰ کہ اپنی تمام تر خواہشات اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور ان کا وظیفۂ حیات یہ کلمات ہوتے ہیں:

"وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ" (۹)

اس لیے حضرت علی بن عثمان ہجویری اپنی کتاب کی نوشت کے لیے استخارے کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ استخارہ اس لیے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور آپ کے اصحاب کو اسے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ علاوہ ازیں استخارہ اس آیت کریمہ، کی بنا پر بھی کہا جاتا ہے، جس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝" (۱۰)

معرفتِ توحید کے لیے زادِ راہ:

سید علی ہجویری فرماتے ہیں کہ "استعاذہ، استخارہ اور استعانہ سب ایک ہی مفہوم و معنی رکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کے سپرد و حوالہ کر کے ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ

رہنے کے لیے اس سے مدد حاصل کرو"۔ (۱۱)

آپ نے یہ تین الفاظ استعمال کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ اولیاء اللہ راہ توحید پر جب چلتے ہیں تو تین تصورات کو اپنے ذہن میں رکھتے ہیں:

سب سے پہلا استعاذہ ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ ایک موحد سب سے پہلے اللہ کی پناہ میں آتا ہے۔ جب وہ خود کو تمام تر خطرات و خدشات سے محفوظ کر لیتا ہے تو پھر اس کی دوسری منزل استخارہ کی ہے۔ اب وہ اپنے استخارے سے اللہ کی حفاظت و پناہ میں آ کر راہنمائی اور ہدایت طلب کرتا ہے۔ اب یہ ہدایت صرف اور صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد تیسرا مرحلہ یہ آتا ہے کہ بندہ اس ہدایت پر عمل کر کے اپنے رب کی طرف سے متوجہ ہوتا اور عرض گزار ہوتا ہے کہ مولا! میں تیری پناہ وحفاظت میں آ گیا، اور اب تیری طرف سے ہدایت بھی پا گیا ہوں۔ مولا! اب اس ہدایت کو میرے لیے متحسن کر دے اور اس ہدایت کو میرا عمل بنا دے اور یہ مرحلہ تیری توفیق و مدد اور استعانت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مولا! میں تیرے در پر پڑا ہوں اور سراپا تیری مدد و استعانت چاہنے والا ہوں۔ راہِ توحید کے مسافر کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی فکری زادِ راہ نہیں ہے۔

انسانی زندگی کا مقصود توحید کی معرفت ہے:

مزید برآں فرماتے ہیں کہ:

"یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو محل حجاب بنایا ہے تا کہ اپنے اپنے عالم میں ہر طبیعت حق تعالیٰ کے فرمان سے سکون و قرار حاصل کر سکے اور اپنے وجود کو اس توحید میں گم کر دے مگر انسان اس دنیا میں آنے کے بعد ظالم و نادان بن گیا"۔ (۱۲)

"اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝" (۱۳)

"رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا پھر اس پر روشنی ڈالی (۱۴)۔ فرماتے ہیں پھر یہ حجاب اس جہاں میں اس کی اختیار طبع بن گیا اور اس نے جہل و نادانی کو نہ صرف پسند کیا بلکہ ان حجابات کا دل و جان سے خریدار و متوالا بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جمالِ کشف سے بے خبر اور اسرارِ الٰہی کی تحقیق سے بے پرواہ بن گیا اور وہ عارضی مسکن میں خوش

رہ کر اپنی حقیقی فلاح ونجات سے غافل ہوگیا۔ اس طرح وہ توحید سے بے علم، جمالِ احدیت سے بے خبر اور ذائقۂ توحید سے ناآشنا ہوگیا ہے"۔(۱۵)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اولیاء اور صلحاء کا مقام یہ ہے وہ توحید کے علم سے، جمالِ احدیت کے جلوؤں سے اور توحید کے ذائقے سے انسانوں کو آشنا کرتے ہیں۔ گویا وہ توحیدِ قال سے توحیدِ حال کی طرف سفر کرتے ہیں اور توحیدِ علم سے توحیدِ مشاہدہ کے کیف سے آشنا ہوتے ہیں۔ توحیدِ خیال سے توحید جمال کی طرف آتے ہیں اور توحید کو ایک ذائقہ اور ایک عملی کیفیت اور ایک تجربی حقیقت سے آشنا کرتے ہیں۔

شرک پرستی میں انسانی نفس کا کردار:

تاریخ انسانی میں توحید کی حقیقت پر شرک کا رنگ، انسان کی نفسانی خواہشات کی وجہ سے بڑھا ہے۔ انسانی نفس نے انسان سے بڑے بڑے گناہ کرائے ہیں، اور ان گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ، شرک کا ہے۔ نفس کا برائی میں یہ بُرا انجام بھی ہے اور اس کی ظالمانہ انتہا بھی۔ اس لیے باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

"اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ "(۱۶) بے شک نفس برائی کا زبردست حکم کرنے والا ہے۔

گویا برائیوں کی آماجگاہ اور معصیتوں کا منبع نافرمانیوں اور شرک پرستیوں کی منتہاہ، نفس امارہ ہے اور دوسری سمت یہی نفس جب شر اور سوء کو ترک کر دیتا ہے اور خطا و فساد سے تائب ہوجاتا ہے، اپنا تزکیہ وتطہیر کر لیتا ہے، تو یہ نہ صرف رشکِ ملائک بنتا ہے بلکہ کمال بندگی کا اعزاز پاتا ہے اور اللہ کی رضا کا حامل ٹھہرتا ہے اور رضوان من اللہ اکبر اس کی پہچان ٹھہرتی ہے۔(۱۷)

اور باری تعالیٰ ایسے ہی نفس کو بہت پیار بھرے انداز میں ندا دیتا ہے کہ:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (۱۸) نفس اگر اپنی باطل اور مشرکانہ خواہشات سے رک جائے تو توحید کا سماں ہر طرف

پیدا ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم یہی تصور انسان کو نفس کی تربیت اور طہارت کے حوالے سے دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ (۱۹)

اور جس بندے نے نفس کو خواہشات سے باز رکھا تو جنت اس کا مسکن ہے۔

گویا نفس اپنی سب سے بڑی برائی شرک سے رکتا ہے تو اس پر توحید کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور توحید ایک زندہ حقیقت بن کر اثبات کی صورت میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔

توحید کا اثبات قرآنی دلائل کی رُو سے:

توحید کے اثبات کے ذیل میں خود حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش توحید ذات اور توحید صفات پر دلائل دیتے ہیں۔ آیاتِ قرآنی کی روشنی میں توحید ذات پر دلائل دیتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

"ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (۲۰)

"جان لو یقیناً اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ (۲۱)

"جان لو یقیناً اللہ ہی تمہارا مولیٰ اور کارساز ہے"۔

مزید برآں فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ (۲۲)

"کیا تم نے اپنے رب کی قدرت کی طرف نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیسا دراز کیا"۔

اور ارشاد فرمایا:

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ (۲۳)

کیا اونٹ کی طرف نظر نہیں کرتے کہ کیسے پیدا کیا گیا۔

اور توحید ذات پر سب سے بڑی دلیل دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۝(۲۴) کوئی شے اس کی مثال نہیں، وہی سننے، دیکھنے والا ہے۔

توحید صفات پر دلائل دیتے ہوئے آپ کشف المحجوب میں رقمطراز ہیں:

اس حوالے سے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝(۲۵) بے شک وہی سینوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر فرمایا:

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝ (۲۶) اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۝ (۲۷) وہی سننے، دیکھنے والا ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۝(۲۸) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (۲۹) وہی زندہ و باقی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ(۳۰) اس کا کلام سچا اور اسی کی بادشاہت ہے۔

شرک انسانوں میں کیسے آتا ہے۔ اس حقیقت کو منکشف کرتے ہوئے آپ "کشف المحجوب" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"العجز عن درک الادراک ادراک والوقف فی طرق الاخیار اشراک"(۳۱)

"علم کے ادراک سے عاجز رہنا ہی علم و ادراک ہے۔ نیکیوں کی راہ سے ہٹ جانا شرک کے برابر ہے"۔

اس شعر کے ذریعے آپ نے شرک کے تصور کو عام فہم انداز میں واضح کر دیا کہ شرک، نیک اور صالح اور منعم لوگوں کی راہ سے ہٹنا ہے اور صراط مستقیم کو چھوڑنا ہے۔ اس لیے باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں توحید پرست اور انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ؕ (۳۲)

"اللہ کے انعام یافتہ بندے اللہ ہی کی خبر دیتے ہیں اور اسی کی معرفت اور قربت سے آشنا کرتے ہیں اور اسی کی بندگی کا اصرار کرتے ہیں اور اسے ہی وحدہ لاشریک ماننے کی تبلیغ کرتے ہیں"۔

کشف المحجوب کی روح بیانِ توحید ہے:

کشف المحجوب کا مکمل طور پر مطالعہ کرلیں، آپ کے سارے بیانات سے ایک چیز بڑی واضح طور پر محسوس ہوتی ہے وہ ہے روحِ توحید۔ بیانِ فقر ہو یا بیان تصوف، صوفیاء کے حالات زندگی کا تذکرہ ہو اور یا ان کی تعلیمات کا ذکر، کبھی ان کے اوصاف حمیدہ میں اور کبھی ان کے معاملات کے بیان میں، حتیٰ کہ کبھی ان کے لباس وملبوسات کے اظہار میں، کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا تذکرہ کرتے ہیں اور کبھی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے احوال کا، اسی طرح کبھی ائمہ اہلبیت رضی اللہ عنہم کا ذکر کرتے ہیں۔ کبھی اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کا، کبھی تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا بیان ہے۔ کبھی تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا ذکر ہے۔ کبھی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے۔ کبھی اولیاءِ کبار کا تذکرہ ہے۔ کبھی تصوف میں مختلف فرقوں کے احوال کا بیان ہے، کبھی ایثارِ نفس کی بات ہے اور کبھی تزکیۂ نفس کا ذکر ہے اور کبھی ولایت اور مقامِ ولایت کا تذکرہ اور کبھی کرامت کے اثبات کا بیان ہے اور کبھی واقعات وکراماتِ اولیاء کے حسین تذکرے ہیں۔ کبھی فنا وبقا کی بات ہے اور کبھی جمع وتفرقہ کی بات ہے۔ کبھی معرفت کا بیان ہے اور کبھی مکشوفاتِ ثامنہ کا ذکر ہے۔ ان میں سے کشف معرفتِ توحید، محبت، توبہ، زکوۃ، روزہ، حج، صحبت کے آداب، حال اور مقام حال کا بیان ہے اور آخری بحث سماع کے جواز اور آداب سے متعلق ہے۔

غرضیکہ پوری کتاب کا ایک ایک نقطہ بالواسطہ اور بلاواسطہ جس حقیقت کو عیاں اور ثابت کرتا ہے، وہ توحید ہی ہے۔ اب ہم کتاب کے چیدہ چیدہ مقامات سے اس بات کو دلائل وحقائق کے پیمانے میں ثبوت وتحقیق کے دھارے تک لاتے ہیں۔

فقراء اور بیانِ توحید:

فقر کے باب میں بیان کرتے ہیں کہ ماسویٰ اللہ سے دل کو فارغ رکھنے کا نام فقر ہے۔(۳۳) مزید برآں قرآنِ کریم سے اس پر دلیل اس آیت سے لاتے ہیں:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ اے لوگو، تم خدا کے محتاج ہو۔ (۳۴)

فقیری اور فقر میں نکتۂ کمال کیا ہے۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شبلی کا قول نقل کرتے ہیں۔

"فقیر وہ ہے جو اللہ کے سوا کسی چیز میں راحت نہ پائے"(۳۵)

اور حضرت جنید بغدادی نے اولیاء فقراء کی پہچان ہی توحید اور معرفتِ توحید کو قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اے گروہِ فقراء! تم لوگوں میں اللہ والوں کی حیثیت سے جانے جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے تمہاری تعظیم کی جاتی ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہائی میں ہو تو اپنا جائزہ لیا کرو کہ فی الواقع تمہارے تعلق باللہ کا کیا حال ہے"۔(۳۶)

تصوف اور ذکرِ توحید:

تصوف کیا ہے اور ایک صوفی کی کیا پہچان وشناخت ہے، اس حوالے سے حضرت شبلی کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

الصوفی لایری فی الدارین مع اللہ غیر اللہ۔(۳۷) "صوفی وہ ہے جو دونوں جہانوں میں بجز ذات الٰہی کے کچھ نہ دیکھے"۔

گویا ایک صوفی ومتصوف کا مقصود دونوں جہانوں میں اللہ کی معیت، قربت اور معرفت کو پانا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنا تزکیۂ نفس کرتا ہے۔ صغائر اور کبائر سے بچتا ہے، حرام وممنوعات سے اعراض کرتا ہے، خود کو سراپا تعمیل احکامِ الٰہیہ بناتا ہے، نفس کو تمام رذائل سے پاک کرتا ہے، اور تزکیۂ نفس کی منزل حاصل کرتا ہے تاکہ اس کا دل معرفتِ الٰہی کا حامل

ٹھہرے ۔اسے عرفانِ ذات سے عرفانِ الٰہی کی منزل حاصل ہو، جب اس مقام پر انسان پہنچتا ہے وہ سراپا حسنِ اخلاق بن جاتا ہے۔

اس لیے حضرت مرتعش فرماتے ہیں:

التصوف حسن الخلق ۔(۳۸) اخلاق حسنہ کو اپنانے کا نام تصوف ہے۔

اسی حقیقت کو حضرت ابوعلی قزوینی بیان کرتے ہیں:

التصوف ھو الاخلاق الرضیۃ (۳۹) پسندیدہ اور محمودہ افعال واخلاق کا نام تصوف ہے۔

آئمہ طریقت اور بیانِ توحید:

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ تابعین میں سے ہیں اور حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ طریقت اور طبقہ تابعین میں سر فہرست ان کا ذکر کیا ہے، ان کے نزدیک توحید کی اہمیت یہ ہے۔فرماتے ہیں:

السلامۃ فی الوحدۃ (۴۰) سلامتی توحید ہی میں ہے۔

توحید کی یہ معرفت کس کو حاصل ہوتی ہے، اس دولتِ معرفت کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے اور کون لوگ اس نعمت کو پانے والے ہو سکتے ہیں، ان کے لیے معیار یہ ہے کہ:

لان الوحدۃ صفۃ عبد صاف (۴۱) وحدت وتوحید صاف دل بندے کو میسر آتی ہے۔

اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ کافی وشافعی ہوتا ہے ۔اس لیے فرمایا:

الیس اللہ بکاف عبدہ (۴۲) کیا اللہ بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔

حضرت ذوالنون مصری توحید کے باب میں بیان کرتے ہیں کہ:

العارف کل یوم اخشع لانہ فی کل ساعۃ من الرب اقرب (۴۳) خشیتِ الٰہی میں عارف کا ہر لحظہ بڑھ کر ہے، اس لیے کہ اس کی ہر گھڑی رب سے زیادہ قریب ہے۔

حضرت سعید بن مسیب کے پاس مکۃ المکرمہ میں ایک شخص آیا اور آکر سوال کیا

ہے کہ مجھے ایسا حلال بتائیے جس میں حرام کا شائبہ تک نہ ہو اور مجھے ایسا حرام بتائیے جس میں حلال کا شک تک نہ ہو۔ آپ نے اس سوال کا یوں جواب دیا:

ذکر الله حلال لیس فیه حرام . ذکر غیره حرام لیس فیه حلال (۴۴)

اللہ کی توحید کا ذکر ایسا حلال ہے جس میں حرام کا شائبہ بھی نہیں اور توحید کے علاوہ غیر اللہ کا ذکر ایسا حرام ہے جس میں ذرہ بھر حلال نہیں۔

اولیاء اللہ زبان سے ذکر توحید اور ذکر الٰہی کے علاوہ کسی اور ذکر کو نہ پسند کرتے ہیں اور نہ ہی زندگی میں اس کے قریب جاتے ہیں بلکہ اس سے اس طرح بچتے ہیں جس طرح انسان حرام سے بچتا ہے اور ذکر توحید کو اس طرح ہمہ وقت اختیار کرتے ہیں جس طرح انسان ہر کھانے میں حلال کو اختیار کرتا ہے۔

حضرت منصور بن عمار بیان کرتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی بارگاہ میں محتاج بن جائے، اس کے دَر ہی کا حاجت مند بن جائے، اپنے ظاہر و باطن میں اُسی کی طرف متوجہ ہو جائے، بقیہ ساری دنیا سے بے نیاز ہو جائے اور اُس کی نیاز مندی کو اپنی سعادت مندی اور خوش بختی جانے۔ آپ بیان کرتے ہیں:

الناس مفتقر الی الله ومن هو افتقاره الیه واستغنائه به عن غیر ۔(۴۵)

لوگ رب کی طرف محتاج ہوتے ہیں جو اس کی طرف اخلاص سے محتاج ہوتا ہے وہ غیروں سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو جاتا ہے۔

ایک ہی چیز ہے جو انسان کو دو عالم سے بے نیاز کرتی ہے وہ ہے توحید کی قوت، اور وہ اللہ کا ذکر ہے اور وہ رب کی طرف انسان کی رغبت ہے اور انسان کا اپنے مولا سے واصل ہونا ہے، جسے توحید کے جام سے وصالِ الٰہی کی منزل حاصل ہو جاتی ہے وہ پھر کسی کو اپنے خاطر قلب میں نہیں لاتا۔

حضرت ابو علی محمد بن قاسم رودباری بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی توحید کی معرفت اور ادراک میں انسان کے دو مقام ہیں: پہلا مقام "مرید" کا ہے اور دوسرا مقام "مراد" کا ہے۔ آپ

ان دونوں مقامات کی وضاحت ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

المرید لا یرید لنفسه الا ما اراد الله له والمراد لا یرید من الکونین شیئا غیره (۴۶)

مرید وہ ہے جو اپنے لیے کچھ نہ چاہے بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ اس کے لیے چاہے اور "مراد" وہ ہے جو دونوں جہانوں میں خدا کے سوا کسی چیز کو نہ چاہے۔

اسی حقیقت کو حضرت ابوالعباس قاسم بن مہدی سیاری بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

التوحید ان لا یخطر بقلبک ما دون توحید (۴۷)

توحید یہ ہے کہ دل میں حق تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا تصور نہ ہو۔

دل، جو مرکز خواہشات ہے، دل جو منبع خیالات ہے، دل جو مصدرِ تصورات ہے، دل جو مخرجِ نظریات ہے، اگر یہ دل اعتقاداتِ توحید سے آراستہ و پیراستہ ہو جائے تو شرک کی ہر صورت سے نیست و نابود ہو جائے حتیٰ کہ دل ذکر الٰہی میں نہ صرف جاری ہو جائے بلکہ اسی میں محو اور فنا ہو جائے" تو یہ توحید کا وہ مقام ہے جہاں دل میں سوائے اللہ کے کسی کی یاد نہیں ہوتی اور زبان پر کسی غیر اللہ کا تذکرہ نہیں ہوتا، اور یوں وہ نفس و طبیعت کی ہر خواہش کو توحید کے تابع کر دیتا ہے۔

اسی حقیقت کو حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف یوں بیان کرتے ہیں:

التوحید الاعراض عن الطبیعة (۴۸)

طبیعت کا خواہشات سے منہ موڑنے ہی میں توحید کا قیام ہے۔

طبیعت اور نفسانی خواہشات انسان کے لیے توحید کے باب میں حجاب بن جاتی ہیں۔ اگر انسان اسی طبیعت اور خواہشات کو توحید کے تابع کرے تو تبھی بندہ، بندۂ رحمان بنتا ہے وگرنہ توحید سے دور اور شرک پرستی کے ذریعے وہ بندہ، بندۂ شیطان بنتا ہے۔

توحید کا جامع بیان:

کشف المحجوب میں حضرت علی بن عثمان ہجویری قرآن حکیم، احادیث نبویہ اور اقوالِ

آئمہ کے تناظر میں مدلل اور جامع بحث کرتے ہیں، قرآن حکیم سے دلائل کا تذکرہ کرتے ہیں۔ شرک کی نفی کرتے ہوئے اور توحید کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اس آیت کریمہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ (۴۹) تم دو معبود نہ بناؤ بلاشبہ معبود ایک ہی ہے۔

مزید برآں اس آیت کی طرف متوجہ کرتے ہیں جس میں باری تعالیٰ صیغہ تخاطب سے مخاطب ہوتے ہوئے اعلان کرتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ (۵۰) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس آیت کے ذریعے واضح کرتے ہیں کہ توحید "الہ واحد" کا نام ہے۔ پھر الہ واحد کی تفسیر سورۃ التوحید کی اس آیت سے کرتے ہیں کہ الہ واحد کا مصداق کون ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ (۵۱) تم فرمادو کہ اللہ اکیلا ہے۔

اس آیتِ کریمہ نے عقیدۂ توحید کو تمام ترجہات سے واضح کر دیا ہے کہ عقیدۂ توحید لفظ "قل" سے رسالت کی زبان کے ذریعے معبودیت کے باب میں اللہ رب العزت کے لیے اعلانِ احدیت ہے، اب عقیدۂ توحید قرآن کی زبان میں "ھو اللہ احد" ہے، جو کوئی اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کی ذات میں احد مانتا ہے اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کی صفات میں احد جانتا ہے، وہ موحد ہے، توحید پرست ہے۔ اللہ رب العزت کو احد، ذات اور صفات میں ماننے سے شرک کی تمام صورتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور احد کے اقرار سے توحید اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ احد کے انکار سے شرک جنم لیتا ہے، احد کی شان پر ایمان ویقین رکھنے سے عقیدۂ توحید معرض وجود میں آتا ہے، اور یہ عقیدہ اپنے دامن میں اتنی بڑی نیکی رکھتا ہے کہ انسان کی بخشش ومغفرت اور دنیوی اور اُخروی نجات کے لیے یہ سب اعمال پر بھاری بھی ہے اور حتمی اور قطعی کامیابی کا ضامن بھی ہے۔

اس لیے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

بینما رجل فیمن کان قبلکم لم یعمل خیرا قط الاّ توحید فقال لاھله اذا امت فاحرقونی ثم استحقونی ثم ذرونی نصفی فی البر ونصفی فی البحر فی یوم رائج فقال عزوجل للریح والماء اجمعا ما أخذ تما فاذا ھو بین یدیہ فقال لہ ما حملك علی ما صفت فقال استحیاء منك فغفرلہ۔(۵۲)

تم سے پہلے ایک شخص گزرا ہے جس کی کوئی نیکی توحید کے سوا نہ تھی۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا پھر خاکستر کو خوب باریک کر کے تیز ہوا کے دن آدھا خشکی میں اور آدھا دریا میں بہا دینا۔ (گھر والوں نے ایسا ہی کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا اور پانی سے فرمایا: جو تم نے پھیلایا ہے ان سب کو اکٹھا کرو اور میرے حضور لاؤ۔ جب خدا کے حضور وہ پیش ہوا تو حق تعالیٰ نے اس سے فرمایا: تجھے کس چیز نے اپنے ساتھ ایسا سلوک کرنے پر آمادہ کیا؟ اس نے عرض کیا۔ خدایا! مجھے تیری حیاء دامن گیر تھی، (اس لیے میں نے اپنی جان پر ایسا ظلم کیا ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

بعد ازاں حضرت سید علی ہجویری توحید کی اقسامِ ثلاثہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "توحید کی پہلی قسم یہ ہے کہ جس میں خود حق تعالیٰ کے بارے میں جانا جائے کہ وہ اکیلا ہے، اور دوسری قسم یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی توحید ہے جو مخلوق کے لیے ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا کے حکم کو بندے توحید تسلیم کریں، اور تیسری قسم یہ ہے کہ مخلوق کی توحید خدا کے لیے، اس سے مراد یہ ہے کہ مخلوق یہ جانے کہ اللہ ایک ہے"۔ (۵۳)

پس ان تینوں اقسام میں وحدت اور احدیت کا نام "توحید" ہے۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری اپنی اس معرکۃ الآراء کتاب "کشف المحجوب" میں حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا قول توحید کے باب میں نقل کرتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں، توحید یہ ہے کہ:

اول قدم فی التوحید فناء التفرید (۵۴)
توحید میں پہلا قدم تفرید کا فنا کرنا ہے۔

تفرید میں توجہ، غیر اللہ کے اثبات کی طرف جا سکتی ہے۔ توحید میں سراسر وحدانیت کا تصور ہے، تفرید میں اشتراک ممکن ہے، جبکہ توحید میں شرک کی سراسر نفی ہی نفی ہے۔

توحید میں ایک مقام آتا ہے۔ حضرت محمد بن علی المعروف واستانی فرماتے ہیں:

التوحید عنك موجود وانت فی التوحید مفقود۔(۵۵)
"تم سے متعلق توحید موجود ہے لیکن تم توحید میں غیر موجود ہو، گویا کہ توحید میں یہ مقام فنائیت ہے"۔

التوحید عنك موجود: اس بیان میں توحید کا جامع ذکر کر دیا ہے، اور سب حقائق توحید کو بیان کر دیا ہے۔ دوسرے مصرعے میں توحید اپنے کمال پر دکھائی دیتی ہے۔ توحید میں کوئی موجود نہیں ہوتا۔ سوائے اللہ کے، پس اُسی اکیلے خدا کو جاننا اور ماننا توحید ہے۔

توحید کے باب میں تمام اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اور اولیاء کے سرتاج حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں، سب سے افضل اور جامع و مانع بیان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، جسے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان کرتے ہیں:

اشرف کلمة فی التوحید قول ابی بکر رضی اللّٰه عنه من لم یجعل لخلقه سبیلاً الی معرفة الا بالعجز عن معرفته۔(۵۶)
توحید کے بیان میں سب سے زیادہ، افضل و اشرف کلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ آپ فرماتے ہیں: پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو اپنی معرفت کی راہ یوں دکھائی کہ تم اس کی کامل معرفت سے عاجز ہو۔

اللہ کی ذات کا کامل ادراک انسان کے بس میں نہیں۔ اس لیے وہ اس کی کامل معرفت سے عاجز ہے۔ توحید کی معرفت کے باب میں بندہ کا کمال عجز ہے، بندے کو جب اپنی ذات کی معرفت ہوتی ہے تو اسے معرفتِ خدا نصیب ہو جاتی ہے، بالواسطہ معرفت کا حصول ممکن ہے جبکہ بلاواسطہ معرفت عجز لاتی ہے، جبکہ عارفانِ توحید کی راہ یہ ہے:

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ — جس نے اپنے نفس کی معرفت حاصل کر لی اُس نے خدا کی معرفت حاصل کر لی۔ (۵۷)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق توحید کی کامل معرفت عجز ہے۔اس لیے کہ توحید کی معرفتِ کامل میں خود حجاب الموحد حائل ہے۔اس لیے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

التوحید حجاب الموحد عن جمال الاحدیتہ (۵۸) — توحید، موحد کے لیے جمالِ احدیت سے حجاب ہے۔

ایک موحد کے یہ حجابات، عبادت وریاضت، زُہد وورع اور محنت ومجاہدہ سے دور ہوتے ہیں، وہ ذات اپنا عرفانِ توحید خود بندوں کو اُن کی استطاعت وصلاحیت کے مطابق عطا کرتی جاتی ہے۔جو جتنا اس کی معرفت میں مخلص ہوتا ہے، اس پر اسی قدر حجابات مرتفع ہوتے چلے جاتے ہیں۔بعض اولیاء اللہ کے نزدیک توحید علم ضروری کی طرح ہے۔

ابتداء میں حقیقتِ توحید، علمِ نظری اور علمِ کسبی کی حیثیت رکھتی ہے مگر رفتہ رفتہ یہ علمِ ضروری کی طرح ہو جاتی ہے۔یہ انسان کے دل میں موجود ہے مگر انسان اس کے حصول اور عدم حصول سے عاجز ہوتا ہے۔قرآن کریم اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے، توحید ایک زندہ حقیقت ہے جو تمہارے اندر موجود ہے: "وَفِيٓ أَنفُسِكُمۡۚ أَفَلَا تُبۡصِرُونَ" (۵۹)

خلاصۂ کلام:

اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم "وفی انفسکم" سے توحید کا سفر کرتے ہیں اور "سنریھم آیاتنا فی الافاق وفی انفسھم" کے دائرے میں توحید کے متلاشی رہتے ہیں۔لیکن یہ اللہ ہو کی ضربوں اور اللہ، اللہ کی صداؤں سے، ذکر جلی اور ذکر خفی کے نظاروں سے اپنی خلوت اور جلوت میں اُس کے مشاہدوں سے، دن کی روشنیوں اور رات کی ظلمتوں میں، اُس کی تجلیوں سے لا الٰہ کا سفر کرتے ہوئے الا اللہ تک پہنچتے ہیں، اور پھر اللہ ہی اللہ کے جلوؤں اور نظاروں میں کھو کر توحید کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔یوں توحید ان کی زندگی کا مرکز ومحور بن جاتی ہے۔ان کا قال بھی توحید سے آشنا ہے اور فعل بھی توحید کا آئینہ دار ہے اور حال بھی توحید کا عکاس ہے۔توحید کی حیثیت ان کی زندگی میں ایسے ہی ہے جیسے جسم میں روح کو حاصل ہے۔جسم کی حیات

روح سے ہے، اولیاء اللہ کی حیات توحید کی مے کشی میں ہے، ان کی حیات کا پل پل توحید سے معمور ہے، ان کی حیات سے صادر ہونے والی تعلیمات توحید سے مزین ہیں، ان کی دعوت توحید، ان کی مجلس توحید، ان کا قول توحید، ان کا فعل توحید، ان کا حال توحید، حتی کہ ان کی ساری حیات توحید، اور ان کی تعلیمات توحید حتیٰ کہ ان کے فیوضات اور تصرفات توحید کی قوت سے مملو ہوتے ہیں۔ ان کی تو پہچان ہی توحید سے ہے، اس لیے یہ ہر چیز سے کٹ کر اُس سے جڑے رہتے ہیں، اور انہیں بھی پھر دنیا کے کسی رشتے، کسی تعلق اور کسی قرابت سے وہ علاقہ نہیں ہوتا جو انہیں اپنے رب سے ہوتا ہے۔ یہ اس کی توحید کے نشے میں اس کے حکم پر، ہر کسی سے کٹتے ہیں اور اُس سے جڑتے ہیں۔ ان کا وظیفۂ حیات ان آیات کا حامل ہوتا ہے:

"اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا" (سورہ احزاب: ۴۱)

اور وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا۔ (سورہ مزمل: ۸)

اولیاء اللہ تو توحید میں کامل معرفت کے لیے اپنے وجود کو بھی نیست میں تبدیل کرتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کے وجود سے عدم کی طرف سفر کرتے ہیں اور وہ اپنی ہستی کے ہست سے نیست کی طرف راغب ہوتے ہیں وہ توحید میں فنا ہو کر بقائے دوام کی منزل حاصل کرتے ہیں۔ وہ بظاہر چلے جاتے ہیں مگر توحید پر ان کی ثابت قدمی اور توحید میں ان کی فنائیت ان کو ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں زندہ رکھتی ہے۔ توحید کے ساتھ ان کا یہ وہی تعلق ہے جو ان کو حیاتِ جاوداں سے نوازتا ہے، ہر دل میں ان کو محبوب کرتا ہے، ہر دل ان کی طرف کھینچتا ہے۔ یہ دنیا سے رخصت ہو کر بھی توحید کی شمع اپنے فیض و تعلیمات سے فروزاں کرتے رہتے ہیں۔ انسانیت ان کو پڑھتی ہے اور ان کے احوالِ حیات کو لکھتی ہے اور ان کے انوارِ سیرت سے معرفتِ توحید کے جام پیتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ الہجویری، علی بن عثمان، المشہور بہ داتا گنج بخش، "کشف المحجوب مترجم غلام معین الدین نعیمی، قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ، لاہور، دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۲۷۔

۲۔ ایضاً ص ۲۷۔ ۳۔ ایضاً ص ۲۸۔

۴۔ سورہ الفاتحہ، آیت: ۱۔ ۵۔ سورہ فصلت، آیات: ۳۰،۴۱۔
۶۔ سورہ الاعراف، آیت: ۵۶۔
۷۔ الہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب مترجم غلام معین الدین، ص ۲۸
۸۔ سورہ الطلاق، آیت: ۳، کشف المحجوب، ص ۴۱ ۔ ۹۔ سورہ غافر، آیت: ۴۴۔
۱۰۔ سورہ النحل، آیت: ۹۸۔ ۱۱۔ کشف المحجوب، ص ۳۰۔
۱۲۔ ایضاً۔ ۱۳۔ سورہ الاحزاب، آیت: ۷۲۔
۱۴۔ جامع ترمذی، ج ۲ ۱۵۔ کشف المحجوب، ص ۴۶۔
۱۶۔ سورہ یوسف، آیت: ۵۳۔ ۱۷۔ سورہ التوبہ، آیات: ۷۲،۹۔
۱۸۔ سورہ الفجر، آیت: ۲۸۔ ۱۹۔ سورہ النازعات، آیت: ۴۱۔
۲۰۔ سورہ محمد، آیت: ۱۹۔ ۲۱۔ سورہ الانفال، آیت: ۴۰
۲۲۔ سورہ الفرقان، آیت: ۴۵۔ ۲۳۔ سورہ الغاشیہ، آیت: ۱۷۔
۲۴۔ سورہ الشوریٰ، آیت: ۱۱۔ ۲۵۔ سورہ الانفال، آیت: ۴۳۔
۲۶۔ سورہ آل عمران، آیت: ۲۹۔ ۲۷۔ سورہ الشوریٰ، آیت: ۱۱۔
۲۸۔ سورہ ہود، آیت: ۱۰۷۔ ۲۹۔ سورہ المومن، آیت: ۶۵۔
۳۰۔ سورہ الانعام، آیت: ۷۳۔ ۳۱۔ کشف المحجوب، ص ۶۰۔
۳۲۔ سورہ النساء، آیت: ۴۹۔ ۳۳۔ کشف المحجوب، ص ۶۷۔
۳۴۔ سورہ فاطر، آیت: ۱۵۔ ۳۵۔ کشف المحجوب، ص ۶۹۔
۳۶۔ ایضاً، ص ۷۱۔ ۳۷۔ ایضاً، ص ۷۳۔
۳۸۔ ایضاً، ص ۸۸۔ ۳۹۔ ایضاً، ص ۸۹۔
۴۰۔ ایضاً، ص ۱۴۵۔ ۴۱۔ ایضاً، ص ۱۴۵۔
۴۲۔ ایضاً، ص ۱۴۶۔ ۴۳۔ ایضاً، ص ۱۶۷۔
۴۴۔ ایضاً، ص ۱۵۰۔ ۴۵۔ ایضاً، ص ۱۹۹۔
۴۶۔ ایضاً، ص ۲۳۸۔ ۴۷۔ ایضاً، ص ۲۳۸۔
۴۸۔ ایضاً، ص ۲۳۹۔ ۴۹۔ سورہ النحل، آیت: ۵۱۔
۵۰۔ سورہ البقرہ، آیت: ۱۶۳۔ ۵۱۔ سورہ الاخلاص، آیت: ۱۔
۵۲۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ ۵۳۔ کشف المحجوب، ص ۳۹۷۔
۵۴۔ ایضاً، ص ۳۹۸۔ ۵۵۔ ایضاً، ص ۲۴۶۔
۵۶۔ ایضاً، ص ۴۰۲۔ ۵۷۔ ایضاً، ص ۴۰۳۔
۵۸۔ ایضاً، ص ۴۰۳۔ ۵۹۔ سورہ الذاریات، آیت: ۲۱۔

سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پابندی

کشف المحجوب کی روشنی میں

محقق العصر حضرت مفتی محمد خان قادری

سنت کے بارے میں دو چیزوں کا جاننا نہایت ضروری ہے:

۱۔ سنت وحی الٰہی ہے۔ ۲۔ سنت مستقل ماخذ قانون ہے۔

۱۔ سنت کا وحی ہونا:

واضح رہے کہ صرف قرآن ہی وحی الٰہی نہیں بلکہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وحی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن وحی جلی اور سنت وحی خفی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۝ | یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواہش نفس سے نہیں بولتے، ہاں جب بھی بولتے ہیں تو ان کا بول کلام الٰہی ہوتا ہے۔ (النجم: ۳۔۴: ۵۳)

اس آیت کریمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام، نطق اور گفتگو کو بھی وحی الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

الاوانی اوتیت القرآن ومثلہ | مجھے قرآن اور اس کی مثل عطا کیا گیا ہے۔

یہاں مثل سے مراد سنت ہے۔ آج تک تمام امتِ مسلمہ کو وحی تسلیم کرتی رہی ہے۔ اس پر دو تصریحات ملاحظہ کر لیجئے۔

۱۔ مشہور تابعی حضرت حسان بن عطیہ (المتوفی ۱۱۲ھ) فرماتے ہیں کہ قرآن کے علاوہ سنت کا نزول بھی اللہ کی طرف سے ہے بلکہ بذریعہ جبرائیل امین ہی اس کا نزول ہوا۔

كان جبرائيل عليه السلام فينزل على رسوله بالسنة كما ينزل عليه بالقرآن

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر سنت اس طرح لے کر نازل ہوتے جس طرح قرآن لے کر آتے تھے۔

(جامع بیان العلم لابن عبدالبر)

۲۔ امام الحرمین الجوینی (المتوفی ۴۳۴ھ) وحی الٰہی کی تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس کی دو اقسام ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام کو حکم ہوتا فلاں بات سے حضور ﷺ کو آگاہ کرو اس میں الفاظ کا نزول نہیں ہوتا تھا اور دوسری قسم یہ تھی کہ جبریل امین علیہ السلام کو حکم ہوتا یہ الفاظ وکلمات بعینہٖ حضور ﷺ کے پاس لے جاؤ۔

القرآن هو القسم الثاني والقسم الاول هو سنة۔

"دوسری قسم قرآن ہے اور پہلی قسم کو سنت کہا جاتا ہے۔"

(الاتقان:۴۴)

۲۔سنت مستقل ماخذ قانون ہے:

جب سنت کا وحی ہونا ثابت ہوگیا فرق صرف جلی اور خفی کا ہے تو اب جس بنیاد پر قرآن کو ماخذِ قانون تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح سنت کو بھی کھلے دل سے احکام میں ماخذِ قانون ماننا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام نے ہمیشہ سنت کو احکام وقوانین کے ثبوت کے لیے مثبت ومستقل مانا۔ علامہ شوکانی سنت کو قرآن ہی کی تشریع احکام میں مستقل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تمام اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے۔

ان السنة المطهرة مستقلة بتشريع الاحكام وانها كالقرآن في تحليل الحلال و تحريم الحرام۔

آپ ﷺ کی سنت مبارکہ کو احکام کے لیے تشریعی حیثیت حاصل ہے۔ حلال کی حلت اور حرام کی حرمت میں یہ قرآن ہی کی طرح ہے۔

(ارشاد الفحول:۳۳)

حضور ﷺ صرف قرآن کے شارح ہی نہیں بلکہ آپ شارع بھی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حقیقی منشا سے صرف آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی حتمی طور پر آگاہ ہے۔

ذاتِ اقدس اسوہ حسنہ:

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اُسوہ کو حسنہ قرار دیا اور تمام انسانیت کو اس کی پیروی کا حکم دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے۔

(الاحزاب: ۳۳:۲۱)

آپ ﷺ ہی کی اطباع کو اپنی محبوبیت کا مدار قرار دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ
اے نبی! اعلان کر دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔

(آل عمران: ۳۱)

اطاعتِ الٰہی کا واحد راستہ:

قرآنِ کریم نے تو یہاں تک واضح کر دیا ہے کہ اطاعتِ الٰہی کا واحد طریقہ اور راستہ آپ ﷺ کی اطاعت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ
جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(النساء: ۸۰)

اس اطاعت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ اس حقیقت کو ہمارے اسلاف نے پلے باندھا اور دنیا مین بلند ترین مقامات پر فائز ہوئے۔

سنت اور حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ:

مخدومِ ملت حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں سنت کے اس مقام کو متعدد جگہ پر بیان کیا اور اسی کی پیروی اور اتباع کی تعلیم دی۔

آپ کی تعلیم سراپا حق ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

رسولِ ما محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم حق است وانچه مارا خبر داو است از غیب وعین جمله حق است۔

"ہمارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ہیں اور جو آپ نے ہمیں غیبی خبریں دی ہیں وہ تمام کی تمام سراپا حق ہیں۔"

(کشف المحجوب باب اثبات العلم)

سنت شریعت کا ستون ہے:

شریعت کی بنیادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا رکن اول قرآن ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

"محکم آیات ہیں جو کتاب کا اصل ہیں۔"

ودیگر سنت است چنانکه گفت وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ۔

(کشف المحجوب (فارسی نسخہ، مطبع نوائے وقت پرنٹرز ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۸)۔ باب اثبات العلم)

اور شریعت کا دوسرا اہم رکن سنت ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تمہیں دے لے لو اور جس سے منع فرمائے رک جاؤ۔

اسی باب میں دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ علمِ شریعت کے تین ارکان ہیں۔

یکی کتاب ودیگر سنت وسوم اجماع امت۔

ایک کتاب اور دوسری سنت اور تیسرا اجماعِ امت۔

سنت سے استدلال:

کشف المحجوب کا مطالعہ کرنے والا ہر ذی فہم شخص اس بات سے بھی آگاہ ہے کہ حضرت نے جتنے مسائل اس میں بیان کیے ہیں خواہ ان کا تعلق تعلیم سے ہے یا تربیت

سے، اس کا تعلق عبادات سے ہے یا معاملات سے، اس کا تعلق شریعت سے ہے یا حقیقت سے، اس کا تعلق دنیاوی معاملہ سے ہے یا اخروی سے۔ حتیٰ کہ ایک ایک پر جو آپ نے استدلال کیا ہے اس میں ہر مقام پر کتاب اللہ (قرآن) کے بعد سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استدلال کیا ہے بلکہ آپ کا استدلال بھی نہایت خوب ہے۔ اس کا مفہوم بھی انوکھا بیان کرتے ہیں مثلاً سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے انہوں نے تمام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صدقہ کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اپنے اہل کے لیے کیا چھوڑا؟ انہوں نے عرض کیا "اللہ و رسولہ" اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

گفت دوخزینه بی نهایت ودو گنج بی غایت گفتا چه چیز گفت محبتِ خداوند تعالیٰ و دیگر متابعت رسولش

عرض کیا دو ایسے خزانے چھوڑ آیا ہوں جن کی کوئی انتہا نہیں فرمایا وہ کون سے ہیں؟ عرض کیا اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع۔

(کشف المحجوب، باب التصوف)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا شریعت:

ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے جو شریعت اور حقیقت کو الگ الگ تصور کرتے ہیں، فرماتے ہیں ایک کو قبول کرنا دوسرے کو رد کرنا جہالت ہے۔ شریعت کا رد الحاد اور حقیقت کا رد شرک ہے۔

چنانکه گویند لا اله الا الله حقیقت محمد رسول الله شریعت اگر کسی خواهد که اندر حال صحت ایمان یکی را از دیگر جد کنند نتواند کردو خواستش باطل بود۔

بات یہ ہے کہ لاالہ الااللہ حقیقت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت ہے اگر کوئی صحتِ ایمان کی حالت میں ان میں جدائی چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا بلکہ اس کی خواہش ہی باطل ہے۔

(کشف المحجوب، حالات شیخ تستری رحمۃ اللہ علیہ)

قربِ الٰہی اور اتباعِ سنت:

متعدد مقامات پر حضرت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جتنا کوئی شخص سنتِ نبوی ﷺ کا پابند ہوگا وہ اسی قدر قربِ الٰہی پائے گا اور کوئی جس قدر آپ ﷺ کی سنت سے دور ہوگا وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ سے دور ہوگا۔

شیخ محمد بن فضل بلخی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اعرف الناس بالله اشدهم مجاهدة فی اوامره واتبعهم لسنة نبية۔

سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت انہیں نصیب ہوگی جو اس کے احکام کی پابندی اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے ہیں۔

حضرت اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ہر کہ ازوی دورتر بود از متابعت رسولش معرض تر بود۔

جو اللہ تعالیٰ سے دور ہے وہ اس کے رسول ﷺ کی متابعت سے اعراض کرنے والا ہوگا۔

(کشف المحجوب، ص ۱۴)

خاک قدم وی اکتحال کن:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہیں روحانی معراج حاصل ہوئی جب میدانِ ازل میں پہنچے اور درخت احدیت کا مشاہدہ کیا تو عرض کیا الٰہی! آپ تک پہنچے کا راستہ کیسے پاؤں؟ تو ارشاد الٰہی ہوا:

بابا یزید خلاص تو از توئی اندر متابعت دوست ما بسته دیده را بخاک قدم وی اکتحال کن وبر متابعت وی مداومت کن۔ (کشف المحجوب، ص ۲۶۰)

اے بایزید! تمہیں رکاوٹوں سے خلاصی ملنے کی یہی صورت ہے کہ ہمارے حبیب ﷺ کی اتباع میں فنا ہو جاؤ اور ان کے قدموں کی خاکِ راہ کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لو اور ان کی متابعت پر ہمیشگی اختیار کرو۔

محبت الٰہی میں رموز عشق اور کشف المحجوب

ڈاکٹر محمد شاہ گھگہ

قرآن مجید نے حُبِ الٰہی کو مؤمن کی پہچان اور ایمان کی جان کہا ہے حُبِ الٰہی کا یہ غیر معمولی مقام اس دلیل کی مضبوطی کا باعث ہے کہ قرآن کریم کا بنیادی تصورِ تزکیہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی ہے یہ اطاعت تو صرف اس محبت کا لازمی ثمرہ ہوگی۔ شدتِ حب اپنے درجاتِ عالیہ کو چھوتی ہے تو آثارِ عشق ہویدا ہوتے ہیں، اسی لیے صوفیہ نے محبت الٰہی کو ارتقائی مدارج سے گزار کر اپنے لیے منازل بلند کو پسند کیا ہے اور وہ محبت الٰہی کو نہایت درجہ بالغہ میں اختیار کرتے ہیں۔ اہلِ لغت نے عشق کے معنی فرط الحب کے لکھے ہیں۔ گویا کہ ان کے ہاں محبت اِلٰہی اور عشقِ الٰہی میں فرق اصل اور حقیقت کا نہیں بلکہ صرف درجات کا ہے۔ یہ محبت جتنی بڑھتی جائے گی اللہ کی نظر میں اتنی ہی زیادہ پسندیدہ ہوتی جائے گی یہاں تک کہ اگر وہ حد سے بڑھے گی تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ قرآن کا مطالبہ حبِ الٰہی بہترین شکل میں پورا ہوگیا اور حد سے زیادہ بڑھ جانے والی محبت ہی کا نام عشق ہے۔ صوفیاء کی لفظِ محبت کے بارے میں توضیح ملاحظہ ہو:

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اپنی طرف سے کثیر کو قلیل اور محبوب کی طرف سے قلیل کو کثیر سمجھنا "محبت" ہے۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اطاعت پر قائم رہنا اور محبوب کی مخالفت سے دور رہنا "محبت" ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: "محب" کا اپنی صفات کی بجائے محبوب کی صفات کو اپنانا "محبت" ہے۔ انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ محبوب کا ذکر غالب رہے حتیٰ کہ محب کے دل میں اکثر محبوب کی صفات کا ذکر ہو اور اپنی ذاتی صفات اور ان کے احساس سے مکمل طور پر غافل رہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ محبت یہ ہے کہ اگر کوئی تمھارے جیسا

انسان تمہارے محبوب سے محبت کرے تو تجھ کو غیرت آئے۔(۱)

مخدوم امم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ وہ محبت جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخلوقِ خدا سے کرنے کا حکم دیا تھا، جو مواخات کا جذبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا اس کی پوری انسانیت میں مثال نہیں ملتی مخلوق خدا سے محبت کرنا دراصل خدا سے محبت کرنا ہے اور فرمایا کہ:

محب وہ ہے جو لوگوں سے میل جول کم رکھے، خلوت زیادہ اختیار کرے، ہمیشہ غور و فکر میں رہے اور اس پر خاموشی غالب ہو، جب نظر اٹھائے تو دیکھے نہیں، جب بلایا جائے تو سنے نہیں، جب بات کی جائے تو سمجھے نہیں، جب مصیبت پڑے تو غمگین نہ ہو، جب بھوک آئے تو پروانہ ہو، برہنہ ہو تو شعور نہ ہو۔ گالی دی جائے تو ڈرے نہیں، اپنی خلوت میں اللہ تعالیٰ کو ہی نگاہ میں رکھے، اسی کے ساتھ انس کرے، اسی کے ساتھ مناجات کرے اور دنیا کے معاملہ میں اہلِ دنیا سے جھگڑا نہ کرے۔ کسی شاعر نے خوب کہا:

فرقت کے جو صدمے سہتے ہیں خاموش پریشاں رہتے ہیں
سنتے ہیں نہ کچھ کہتے ہیں اک آگ میں جلتے رہتے ہیں (۲)

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جذبۂ محبت دیوانہ بنا دیتا ہے۔ لوگوں کے لیے تو وہ دیوانہ ہے اور حقیقت میں وہی فہم و ذکا کا مالک ہے۔ کیونکہ اسی جذبے سے پاکیزگیٔ دِل حاصل ہوتی ہے۔ ہر کثافت کو آگ جلا کر نفاست اور پاکیزگی میں بدل دیتی ہے۔ وہ تو یہاں تک فرما گئے کہ یہ جذبہ صادق آگ ہے اور جس کے دِل میں یہ آگ نہیں اس کو ختم کر دو یعنی مار دو۔

آتش است این بانگ نای نیست باد ہر کہ این آتش ندارد نیست باد (۳)

اہلِ دانش کے لیے رشکِ ساماں وجود حضرتِ جامی سرہ السامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جذبہ مجاز سے شروع ہوتا ہے اور پھر تدریجاً حقیقت کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ جیسے کہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

متاب از عشق رو گرچہ مجازی ست کہ آن بہر حقیقی کارسازی ست (۴)

مزید وضاحت مخدوم امم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی اس نقل کردہ روایت سے میسر آتی ہے۔ "روایت میں ہے کہ جب زلیخا ایمان لے آئی اور یوسف علیہ السلام سے نکاح کر لیا تو ان

سے علیحدہ ہو کر خلوت میں عبادت الٰہی میں مصروف ہوگئی۔ جب یوسف علیہ السلام اسے دن کے وقت اپنے بستر پر بلاتے تو رات کا وعدہ کر دیتی اور رات کو بلاتے تو دن پر چھوڑ دیتی۔ وہ کہنے لگی میں اپنے رب کو پہچاننے سے پہلے تیرے ساتھ محبت کرتی تھی اور جب میں نے اسے پہچان لیا ہے تو محبتِ الٰہی نے اپنے سوا ساری محبتوں کو ختم کر دیا ہے اور مجھے اس محبت الٰہی کے بدلہ میں کچھ درکار نہیں۔ آخر کار حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس آنے کا حکم دیا ہے اور مجھے بتایا ہے کہ تیرے بطن سے دو بچے پیدا ہوں گے جن کو نبی بناؤں گا تو زلیخا نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے اور مجھے اس کا وسیلہ بنایا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتی ہوں پھر یوسف علیہ السلام کے پاس خلوت میں آئی"۔(۵)

یہ مذکورہ حقیقت دراصل ایک وہ قرینہ محبت ہے جو کسی بھی دور میں اہلِ حق اور صاحبانِ تحقیق سے اوجھل نہیں رہا ہے ماضی قریب کے ایک محقق صاحبِ ارشاد صوفی نے یہ قرینہ اپنی تربیت کے آثار سے ثابت کیا ہے۔

"ایک دن حضرت سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نمازِ عصر کے بعد ایک سیاہ فام شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں ایک عورت پر عاشق ہوں اور دور دراز کی مسافت طے کر کے حضور کا نام سن کر حاضر ہوا ہوں اور وہ عورت حضور سے مانگتا ہوں! آپ نے فرمایا کہ تو مرد فقیر ہے اللہ اللہ کر، اس عمر میں عورت کو کیا کرے گا، دوسرے روز نمازِ عصر کے بعد عرض کیا کہ حضور میں فقیری وغیرہ نہیں مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت جا کر آرام کرو پھر کل دیکھا جائے گا، جب وہ دوسرے سے تیسرے روز آیا تو اس نے کہا کہ اب مجھے اس عورت سے کچھ سروکار نہیں مجھے تو فقط آپ کی قربت چاہیے"۔(۶)

الغرض عموماً مجاز سے حقیقت کی طرف یہ جذبہ سفر کرتا ہے مجاز سے حقیقت کی جانب سفر کے تمام مدارج اپنے اثر اور تاثر سے خالی نہیں ہیں۔

"روایات میں ہے کہ حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام بازار میں چلتے جا رہے تھے کہ اچانک ایک عورت کے ساتھ ان کی ٹکر ہوگئی۔ یحییٰ علیہ السلام نے کہا واللہ مجھے اس عورت کا پتہ نہیں چلا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ تیرا بدن میرے ساتھ ہے اور دل کہاں ہے؟ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میری خالہ کے بیٹے اگر میرا دِل پلک جھپکنے کی دیر رب کے علاوہ کسی اور سے

مطمئن ہو جائے تو پھر میں نے اللہ کی پہچان ہی نہیں کی اور کہا جاتا ہے کہ حقیقی معرفت یہ ہے کہ دنیا و آخرت کو چھوڑ دیا جائے، انسان اپنے مولا کے لیے تنہائی اختیار کر لے، شراب محبت سے مست رہے اور قیامت کے دن دیدار الٰہی تک ہوش میں نہ آئے تو وہ انسان من جانب اللہ ہدایت پر چل رہا ہے"۔(۷)

عاشق پھر ایک مقام سے اپنے نئے مقام کی طرف منتقل ہوتا ہے الحب الشدید کی یہی منزلِ فوز ہے۔

عاشقی آموز و محبوبی طلب چشم نوحی قلب ایوبی طلب (۸)

عشق کی کہانی میں جلال و جمال کی منازل ایک تغیرِ سامانی کا طوفان اٹھائے رکھتی ہے یہاں پر برصغیر کے ایک نابغہ روزگار حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تاریخی وضاحتی حوالہ اپنی گفتگو میں فرمایا کہ مردِ ناقص جمال پر خوش ہوتا ہے اور جلال پر خفا لیکن عاشق صوفی کی نظر میں دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک دن لیلیٰ خیرات تقسیم کر رہی تھی۔فقراء لینے کے لیے جا رہے تھے۔مجنوں نے اُن سے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ انہوں نے کہا لیلیٰ سے خیرات لینے۔مجنوں نے اپنا کاسہ دیا اور کہا کہ میرا حصہ بھی لانا،ان میں سے ایک فقیر جب لیلیٰ کے پاس پہنچا۔اس فقیر نے اپنا حصہ لے کر جب دوسرا کاسہ پیش کیا تو لیلیٰ نے پوچھا یہ دوسرا کاسہ کس کا ہے؟ فقیر نے کہا ایک شخص دیوانہ (مجنوں) راہ میں کھڑا تھا،اس نے کہا ہے کہ میرا حصہ بھی لانا،لیلیٰ نے وہ کاسہ توڑ دیا فقیر نے مجنوں کو جا کر حال سنایا تو مجنوں نہایت خوش ہو کر رقص کرنے لگا اور کہا کہ میرے ساتھ کچھ تعلق خصوصی ہے تبھی میرا کاسہ توڑا اور کسی کا نہیں"(۹)

عاشق راہِ عشق میں سُست و ناتواں نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ باہمت ہو کر اپنے کام کے درپے رہتا ہے۔آخر مقصد کو جا لیتا ہے اور اگر کچھ تاخیر واقع ہو تو خیال کرنا چاہیے کہ شاید میری اپنی کوشش میں کچھ نقص واقع ہوا ہے صاحب ارشاد نے خطا نہیں کی، بے نصیب کو وسواس وخطرات کے لشکر مانع ہو کر ناتواں کر دیتے ہیں اور وہ خیر کثیر سے محروم رہتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں محبت الٰہی سے متعلق نصِ قرآنی پیش کرتے ہیں:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ (۱۰)

اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی حق تعالیٰ کے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئے گا جو خدا کو محبوب رکھے اور خدا اس قوم کو محبوب رکھے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ (۱۱)

بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے۔

محبت ایک ایسا جذبہ اور کشش ہے کہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ محبت کرنے والا بس محبت کرتا رہے اور محبوب اس کی طرف ملتفت ہی نہ ہو، انجانا بن کر اپنے محب کو آزمانے کے لیے اسے تھوڑا بہت آزمائش میں ڈال دے تو یہ الگ بات ہے آزمائش کے بعد اسے اپنے محب سے اور زیادہ محبت ہو جائے گی۔ حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق میں اتنی کشش ہے کہ کبھی ممکن ہی نہیں کہ تیرے معشوق کو اس کی خبر نہ ہو اگر وہ تمہارے جنازے پر نہ آیا تو وہ تمہاری قبر پر ضرور آئے گا:

کششے کہ عشق دارد، نگذاردت بدیں سان — بہ جنازہ گر نیایی، بہ مزار خواہی آمد! (۱۲)

مخدوم امم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ محبت کی تفصیل میں فرماتے ہیں "محبت دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو جنس کی جنس کے ساتھ محبت' وہ نفس کا میلان اور جستجو پر جم جانا، ایک دوسرے کو جسمانی طور پر چھونا، ایک دوسرے سے لپٹ جانے کی صورت میں محبوب کی ذات کو طلب کرنا ہے۔ دوسری قسم کی محبت ایک جنس کی غیر جنس سے ہے اور یہ محبت پوری اور مکمل کوشش چاہتی ہے تا کہ محبوب کی صفات میں سے کسی ایک صفت کے ساتھ اطمینان پائے اور اُنس حاصل کرے، بغیر کلام کے سننا اور بغیر آنکھوں کے دیکھنا۔ معاملات محبت میں عاشقان الٰہی دو قسم کے ہوتے ہیں۔

پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو خداوند قدوس کے احسان و انعام کو دیکھتے ہیں خدا کی

طرف انعام و احسان کا دیکھنا منعم و محسن کی معیت کا تقاضا کرتا ہے اور نعمتوں پر نظر کرنے کی بجائے ان کا طریقِ نعمت دینے والے کی طرف ہوتا ہے۔ یہ مقام پہلے مقابلے میں بہت ارفع ہے"۔(۱۳)

کشف المحجوب میں حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں:

المحبۃُ استقلالُ الکثیرِ مِنِ نفسكَ و استکثار القلیل مِن حبیبٍ

محبت یہ ہے کہ اپنے زیادہ کو تو کم جانے اور دوست کے تھوڑے کو زیادہ۔(۱۴)

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے کہ دنیا کی نعمت اور جو کچھ دنیا میں اس نے بندے کو عطا کیا ہے اس کو تھوڑا کہا ہے چنانچہ فرمایا ہے:

قُلْ مَتَاعَ الدُّنْیَا قَلِیْل

آپ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے دنیا کا سامان جو تمہیں دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے۔

اس تھوڑی سی عمر، تھوڑی سی جگہ اور تھوڑے سے سامان کے ہوتے ہوئے ان کے تھوڑے سے ذکر کو بہت کہا، چنانچہ فرمایا ہے:

وَالذّٰکِرِیْنَ اللہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ

اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے بہت ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی۔ (سورہ الاحزاب، آیت نمبر ۳۵)

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل عالم جان لیں کہ حقیقی دوست اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ صفت مخلوق کے لیے درست نہیں، اسی لیے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی بندے کو پہنچتا ہے اس میں کوئی چیز تھوڑی نہیں اور بندے کی طرف سے جو کچھ بھی ہے وہ سب تھوڑا ہے۔(۱۵)

محبت کے غلبہ میں دنیا و آخرت، بخشش اور منع، قبول اور انکار کا امتیاز جاتا رہتا ہے۔ اس کا دِل محبوب کی محبت سے لبریز ہوتا ہے۔ محبوب کی بھلائی برائی، اس کے دروازے اور دوسرے اطراف سب ایک ہو جاتے ہیں۔ محبت سب کو ایک کر دیتی ہے۔ سنی ہوئی خبر اور دیکھی ہوئی بات نفع اور نقصان سب ایک بن جاتے ہیں اس کا دِل ہر وقت وجد کرتا رہتا ہے۔ کبھی خدا کے ذکر جلالی میں وجد آتا ہے اور کبھی اس کے ذکر جمالی میں۔ تمام دن مدہوش رہتا ہے۔

قریب ہونے کے ساتھ ساتھ دوری بڑھتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آگ کہ جس قدر وہ اس آگ کے قریب ہوتے وہ دور ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ میں ہی تیرا رب ہوں۔ کی نوبت آئی۔ اسی طرح قلب انوارِ قرب دیکھتا ہے جب اس کی طرف بڑھتا ہے تو وہ دور ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وقت مقرر آ جاتا ہے۔ مسافت ختم ہو جاتی ہے پھر معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ طالب مطلوب، قاصد مقصود اور مرید مراد بن جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذرا سی کشش بھی دین و دنیا کے تمام اعمال سے بہتر ہے۔(۱۶)

شیخ سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ محبت یہ ہے کہ تو محبوب کی عبادات سے بغل گیر ہو اور اس کی مخالفت سے علیحدہ ہو (۱۷) جب محبت دِل میں قوی ہو جاتی ہے تو دوست کا فرمان بجا لانا زیادہ آسان ہو جاتا ہے اور یہ ملحدین کے اس گروہ کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بندہ محبت میں اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ بندگی اس سے اُٹھ جاتی ہے۔

یہ محض بے دینی ہے کیوں کہ محال ہے کہ عقل کی صحت کی حالت میں بندے سے تکلیف کا حکم ساقط ہو جائے، اس وجہ سے کہ سب اُمّت کا اجماع ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کبھی منسوخ نہیں ہوگی اور جب ایک شخص سے عقل کی صحت کی حالت میں تکلیف کا ساقط ہو جانا روا ہو تو ضرورت سے روا ہوگا۔ یہ محض بے دینی ہے اور ہاں! مغلوب العقل اور بے ہوش کا حکم دوسرا ہے اور اس کا عذر بھی اور ہے۔ البتہ یہ بات روا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنی محبت میں اس درجے پر پہنچا دے کہ عبادت کرنے کا رنج اس سے اُٹھ جائے کیوں کہ کسی امر کا رنج اس امر کی محبت کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے۔ جتنی محبت زیادہ قوی ہوگی اتنا ہی فرماں برداری کی تکلیف اٹھانا اس پر زیادہ آسان ہوگا اور یہ بات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال سے ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوا۔(۱۸)

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔(۱۹) — آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کی قسم! کفار اپنی مدہوشی میں سرگرداں ہیں۔

تو آپ نے رات دن اتنی عبادت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کاموں سے رہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک سوج گئے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے محبوب طلب کر، یعنی اپنے

مرشد کو محبوب صادق بنالے اور اللہ تعالیٰ سے مرشد کامل کی صحبت وقربت طلب کر۔ اس کی محبت میں دیوانہ بن جا، بغیر ہم کلامی معشوق اختیار کرنا سراسر جہالت ہے۔ اے عاشق صادق سُن! مجھے ایک دوست کا کام یاد آگیا جو مجھے کہتا تھا کہ اے یار! اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کرے تو میں جنگل میں جا کر یادِ الٰہی کروں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں مشغول نہ ہوں۔ میں نے کہا کہ میں علی بن عثمان جلابی قدس سرہٗ اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ وہ دوست پاس ہو، میری باتوں اور مکروہ کاموں سے بچتا رہے۔ جہاں تک ہو سکے کسی مرد خدا کے ساتھ رہے۔ (۲۰)

اللہ تعالیٰ جو بڑا مہربان اور کریم ہے اس کا لطف عام ہے اس سے میری فریاد اور گزارش ہے کہ شہادت کے وقت بندش نہ رکھنا اور مجھے بہشت بریں عنایت کرنا۔ میرا معشوق میری بغل میں دینا۔ مجھے عذاب میں مبتلا نہ کرنا۔ میں بیمار اور روگی ہوں، تو شافی وکافی ہے۔ مجھے یہی بات پسند آتی ہے کہ گوشہ گیری اختیار کروں اور معشوق کے چہرے کے سوا اور کسی کا چہرہ نہ دیکھوں۔ اے علی! خلقت تجھے گنج بخش کہتی ہے حالاں کہ تیرے پاس ایک دانہ بھی نہیں، تو اس بات پر فخر وغرور نہ کرنا۔ گنج بخش اور رنج بخش حق تعالیٰ کی ذات اقدس ہے جو بے مثل اور برتر ہے۔ (۲۱)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت کو محبت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دِل سے محبوب کے علاوہ ہر چیز کو نکال دیتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ اگر کوئی تمہارے جیسا انسان تمہارے محبوب سے محبت کرے تو تجھے غیرت آئے (۲۲)

یار جاتا ہے تیغ بہ کفِ غیر کی طرف — اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا (۲۳)

سچا محب وہ ہے جو محبوب کا احترام بھی کرے اور ادب کو ملحوظ رکھے۔

خموش! اے دِل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا — ادب پہلا قرینہ ہے، محبت کے قرینوں میں (۲۴)

یعنی ادب کے بغیر محب کا دعویٰ محبت جھوٹا اور بے بنیاد ہے۔ معاملات میں آداب کی حفاظت دِل میں مطلوب کی تعظیم سے حاصل ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ اور اس کے نشانات کی تعظیم تقویٰ میں سے ہے اور جو شخص بے ادبی سے حق تعالیٰ کی تجلیات کی تعظیم کو پامال کر دے، اس کو تصوف کے طریق میں کوئی حصہ نہیں اور کسی حالت میں مدہوشی اور غلبہ حال طالب حق کو آداب کی حفاظت سے منع نہیں کرتے، کیوں کہ ادب طالبان حق کی عادت ہوتا ہے اور عادت

طبیعت کے مانند ہوتی اور طبیعت کا جاندار سے ساقط ہونا کسی حال میں بھی متصور نہیں ہوسکتا کیونکہ جب تک زندگی قائم ہے، طبیعت کا ساقط ہونا محال ہے۔

پس جب تک انسانوں کا وجود قائم ہے، کبھی تکلف سے اور کبھی بغیر تکلف، وہ آداب کی شرط کو نگاہ میں رکھتے ہیں اور جب ان کا حال ہوشیاری کا ہوتا ہے تو وہ تکلف سے آداب کی حفاظت کرتے ہیں اور جب ان کا حال بے ہوشی کا ہوتا ہے تو حق تعالیٰ بھی ان کے ادب کی نگہداشت کرتا ہے اور یہ یاد رکھو کہ ولی کسی صورت میں بھی تارکِ آداب نہیں ہوتا کیوں کہ ولایت میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی بہت ضروری ہوتی اور تارکِ ادب عادات واخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منحرف ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ ترکِ ادب عدم محبت کی دلیل ہے۔

لانّ المودّة عند الاداب و حسن الادب صفه الاحباب (۲۵)

محبت آداب کے ہونے کی صورت میں ہے اور اچھا ادب دوستوں کی صفت ہے۔

حضرت گنج بخش علی بن عثمان جلابی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ملک خراسان کے ایک گاؤں میں پہنچا جسے کمند کہتے تھے، وہاں ایک معروف آدمی ادب کمندی کہلاتا تھا۔ وہ بہت بزرگ آدمی تھا جو بیس سال سے ایک پاؤں پر کھڑا تھا اور نماز میں تشہد کے سوا کسی وقت نہ بیٹھتا تھا۔ میں نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے ابھی تک وہ درجہ حاصل نہیں ہوا کہ مشاہدہ حق کے اندر بیٹھ جاؤں۔ (۲۶)

صوفیاء عظام کے نزدیک بڑا مقام یہ ہے کہ خلوت و جلوت میں اپنے محبوب کو حاضر پائے اور حاضری میں ادب کو ملحوظ رکھے۔ یعنی دونوں حالتوں میں ادب ملحوظ رکھنا چاہیے اور دنیا والوں کو چاہیے کہ معبود برحق کے مشاہدہ میں آداب کی حفاظت کرنا زلیخا سے سیکھیں کہ جب اس نے یوسف علیہ السلام سے خلوت میں اپنی بات کے قبول کرنے کی درخواست کی تو پہلے اپنے بت کے چہرے پر کپڑا ڈال دیا، یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تو یہ کیا کرتی ہے؟

اس نے کہا میں اپنے معبود کا چہرہ ڈھانپتی ہوں تاکہ وہ مجھ کو تیرے ساتھ اس بے حرمتی کے ساتھ نہ دیکھے کہ وہ ادب کی شرط نہیں ہے۔ جب یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو ایمان کے دائرے میں داخل کر دیا یعنی خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لے آئی تو خدا نے اس کو جوان کر دیا اور وہ پیغمبر کے نکاح میں آ گئی تو یوسف علیہ السلام نے اس کے پاس جانے کا قصد کیا تو زلیخا ان

سے پیچھے ہٹی۔آپ نے پوچھا: اے زلیخا! میں تو تیرا وہی معشوق ہوں، تُو مجھ سے کیوں بھاگتی ہے؟ شاید میری محبت تیرے دل سے محو ہو گئی ہے اس نے جواب دیا: نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم محبت اسی طرح قائم ہے بلکہ زیادہ ہے لیکن میں نے ہمیشہ معبود کے ادب کو ملحوظ رکھا ہے۔جس دن میں نے تیرے ساتھ خلوت کی تھی، اس دن میرا معبود ایک بُت تھا اور اس کی آنکھیں بھی نہ تھیں، میں نے اس کے چہرے پر ایک کپڑا ڈال دیا تھا تاکہ بے ادبی کی تہمت مجھ سے اُٹھ جائے لیکن اب تو میرا وہ معبود ہے جو بغیر آنکھ اور آلہ کے دیکھتا ہے اور جس صفت پر کہ میں ہوں، وہ مجھ کو دیکھتا ہے لہٰذا میں نہیں چاہتی کہ تارک ادب بنوں۔

جلیلؔ آسان نہیں آباد کرنا گھر محبت کا یہ ان کا کام ہے جو زندگی برباد کرتے ہیں(۲۷)

منابع و مآخذ

۱۔ ابوالقاسم قشیری، رسالہ قشیریہ، مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۵۵۰

۲۔ مشتاقؔ، غلام معین الدین گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ، اسرار المشتاق، مکتبہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء، ص ۷۶

۳۔ مولانا روم، جلال الدین محمد، مثنوی مولوی (دفتر اوّل)، مرکزِ تحقیقات ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۳۵۷ھ، ص ۱۳

۴۔ مولانا جامی، عبدالرحمٰن، کلیاتِ جامی، بنیاد سعدی، میدان انقلاب، تہران، ایران، ۱۴۱۸ھ، ص ۵۱۰

۵۔ امام غزالی، مکاشفۃ القلوب، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۶۱

۶۔ مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، گیلانی گولڑوی، ملفوظاتِ مہریہ، مکتبہ غوثیہ مہریہ درگاہ عالیہ گولڑہ شریف، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۷۹

۷۔ امام غزالی، مکاشفۃ القلوب، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۶۳

۸۔ علامہ اقبال، لاہوری، اسرارِ خودی، اسد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۷۹

۹۔ مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، گیلانی گولڑوی، ملفوظاتِ مہریہ، مکتبہ غوثیہ مہریہ درگاہ عالیہ گولڑہ شریف، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۸۰

۱۰۔ القرآن: المائدہ: ۵۴

۱۱۔ ایضاً، البقرہ: ۱۶۵۔

۱۲۔ امیر خسرو دہلوی، انتخاب غزلیاتِ خسرو، (ڈاکٹر وزیر الحسن عابدی)، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۱۰۳

۱۳۔ داتا گنج بخش، سید علی ہجویری جلابی رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب مترجم مولوی فیروز الدین، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۲۸۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۸۱

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۸۵

۱۶۔ غوث اعظم، شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، الفتح الربانی مترجم مولانا ثناء اللہ ندوی، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۴۸۲

۱۷۔ داتا گنج بخش، سید علی ہجویری جلابی رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب مترجم سید محمد فاروق القادری، فرید بک سٹال، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۵۷۳

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۷۴

۱۹۔ القرآن، ۱۵: ۷۲

۲۰۔ داتا گنج بخش، سید علی ہجویری جلابی رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب مترجم ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۳۳۱

۲۱۔ ایضاً، ص ۳۳۲

۲۲۔ امام قشیری، ابو القاسم عبد الکریم، ہوازن، رسالہ قشیریہ مترجم مفتی محمد صدیق ہزاروی، مکتبہ حضرتِ اعلیٰ، دربار مارکیٹ، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۵۵۰

۲۳۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، (جلد)، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۳۳۲

۲۴۔ علامہ اقبال، لاہوری، بانگِ درا، مکتبہ دانیال، لاہور، ،، ص ...

۲۵۔ داتا گنج بخش، سید علی ہجویری جلابی "، کشف المحجوب مترجم ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ،، ص ۳۳۲

۲۶۔ ایضاً، ص ۳۳۳

۲۷۔ ایضاً، ص ۳۳۴

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کا ذکر قرآن حکیم میں واضح طور پر کیا ہے اور انہیں ہر خوف وغم سے بری قرار دیا ہے۔ اولیائے کرام خود خدا کے قرب کے لئے ریاضت کرتے ہیں اور لوگوں کو حسنِ اخلاق اور فیضانِ اسوۂ حسنہ کے ذریعے حق اور دین کے قریب لاتے ہیں۔ دنیا میں انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی ترویج کرتے ہیں۔ انسانوں کو اپنے معبودِ حقیقی کے در پر جھکاتے ہیں اور اشاعت اسلام اور قرآن وسنت کی تبلیغ کی روشنی میں دنیا کو امن وسکون کا گہوارا اور حسنِ اخلاق کی روشنی سے بقعۂ نور بناتے ہیں۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

سیدنا علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش کے وصال کے نو سو پچھتر سال کے بعد بھی خلق خدا ان کی طرف کھنچی چلی آتی ہے اور ان کا استانہ چوبیس گھنٹے اور تین سو ساٹھ دن عقیدت مندوں کو فیض بانٹتا رہتا ہے۔ اور انہوں نے "کشف المحجوب" کی صورت میں اپنی ایک لازوال تحریر چھوڑی ہے جو اپنے اندر جذب وتاثیر کی غیر معمولی قوت رکھتی ہے۔ کشف المحجوب کے بعض ابواب طویل اور بعض ابواب مختصر ہیں لیکن ہر باب میں علم ومعرفت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف تصوف کی دنیا کے لئے مقدس ہے بلکہ اسلامی معاشرہ کی ہدایت اور اصلاح اور تعمیر وفلاح کے لئے بھی ایک ضابطۂ عمل اور دلیل راہ کا حکم رکھتی ہے۔ انسانیت کی نجات وفلاح اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا پیغام اولین اور مقصد رہا ہے جسے اولیائے کرام اور مشائخ عظام علیہم الرحمٰن نے بصد حسنِ وخوبی نبھایا ہے۔ اس میں قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین تبع تابعین اور اولیائے کرام، امت اور صلحاء ونجباء کی روایات اور حکایات اور اقوال کی روشنی میں ہر بیان کی وضاحت کی گئی ہے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام میں رقمطراز ہیں:

"اگر خدا کسی کو دولت عطا کرے اور وہ اس کی حفاظت کا ارادہ کرے تو وہ غنی ہے اور اگر وہ اس دولت کو ترک کرنے کا ارادہ کرے تو بھی غنی ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک ملک غیر میں تصرف ہے اور فقر ترکِ تصرف کا نام ہے۔"

آپ فرمایا کرتے تھے کہ: نفس کو اس کی خواہش سے دور رکھنا حقیقت کے دروازے کی چابی ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خدمتِ خلق کی حقیقی بنیاد خلق خدا سے ہمدردی اور محبت ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"جن لوگوں میں آداب کی پابندی وتحفظ کا جذبہ ہوتا ہے وہ اصولِ مروت کو بھی تحفظ دیتے ہیں، دین کے باب میں اصول وآداب پر کاربند ہوتا ہے جو سنت کے تحفظ کے مترادف ہے اور اگر ان اصولوں اور آداب کو محبت کی دُنیا میں معمول بنایا جائے تو اس سے احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ تینوں چیزیں مروت، سنت اور حرمت یا احترام باہم پیوستہ اور یک جان ہیں، اس لئے کہ جس میں مروت نہ ہو وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرے گا اور جو شخص سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند نہیں ہوگا وہ احترام کو ملحوظ نہیں رکھ سکے گا۔"

انہی سنہرے اصولوں کے ترک کی بنیاد پر آج ہمارے معاشرے اور ملک میں افراتفری، بے مروتی، لوٹ مار اور دہشت گردی کا بازار گرم جو ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے!

حضرت داتا علی ہجویری ایثار ومحبت اور باہمی ادب واحترام پر مبنی ایک پر امن اور مستحکم معاشرہ کی تشکیل کا راز بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مشائخ کرام رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مسافر درویش کو چاہئے کہ وہ مقیموں کی خدمت کو اپنے حق میں افضل جانے اور اسی طرح مقیموں پر فرض ہے کہ وہ مسافروں کو اپنے سے افضل جانیں۔ نوجوان کو چاہئے کہ وہ بزرگوں کو اپنے پر فضیلت دیں کیونکہ وہ عبادت میں ان سے پہلے ہیں اور خدمت خلق میں مقدم ہیں۔ جب یہ سب ایک دوسرے کا اس طرح لحاظ وپاس کریں گے تو یہ سب نجات پائیں گے ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔"

جود وسخا کے موضوع پر حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف المحجوب" میں پورا

ایک باب تحریر فرمایا ہے اور اس کے شروع میں حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ نقل فرمائی ہے جس سے جود و سخا کی اہمت واضح ہوتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

السخی قریب من الجنۃ و بیعد من النار والبخیل قریب من النار و بیعد من الجنۃ۔	سخی جنت کے قریب اور جہنم سے بعید ہے اور بخیل جہنم کے قریب اور جنت سے دور ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے تین قسم کے لوگوں سے دور رہنے کی ہدایت فرمائی ہے:

(۱) غافل علما سے جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ، شریعت کو اپنے گھر کی لونڈی اور ظالم امراء کی بارگاہ کو محض جاہ و ثروت کی خاطر سجدہ گاہ بنالیا ہے۔

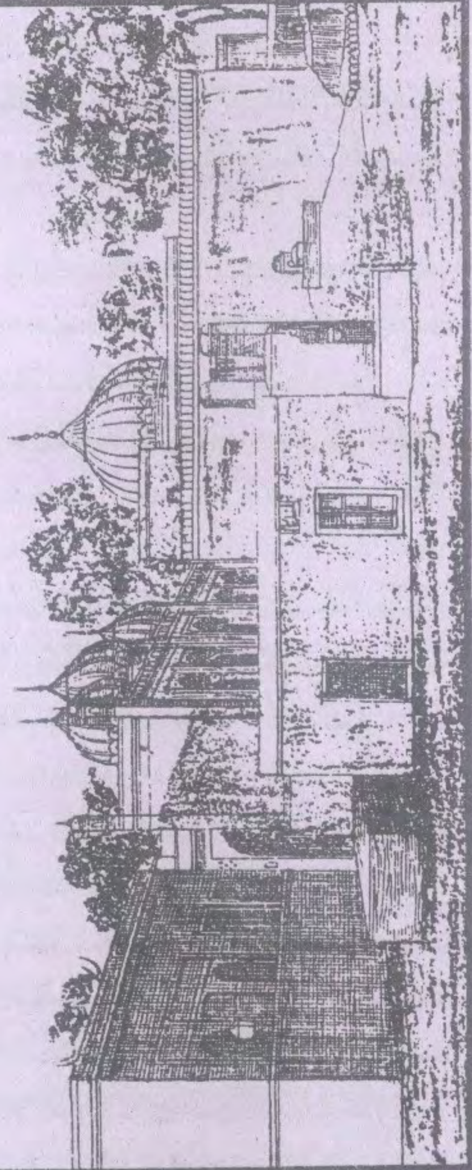
(۲) ریاکار فقرا سے جو فقط اغراض نفسانی کے لئے لوگوں سے جاہ و عزت کی طمع رکھتے ہیں۔

(۳) جاہل متصوف سے جس نے نہ تو کسی مرشد کی صحبت میں رہ کر تربیت پائی ہو، نہ کسی استاد سے ادب سکھا۔۔۔۔۔

اب یہ سوچ لیجئے کہ یہ پیراہن کس کس کو پورا آ رہا اور ان تینوں قسموں کے لوگوں سے ہم کس حد تک دور رہتے ہیں، یا صرف اسی قسم کے لوگوں سے ربط وضبط رکھتے ہیں۔ جن کا سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔ کشف المجوب کے مطالعہ سے ہمیں ان پر خلوص اور فکر انگیز کاوشوں کا سراغ ملتا ہے جو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے عہدِ غزنوی میں لاہور آمد کے بعد اصلاحِ معاشرہ اور فوز و فلاح انسانیت کے لئے انجام دیں۔ باہمی ایثار و تعاون، رشتوں کا احترام، تعلقات کی پاکیزگی، عفو درگزر، انسانوں سے بے لوث محبت، تحمل و برداشت، بردباری و جانثاری جیسے زریں اصول آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں جابجا ملتے ہیں۔ یہی وہ پاکیزہ تعلیمات ہیں جن کی اساس پر اس ملک خداداد پاکستان کا وجود عمل میں آیا تھا۔ آج بھی ہم معاشرہ کے افراد و طبقات کے درمیان محبت و ایثار کے مضبوط رشتے قائم کر کے علم و معرفت، امن و انصاف اور فلاح و خیر سے معمور ایک انسان دوست اور خدا شناس معاشرے اور پُر امن ملک کی تشکیل دے سکتے ہیں۔

بچشم خلق عزیز الٰہی شوی حافظ　　　که بر درش نہی روئے مسکنت بر خاک

(مفہوم: اے حافظ تو اس وقت خلق کی آنکھوں میں عزیز ہوگا کہ اس دروازے کی خاک پر اپنی عاجزی کا منہ رکھے گا)۔



حضرت داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ کی جامع مسجد اور دربار عالیہ ۱۸۹۰ء

۳

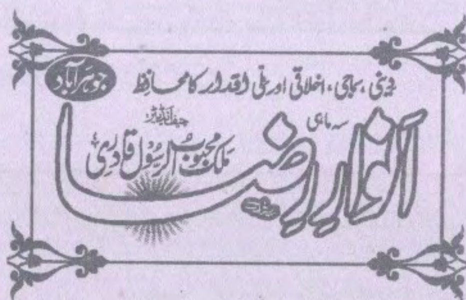
بارگاہِ فیضِ عالم، دانش گاہ تصوف

لاہور جو ہے معرفت آبادِ گنج بخش
اس شہر خوش سپہ سایہ الطافِ ذات ہے

دل پر جو نقش ہو چکی تھی یادِ گنج بخش
میں نے کرایا کیش اسے شہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں

سب منقبت گو پائیں گے اسنادِ گنج بخش
محمودؔ ان کی یوں بھی یقینی ہے مغفرت

(راجا رشید محمودؔ)



حسن ترتیب

برصغیر میں تبلیغ اسلام کے پہلے علم بردار

سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: سموئل لسنن وولیم اے۔ ڈی وٹ | ترجمہ مع اضافہ: مولانا عبدالمجید سالک

برصغیر ہندوستان میں جن لوگوں نے محض اسلامی تعلیمات اور اپنی زندگیوں کے پاک نمونے پیش کر کے تبلیغ اسلام کا حق ادا کیا اور جن کے فیض سے لاکھوں انسان بہ رضا و رغبت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ان میں داتا گنج بخشؒ کا نام بہت ممتاز ہے۔

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا عہد تھا۔ ۱۰۰۹ء میں سید علی ہجویر (غزنی) میں پیدا ہوئے جو بعد میں داتا گنج بخش کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کا خاندان دینداری اور خدا پرستی میں مشہور تھا۔ سید علی نے غزنی کے علاوہ خراسان، ترکستان، ایران، عراق اور شام میں کئی سال تحصیل علوم میں بسر کیے۔ پھر طریقت میں شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کے مرید ہوئے۔ چند سال فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ ہندوستان جاؤ۔ سید علی ہجویری صرف دو رفیقوں کو ساتھ لے کر ۴۳۱ ہجری میں لاہور پہنچے۔ یہاں غزنوی کی حکومت قائم ہوئے بیس برس گزر چکے تھے۔

لاہور پہنچ کر سید علی ہجویری نے ایک مسجد بنائی۔ اس سے ملحق ایک مدرسہ قائم کیا اور تعلیم دین اور صفائی باطن کا کام شروع کر دیا۔ سید علی کے زہد و اتقا اور روحانی اثرات کی وجہ سے بے شمار لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اور بے شمار مسلمانوں کی زندگیاں صحیح معنوں میں اسلامی بن گئیں۔ آپ نے ملک کے اس حصے کے ہر گوشے میں اپنے شاگردوں اور مریدوں کو پھیلا دیا۔ چونتیس برس تک لاہور میں مقیم رہ کر علم و تصوف کا سب سے بڑا سرچشمہ بنے رہے۔ آپ کی تصانیف کئی ہیں۔ جن میں کشف المحجوب بہت مشہور ہے۔ اس میں تصوف و روحانیت کے پورے نظام اور تعلیمات باطن کے متعلق تفصیلات درج ہیں۔

چونکہ آپ اس برعظیم کے بزرگان دین میں بہت بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اسی لیے

بڑے بڑے بادشاہ اور سلطان آپ کے مزار پر عقیدت مندانہ حاضر ہوتے رہے اور بڑے بڑے بلند مرتبت اولیا نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ۵۸۰ ہجری میں لاہور آئے اور آپ کے مزار پر چلہ کھینچا۔ سلطان ابراہیم غزنوی اور سلطان شمس الدین التمش نے اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کے نسخے لکھ کر داتا صاحب کے مزار پر بھیجے۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۵ ہجری میں فوت ہوئے اور اسی مقام پر جہاں چونتیس برس تک اسلام کی خدمت بجالاتے رہے دفن کیے گئے۔ آپ کا مزار اب تک مرجع خاص و عام ہے۔ (سو بڑے آدمی)

تذکرہ داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر محمد طفیل ہجویری قادری

مخدوم الاولیاء سلطان الاصفیاء امام العارفین زبدۃ السالکین حجۃ الکاملین برہان الواصلین مظہر العلوم الخفیہ والجلیلہ۔سید السادات، عمدۃ البرکات الشیخ سید ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ عالی میں چند عقیدت ومحبت کے پھول پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

ربّ ذوالجلال سے نصرت واستعانت کی بھیک طلب کرتا ہوں کیونکہ توفیق الٰہی کے بغیر کوئی بھلائی میسر نہیں آتی۔اولیائے کرام وہ نفوس قدسیہ ہوتے ہیں جس کی زندگیاں عبادت وریاضت وزہد تقویٰ، صبر ورضا، علم وحلم، خدمت ومحبت، ایثار وقربانی سے مزین ہوتی ہیں جب ان تمام صفات سے یہ خوش نصیب متصف ہو کر ذکر وفکر کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں اس ارشاد کے مصداق "جو دم غافل سو دم کافر" اپنی زندگی کو ذکر ورضا کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔تو ربّ العزت ان نفوس قدسیہ کو اپنی دوستی کا شرف عطا فرما دیتے ہیں ان خوش نصیبوں کو ہر خوف سے، ہر غم سے آزادی کی سند مل جاتی ہے۔
ان قدسی صفات کی حامل جماعت صوفیاء کے ایک نورانی پھول امام شریعت وطریقت دانائے حقیقت ومعرفت حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

آپ نجیب الطرفین یعنی حسنی وحسینی سادات میں سے ہیں۔والد گرامی کی طرف سے حسنی اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حسینی ہیں۔آپ کی ولادت باسعادت بااختلاف روایت ۴۰۰ھ (چارسو ہجری) ہے افغانستان کے شہر غزنی کے محلہ ہجویر میں ہوئی آپ کے والد گرامی سید عثمان رحمۃ اللہ علیہ غزنی شہر کے محلہ جلاب میں رہائش پذیر تھے اور آپ کی والدہ طیبہ طاہرہ رحمۃ اللہ علیہا کا

☆ سجادہ نشین: آستانہ ہجویریہ ریٹھہ شریف بھیال (کھوئی رٹہ) کوٹلی آزاد کشمیر 0300-4287786

خاندان محلہ ہجویر میں قیام پذیر تھا۔ اسی مناسبت سے آپ اپنی شہرہ آفاق تصنیف کشف المحجوب میں اپنے آپ کو کبھی ہجویری اور کبھی جلابی کے لقب سے ملقب فرماتے ہیں آپ نے دینی علوم کی تکمیل کے بعد علومِ روحانیہ کی تکمیل کے لیے بہت ممالک کے سفر کیے اپنے دور کے کم و بیش تین سو بزرگانِ دین سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ آپ کے مرشد گرامی حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو سلسلہ جنیدیہ کے عظیم بزرگ تھے یہ مختصر سا مضمون آپ کی زندگی کے کسی ایک پہلو یا گوشہ کا احاطہ نہیں کر سکتا انتہائی اختصار کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے ایک روحانی مشکل پیش آئی میں ایک بزرگ کے مزار پر معتکف ہوا۔ پہلے بھی مجھے ایک روحانی مشکل پیش آئی تھی جو ان بزرگ کے مزار پر حاضری کے طفیل اللہ تعالیٰ نے حل فرما دی تھی اس بار دو ماہ میں اس مزار پر معتکف رہا اس دوران میری عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ میں دن میں دس مرتبہ وضو اور تین بار غسل کرتا تھا شب و روز ذکر الٰہی میں مشغول رہتا تھا اتنی ریاضت کے باوجود میری روحانی مشکل حل نہ ہوئی بالآخر یہ سوچ کر کہ ابھی حل ہونے کا وقت نہیں آیا اس مزار سے چل دیا۔ دورانِ سفر سورج غروب ہونے والا تھا ایک خانقاہ پر آکر اس کے رات گزارنے کی اجازت چاہی وہ مجاور ایک تخت پر بڑے تکبر و نخوت سے بیٹھے تھے انہوں نے اجازت تو دے دی اور ساتھ ہی جہاں اُن کے جوتے پڑے تھے مجھے وہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا، مین بخوشی وہاں بیٹھ گیا۔ کھانے کا وقت آیا تو ان کے لئے رنگ برنگے کھانے لانے لگے انہوں نے میری طرف حقارت سے باسی روٹی پھینکی اور خود وہ طرح طرح کے کھانوں سے لطف اندوز ہونے لگے میں نے اس رؤیے پہ بھی صبر کیا اور خدا کی رضا سمجھ کر وہ باسی روٹی کھالی۔ اپنے جوتوں میں بٹھا کر باسی روٹی کھلا کر بھی اُن کی تسکین نہ ہوئی۔ کھانے کے بعد وہ فروٹ کھاتے ہوئے چھلکے مجھ پر پھینک کر ہنستے رہے میں نے اس رؤیے ور تذلیل پر بھی صبر کیا وہ جوہر اور روحانی مسئلہ جو دو ماہ کی عبادت و ریاضت شاقہ سے حل نہیں ہوا تھا اسی رات اللہ رب العزت نے حل فرما دیا معمولی سی نفس کی ملامت کا صلہ مجھے بارگاہِ خداوندی سے اسی رات عطا ہو گیا۔

غیر مسلموں سے حسین سلوک:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے جب لاہور شہر کو اپنے مبارک قدموں سے مستفیض فرمایا تو لوگ جوق در جوق آپ کی بارگاہِ عالی میں آ کر روحانی پیاس بجھانے لگے تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے ارادت مندوں کا حلقہ کافی وسیع ہو گیا جس مقام پر آپ قیام پذیر تھے اس کا نام "بھاٹی گیٹ" ہے۔ بھٹی قبیلہ جو یہاں رہتا تھا یہ نام ان کے نام پر تھا آپ کے محبین و مریدین کو یہ ہندوؤں کا رکھا ہوا نام پسند نہ آیا انہوں نے اس کا نام "ہجویری گیٹ" رکھ لیا جسے بھٹی قبیلہ کے لوگوں نے پسند نہ کیا اور ایک وفد کی شکل میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یہ نام ہمارے آباؤ اجداد سے آ رہا ہے آپ مہربانی فرمائیں اپنے عقیدت مندوں سے کہیں کہ اس کو تبدیل نہ کریں۔ آپ نے فرمایا آپ فکر نہ کریں جیسا آپ چاہتے ہیں ایسا ہی ہو گا یہی نام رہے گا۔ بھاٹی گیٹ۔ آپ نے اپنے خدام سے فرمایا جگہ کے ناموں کو تبدیل کرنے سے کچھ نہیں ہوتا اگر تبدیل کرنا ہے تو لوگوں کے دل تبدیل کرو حکم فرمایا کہ یہ بھاٹی گیٹ ہی ٹھیک ہے کسی بھی انسان کی دل آزاری اچھی نہیں۔ اندازہ فرمائیں کہ اللہ کے مقبول بندے مخلوقِ خدا کا کتنا خیال فرماتے ہیں بے شک وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔

میلا رام کا واقعہ:

آپ کے وصال مبارک کے کئی سو سال بعد کا واقعہ ہے آپ کے مزار مبارک کے قریب میں میلا رام نامی ہندو آباد تھا۔ بڑا امیر و مالدار تھا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ خدا کا کرنا اُس کا جواں بیٹا بیمار ہو گیا ہر قسم کا علاج کروایا لیکن مرض میں افاقہ نہ ہوا۔ دن بدن وہ جوان موت کی آغوش کی طرف بڑھ رہا تھا ایک رات میلا رام اور اس کی بیوی نے دروازہ کھولا تو ایک نورانی صورت بزرگ اندر تشریف لائے اور فرمانے لگے میں آپ کا پڑوسی سید علی ہجویری ہوں آپ کی یہ پریشانی مجھ پر بھی گراں گزری ہے۔ میرے اللہ نے چاہا تو آپ کا بیٹا شفایاب ہو جائے گا فکر نہ کریں۔ بیمار کے سر پر دست شفقت پھیرا اور تشریف لے گئے۔

خدا کا کرنا ان کا لاعلاج بیٹا آپ کی نگاہ اور دعا سے شفایاب ہوگیا۔ اس خوشی اور شکرانے میں سب سے پہلے حضرت کے مزارِ مبارک پر روشنی کا اہتمام اس ہندو میلا رام نے کیا کہ میں ان کی اس کرم نوازی کا کیا حق ادا کر سکتا ہوں ان کی برکت سے میری زندگی کا چراغ جو میرے بیٹے کی شکل میں ہے گل ہونے کے عمل سے بچ گیا میں عقیدتاً ان کے مزار پر روشنی کا انتظام کرتا ہوں۔

مقامِ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ صوفیاء کی نظر میں:

محبوب سبحانی قطب ربانی الشیخ سید عبدالقادر جیلانی کی بارگاہ میں خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جب حاضر ہوئے۔ ستاون دن قیام کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو سرکارِ بغداد رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اے معین الدین سنجری! ایک نصیحت یاد رکھنا کہ سرحد ہندوستان پر ایک بزرگ لیٹا ہے اُسے ہمیشہ محبوب رکھنا۔ یہ اشارہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تھا اس نصیحت کے پیش نظر خواجہ صاحب بغداد سے چل کر لاہور آئے اور آپ کی بارگاہ میں چلہ کشی کی اس بات کو پروفیسر ظہور الدین شارب (پی ایچ ڈی) نے اپنی کتاب معین الہند میں نقل فرمایا ہے۔

خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی بارگاہ سے رخصت ہوتے ہوئے جو عقیدت پیش کی وہ آج بھی زبانِ زدِ عام ہے۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

حضرت غوث زماں قطب دوراں پیر سید اسماعیل شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ (المعروف حضرت کرمانوالے) کے ملفوظات پر مشتمل کتاب "خزینہ کرم" میں ہے کہ سید اسماعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس خوش قسمت کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضری کے ساتھ ایک نماز پڑھنے کی سعادت مل جائے اس کو ستر مقبول حجوں کا ثواب بارگاہِ خداوندی سے عطا ہوتا ہے۔

مفکر اسلام قلندر لاہوری حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت آپ کی بارگاہ میں:

سید ہجویر مخدوم امم مرقدِ او پیر سنجر را حرم

یہ چند اوراق آپ کی سیرت مبارکہ کے کسی بھی پہلو کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا آخر میں آپ کے چند ارشادات پیش خدمت ہیں۔ دعا ہے اللہ رب العزت آپ کو اور مجھے حضرت فیض عالم رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات عالی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں۔

۱۔توبہ، گناہ کو۔ ۲۔جھوٹ، رزق کو۔ ۳۔غیبت، عمل کو۔ ۴۔غم، عمر کو۔ ۵۔صدقہ، بلا کو۔ ۶۔غصہ، عقل کو۔ ۷۔پشیمانی، سخاوت کو۔ ۸۔تکبّر، علم کو۔ ۹۔نیکی، بدی کو۔ ۱۰۔عدل، ظلم کو۔

(ماخوذ۔۔۔۔۔۔۔۔۔از: کشف المحجوب)

☆ تمام عبادت کی جڑ نفس کی مخالفت ہے۔

☆ تحفہ و ہدیہ کو رد نہیں کرنا چاہیے۔

☆ جہاں تمہاری عزت و تکریم کے مخالف ہوں وہاں مت جاؤ۔

☆ غرور کو اپنے جسم سے نکال دو۔

☆ اللہ جل مجدہ کے حضور میں خوف سے نکلے ہوئے آنسو روح کی کدورت کو دھو دیتے ہیں۔

☆ ماں باپ کے ادب سے اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائیں گے۔

☆ خداوند قدوس کی رضا کو نفس پر مقدم رکھو تو خود اطمینان حاصل ہو جائے گا۔

☆ طالب کو چاہیے کہ خود پسندی غرور و تکبر کو چھوڑ دے ان کو اپنے وجود سے نکال دے۔

ان دو اسماء الٰہیہ یَاحَبِیْبُ یَالَطِیْفُ کو اپنا وردِ زبان بنائے۔

ربّ العزت آپ کے مزار پرانوار پر لاتعداد رحمتوں کا نزول فرمائیں۔

جو بھی ستایا ہوا ہو زمانے کا
سہارا وہی لیتا ہے داتا کے آستانے کا

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف

میاں محمد سلیم حماد ہجویری قادری

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے ان کی نو دیگر تصانیف کے نام معلوم ہوئے ہیں مگر ان نو کتب میں سے ایک بھی دستیاب نہیں۔ کشف المحجوب میں ان کتب کا ذکر حضرت رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

۱۔ ☆ دیوان "ایک شخص نے مجھ (علی بن عثمان) سے میرے اشعار کا دیوان مانگا اور لے گیا، میرے پاس اس دیوان کا کوئی دوسرا نسخہ موجود نہ تھا۔ اس شخص نے دیوان سے میرا نام مٹا دیا اور میری محنت ضائع کر دی۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے۔"

۲۔ ☆ منہاج الدین "اب میں (علی بن عثمان) اختصار کے ساتھ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابِ صُفہ کا ذکر کرتا ہوں۔ اس سے قبل بھی منہاج الدین کے نام سے ایک کتاب لکھ چکا ہوں جس میں تفصیل کے ساتھ اصحاب صُفہ کے فضائل و مناقب بیان کئے ہیں۔"

۳۔ ☆ اسرار الخرق والمئونات "میں (علی بن عثمان جلابی) نے اسرار الخرق والمئونات کے نام سے اس موضوع (گدڑی) پر ایک کتاب لکھی ہے، ہر سالک راہ کو چاہیے کہ وہ اس کا ایک نسخہ اپنے پاس رکھے۔"

۴۔ ☆ فنا و بقا "جب فنا حاصل ہو جاتی ہے تو پھر فنا نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی، سوائے عبارتی موشگافیوں کے اور یہ اہل زبان کی عبارت آرائی اور الفاظ پرستی کی بے فائدہ داستان ہے۔ میں (علی بن عثمان جلابی) نے اس بارے میں اپنی کتاب فنا و بقا میں کچھ بحث کی ہے لیکن یہ اس زمانے کی تصنیف ہے جب کم عمری کی وجہ سے جوش اور تیزی کا غلبہ تھا۔ اب احتیاط کے ساتھ دوبارہ اس پر نظر ثانی کروں گا۔"

۵۔ ☆ شرح کلام منصور "میں (علی بن عثمان جلابی) ان (حسین بن منصور حلاج) کے کلام کی شرح لکھ چکا ہوں جس میں دلائل و براہین سے ان کے کلام کی رفعت اور ان کے

احوال کی صحت ثابت کی گئی ہے۔"

۶۔ ☆ البیان لاہل العیان "بعض اہلِ زبان دقیق کلام اور مشکل عبارات کو جمع الجمع کا نام دیتے ہیں۔ الفاظ کی حد تک ان کا یہ کہنا درست ہے مگر معنی اور حقیقت کے اعتبار سے یہی بہتر ہے کہ اسے جمع الجمع نہ کہا جائے، اس لئے کہ پہلے تفرقہ ہو پھر اس پر جمع کا اطلاق درست ہو گا۔ جب جمع ہو گی تو وہ تفرقہ ہی کے نتیجہ میں ہوئی ہو گی، اس بنا پر جمع پر دوسری جمع نہیں لائی جا سکتی۔ اس بات کے مفہوم میں غلطی کا امکان ہے اس لئے کہ صاحب جمع کی نگاہ فوق، تحت بلکہ اپنے آپ سے بھی بے نیاز ہوتی ہے۔ شب معراج سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دونوں جہان بلکہ کُل جہان دکھائے گئے مگر آپ نے کسی چیز کی طرف التفات نہ فرمایا اس لئے کہ آپ مقام جمع الجمع میں تھے...... میں نے ابتدائے حال میں البیان لاہل العیان کے نام سے اس موضوع پر کتاب لکھی تھی۔"

۷۔ ☆ نحو القلوب "اس میں بھی جمع کے بیان میں مفصل بحث کی گئی ہے۔"

۸۔ ☆ الرعایۃ بحقوق اللہ "کائنات کا خالق و فاعل ایک ہی ہے جو کامل، حیٔ، علیم، عالم، قادر، مختار اور دوسرے شرکاء کی شرکت سے بے نیاز ہے۔ جب ایک فعل ایک فاعل سے مکمل نہ ہو تو اس کے لئے دوسرے فاعل کی ضرورت پڑتی ہے۔ چونکہ دونوں ایک دوسرے کے شریک و محتاج ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ محال ہے کہ نظام کائنات چل سکے۔ علم یقین کی روشنی میں بلا شک و شبہ خالق و فاعل کا واحد ہونا لازم آتا ہے۔ یہاں کچھ لوگوں نے ہمارے (اہل سنت و جماعت) ساتھ اختلاف کیا ہے۔ ثنویوں نے نور و ظلمت ثابت کی، گبریوں نے یزداں و اہرمن کا نظریہ قائم کیا، نیچریوں نے طبع و قوت کو موثر مانا، نجومیوں نے سات سیارے تسلیم کیے اور معتزلہ نے بے شمار صانع و خالق بنا لئے۔ میں نے سب کے رد میں مختصر اور جامع بات کہہ دی ہے۔ چونکہ یہ کتاب (کشف المحجوب) ان کی خرافات کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے طالبانِ حق کو چاہیے کہ وہ اس موضوع پر میری مفصل کتاب الرعایۃ بحقوق اللہ کا مطالعہ کریں۔"

۹۔ ☆ ایمان "ایک گروہ ایمان کو صرف قول و اقرار کہتا ہے اور دوسرا اسے صرف معرفت سے تعبیر کرتا ہے۔ متکلمین کا ایک گروہ مطلق تصدیق کو ایمان قرار دیتا ہے۔ میں (علی بن عثمان) نے اس بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔"

تصانیفِ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی عدم دستیابی کا سبب:

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے درج بالا کتابیں تصنیف فرمائیں۔ کشف المحجوب کے سوا دیگر کتابوں کی عدم موجودگی کی وضاحت آپ کے خودنوشتہ مقدمہ کشف المحجوب کی درج ذیل اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "اس سے قبل میں نے اس موضوع (تصوف وطریقت) پر کئی کتابیں لکھی تھیں مگر وہ سب کی سب ان حاسدوں اور جہلا (نام نہاد صوفیائ) کے ہتھے چڑھ گئیں جنہوں نے سالکانِ طریقت کو اپنے چنگل میں پھانسنے، راغب اور متوجہ کرنے کی خاطر ان کتابوں کو چوری کیا۔ ان میں سے بعض تحریریں چن کر نوٹ کر لیں اور باقی کتب ضائع کر دیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے اور وہ حسد وکینہ اور انکار سے بھرے ہوتے ہیں۔ سرقہ شدہ مال کو اپنے لئے نعمت خداوندی سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔اس سے پہلے بھی علم تصوف سے ناواقف لوگ مشائخ کرام کی کتابوں سے یہ سلوک کر چکے ہیں۔"

عام طور پر کتاب کی تکمیل ہونے کے بعد اس پر مقدمہ یا دیباچہ لکھا جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے تو کشف المحجوب کا مقدمہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تحریر ہے تو درست ہوگا۔ لہٰذا اب یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ کشف المحجوب کے علاوہ حضرت کی جملہ تصنیفات آپ کی زندگی میں ہی تلف ہو چکی تھیں، اس لئے آپ کی کسی دوسری کتاب کی موجودگی کہیں نہیں پائی جاتی۔

تحقیق کشف الاسرار:

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ایک رسالہ کشف الاسرار، یہ آٹھ صفحات پر مشتمل لاہوری فارسی زبان میں لکھا گیا ایک رسالہ ہے جو مغلیہ دور کے آخر میں لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بعدازاں مصنف نے خود یا کسی تاجر نے کاروباری منفعت کے پیش نظر اصل مصنف کے نام حذف کر کے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے شائع کروا دیا جو غالباً ۱۸۷۰ء میں پہلی

بار مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوا۔

جعل سازیاں:

جب یہ کتاب وجود میں آئی ہے اس میں جعل سازی بھی ساتھ ساتھ چل رہی ہے جو آج تک موجود ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت قرآن پاک کے علاوہ تمام آسمانی صحیفے ہیں جو تحریف کا شکار ہوئے۔

بعض لوگ نثر یا نظم خود تصنیف کر کے مشہور مصنفین یا معروف شخصیات کے نام سے شائع کرتے ہیں۔ ان کا مقصد تحقیق کی دنیا میں جھوٹی شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ غیر مطبوعہ تصنیف مرتب کر کے شائع کرنا ایک ادبی کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

بعض لوگوں کا نایاب کتب جمع کرنا دلچسپ مشغلہ ہوتا ہے اس وجہ سے قلمی یا نایاب مطبوعہ کتابوں کی طلب ہمیشہ زیادہ رہی ہے اور اسی طلب کا فائدہ اٹھانے کے لئے پرانی کتب کا کاروبار کرنے والے طرح طرح کی جعل سازیاں کرتے ہیں۔

"بزرگان دین سے عوام کی عقیدت" سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض لوگ مالی مفاد یا دیگر مصلحتوں کے پیش نظر غیر معروف مصنفین کی تصنیفات کو یا اپنے من گھڑت خیالات و ملفوظات کو ان سے منسوب کر دیتے ہیں اور بعض انتساب صدیوں تک چلتے رہتے ہیں۔ ثقہ لوگوں کے نزدیک کشف الاسرار کا حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ سے منسوب ہونا ایسی ہی کسی جعل سازی کا نتیجہ ہے۔ مزید وضاحت و صراحت کے لئے کشف المحجوب اور کشف الاسرار کا موازنہ پیش خدمت ہے۔

کشف المحجوب موازنہ کشف الاسرار:

صاحب کشف المحجوب نے مقدمہ کے آغاز میں یوں لکھا ہے "میں نے اس کتاب کا نام کشف المحجوب رکھا ہے...... اس کتاب کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق کا خواستگار ہوں، اپنے اعتماد اور قوت پر بھروسہ سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر میرا آسرا اور وہی مددگار ہے۔"

صاحب کشف الاسرار نے شروعات اس طرح کی ہے "واضح رہے طوالت سے طبیعت اُکتا جاتی ہے اس لئے یہ کتاب مختصر بنائی گئی ہے۔ پڑھنے والے کو اگر اس میں کوئی بات نادرست معلوم ہو تو چاہیے کہ وہ اس کی اصلاح کرے ورنہ مہربانی سے پردہ پوشی سے کام لے۔"

اس انداز آغاز سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کشف الاسرار کا مؤلف انتہائی نو آموز تھا اور کوئی ثقہ آدمی نہ تھا۔

کشف المحجوب کے مندرجات اس بات کے شاہد و ناطق ہیں کہ صاحب کشف المحجوب نے علم و عرفان کی منازل طے کرنے کے لئے تقریباً دس سال پر محیط عرصہ دنیائے اسلام کے شہر شہر کا سفر اختیار کیا۔ آخر کار منشائے الٰہی سے لاہور کو اپنا مسکن بنایا۔ رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام کا سلسلہ تادم آخر جاری رکھا۔

صاحب کشف الاسرار بیان کرتا ہے کہ "میں جب ہندوستان آ گیا تو علاقہ لاہور کو جنت نظیر پایا اور یہیں بیٹھ کر بچوں کو پڑھانے کے سبب سے یہاں کی وطنیت و سکونت اختیار کر لی۔ جب مجھے احساس ہوا کہ پڑھانے کی وجہ سے میرے دماغ میں حکومت و بادشاہی کی بو جاگزیں ہونے لگی ہے تو یکا یک اس کام کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا اور کبھی اس کے نزدیک نہیں گیا۔"

اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کشف الاسرار ایک معمولی پڑھا لکھا عام شخص تھا جو نفس کے شر کو دبانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا لہٰذا اس نے مقدس فریضہ درس و تدریس سے منہ موڑ کر اسے نفس کے شر کی بھینٹ چڑھا دیا جیسے وہ گناہ کر رہا تھا۔ ایسی بات حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ جیسی بلند پایہ ہستی سے منسوب کرنا ان کی توہین کے مترادف اور بصد افسوس ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی حصول علم اور فروغ علم میں گزری۔ راقم کے بزرگ نسل در نسل بیان کرتے چلے آ رہے ہیں کہ لاہور میں قیام کے بعد حضرت نے درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ کے وصال کے بعد یہ سلسلہ آپ کے شاگرد رشید اور خلیفہ مجاز حضرت عبداللہ شیخ ہندی قدس سرہ العزیز اور ان کے خانوادہ نے جاری رکھا جو آج تک جامعہ ہجویریہ یا جامعہ گنج بخش کے نام سے جاری و ساری ہے۔ درس و تدریس کو ہمیشہ کے

لئے ترک کر دینے والی بات حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان کے سوا کچھ نہیں۔

صاحب کشف الاسرار ص ۳ پر تحریر کرتا ہے کہ "چوں در ہندوستان آمدم نواحی لاہور را جنت نظیر یافتم"۔ صاحب کشف المحجوب نے ص ۱۱۰ پر رقم فرمایا کہ "من اندر دیار ہند در بلدہ لہانور کہ از مضافات ملتان است۔"

ان تحریروں سے ہمیں مذکورہ کتابوں کی تصنیف کے ادوار کی نشان دہی ہوتی ہے۔ کشف المحجوب کی یہ عبارت واضح کرتی ہے کہ اس وقت لاہور کو لہانور اور ہندوستان کو ہند لکھا بولا جاتا تھا۔ کشف الاسرار کی عبارت ماضی قریب کے دور کی ترجمانی کر رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں کتب ایک شخص کی تصنیف کردہ نہیں اور نہ ہی لکھنے والا ہمعصر تھا۔

کشف الاسرار ص ۵ پر لکھا ہے کہ "اے علی! خلقت تجھے گنج بخش کہتی ہے۔" حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو زندگی میں گنج بخش نہ کہا گیا تھا بلکہ یہ لقب آپ کے وصال کے تقریباً سو برس بعد مشہور ہوا البتہ لاہور میں وارد ہونے کے بعد آپ کو داتا کہا جانے لگا تھا۔ القاب کے متعلق مزید وضاحت بندہ کی تصنیف "فاتح قلوب" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

صاحب کشف الاسرار نے لاہور کے افراد کا ذکر کیا ہے کہ "میں نے شیخ حسام الدین لاہوری سے سنا ہے کہ اگر کوئی ماں باپ کی قبر کو سجدہ کرے تو کافر نہیں ہوتا...... یہ بزرگ جب نزع کی حالت میں تھے تو میں نے ان سے نصیحت کی التجا کی۔ فرمایا اے علی...... مال اور اولاد کو فتنہ سمجھتا رہ...... ماں باپ کی دلجوئی کرتا رہ۔" یاد رہے کہ جب کوئی شخص اپنے لئے نصیحت کی خواہش کرتا ہے تو ناصح اس کے حال کے مطابق نصیحت کرتا ہے۔ اس بات کے پیش نظر کہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں دنیاوی مال ومتاع سے فارغ، مجردانہ زندگی گزار رہے تھے اور آپ کے والدین غزنی میں تھے یا واصل بحق ہو چکے تھے۔ اس پر یہ نصیحت عجب بات ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، ذات باری تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا حرام سمجھتے تھے۔ اس کا جائز ہونا وہ کیونکر اپنی کتاب میں رقم کر سکتے ہیں۔ اس بات پر بھی حیرت ہے کہ کشف المحجوب جیسی ضخیم کتاب میں لاہور کے کسی فرد کا ذکر موجود نہیں لیکن آٹھ صفحات کا رسالہ کشف الاسرار لاہوریوں کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ اس رسالہ میں شیخ تاج الدین کی حکایت کے بعد لکھا ہے۔ "اگر تم مفت ہزاری بھی ہو جاؤ تو کیا ہوگا آخر وہی مٹھی بھر خاک ہی رہو گے۔"

یاد رہے کہ ہفت ہزاری وغیرہ مغلیہ دور کی اصطلاح ہے۔ جو شخص شاہان مغلیہ کے دور میں سات ہزار فوجیوں کے قیام، طعام، آلات حرب و ضرب اور تنخواہوں کی ضروریات پورا کرتا تھا۔ بوقت ضرورت سات ہزار فوجیوں کو اپنی کمانڈ میں لے کر لشکر مغلیہ میں شامل ہو جاتا، اسے ہفت ہزاری کہا جاتا تھا۔ ایسے منصب داروں کو اخراجات پورے کرنے کے لئے مغل بادشاہ جاگیریں بخش دیا کرتے تھے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں یہ منصب اور اصطلاح موجود نہ تھی۔

کشف الاسرار ص ۷ پر تحریر ہے "لاہور میں خود دیکھا کہ کریم اللہ نامی ایک بڑا تاجر تھا۔ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام امام بخش رکھا گیا......" حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایسے نام رائج نہ تھے۔

کشف المحجوب میں حضرت نے محبت اور اس کے متعلقات کے بارے میں تفصیلی ذکر فرمایا ہے جس میں عارفانہ انداز میں عشق و محبت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ "آداب نکاح و تجرد" ص ۴۷۶ پر حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ خود پر گزری ایک کیفیت، کسی ان دیکھے محبوب کے خیال میں مبتلا رہنے اور اس سے نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"گیارہ سال تک شادی کی آزمائش سے اللہ تعالیٰ نے مجھ (علی بن عثمان) کو محفوظ رکھا، مگر تقدیر الٰہی میرا ظاہر و باطن اس (ایک عورت) کی خوبیوں کا اسیر ہو گیا جو دوسروں نے مجھے بتائی تھیں اور اس (عورت) کو دیکھے بغیر ہی ایک سال تک اس کے خیال میں مستغرق رہا۔ قریب تھا کہ میرا دین (نظامِ حیات) تباہ ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و کرم سے میرے دل ناتواں کو عصمت اور اپنی رحمت کے ذریعہ سے نجات عطا فرمائی۔"

اس کے برعکس صاحب کشف الاسرار معشوق پر فدا ہونے کی تلقین کرتا ہے اور عشق و معشوق اور یار کی عامیانہ انداز میں باتیں جیسے "میری خدا سے یہی آرزو ہے کہ...... مجھے ہمیشگی کے باغ و بہار میں جگہ عطا فرما اور میری مراد کے معشوق کو میری بغل میں دے دے۔" وغیرہ وغیرہ اس قدر درج ہیں کہ اگر ان سے مراد عشق حقیقی لیا جائے تو بھی یہ انداز بیان حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا قطعاً نہیں۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف کشف المحجوب میں کسی جگہ ایسا انداز نہیں اپنایا جس میں خود بینی، خود نمائی، خود ستائی اور اپنی ذات کے بارے میں فضیلت و ولایت کا اظہار ہو، لیکن اس کے برعکس صاحب کشف الاسرار زیادہ تر اپنی ہی ذات کی تعریف و توصیف میں قلمکاری کرتا نظر آتا ہے۔ جیسا کہ "اے علی! تو مردِ پُرنور مثل طور ہے، شیطان سے دور اور جہاں میں ایک نور ہے"۔ "اے علی! تو عجب دلربا ہے، گویا حُسن یوسف ہے"۔ "عالم کی جان ہے اور تو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے"۔ "اے محل دانائی! تو اپنے دل میں عمارت تعمیر کر"۔ "اے علی! تو عقلمند، بالغ، ولی اللہ، صاحب تاج وتخت اور فقیری کے تخت پر سونے والا ہے، جب تک تو ایک پیر ہے، دلپذیر ہے"۔ "اے علی! جب تک تو بادشاہ ہے چاند کی طرح سورج کا سہارا نہ لے"۔ "اے علی! تو بلند مرتبہ سورج ہے جس کا اونچا آسمان ہے"۔ "اے علی! تو چمکتے ہوئے جوہر رکھتا ہے"۔

یہ بات یقینی ہے کہ صاحب کشف الاسرار یا جعل ساز نے کشف المحجوب کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ ہی اسے کشف المحجوب کی جامعیت کا احساس تھا ورنہ وہ ایسی عبارتوں پر مشتمل رسالہ حضرت سے منسوب کرنے کی حماقت نہ کرتا۔

آٹھ صفحے کے رسالے کشف الاسرار میں مصنف نے خود پسندی اور ہلکے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھ جگہوں پر اپنے مخاطب کو "اے میرے طالب" لکھا ہے جبکہ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے اپنی ضخیم تصنیف میں اپنے مخاطب کو صرف چند مقامات پر "اے طالب حق" اور "اے طالب راہ حقیقت" تحریر کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ دونوں مصنفین کے رویوں اور مزاج میں تضاد بھی موجود ہے۔

درویش محقق حکیم محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۹۹ء) دیباچہ کشف المحجوب اردو کے ص ۲۴ پر لکھتے ہیں "رسالہ کے آخر میں تحریر ہے کہ "بر رسولاں بلاغ باشد و بس" سعدی کا یہ مصرعہ داتا صاحب کا نقل کرنا کرامت ہی سمجھا جا سکتا ہے۔" اس سے صاحب کشف الاسرار کی بے خبری اور مطالعہ سے عدم دلچسپی عیاں ہوتی ہے۔

حاصل بحث یہ کہ کشف الاسرار کا موازنہ جب کشف المحجوب سے کیا جاتا ہے تو یہ رسالہ فرضی معلوم ہوتا ہے۔ کشف المحجوب میں زبان و بیان کے علاوہ سنجیدہ قاری کو جس سلاست، تجر، آمد

اور علمی، روحانی و عرفانی و ارادت سے سابقہ پڑتا ہے، اس رسالہ میں کسی طور پر اس کی جھلک تک نہیں پائی جاتی۔ کشف الاسرار کی زبان عامیانہ لاہوری فارسی، غیر مرتب اور انتہائی نو آموز مصنف کی تحریر لگتی ہے اس میں بعض باتیں قابل اعتراض بھی ہیں اور تضاد بھی موجود ہے۔ اس رسالہ میں کشف المحجوب کے تشنہ طلب موضوعات کی تشریح کا دعویٰ کیا گیا ہے لیکن کشف الاسرار کے مطالعہ سے ایسی کوئی بات سامنے نہیں آتی بلکہ اس میں کشف المحجوب کے خالص علمی اور سنجیدہ مباحث کو چھیڑا تک نہیں گیا۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں رقم فرمایا ہے کہ "حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح الارادۃ، حضرت احمد بن خضرویہ نے الرعایۃ بحقوق اللہ اور حضرت محمد بن علی ترمذی نے بیان آداب المزیدین کے نام سے کتب لکھی ہیں ان کے علاوہ ابو القاسم حکیم ابو بکر وراق، سہیل بن عبداللہ، ابو عبدالرحمن السلمی اور استاد ابو القاسم قشیری رحمہم اللہ نے اس موضوع پر بھرپور کتابیں لکھی ہیں، یہ سب بزرگ اس فن کے امام تھے۔ اس کتاب کشف المحجوب سے میرا مقصود یہ ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے ان موضوعات پر دوسری کتابوں کی ضرورت نہ رہے۔"

اس عبارت کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ خود اکابر کی کتب سے قارئین کو فراغت دینے کا اعلان فرما رہے ہیں تو کشف الاسرار جیسے غیر سنجیدہ رسالہ کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟ ہم حق الیقین سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ضرورت حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو قطعاً پیش نہیں آئی بلکہ صدیوں بعد یہ ضرورت کسی جعل ساز کو پیش آئی۔

یہ بات اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ ہر دور میں کچھ لوگ مخصوص مفادات کی خاطر نامور شخصیات کے کلام میں اضافہ یا کتابیں خود لکھ کر غلط طور پر ان سے منسوب کرتے رہے ہیں۔ ایسے واقعات تاریخ میں بکثرت مل جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کشف الاسرار نام کی کوئی کتاب یا رسالہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں۔

(بشکریہ ماہنامہ "جہانِ رضا" لاہور۔ ماہ جنوری، فروری ۲۰۱۳ء)

خاک پائے گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

حماد ہجویری

0321-4512631

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا تصورِ علم

علامہ پیر محمد اسلم رضوی

سلطان الاصفیاء حضرت شیخ سید علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند کے اولین مبلغین اسلام میں سے ہیں اور آپ کا مزار گوہر باران کے فیض کی وجہ سے عرصہ نو سو سال سے مرجع خاص و عام چلا آ رہا ہے اور ان کی تصنیف "کشف المحجوب" اطراف و اکناف عالم میں شہرت و مقبولیت رکھتی ہے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے افکار ونظریات کا اصل مآخذ یہی کشف المحجوب ہے۔ جہاں تک آپ کے تصور علم کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے مقدمہ کے بعد اپنی کتاب کا آغاز اسی موضوع سے فرمایا اور مستقل ایک جامع باب باندھا۔

علم کی اہمیت اور فرض علم:

علم کی اہمیت کے بارے میں حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں علم والے ہی اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتے ہیں اور حصول علم ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے چونکہ انسان کی عمر مختصر ہے اور علم کی کوئی انتہا نہیں اس لئے انسان تمام علوم حاصل نہیں کر سکتا البتہ اتنا ہی علم حاصل کرنا فرض ہے جتنا شریعت سے متعلق ہو اور معاملات زندگی درست رہیں۔ مثلاً اتنا علم نجوم جس سے اوقات کی تعین کی جا سکے۔ علم طب اس قدر کہ صحت کی حفاظت ہو سکے اسی طرح علم حساب کہ جس سے ضروری لین دین، عدت یا وراثت کے مسائل حل ہو سکیں۔ تاہم بے فائدہ علم اور بے مقصد علم سے پرہیز لازم ہے۔

علم کی تعریف:

علم ایک صفت ہے جس سے انسان عالم ہو جاتا ہے۔

علم و عمل لازم و ملزوم ہیں:

حضرت سید داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کامیاب اور اچھی زندگی گزارنے کے لئے علم اور عمل دونوں یکساں ضروری ہیں۔ بے علم عبادت کرنے والے تو کولہو کے بیل کی مانند ہیں جو سارا دن چلنے کے باوجود وہیں کا وہیں رہتا ہے اور یہی صورت حال بے علم عابد کی ہے کیونکہ عمل اسی وقت عمل بنتا ہے جس اس کا تعلق علم سے ہوتا ہے۔کوئی بھی عبادت علم کے بغیر درست نہیں ہو سکتی۔تاہم تھوڑے علم کے باوجود عمل کی کثرت ہونی چاہیے اور علم عمل کے ساتھ مزین ہونا چاہئے۔آپ کے نزدیک جو علم کو عمل پر فضیلت دیتا ہے وہ اسی طرح غلطی پر ہے۔جس طرح عمل کو علم پر فضیلت دینے والا نیز علم حاصل کرنا، اسے یاد کرنا اور دہرانا یہ بھی عمل ہے اور علم پر عمل کرنے کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے وہ چیز بھی حاصل ہو جائے گی جس کا علم نہیں ہوتا۔

علم کا مقصد:

علم کا مقصد دنیاوی جاہ ومنصب نہیں ہونا چاہیے بلکہ علم کا مقصد معرفت الٰہی اور معرفت نفس اور معرفت دنیا ہے اور اخروی فلاح ہے۔جو علم کے ذریعے جاہ و مرتبے کا طلب گار بنتا ہے اسے علماء میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔بلکہ اسے جاہل کہنا چاہیے۔علم ہی وہ نعمت ہے جس کے ذریعے انسان بلند مقام و مرتبے کا مالک بنتا ہے اور اسے مشاہدہ حقیقی نصیب ہوتا ہے۔

علم کی اقسام:

سید داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بنیادی طور پر علم کی دو اقسام ہیں (۱) علم الٰہی (۲) علم بندہ۔علم الٰہی اللہ کی صفت ہے اور وہ ایک ہے جس سے وہ تمام موجودات اور غیر موجودات کو جانتا ہے اور اس علم میں مخلوق میں سے کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں۔یہ علم نہ تو تقسیم ہو سکتا ہے اور نہ اس کی ذات سے جدا ہو سکتا ہے۔کائنات کی تنظیم و ترتیب اس کے علم کی دلیل ہے۔علم الٰہی کائنات کے اسرار و رموز پر حاوی اور ظاہری اشیاء پر محیط ہے۔بندہ کو چاہیے کہ

وہ اپنے ہر کام اور عمل میں اللہ تعالیٰ کو علیم، شاہد اور موجود سمجھے۔ جہاں علم بندہ کا تعلق ہے تو بندہ کا علم علمِ الٰہی کے سامنے نہ ہونے کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود جبکہ بندہ کا علم محدود اور عطائی۔

علم بندہ کی اقسام:

سید داتا علی ہجویری قدس سرہ کے نزدیک علم بندہ کے دو پہلو ہیں۔

(۱) علم شریعت (۲) علم حقیقت

علم بندہ کے بارے میں فرماتے ہی کہ یہ علم اپنے ظاہر و باطن کے لحاظ سے دو اقسام پر مشتمل ہے۔ یعنی اصول اور فرغ۔ اصول کا ظاہر کلمہ شہادت کا اقرار اور اس کا باطن معرفت کا تحقق ہے۔ اسی طرح فروع کا ظاہر معاملات کی درستی اور اس کا باطن نیت کی سچائی ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے۔ باطن کی حقیقت کے بغیر ظاہر کی درستی منافقت، باطن بغیر ظاہر کے زندقہ اور گمراہی ہے۔ اسی طرح باطنی درستی کے بغیر خالی ظاہر شریعت کا التزام اتباع نفس اور باطن کی آراستگی، ظاہر شریعت کے سوا ہوس ہے۔ آپ کے نزدیک علم حقیقت کے تین رکن ہیں اول، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت کا علم اور اس کی ذات سے کسی بھی چیز کی تشبیہ کی نفی۔ دوم، صفات الٰہی اور اس کے احکام کا علم اور سوم، اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کی حکمت کا علم۔

آپ کے نزدیک علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں۔ ایک کتاب الٰہی دوسرا سنت نبوی اور تیسرا اجماع امت۔ پہلے دو ارکان کے بارے میں قرآن مجید سے ثبوت لاتے ہیں اور تیسرے رکن کے بارے میں حدیث نبوی سے ثبوت پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔" تم سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کا اتباع کرو۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کو معرفت کا علم نہیں اس کا دل جہالت کی وجہ سے مردہ ہے اور جس کے پاس شریعت کا علم نہیں وہ نہ جاننے کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اللہ کی معرفت کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے کفار کے دل مردہ ہیں اسی طرح اہل غفلت لوگوں کے دل بیمار

ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے خبر ہیں۔

مزید اقسام:

شیخ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علم کی تین اقسام ہیں۔

(۱) علم باللہ (۲) علم من اللہ (۳) علم مع اللہ

علم باللہ:

علم باللہ وہ علم معرفت ہے جس کے ذریعے تمام اولیاء اللہ نے ذات باری کو جانا اور یہ علم اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق سے ہے۔

علم من اللہ:

علم من اللہ علم شریعت ہے۔ جس کے ذریعے ہم مکلف قرار دیئے گئے اور ہمیں اس کے فرمان کا پابند ٹھہرایا گیا۔

علم مع اللہ:

علم مع اللہ یہ علم راہ حق کے مقامات اور اولیائے اللہ کے درجات سے متعلق ہے۔ معرفت شریعت کے بغیر درست نہیں اور راہ حقیقت کے مقامات کے علم کے بغیر شریعت کی تابعداری کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ بالفاظ دیگر جسے معرفت نہیں اس کا دل مردہ ہے اور جسے شریعت کا علم نہیں اس کا دل بیمار ہے۔

غافل علماء:

آپ کے نزدیک غافل علماء، وہ ہیں جنہوں نے اپنے دل کا قبلہ دنیا کو بنا رکھا ہے، شریعت میں رخصتوں اور آسانیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ بادشاہوں کے حواری و پجاری

ہیں۔ مخلوق میں جاہ و مرتبہ ان کے نزدیک معراج ہے۔ زبان و بیان میں تکلف سے کام لیتے ہیں، اساتذہ اور ائمہ پر طعن کرتے ہیں۔ بزرگان دین کے بارے نہایت ہلکے پن کا اظہار کرتے ہیں، علم سے یہ تمام جاہلانہ باتیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔

مکار فقیر:

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکار فقیر وہ ہیں کہ اگر کوئی ان کی مرضی کے مطابق کام کرے چاہے وہ کام غلط ہی کیوں نہ ہو وہ اس کی تعریف کرتے ہیں، اگر وہ کام ان کی منشا کے خلاف ہو، چاہے وہ اپنی جگہ حق پر مبنی کیوں نہ ہو تو اس کی مذمت کرتے ہیں۔ جاہ و مرتبہ کے خواہاں ہوتے ہیں اور برے کاموں پر بھی منافقت سے کام لیتے ہیں۔

جاہل صوفی:

شیخ داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جاہل صوفی وہ ہے جس نے کسی شیخ کی صحبت حاصل نہ کی ہو۔ اسے کسی پیر و مرشد سے ادب سیکھنے کا موقع نہ ملا ہو، نہ اس نے زمانے کے نشیب و فراز کا تجزیہ کیا ہو۔ یونہی گدڑی پہن کر خود کو صوفیا میں شمار کرتا ہو۔ اپنی بے عزتی پر مسرور ہو۔

آپ کے نزدیک یہ تینوں گروہ اپنے دعووں میں جھوٹے اور اپنے عمل میں ناقص ہیں۔ ان سے ہر صورت بچنا چاہئے۔

مختصر یہ کہ آپ کے خیال میں علم دل کی زندگی ہے جہالت کی موت ہے اور آنکھ کی روشنی ہے گمراہی کی تاریکی سے۔ اس لیے علم حاصل کرنا چاہیے اور اس میں کمال پیدا کرنا چاہیے کہ اس پر واضح ہو جائے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ جو علم میں کمال حاصل کرتا ہے اس کا علمی غرور ٹوٹ جاتا ہے۔ اور عاجزی اختیار کرتا ہے اور وہ جو علم حاصل نہیں کرتا اپنی جہالت کی ہٹ پر قائم ہے وہ مشرک ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، جون ۲۰۰۲ء)

تصوف اور مرشد عصر حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فکری زاویے

ملک محبوب الرسول قادری ☆

اہل تصوف میں دو مختلف نظریات رواج پذیر ہیں۔ جنہیں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یا انہیں دوسری اصطلاح میں دین ہمہ اوست اور دین ہمہ از اوست کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا تصوف کے دونوں نظریات پر گہرا مطالعہ تھا لیکن وہ خود نظریہ وحدت الوجود کے قائل و داعی تھے اقبال کا عقیدہ تھا کہ انسان صحیح معنوں میں اسی وقت مسلمان ہو سکتا ہے جب قرآن کے بتائے ہوئے اوامر و نہی اس کی اپنی خواہش بن جائیں۔ ایک مکتوب میں علامہ لکھتے ہیں کہ زمانہ حال کے مسلمانوں کی نجات اس میں ہے کہ بزرگان سلف کے حیرت ناک تذکروں کو زندہ کیا جائے انہوں نے سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں لکھا کہ میری ایک مدت سے خواہش ہے کہ اسلامی حکماء اور صوفیاء کے نقطہ نگاہ سے یورپ کو روشناس کیا جائے مجھے یقین ہے کہ اس کا بہت اچھا اثر ہو گا انہوں نے تاجدار گولڑہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط ۱۸ اگست ۱۹۳۳ء کو ارسال کیا جس میں رقمطراز ہیں کہ میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ اس خط کی ابتداء میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔ "اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے تاہم اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا۔

☆ چیئرمین اسلامک میڈیا سنٹر، چیف ایڈیٹر سہ ماہی "انوارِ رضا" جوہر آباد۔ 0321-9429027

اب اس محرومی کی تلافی اس عریضہ سے کرتا ہوں گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہر حال جناب کی وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے۔" حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا پورا مکتوب گرامی حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات مہر منیر میں موجود ہے اس خط کے مندرجات کو پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو تصوف اور صوفیاء سے کتنی عقیدت و دلچسپی تھی واضح رہے کہ نظریہ وحدت الوجود کو حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور نظریہ وحدت الشہود کو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے پھیلانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خط ہر دو بزرگوں سے زبردست عقیدت کا مظہر ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔

وہ انگریزی طرز معاشرت اور مغربیت سے بہت متنفر تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں مغربی تہذیب پر تنقید کی ضرورت ہے تقلید کی ضرورت نہیں۔ اسلامی خدمت کے جذبہ کا اظہار فرماتے ہوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میری آرزو ہے کہ میں اپنے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں پر دین کے اسرار منکشف کر جاؤں تا کہ وہ دین کے قریب آ جائیں انہوں نے صرف کاروباری اور پیشہ ور واعظوں کو نصیحت کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ ۱۹۳۱ء کے خطبہ صدارت میں واضح طور پر کہا تھا کہ موجودہ زمانے کے واعظوں کو تاریخ، اقتصادیات اور عمرانیات کے حقائق عظیمہ سے آشنا ہونے کے علاوہ اپنی قوم کے لٹریچر اور تخیل میں پوری دسترس بھی رکھنی چاہیے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیاء کرام کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے غلام میراں کے نام ایک خط میں لکھا کہ درویشوں کے قافلے میں جو لذت اور راحت ہے وہ امیروں کی معیت میں کیونکر نصیب ہو سکتی ہے بلکہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بھی اسی خیال کی تصدیق کرتا ہے۔

نہ تخت و تاج میں، نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

بلکہ انہوں نے تو اکتوبر ۱۹۲۶ء میں جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جلسے میں صدارتی خطاب کرتے ہوئے واضح طور پر کہا تھا کہ یہ جوہر انسانی کا کمال ہے کہ اسے دوست کے سوا اور کسی چیز کی دید سے مطلب نہ رہے یہ طریقہ بہت مشکل ہے کتابیں پڑھنے یا میری تقریر سننے سے نہیں آئے گا اس کے لیے کچھ مدت نیکوں اور بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر روحانی انوار حاصل کرنا ضروری ہیں۔ شاید اسی لیے تو انہوں نے کہا تھا کہ:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا　　نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات کی حاضری کے لیے اکثر جایا کرتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر حاضری کے لئے انہوں نے دور دراز کے سفر بھی کیے اور اکتساب فیض کیا اپنے روحانی مدارج میں ترقی پائی۔ انہوں نے ملت کے نوجوانوں کو ہدایت فرمائی کہ:

کیمیا پیدا کن از مشت گلے　　بوسہ زن بر آستان کاملے

اور پھر اس کی وجہ بھی خود ہی بتاتے ہیں کہ:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو دیکھ ان کو　　ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

۔ وہ بزرگوں کو صاحب کمال و کرامات سمجھتے تھے اور خدا کی دی ہوئی توفیق اور اختیار سے اس کی رحمت اور ہدایات کے خزانے تقسیم کرنے والے تصور کرتے تھے انہوں نے حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ عالی میں حاضری دی اور کہا۔

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا　　بڑی جناب تیری فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم　　نظام مہر کی صورت، نظام ہے تیرا
تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی　　مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تری محبت میں رنگ محبوبی　　بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا

دوسری جگہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر　　تیری جناب سے ایسی ملے فغان مجھ کو

وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی — رہے مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
بھلا ہو دونوں جہانوں میں حسن نظامی کا — ملا ہے جس کی بدولت یہ آستاں مجھ کو

اور جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گئے تو اقبال رحمۃ اللہ علیہ پکار اٹھے۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں میں ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو — آنکھیں میری بینا ہیں ولیکن نہیں بیدار

یہ سچ ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ان شخصیات میں سے ایک ہے جو قوموں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عطیہ ہوا کرتے ہیں۔ وہ ایک عالمگیر اور آفاقی پیغام کے امین تھے۔ ان کی فکر اور سوچ کا پایا بہت بلند تھا۔ ان کے کلام اور پیغام کو باریک بینی اور بصارت و بصیرت سے دیکھنے والا ان کے بلند مقام کا قائل ہو کے رہتا ہے۔ ان کا پیغام اسلام کا پیغام ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام ہے۔ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کی آفاقی حیثیت کا سکہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ شاید اسی لیے تو انہوں نے کہا کہ

ہمسایہ جبریل امین بندہ خاکی — ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس عظیم سورج کی مثل ہیں جو مشرق سے ابھرنے اور مغرب میں غروب ہونے کے باوجود مشرقی یا مغربی نہیں کہلاتا بلکہ اپنی عالمگیر حیثیت کو برقرار رکھتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کلام و پیغام انسانی رواداری اخوت و بھائی چارے اور اتحاد و یگانگت کی کھلی دعوت ہے۔ اسی لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پکار کر کہا کہ

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم — جہاد زندگانی میں ہیں مردوں کی شمشیریں

وہ اسلام کے تقدس ماب کے نظریات غیر مشروط اور وابستگی رکھتے ہیں اسی لیے تو مذہب کی بنیاد پر وحدت و اخوت کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ گویا فرمایا:

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے — یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے
قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں — جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

دوسری جگہ فرمایا:

دامن دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

وہ عصر حاضر میں احساس کمتری کا شکار ان افراد کو ناصحانہ انداز میں ارشاد فرماتے ہیں جو اپنے آپ کو جدید اور ترقی یافتہ ثابت کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات سے نہ صرف دور ہیں بلکہ وہ اسلامی روایات کا مذاق اڑانے پر تلے ہوئے ہیں۔گویا علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ملک و نسب پر ہے انحصار قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

ان کے کلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں اسلامی روح کارفرما ہے وہ ایسے اصول وضوابط پیش کرتے ہیں کہ پوری انسانیت کی اصلاح اور کامیابی یقینی نظر آتی ہے۔

زیر نظر سطور میں ہم مفکرِ اسلام، مصور پاکستان، قلندر لاہوری، شاعر انقلاب حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے چند فکر انگیز ارشادات کا مطالعہ کریں گے جو زندگی کے تمام شعبوں میں ہمارے لیے راہنما اصولوں کا درجہ رکھتے ہیں۔گویا علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

☆ مصیبت ایک عطیہ خداوندی ہے تا کہ انسان پوری زندگی کا مشاہدہ کر لے۔

☆ کردار اور صحت مند تخیل میسر آ جائے تو اس گناہ اور دکھ بھری دنیا کی ایسی تعمیر نو ممکن ہے کہ یہ ایک حقیقی جنت بن جائے۔

☆ ضبط نفس افراد میں ہو تو خاندانوں کی تعمیر ہوتی ہے۔قوموں میں ہو تو سلطنتیں قائم ہوتی ہیں۔

☆ فلسفہ بوڑھا بنا دیتا ہے جبکہ شاعری تجدید شباب کرتی ہے۔

☆ میں اپنے شب و روز اور ماہ و سال کی قدر و قیمت ان تجربات کے لحاظ سے جانچتا ہوں جو وہ مجھے بخشتے ہیں اور بعض اوقات میں یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ ایک آن واحد پورے ایک سال سے زیادہ گراں قدر ہے۔

☆ خدا اور شیطان دونوں انسان کو موقع فراہم کرتے ہیں اور یہ اسی پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ ان مواقع سے جیسا مناسب سمجھے فائدہ اٹھائے۔

☆ اسلام اور عیسائیت دونوں کو ایک مشترک حریف یعنی بت پرستی سے نمٹنا پڑا لیکن فرق

یہ ہے کہ عیسائیت نے اپنے حریف سے سمجھوتہ کر لیا اسلام نے اسے بالکل نیست و نابود کر دیا۔

☆ قومیں شعراء کے دلوں میں جنم لیتی ہیں اور سیاست دانوں کے ہاتھوں میں چلتی اور پھر مر جاتی ہیں۔

☆ زندگی میں کامیابی کا انحصار عزم پر ہے نہ کہ عقل پر۔

☆ اپنی حدود کو پہچانئے اور اپنی صلاحیتوں کو پرکھئے پھر زندگی میں آپ کی کامیابی یقینی ہے۔

☆ سچی سیاسی زندگی کا آغاز حقوق کے مطالبے سے نہیں بلکہ فرائض کی ادائیگی سے ہوتا ہے۔

☆ خوشا وہ دل جو عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشیمن ہو۔

☆ حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے۔

☆ مادہ اور روح دونوں کے امتزاج کا نام حقیقت ہے۔

☆ شعر سننے اور سنانے کی چیز نہیں، تنہائی میں بیٹھ کر پڑھنے کی چیز ہے۔

☆ حسن قوت سے خالی ہو تو محض ایک پیغام موت ہے۔

☆ ہر انسان چھوٹے پیمانے پر ایک خالق ہے اور ان تخلیقی قوتوں کو ضائع کرنے کا نام گناہ ہے۔

☆ درویشوں کے قافلے میں جو لذت و راحت ہے وہ امیروں کی معصیت میں کیونکر نصیب ہو سکتی ہے۔

☆ خودی کا عرفان، قرآن کے سوا کہیں نہیں۔

☆ وہ حسن جس پر استغنا کا غازہ نہ ہو بدصورتی سے بھی بدتر ہے۔

☆ قومیں فکر سے محروم ہو کر تباہ ہو جاتی ہیں۔

☆ فلسفہ، انسانی عقل کی خنک تیرگی میں ٹھٹھرتے ہوئے تجربات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ شاعر آتا ہے اور اپنے سوز دل سے انہیں گرما کر واقعیت میں بدل دیتا ہے۔

☆ قابل دماغ میں پودے کی سی خصوصیت ہوتی ہے وہ بھی ناچ نہیں سکتا۔

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار

شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق — افکار میں سرمست، نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو — ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

☆ ☆ ☆

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی — خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند
درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی — گھر میرا نہ دلی نہ صفاہاں نہ سمرقند
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق — نہ آبلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش — میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

☆ ☆ ☆

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے — مومن کا مقام ہر کہیں ہے

☆ ☆ ☆

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر — نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

ان ارشادات کی روشنی میں اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں رہا کہ فکرِ اقبال کو عام کرنا عصرِ حاضر کی اہم ضرورت ہے اور مرشدِ عصر حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آرزو کا اظہار اپنے اس دعائیہ شعر میں کیا تھا:

خدایا آرزو میری یہی ہے — مرا نورِ بصیرت عام کر دے

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی عقیدت و ارادت، انس اور قلبی و روحانی تعلق ایک مسلمہ حقیقت ہے اور اس موضوع پر محقق ابن محقق مخدوم و محترم سید محمد عبداللہ شاہ قادری حفظہ اللہ تعالیٰ نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ خداوند متعال ان کی اس سعی کو قبول و مقبول فرمائے۔ سچ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب اپنے خاندان کے وقار کا علامتی نشان اور اپنے والد بزرگوار ماہر اقبالیات سید نور محمد قادری قدس سرہٗ کے حقیقی جانشین ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ و حضرت قلندر لاہوری مرشدِ عصر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا حقیقی فیض نصیب کرے۔ اللہ تعالیٰ حضور داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ اور حکیم الامت عارف لاہوری حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے روشن خیالات، نظریات و عقائد سے پوری قوم کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

ظفر حمید

جس خزانے سے ملی اجمیر کو روحانیت آئیے
لاہور میں وہ گنج عرفان دیکھئے۔

اسم مبارک حضرت سید علی رحمۃ اللہ علیہ کنیت ابوالحسن مشہور لقب داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، وطن ہجویر مضافات غزنی، مزار اقدس لاہور۔ پانچویں صدی ہجری میں سلطان المجاہدین سلطان محمود غزنوی کے جذبہ ایمانی سے ہندوستان کے تاریک وحشیت کدہ میں نور اسلام کی ضیا پاشیاں شروع ہو چکی تھیں اور موجودہ مغربی پاکستان کا پورا علاقہ کفر کے شکنجے سے رہا ہو کر توحید اور رسالت کی آغوش میں آ چکا تھا۔

نشاط اسلام کے اہم ارتقائی میں دولت غزنی کے مختلف علاقوں سے جو مشہور علمائے کرام وصوفیائے عظام پنجاب تشریف لائے ان میں حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی سرفہرست ہے۔ یوں تو آپ کی تشریف آوری سے پیشتر کئی اکابر موجودہ مغربی پاکستان کے علاقوں میں قدم رنجہ فرما چکے تھے۔ لیکن درحقیقت اس برصغیر میں روحانیت کی بنیادیں آپ ہی کے نزول اجلال سے مستحکم ہوئیں اور آپ کی ذات اقدس کو پاکستان اور ہندوستان میں تصوف کا پہلا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ ۴۳۱ھ میں جبکہ سلطان محمود غزنوی سریر آرائے حکومت تھا۔ غزنی سے لاہور تشریف لائے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ خاندانی طور پر حسنی سید ہیں اور سلسلہ نسب یہ ہے۔

حضرت سید علی داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمن بن سید عبداللہ بن سید ابوالحسن علی بن سید ابومحمد حسن بن سید زید شہید بن سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بن امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت ابوالفضل محمد ختلی نے پہلے اپنے ایک مرید حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کو اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے لاہور بھیجا تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ

رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور جانے کا حکم ہوا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جس دن اپنے دورہ پر لاہور میں رونق افروز ہوئے۔ اسی دن آپ کے پیر بھائی حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ نے دارِ فانی سے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ اس طرح ظاہر ہو گیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے لاہور بھیجے جانے میں کیا روحانی مصلحت کارفرما تھی۔

غزنی سے لاہور تک سفر کے دوران آپ کے دست مبارک میں ایک پرچم تھا۔ آپ نے اس مقام پر قیام فرمایا جہاں آپ کی درگاہ مبارک ہے۔ گنبد شریف کے باہر مزار مبارک کے سرہانے سنگ مرمر کا ایک خوبصورت چھوٹا سا حوض ہے۔ زائرین حسن عقیدت سے پیتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا پرچم نصب کر کے فرمایا تھا کہ یہ جھنڈا ہمیشہ قائم اور سایہ فگن رہے گا۔ اس زمانہ میں اس جگہ کو راوی دریا کی لہریں چومتی تھیں۔ اور قریب ہی ایک ہندو جوگی رائے راجو رہتا تھا جسے اپنی ساحرانہ قوتوں پر بڑا ناز تھا۔ جوگی کو اپنی کٹیا کے قریب ایک مسلمان کا قیام بہت ناگوار ہوا اور اس نے جادو کی طاقت سے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو ستانا چاہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقبول بندے پر مشرکانہ قوتوں کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جوگی کو منہ کی کھانی پڑی اور اپنے کیئے کی سزا ملی۔ اس نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں پر گر کر معافی مانگی اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو شیخ ہندی کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ نو مسلم ہندی نے آخری دم تک اپنے مرشد کی خدمت کا پورا حق ادا کیا اور درگاہ شریف کے انتظامات محکمہ اوقاف کی تحویل میں آ جانے سے پیشتر مجاورت کے سارے حقوق حضرت شیخ ہندی کی اولاد کے لئے وقف تھے۔

شیخ موصوف کا مزار گنبد شریف کے باہر مشرق کی جانب ہے۔ ایک اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رائے راجو ایک جوگی نہیں بلکہ متعصب ہندو امیر تھا اور اس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پریشان کرنا چاہا تھا۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی جو اس وقت ایک عالیشان مسجد کی شکل میں موجود ہے اور اس کے دروازے پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کہا ہوا یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

سال بنائے حرم مومناں خواہ ز جبریلؑ وز ہاتف مجو
چشم بہ المسجد الاقصیٰ فگن الذی بارك هم بگو (۱۳۴۰ھ)

مشہور ہے کہ جب حضرت داتا صاحب نے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا تو بعض مولویوں نے سمت کعبہ پر اعتراض کیا تھا۔ حضرت نے معترضوں کو مغرب کے وقت مدعو فرمایا۔ نماز کے بعد آپ نے لوگوں سے فرمایا دیکھو کعبہ کس سمت ہے۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے کعبہ مکرمہ کو اسی سمت دیکھا جو حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متعین فرمائی تھی۔ آپ کی اس کرامت کا دور دراز شہرہ ہوا اور لوگ جوق در جوق خدمت بابرکت میں حاضر ہونے لگے۔ دارالشکوہ قادری نے بھی اپنی مشہور کتاب سفینۃ الاولیاء میں حضرت داتا گنج بخشؒ کی اس کرامات کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے۔ (بعد از نماز بہ حاضران گفتند نگاہ کنید کہ کعبہ بکدام سمت است حجابہا از بیان، بر خاست وکعبہ حجازی نمودار گشت)۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اولیائے کرام میں سے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث الثقلین غوث الاعظم پیر دستگیر شاہ جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز اور سلطان الہند غریب نواز حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتی سنجری قدس اللہ سرہ العزیز سے کم وبیش ایک صدی پیشتر کے بزرگ ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی اشارہ سے برصغیر کا رخ فرمایا تھا۔ سب سے پہلے لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور پائین میں ایک حجرے کے اندر چالیس دن معتکف رہے پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اجمیر شریف جانے کا حکم ہوا اور حضرت سلطان الہند خواجہ غریب رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر پڑھ کر مزار مبارک سے رخصت ہوئے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا حجرہ اعتکاف آج بھی موجود ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ شعر ارشاد فرمانے کے بعد آپ عوام میں داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لوگ آپ کی حیات مبارک ہی میں گنج بخش کہتے تھے۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک

کتاب تصنیف کشف الاسرار میری نظر سے نہیں گزری مگر کشف المحجوب اردو ترجمہ از مولوی فیروز الدین مرحوم کے دیباچہ میں کشف الاسرار کا یہ منقول ہے جس میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اے علی! تجھے خلقت گنج بخش کہتی ہے اور پاس تیرے ایک حبہ بھی نہیں۔ اس بات کا خیال ہرگز دل میں نہ لا (مجھے گنج بخش کہتے ہیں) یہ محض دعویٰ اور غرور ہوگا۔ گنج بخش تو وہی ذات پاک قادر ہے۔"

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی وغیرہ بڑے بڑے بزرگان نے حاضری کا شرف حاصل کیا ہے اور شاہان جلیل القدر نے اس چوکھٹ پر سر جھکایا ہے۔ شہزادہ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ جو شخص چالیس شب جمعہ یا چالیس دن مسلسل روضہ شریف کا طواف کرے اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔ تبلیغ دین اور تعلیم روحانیت کے علاوہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب، کشف الاسرار، منہاج الدین وغیرہ کی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول کشف المحجوب ہے۔ یہ حضرت داتا صاحب کا وہ علمی و روحانی کارنامہ ہے جو صدق و صفا کے آسمان پر ہمیشہ سورج کی طرح جگمگاتا رہے گا اور اگر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے تمام عظیم الشان دینی روحانی اور علمی کارناموں کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کر دیا۔

حب الوطن من الایمان

صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

محمد سلیم شرقپوری

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

شیخ المشائخ، ہادیٔ راہ طریقت، مرشد اہل یقین...... سراج السالکین حضرت علی ہجویری، المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ دین کی ان بزرگ و محترم ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے پانچویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند میں اسلام کو پھیلایا۔ یہ ان بزرگوں کے فیض کرم کا ہی نتیجہ تھا کہ اسلام کی ضیا باریوں نے لاہور کے اطراف و اکناف کو منور کیا۔

ابتدائی حالات:

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک علی اور کنیت ابو الحسن ہے۔ شاہان غزنیہ کے دور حکومت میں سید عثمان بن علی رحمۃ اللہ علیہ جلابی غزنی تشریف لائے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔ ۴۰۰ھ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جد امجد کے نام پر علی رکھا گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ ہجویر کی رہنے والی تھیں۔ چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہجویر میں ہی پیدا ہوئے اس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ہجویری کہا جاتا ہے۔ ۴۳۱ھ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن سے ہندوستان کی طرف آئے۔ یہ زمانہ غزنی کے لئے بڑا پرخطر اور تباہیوں کا پیش خیمہ تھا۔ ترکمانوں نے چاروں طرف سے غزنی کو گھیر رکھا تھا۔ آگ اور خون کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ ابو الحسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور انہیں سے فیوض باطنی حاصل کئے۔ حضرت شیخ ابو الحسن حضری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، جن کا سلسلہ روحانی جنیدیہ سلسلے سے جا ملتا ہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف کشف المحجوب میں رقم طراز ہیں کہ ایک بار جب میں مرشد کے ہاتھ دھلا رہا تھا، میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب ہر بات میں تقدیر کارفرما ہے تو

پھر یہ پیری مریدی کا سلسلہ کس لئے ہے۔ میرے دل میں ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ پیر و مرشد نے فرمایا۔ اے بیٹے میں تیرے دلی خیال سے واقف ہو گیا ہوں۔ "یاد رکھ جب خدائے عزوجل کسی کو تاج و تخت دینا چاہتا ہے تو اس کو توبہ کی توفیق دیتا ہے اور وہ تائب ہو کر مہربان دوست کی خدمت میں مصروف ہو جاتا ہے اور اسی خدمت کے نتیجہ میں اسے معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔"

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے پیر و مرشد نے ۵۲ برس تک ایک ہی لباس پہنے رکھا۔ جب پھٹ جاتا تو اس میں پیوند لگا لیتے۔

سیروفی الارض:

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سیر و سیاحت کا بہت شوق رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے "سیرو فی الارض" کے ارشاد کی تعمیل میں عمر عزیز کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں گزارا اور تمام اسلامی ممالک میں جا کر مشائخ اور علماء کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں منازل سلوک طے کر کے مجاہدہ میں مشغول تھا تو ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ میں نے ایک بار شیخ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پاک پر چلہ کشی کی اور مسلسل تین ماہ تک روزانہ غسل اور وضو کر کے مراقبہ کرتا۔ مگر مجھے وہ کشف حاصل نہ ہوا جو اس سے پہلے حاصل ہو چکا تھا۔ آخر اس جگہ کو چھوڑ کر خراسان کے ایک گاؤں میں پہنچا اور وہاں ایک خانقاہ پر میری ملاقات ایک ایسی جماعت سے ہوئی جنہوں نے مجھے بڑی نفرت سے دیکھا۔ یہ لوگ خود عمدہ اور لذیذ کھانے کھاتے اور مجھے روکھی سوکھی روٹی دیتے اور میرا تمسخر اڑاتے۔ یہاں تک کہ ذلت اور تمسخر برداشت کرتے کرتے مجھ کو وہ کشف حاصل ہوا جو اس سے پیشتر مجھے حاصل نہ تھا۔

لاہور میں تشریف آوری:

جب حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد کو یقین ہو گیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت روحانی مکمل ہو چکی ہے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں لاہور جانے کا حکم دیا۔ ۴۳۹ھ سے ۴۶۵ھ تک حضرت شیخ لاہور میں ہی رہے جس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں تشریف فرما ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ

نے شہر کے مغربی جانب ہندوؤں کے مندر کے قریب جس کے ساتھ دریائے راوی بہتا تھا، اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا اور اس جگہ اسلامی پرچم نصب کر کے فرمایا:

"اللہ نے چاہا تو یہ پرچم لاہور پر ہمیشہ لہراتا رہے گا۔"

لاہور میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ وقت تصنیف و تالیف میں گزرتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ کلمۃ الحق کی سربلندی اور اشاعت دین کا سلسلہ بھی برابر جاری تھا۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ ایک مسجد اور ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔ روزانہ سینکڑوں لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم سے نہ صرف مسلمان ہی اپنے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کرتے، بے شمار غیر مسلم بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

رائے راجو کا قبولِ اسلام:

رائے راجو کے قبول اسلام کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز ایک بوڑھی عورت اس طرف سے گزری۔ اس کے سر پر دودھ کا مٹکا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بلایا اور فرمایا۔ "دودھ کی قیمت لے لو اور یہ دودھ ہمیں دے دو۔" اس عورت نے جواب دیا کہ میں یہ دودھ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں دے سکتی۔ کیونکہ یہ دودھ رائے راجو کو دینا پڑتا ہے اگر نہ دیا جائے تو ہمارے جانوروں کے تھنوں سے دودھ کی بجائے خون نکلنے لگتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ بڑھیا کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا "اگر تم یہ دودھ ہمیں دے دو گی تو اللہ کے حکم سے تمہاری گائیں دودھ زیادہ دیں گی اور ہر قسم کے دکھ اور بیماری سے محفوظ رہیں گی۔ چنانچہ اس عورت نے آپ کو دودھ دے دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس دودھ میں سے تھوڑا سا تو پی لیا، اور باقی دودھ دریا میں پھینک دیا۔ جب بوڑھی عورت گھر واپس لوٹی اور اس نے جانوروں کو دوہا تو جانوروں نے اس قدر دودھ دیا کہ سارے برتن لبالب بھر گئے اور دودھ ختم نہ ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اس کرامت کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگ دودھ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لاتے، آپ رحمۃ اللہ علیہ اس دودھ سے تھوڑا سا دودھ پی کر باقی دودھ دریا میں پھینک دیا کرتے اور جب لوگ گھر جا کر اپنے جانوروں کا دودھ دوہتے، تو ان کے جانور بے حساب دودھ دیتے۔ اس کرامت کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے رائے راجو کے پاس دودھ لے جانا بند کر دیا۔

رائے راجو کو جب معلوم ہوا تو وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر کہنے لگا "دودھ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بند کر دیا اب کوئی اور کمال دکھائیے۔" آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میں کوئی جادوگر نہیں ہوں جو کمالات دکھاتا پھروں، میں تو اللہ کا ایک ناچیز بندہ ہوں۔ باقی اگر تم میں کوئی کمال ہے تو اس کا مظاہرہ کرو۔" چنانچہ اس جوگی نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کئی کرشمے دکھائے۔ آخر میں وہ ہوا میں اڑنے لگا۔ جب وہ ہوا میں پرواز کر رہا تھا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جوتی اتار کر اس کی طرف پھینک دی۔ چنانچہ وہ جوتیاں اس کے سر پر لگنے لگیں اور وہ شرمندہ ہو کر زمین پر اتر آیا اور اترتے ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں پر گر پڑا اور اسلام قبول کر کے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مرید بن گیا۔ بیعت کرنے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی باطنی اور روحانی اصلاح فرمائی۔ اور اسے شیخ سرہندی کا خطاب عطا فرمایا۔ اب شیخ سرہندی کی اولاد ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک کی مجاوری کر رہی ہے۔

لاہور میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قیام گاہ کے پاس ایک مسجد تعمیر کرائی، چونکہ اس مسجد کا رخ جنوب کی سمت معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے اکثر علمائے لاہور نے اعتراض کیا کہ مسجد کا رخ درست نہیں۔ جب مسجد مکمل ہوگئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شہر کے تمام علماء کو مدعو کیا اور انہیں خود نماز پڑھائی۔ نماز کے دوران ہی علماء نے خانہ کعبہ کو مسجد کے رخ دیکھا اور اپنے اعتراض پر شرمندہ ہوئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور عالم تصنیف "کشف المحجوب" ہے جسے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے غزنی میں لکھا اور جب لاہور تشریف لائے تو اس کتاب کو ہمراہ لائے اور اسے لاہور میں مکمل کیا۔ یوں تو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی بے شمار تصنیفات ہیں۔ مگر کشف المحجوب کو اسلامی تصوف میں جو درجہ حاصل ہے وہ کسی اور کتاب کو نہیں۔

مسئلۂ سماع:

حضرت شیخ ہجویری مسئلہ سماع پر فرماتے ہیں کہ ہر شخص کی طبیعت اور دل کا ارادہ اور نیت مختلف ہوتی ہے۔ اسی بنا پر سماع کے احکام بھی ہر شخص کے لئے یکساں نہیں ہوتے۔ اور ہر شخص کے متعلق ایک ہی فتویٰ دے دینا اور رائے قائم کر لینا سراسر ظلم ہے۔

سماع سننے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو صرف نفس مضمون اور معنی سے

کوئی غرض نہیں ہوتی اور ان کی توجہ صرف راگ کی طرف ہوتی ہے اور وہ آواز کو سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی طبیعتوں میں جو معانی ودیعت فرمائے ہیں ان کی وجہ سے وہ سریلی آوازوں کو سنتے ہیں۔ اگر وہ معانی حق ہوں گے تو ایسی صورت میں سماع کا سننا جائز ہوگا اور اگر معانی باطل ہوں گے تو اس کے لئے سماع بھی باطل ہوگا۔ مقصد یہ ہوا کہ جس شخص کی طبیعت میں فساد اور نقص ہوگا اس کے لئے سماع بھی موجب فساد ہوگا۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو جب اپنا خلیفہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو خوش الحانی اور خوش گلوئی عطا فرمائی اور ان کی آواز اتنی رسیلی اور سُریلی تھی کہ جب پرندے آپ علیہ السلام کی سُریلی آواز سنتے تو آپ علیہ السلام کے گرد جمع ہو جایا کرتے اور بہتے دریا رک جاتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام گاتے ہوئے جس جنگل سے گزرتے تو جانور مست و بیخود ہو جاتے اور ان کی بھوک پیاس ختم ہو جاتی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ سات سو جوان لونڈیاں اور بارہ ہزار بوڑھے جاں بحق ہو گئے تھے۔ مشیت ایزدی یہ تھی کہ جو لوگ نفسانی خواہشات کے تحت سماع سنتے ہیں اور جو لوگ حق تعالیٰ کے لئے سماع میں حصہ لیتے ہیں ان میں امتیاز پیدا ہو جائے۔ اس پر ابلیس نے حق تعالیٰ سے لوگوں کے دلوں میں شیطانی وسوسے پیدا کرنے اور انہیں بہکانے کی اجازت طلب کی۔ جب اسے اجازت مل گئی تو اس نے ڈھول باجے اور بانسری ایجاد کئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مجالس حق کے مقابلے میں اس نے شیطان مجالس قائم کیں۔ پس لوگ شیطانی مجالس کی طرف مائل ہو گئے اور جو سچے تھے وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سنا کرتے اور انہیں کی طرف مائل رہے۔ اس طرح سماع سننے والوں کے دو گروہ ہو گئے۔ فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے سماع سنتے تھے یا سنیں تو یہ سماع حلال ہے اور جو لوگ خواہشات نفسانی کے لئے گانا سنتے تھے یا سنتے ہیں وہ ناجائز اور حرام ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سماع خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایک کیفیت ہے جوش کی جانب دلوں کو ابھارتی ہے۔ پس جو اس کو حق کے لئے سنتا ہے وہ حق کی جانب مائل اور راغب ہے اور جو نفسانی خواہشات کی تکمیل کے ارادے سے سنتا ہے وہ زندیق ہو جاتا ہے۔"

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بحالت سماع رقص کو پسند نہیں فرمایا بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔ اور اس کی سخت مذمت کی ہے البتہ وجد کے متعلق فرمایا کہ وجد اور رقص میں

زمین آسمان کا فرق ہے۔ راحت یا مصیبت سے خوشی اور غمی کے اثرات کو وجد کہتے ہیں اور مختصر یوں سمجھنا چاہیئے کہ وجد طالب و مطلوب کے مابین ایک راز ہے جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس کا احساس وجدان میں ہی ہوتا ہے۔

وصال مبارک:

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ۹ محرم ۴۶۵ھ کو بانوے سال کی عمر میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ اس زمانے میں لاہور پر سلطان ابراہیم غزنوی کی حکومت تھی۔ چنانچہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ مبارک مرجع عوام و خواص ہے۔

حضرت شیخ کی سن وفات کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں ۴۵۶ھ اور ۴۵۵ھ لکھا ہے۔ مستشرق نکلسن نے لکھا ہے کہ ۴۶۵ھ اور ۴۶۹ھ کے درمیان وفات ہوئی۔ مزار مبارک پر خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے جو قطعات تاریخ کندہ ہیں ان سے بھی ۴۶۵ھ نکلتا ہے۔

مزار پاک پر خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی موزوں کردہ تاریخ وفات کندہ ہے۔

ایں روضہ کہ با نیش شدہ فیض است مخدوم علی راست کہ با حق پیوست
در ہستیٔ نیست شدہ ہستیٔ یافت زاں سال وصالش افضل آمد از ہست

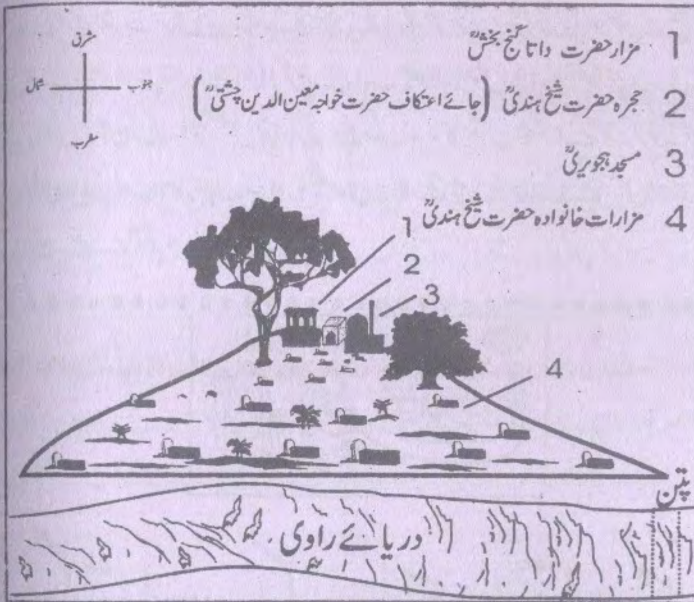
ڈیوڑھی کی غلام گردش پر مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

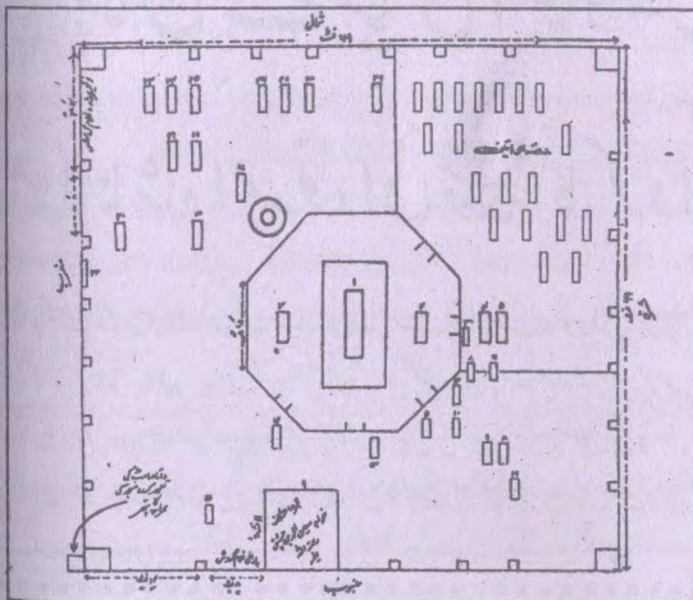
خانقاہ علی ہجویریؒ است خاک جاروب از درش بردار
طوطیا کن بہ دیدۂ حق تا شوی واقف در اسرار
چونکہ سردارِ فلک معنی بود سالِ وصلش بر آید از سردار

مزار مقدس پر ولی الہند حضرت شیخ المشائخ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا حجرۂ اعتکاف ہے جس پر گنبد ملک محمد شریف مرحوم نے تعمیر کرایا تھا۔ درگاہ کے گنبد پر متعدد بزرگوں کے کتبے نصب ہیں جو انہوں نے اظہار عقیدت کے طور پر لکھے تھے۔ مزار کا تعویذ مبارک جو سنگِ مرمر کے ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ شہزادہ داراشکوہ نے بنوایا تھا۔

ایک مرتبہ داراشکوہ نے اپنے دادا مرشد حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر دن کا ایک درخت ہے جس کی تعظیم و پوجا حد تک پہنچتی جا رہی ہے۔ چنانچہ حضرت میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے درگاہ شریف پر مراقبہ کیا تو حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا، درخت اکھاڑ کر یہاں ایک چھوٹا سا حوض بنوا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پہلے یہ حوض زمین کے ساتھ متصل تھا، اب نیچے سنگ مرمر کا ستون لگا کر اسے بلند کر دیا گیا ہے۔ اس حوض کا پانی لوگ بطور تبرک سر اور آنکھوں پر لگاتے ہیں۔ آستانے کے متصل معتقدین اور مریدین کے بے شمار مزارات ہیں۔

مزار سید ہجویر، حجرہ خلیفہ اول حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ
مسجد ہجویری اور مزارات خانوادہ شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ



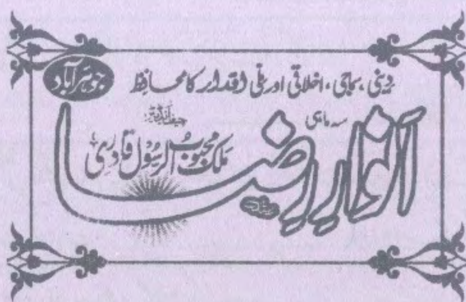


(۴)

مخزن معرفت و عرفانِ حق

خدا کے دوستوں میں ہے شمار گنج بخش کا — نگاہِ قدسیاں میں ہے وقار گنج بخش کا
ثنا طراز ابوالحسن علیؒ کے ہیں سب اس لیے — کرم رہا، عطا رہا شعار گنج بخشؒ کا
میں تیرے حسن آخرت کی کر رہا ہوں یوں دعا — خدا کرے، ہو تیرے دل میں پیار گنج بخشؒ کا

(راجا رشید محمودؔ)



حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر

حسن ترتیب

مرشد کاملاں داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

ملک محبوب الرسول قادری

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی علی بن عثمان بن علی ہے۔ غزنی کے مشہور محلہ ہجویر میں ایک خدا رسیدہ بزرگ کے ہاں ولادت ہوئی۔ سن ولادت مختلف بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۴۰۰ھ میں ہوئی۔ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کے بعد نویں پشت میں شجرۂ نسب امیر المومنین سیدنا حیدر کرام علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ والد گرامی سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اور والدہ محترمہ سیدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھیں۔ سرزمین غزنی کے دو عظیم سپوت پورے عالم اسلام کی توجہ کا مرکز بنے ایک داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ آج براعظم ایشیاء میں کروڑوں مسلمانوں کے موجود ہونے میں ان دونوں عظیم ہستیوں کا بھی خاصا حصہ ہے۔ داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ بعد ازاں حصول علم کے لئے دنیا بھر کی سیاحت فرمائی۔ آپ نے فارس، مدائن، خراسان، بخارا، طبرستان، آذربائیجان، کوہستان، بغداد، شام، عراق، خوزستان اور ماوراالنہر وغیرہ کے علاقوں میں نامور علماء وفضلا سے اکتساب علم کیا۔ مزاجاً نیک سیرت کے حامل بھی تھے اور حسینی جمال کے مرقع بھی۔ آپ کی سخاوت اور خوش خلقی بہت مشہور تھی۔ آپ نے اپنے زمانہ طالب علمی میں خدا کے مقرب اور محبوب بندوں کی زیارت کرنا بھی اپنا معمول بنا رکھا تھا۔ خراسان میں حضرت ادیب کمندی رحمۃ اللہ علیہ اور بخارا میں حضرت شیخ احمد ثمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی سزیارت کی، شام میں عشاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امام حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے تو عالم رویا میں پیکر جمال حضور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک عمر رسیدہ ضعیف شخص بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں گر پڑے اور قدم بوسی کی سعادت بھی حاصل کی۔ اس کے بعد آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا یہ آپ کے ہمراہ عمر رسیدہ شخصیت کون ہیں؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ تیرا اور تیرے دیار

والوں کا امام ابو حنیفہ ہے۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پاک پر حاضری سے اتنی عظیم سعادت ملی کہ زیارت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرفراز ہوئے اس کے بعد آپ کے دل میں حضرت سراج الامت، امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت پہلے سے کہیں زیادہ پیدا ہوگئی۔ حضرت ابو العباس احمد بن محمد الاشقانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو القاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے کامل و اکمل اولیاء آپ کے اساتذہ میں شامل تھے۔ آپ نے حضرت ابو الفضل محمد بن حسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ وہ مستند عالم دین، تفسیر اور حدیث کے بڑے عالم تھے۔ تصوف میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تھے۔ پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے آپ کو فرمایا کہ "ہم بہت دنوں سے آپ کے منتظر تھے۔" طریقت میں آپ کے شیخ و پیشوا شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی، شیخ حصری، شیخ ابوبکر شبلی، حضرت جنید بغدادی، حضرت سری سقطی، شیخ معروف کرخی، شیخ داؤد طائی، شیخ حبیب عجمی اور خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم کی وساطت سے اسی ترتیب کے ساتھ امیر المومنین، باب مدینۃ العلم، شہنشاہ ولایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ انتہا درجہ کے متقی اور پرہیزگار تھے اکثر فرماتے تھے کہ "دنیا ایک روزہ ہے اور ہم روزہ سے ہیں۔" اللہ اکبر۔ آپ کو تقویٰ وطہارت اور توکل کا یہ عظیم مرتبہ اپنے مرشد کریم ہی کی بارگاہ سے حاصل ہوا تھا جنہوں نے آپ کو وصیت فرمائی تھی کہ "بیٹا علی! میں تجھے اعتقادی مسئلہ بتاتا ہوں جس پر کاربند ہو کر تم ہر رنج وتکلیف سے محفوظ رہ سکتے ہو۔ یاد رکھو ہر حال اور ہر مقام پر نیک و بد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کے کسی کام سے از راہ مخاصمت کبیدہ و رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے۔" کشف المحجوب اور کشف الاسرار آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ کشف المحجوب کا شمار تصوف کی بنیادی اور ابتدائی پانچ کتب میں ہوتا ہے۔ کشف المحجوب کے اس وقت تک ۲۵ اردو تراجم ہو چکے ہیں اور تین مختلف ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور کتاب کی مقبولیت ہے کہ اس میں آئے روز اضافہ ہو رہا ہے۔ کشف المحجوب شریف اپنی جگہ پر مرشد کامل کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک فرمادیا کہ "اگر کسی کا پیر نہ ہو تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ اسے پیر کامل، مل جائے گا۔" نفحات الانس میں مولانا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "کشف المحجوب مرشد کامل ہے اور تصوف کی کتابوں میں اس خوبی کی کتاب تصنیف ہی نہیں ہوئی۔" ہندوستان کے

مشہور دیوبندی عالم مولانا عبد الماجد دریا آبادی "تصوف اسلام" میں رقمطراز ہیں کہ "کشف المحجوب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات و حکایات کی نہیں بلکہ یہ ایک مستند محققانہ تصنیف ہے۔" جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل محمد نے کشف المحجوب کا خود اردو ترجمہ کیا ہے اور اس کے دیباچہ میں بانی جماعت اسلامی پاکستان کے حوالے سے لکھا ہے کہ "مولانا مودودی صاحب ہی سے سن رکھا تھا کہ اہل طریقت میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک صحیح الخیال اور بہت بلند پایہ بزرگ تھے جنہیں اس کوچہ کے سبھی لوگ مقتداء مانتے ہیں اور ان کی تصنیف کشف المحجوب اس فن میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔" حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شادی کی اس کے متعلق ملک کے نامور ادیب حضرت شمس بریلوی "کشف المحجوب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "آپ نے ایک شادی کی اور جب چھ ماہ کی مدت کے بعد ان سے مفارقت ہو گئی تو تازیست آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔"

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد کریم شیخ ابو الفضل محمد بن حسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد انہی کے ارشاد کی تعمیل میں آپ ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے۔ لاہور آنے سے پہلے آپ نے اپنے والد گرامی اور والدہ محترمہ کے مزارات پر حاضری دی آپ کے ہمراہ آپ کے حلقہ احباب میں سے شیخ احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابو سعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ تبلیغ دین آپ کا مشن تھا۔ جہاں رکتے تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیتے۔ جب آپ لاہور آئے تو یہاں ایک جادوگر کا قبضہ تھا جو رائے راجو کے نام سے مشہور تھا نہایت ظالم اور بے رحم شخص تھا۔ یہ دودھ پیتا تھا اور جو اسے دودھ نہ پہنچاتے۔ یہ ظالم جادو کے ذریعے انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا۔ آپ نے ایک صبح دیکھا کہ ایک بڑھیا ایک مٹکا سر پر اٹھائے جا رہی تھی پوچھا، یہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ دودھ ہے۔ فرمایا کہاں لے جا رہی ہو؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا کہ اگر ہم رائے راجو، جوگی کو دودھ نہ دیں تو ہمارے جانوروں کے تھنوں میں دودھ کے بجائے خون بھر جاتا ہے۔ داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دودھ ہمیں دے دو، تمہارے جانور کئی گنا بڑھ جائیں گے اور دودھ بھی زیادہ دیں گے اس نے دودھ دے دیا اور واقعی دوسری ہی صبح اس کے جانوروں کے دودھ میں اضافہ ہو گیا۔ اس کے جانوروں کے دودھ سے اس کے برتن بھر جاتے۔ بات چلتی چلتی مشہور ہوئی اور ادھر رائے راجو کو بھی خبر ہو گئی۔ وہ آپ کی

اس کرامت کا سن کر سخت غضبناک ہوا اور آپ کی خدمت میں آیا۔ کہنے لگا کہ دودھ کی کرامت تو میں نے سنی ہے اگر کوئی اور کرامت بھی ہے تو مجھے دکھلاؤ۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے پاس کچھ ہے تو ظاہر کر، اس نے منتر پڑھا اور ہوا میں پرواز شروع کر دی۔ حضور گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی لکڑی کی جوتی (کھڑاؤں) کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس کو واپس لاؤ۔ اب داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے جوتے پرواز کرنے لگے اور فضا میں جا کر رائے راجو کے سر میں برسنے لگے۔ اور اس کو واپس آپ کے قدموں میں لے آئے۔ وہ آتے ہی آپ کے قدموں میں گر پڑا۔ توبہ کی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ آپ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور اس کی روحانی و فکری تربیت فرمائی۔ آگے چل کر یہی عبداللہ، شیخ ہندی کے نام سے مشہور ہوئے اور داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے سجادہ نشین بنے۔ اسی رائے راجو کے راہ راست پر آنے کے واقعہ سے لاہور میں لوگ دودھ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرتے اور آج تک یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ ملک بھر کے گوالے عرس مبارک کے موقع پر دودھ کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور آپ کے ایصال ثواب کے لئے دودھ کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔ آپ کا وصال ۹ محرم الحرام ۴۶۵ھ کو ہوا۔ نماز جنازہ شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔ آپ کا سالانہ عرس پاک آپ کے چہلم کی مناسبت سے ہمیشہ ۱۹ صفر المظفر کو منعقد ہوتا ہے۔ اکابر اولیاء کرام نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ چالیس روز تک چلہ کشی کرنے کے بعد گوہر مراد ملا تو چشتیوں کے پیشوا اور امام، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ پکار اٹھے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات صبح قیامت تک مشعل راہ ہیں۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ "کوئی بھی شخص علم سے بے نیاز رہ کر وادی عرفان و سلوک میں قدم نہیں رکھ سکتا۔" آپ نے فرمایا کہ "علم اور عمل لازم و ملزوم ہیں۔ اب سمجھ لو کہ محبت الٰہی کہ حق میں اور بندہ کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کتاب و سنت سے ثابت ہے اور امتوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو دوست ہیں انہیں اللہ تعالیٰ بھی دوست رکھتا ہے بلکہ اس کے دوستوں کو بھی محبوب رکھتا ہے۔" آپ نے فرمایا کہ "وہ لوگ جو جانتے خاک نہیں اور اپنے جہل پر بضد ہیں وہ مشرک طریقت ہیں اور وہ

لوگ جو جانتے ہیں ان پر ان کے علم کے کمال نے معنی حقیقی ظاہر کر دیئے ہیں ان پر اللہ کا خاص فضل ہوتا ہے۔" آپ نے فرمایا کہ "سخی وہ ہوتا ہے جو بخشش اور عطا میں تمیز کرے۔" کشف المحجوب میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے دور میں پیدا فرمایا جس میں لوگوں نے ہوا و ہوس کا نام شریعت، طلب منصب و جاہ و تکبر کا نام عزت، علم اور خلق خدا سے ریاکاری کا نام خشیت الٰہی، کینہ پروری کا نام حلم و بردباری، فضول بحث و لڑائی کا نام مناظرہ، منافقت کا نام زہد، ہذیان طبع کا نام معرفت، دل کی دھڑکن کا نام محبت، الحاد کا نام فقر، انکار حق کا نام تزکیہ، بے دینی و زندقہ کا نام فنا، ترک شریعت کا نام طریقت، آفت کا نام معاملات، جنگ اور حماقت کا نام عظمت، نفس کی تاویلات کا نام حجت اور ہوس کو سلوک کا نام دے رکھا ہے۔" ان حالات کے پیش نظر آپ نے ان تمام رسومات بد کے خلاف عملاً جہاد فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ مجدد الف ثانی، خواجہ اجمیری اور علامہ اقبال جیسے مشاہیر امت ان کی تعلیمات سے فیوض و برکات حاصل کرتے رہے۔ مجدد الف ثانی نے تو ارشاد فرمادیا تھا کہ "لاہور کو بلاد ہند میں قطب الارشاد کا مقام حاصل ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا بزرگ ہوگا جس نے لاہور پہنچ کر سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر جبین نیاز کو نہ جھکایا ہو۔" آپ کا مشن تبلیغ و اشاعت دین متین تھا۔ آپ کی فکر کی بنیاد شریعت اور طریقت کی ہم آہنگی تھی۔

تصوف کو بدنام کرنے والوں کے خلاف آپ نے بھرپور جہاد کیا۔ داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سادگی اور عمل کی دعوت دیتی ہیں انہوں نے امت کو متحد رہنے کا درس دیا آپ اسلامی قوت کی وحدت کے خواہش مند تھے۔ مخلوق کے سینوں کو وہ اللہ کی بندگی و اطاعت اور حضور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے روشن دیکھنا چاہتے تھے۔ ہزاروں ہندوؤں، سکھوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ آپ کے وصال کے بعد سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ظہیر الدولہ نے آپ کا مزار مبارک تعمیر کرایا جبکہ خانقاہ کا فرش اور ڈیوڑھی مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے تعمیر کروائی۔

خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

میری دعا ہے کہ رب کریم داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی فکر رسا سے پوری قوم کو اکتساب فیض کی توفیق بخشے اور علم و عمل کی دولت عطا فرمائے۔ آمین

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

عبد الماجد دریا آبادی

پورا اسم گرامی علی بن عثمان بن علی الغزنوی الجلابی اللاہوری ہے..........ہندوستان میں شہرت عام عرف داتا بخش رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔

وطن غزنی (افغانستان) تھا......ہجویر و جلاب دو قریے مضافات غزنی میں ہیں......قیام دونوں میں رہا......آخر عمر میں ہندوستان آ کر لاہور میں سکونت اختیار فرمائی تھی، یہیں انتقال کیا، یہیں مدفون ہوئے۔ اس ساری نقل وحرکت کے اظہار کے لیے نام کے ساتھ "غزنوی، جلابی، ہجویری اور لاہوری" کا ضمیمہ لگا ہوا ہے۔

سید حسنی تھے......شجرہ نسب تذکروں میں یوں دیا ہے:

علی بن عثمان بن سید علی بن شاہ شجاع بن ابو الحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

بیعت شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی اور وہ شیخ ابو الحسن جصری کے مرید تھے۔ شجرۂ طریقت سید الطائفہ سید جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا تھا، جابجا ان کا ذکر اپنے قلم سے کرتے گئے ہیں اور اپنے ان کے تعلقات پر روشنی بھی ڈالتے گئے ہیں۔ مثلاً شیخ ابو العباس احمد اشقانی کے ذکر میں ہے:

مراد باوے انسے عظیم بودو وے را بر من شفقت صادق اندر بعضے علم استاد من بود۔	مجھے ان سے بڑی محبت تھی اور وہ بھی میرے اوپر دل سے شفقت رکھتے تھے اور بعض علوم میں میرے استاد تھے۔

(کشف المحجوب، صفحہ ۱۲۱)

اسی طرح بعض دوسرے مشاہیر، معاصرین سلطان ابو سعید ابو الخیر، شیخ ابو القاسم قشیری، شیخ ابو القاسم گرگانی وغیرہم سے ملاقاتوں کے دل چسپ تذکرے لکھے ہیں۔ اپنے شیخ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"ابوالفضل محمد بن حسن ختلی" بزرگوں اور عابدوں کے سرتاج تھے، میں طریقت میں انہی کا مرید ہوں۔ علم تفسیر و روایات کے عالم تھے اور تصوف میں جنید کے ہم مذہب۔ حصری کے مرید تھے اور یزدانی کے دوست اور ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن بن سالبہ کے معاصر تھے۔ ساٹھ سال تک اپنے شہر کو شہرت خلق سے دور گوشہ نشینی اور گم نامی میں رکھا۔ قیام زیادہ تر کوہِ لگام پر رہا۔ عمر اچھی پائی (ولایت) کے بہت سے ثبوت و شواہد رکھتے تھے، لیکن لباس اور آثار ظاہری صوفیہ کے سے نہ رکھے۔ جو لوگ رسوم صوفیہ کے پابند تھے، ان سے اور درشتی برتتے۔ میں نے ان سے زیادہ پُر رعب کسی کو نہیں دیکھا۔" (صفحہ ۱۲۰)

حنفی المذہب تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے خاص عقیدت تھی۔ ان کا نام اماماں و مقتدائے سنیاں، شرف فقہاء و عز علماء کی حیثیت سے لیا ہے اور ان کے کمالات کا بیان تفصیل سے کیا ہے۔ (صفحہ ٦٦ تا صفحہ ٦٩)

اس ضمن میں اپنا ایک دل چسپ خواب بھی تحریر کیا ہے، فرماتے ہیں:

"میں ملک شام میں تھا کہ ایک مرتبہ حضرت بلال مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار کے سرہانے سو گیا، خواب میں دیکھتا ہوں کہ مکہ معظمہ میں حاضر ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں اور جس طرح کوئی کسی بچہ کو گود میں لیے ہو، آپ ایک مسن (معمر) شخص کو گود میں لیے ہوئے ہیں۔ میں دوڑتا ہوا حضور میں پہنچا، پائے اقدس کو بوسہ دیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ مسن شخص کون ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے خطرۂ قلب پر اطلاع ہو گئی، ارشاد ہوا کہ یہ شخص تیرا اور تیری قوم کا امام ہے۔ یعنی ابوحنیفہ۔ اس خواب سے مجھے اپنے اور اپنی قوم کے حق میں بڑی امیدیں وابستہ ہو گئیں اور مجھے اس خواب سے یہ بھی منکشف ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے صفات ذاتی سے فانی ہو چکے ہیں اور محض احکام شرع کے لئے باقی رہ گئے ہیں، اس لیے کہ ان کے حامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اگر میں انہیں خود چلتے دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ وہ باقی الصفات ہیں اور باقی الصفات کے لیے خطا و صواب دونوں کا امکان ہے، لیکن چوں کہ انہیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں دیکھا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا وجود ذاتی فنا ہو چکا ہے اور اب جو ان کا وجود قائم ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے قائم ہے اور چوں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کسی طرح کی خطا کا امکان

نہیں، اس لیے جس کا وجود ان میں فانی ہو چکا ہے، وہ بھی امکان خطا سے پاک ہے۔" (صفحہ ۶۸۔۶۹)

سیر و سیاحت میں اکثر رہا کرتے تھے، شام سے لے کر ترکستان تک اور ساحل سندھ سے لے کر بحر قزوین تک، یعنی اپنے زمانہ کی تقریباً ساری اسلامی عمل داری کی سیاحی کا ذکر کیا ہے۔ آذر بائیجان، بسطام، دمشق، رملہ، بیت الجن، طوس، مہنہ اور جبل السلام کے نام اپنے سفرناموں کے ذیل میں تفریح کے ساتھ لیے ہیں۔ ایک مرتبہ عراق کے دوران قیام میں معلوم ہوتا ہے کہ معاش وافر تھی اور اسی کے ساتھ مصارف کی زیادتی سے نوبت قرض داری کی آ گئی تھی اور یہ اس فکر میں گھلے جاتے تھے کہ ہر شخص کی حاجت روائی کہاں تک کریں۔ آخر ایک درویش کی موعظت سے پریشان خاطری سے رہائی نصیب ہوئی، فرماتے ہیں:

"ایک بار میں حدودِ عراق میں دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے لٹا دینے میں بے طرح مشغول تھا اور بہت قرض دار ہو گیا تھا، جس کو جس چیز کی بھی خواہش ہوتی، پس میری ہی طرف رخ کرتا اور میں اس فکر میں رہتا کہ کیسے سب کی خواہش پوری کروں، کہ شیوخِ وقت میں سے ایک شیخ نے مجھے لکھا کہ اے فرزند! کہیں اپنے دل کو مشغولی خدا سے ہٹا کر اس کی طرف مشغول نہ کر لینا، جو مشغول ہوائے نفس ہے، ہاں اگر کوئی ایسا شخص ملے جس کا دل تم سے برتر ہو، تب تو اس کی تشفی خاطر کرو، ورنہ سب کے لیے اپنا دل حیران و پریشان نہ رکھو، اللہ خود ہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے۔ بس اس وقت سے میرے دل کو قرار آ گیا۔" (صفحہ ۲۶۸)

استعدادِ علمی کی تفصیل کسی تذکرہ میں نظر سے نہیں گزری، لیکن کشف المحجوب خود اس امر کا ایک واضح ثبوت ہے کہ اس کا مصنف علم باطن کے علاوہ علم ظاہری پر بھی وسیع نظر رکھتا ہے، بعض تذکروں میں اجمالاً صرف اتنا ہے کہ "جامع بود میان علوم ظاہری و باطنی" اور اتنا تو یقیناً صحیح معلوم ہوتا ہے۔

بعض تذکروں میں ہے کہ لاہور اپنے پیر و مرشد کے حکم سے آئے تھے اور حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ملفوظ میں تو ورودِ لاہور کی تفصیل بھی ملتی ہے۔ فوائد الفواد میں ہے:

"علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ دونوں ایک ہی مرشد سے بیعت رکھتے تھے، ایک روز شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو مرشد کا حکم ملا کہ لاہور میں سکونت اختیار کرو، عرض کیا وہاں تو شیخ حسین رحمۃ اللہ علیہ پیشتر موجود ہیں، مکرر ارشاد ہوا کہ تم جاؤ، تعمیل کی، شب میں لاہور پہنچے، اسی شب میں شیخ حسین رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال کیا۔" (صفحہ ۳۵)

ان روایتوں تو معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کو مرشد کے حکم سے اپنا مسکن بنایا تھا لیکن کشف المحجوب سے کچھ ایسا پایا جاتا ہے کہ لاہور کا قیام مرضی کے خلاف کسی مجبوری سے تھا، فرماتے ہیں:

"کتب من بہ حضرت غزنیں ماندہ بود و من اندر دیار ہند در بلدۂ لاہور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنسان گرفتار شدہ بودم۔" (صفحہ ۶۵)	"میری کتابیں غزنی میں چھوٹ گئی تھیں اور میں حدود ہند میں شہر لاہور میں کہ مضافات ملتان میں سے ہے، ناجنسوں کے درمیان گرفتار تھا۔"

عام لقب جو گنج بخش چلا ہوا ہے، اس کی بابت روایت یہ ہے کہ خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مزار پر آ کر حسب دستور صوفیہ چلہ کشی کی اور فیض و برکت سے مالا مال ہو کر جب رخصت ہونے لگے تو مزار کے رخ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا:

گنج بخش ہر دو عالم، مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل، ناقصاں را رہنما

سال وفات سے متعلق اختلاف ہے، مزار پر جو قطعۂ تاریخ کندہ ہے، اس میں ۴۶۵ھ درج ہے۔ دوسرے قرینے بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ مزار لاہور میں سمت غرب میں واقع ہے۔ اب تو آبادی وہاں تک ہوگئی ہے، پہلے شہر سے باہر تھا۔ اہل حاجت یوں بھی برابر آتے جاتے رہتے ہیں۔ جمعرات اور جمعہ کو مجمع زائد ہو جاتا ہے۔ عقیدت مندوں کا خیال ہے کہ اگر چالیس روز متصل حاضری ہو جائے یا چالیس جمعہ کی راتوں کو مزار کا طواف کیا جائے تو ہر مشکل آسان اور ہر حاجت روا ہو جاتی ہے۔ زیارت ایک بار ۱۹۴۲ء/۱۳۶۱ھ میں ان سطور کے راقم آثم نے بھی کی ہے۔

تصوف و طریق پر کتابیں متعدد لکھیں لیکن آج وہ ناپید ہیں، بلکہ تذکروں میں تو ان

کے نام تک درج نہیں۔ "سفینۃ الاولیاء" وغیرہ میں اجمالی ذکر صرف اس قدر آتا ہے کہ:

"حضرت پیر علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ را تصنیف بسیار است۔"

مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبۂ کمال کا اعتراف سب کو رہا ہے، خواجہ خواجگان معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ المشائخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ دونوں سے متعلق روایت ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر چلے کھینچے ہیں اور فیوض و برکات حاصل کیے ہیں، چناں چہ دونوں حضرات کے مکانات میں چلہ کشی کے نقوش اب تک محفوظ ہیں۔

ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں تصنیف و مصنف کی جلالت قدر کا اعتراف کرتے ہیں:

"عالم و عارف بود...... در صحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است صاحب کتاب کشف المحجوب است کہ از کتاب مشہورۂ معتبرہ دریں فن است و لطائف و حقائق بسیار در آں کتاب جمع کردہ است۔" (نفحات، صفحہ ۳۵۸)

داراشکوہ کے نزدیک فارسی زبان میں تصوف پر کوئی کتاب اس ٹکر کی نہیں۔

(سفینہ، صفحہ ۱۶۴)

سب سے بڑھ کر قابل استناد، قابل افتخار قول، سلطان المشائخ نظام الملت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، آپ کا ارشاد تھا کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائے گا۔ آپ کا ایک غیر مطبوعہ ملفوظ، درر نظامی میں ہے:

"می فرمودند کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری ست قدس اللہ روح العزیز اگر کسے را پیرے نہ باشد چوں ایں کتاب را مطالعہ کند او را پیدا شود من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردم۔" (درر نظامی، نسخہ قلمی، درگاہ سلطان المشائخ، دہلی)

مخدوم کی اس کرامت کا ذکر متعدد تذکروں میں ہے کہ لاہور میں جو مسجد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر کرائی تھی، اس کی محراب میں بہ مقابلہ دوسری مسجدوں کے سمت جنوب میں ذرا کجی تھی، علمائے وقت نے اعتراض کیا کہ سمت قبلہ قائم نہیں رہی، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز سب کو جمع کر کے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد حاضرین سے کہا:

"دیکھ لو کعبہ کدھر ہے۔"

حجابات اٹھ گئے اور سب نے دیکھ لیا کہ بیت اللہ مسجد کے ٹھیک مقابل ہے۔

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

ایک درویش خدامست کے قلم سے

آ اے دوست! چند لمحے یہاں بھی شوق و مستی کا رقص سجدہ دیکھتے ہیں۔ یہ آستان کرم ہے، یہ بارگاہِ عطا ہے، یہاں کی حضوری حضور دوست کی سبیل ہے۔ یہاں سے انوار عرش الٰہی میسر آتے ہیں، یہاں کے سجدوں میں ایک عجیب کیف ہے۔ یہاں کے طواف میں ایک ان کہی سرمستی ہے۔ یہاں کی حضوری میں ایک ایسی لذت سوز و کیف ہے جسے دل محسوس کر سکتا ہے، زبان نہیں کہہ سکتی۔ اور اے دوست! آ کچھ رقص کا اہتمام ہم بھی کریں۔ آ! میرے ساتھ آ! دیکھ کہ ہم نے ادھر کا رخ کیا تو ہمارے دل سینوں میں رقصاں ہونے لگے۔ آ! اور میرے ساتھ بڑھ، کہ دلوں کا یہ گداز، جسم، روح کے اندر ایک عجیب کیف و سرور پیدا کر رہا ہے۔ یہ سرور ایک لازوال نشہ بن کر رگ و پئے میں سما رہا ہے اور دیکھ میرے دوست! کہ ساری کائنات روح و بدن میں ایک رعشہ نمودار ہو گیا ہے۔ یہ کیا ہو گیا ہے؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟ شاید تُو مجھے کچھ بتا سکے۔ تُو آشنائے راز ہے تُو اس بارگاہ کا گدا ہے۔ تو اس آستان عطا و محبت کا سوالی ہے۔ اس لئے تو ان کیفیات سے شناسا ہے۔ دیکھ کہ تیرے دل کا گداز آنکھوں کی شبنمی جھالر بن کر تیری پلکوں پر نمودار ہو گیا ہے۔ یہ شاید حضور دوست سے اجازت قرب کا پیغام دل نواز ہے۔ آ کہ ہم انہی آنسوؤں کے سہارے اپنے داتا کے دربار کے اور قریب ہوتے چلیں۔ آ کہ ہم زبان خاموشی سے اپنے ان احول و کیفیات کو اس شاہراہ کے ذروں سے کہتے ہیں۔ تھوڑی دیر آ رک جا۔ کچھ سوچ لیں! کیا سوچیں؟ یہ کہ وہاں حاضری ہو گی۔ تو آستان کو بوسہ دے کر یہ کہیں گے کہ کرم کرنے والے! یہ تیری نوازشوں کی انتہا ہے کہ تو نے حاضری کی اجازت دے دی۔ تیری عطا ہے کہ تو نے کچھ نامعلوم التجائیں یہاں کہہ دینے کا موقع بخش دیا۔ تو وہ ہے کہ تیری بارگاہ میں خواجہ خواجگان، سرکار غریب نواز چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے حاضری دی۔ تو وہ سخی ہے کہ حضور بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں کیف و مستی کے سجدے کئے۔ میرے داتا! وہ کونسی مقدس ہستی ہے جس نے تیرے آستانہ پر آ کر اپنا دامن سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لازوال کرم سے نہیں بھرا۔

وہ کون سا عارف ہے جس نے آ کر تیری جناب سے حضور حضرتِ حق کی راہ حاصل نہیں کی۔ وہ کون سا درویش ہے جس نے یہاں سے کیف و سرشاری کی لازوال دولتیں نہیں سمیٹیں۔ وہ کون سا واصل ہے جس نے حضور محبوب کی ادا میں تجھ سے نہیں سیکھیں اور وہ کونسا مقبول ہے جس نے کمال نعمت سے آگہی تیرے وسیلے سے نہیں چاہی۔ اور مولا! ہمیں بھی دیکھ! کس شمار اور کس قطار میں ہیں۔ ہم جو اپنے ساتھ اپنی تقصیرات کے پشتارے کے سوا کچھ نہیں لا سکے۔ ہم جو اپنے ان گنت گناہوں کے دفتر کے سوا اپنا کوئی سرمایہ نہیں رکھتے ہم اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کا آپ مرقع ہیں۔ ہم وہ ہیں کہ اپنے آپ پر نگاہ اٹھ جائے تو اپنے آپ کو حیا آ جائے۔ ہمارے پاس نہ کوئی عبادت ہے نہ نیکی۔ اپنی تقصیرات اور کوتاہیوں کی ان گنت یادداشتوں کے سوا کچھ اپنے پاس نہیں۔ کرم فرما ہمارا حوصلہ دیکھ! تیری بارگاہ میں آ پہنچے ہیں۔ وہ آستان جہاں فرشتے طواف کرتے ہیں۔ جہاں تقدس کے انوار تقسیم ہوتے ہیں۔ جہاں پاکیزگی کی قسمیں تصنیف ہوتی ہیں جہاں بلندیوں کا تصور متعین ہوتا ہے۔ جہاں قرب و عرفان کی منازل کے لئے تعبیرات کا شعور بنتا ہے جہاں بارگاہ مدینہ کے انوار عطا ہوتے ہیں۔ جہاں جمال حضرت حق جل مجدہٗ کی تنویریں کیف بار ہوتی ہیں۔ جہاں درود و سلام کی معطر کیفیتیں دل آویز ہوتی ہیں۔ جہاں سے کائنات کو وہ سب کچھ ملتا ہے جس کی آرزو یہاں تک لاتی ہے۔ تو دیکھ! تو اپنے کمال عطا کو دیکھ اور ہمارے کمال تقصیر کو بھی دیکھ! تیری نوازشوں کے سوا ہمارا کوئی سہارا نہیں، نہ کوئی سجدہ اس لائق ہے کہ اسے بارگاہ جلال و جبروت میں حاضر کرسکیں، نہ کوئی نیکی ہی ایسی ہے کہ اس پر کچھ گمان رکھ سکیں۔ ہاں! ایک درد و سوز ضرور ہے، جسے اپنے قلب و نظر کا سرمایہ بنا کر تیرے آستان پر حاضری دیتے چلے آئے ہیں۔ یہ درد و نور بلاشبہ ایک عظیم سرمایہ ہے لیکن یہ بھی تیری ہی عطا ہے، تو عطا اور نوازش فرماتا ہے تو دلوں کو گداز اور نگاہوں کو نم بخش دیتا ہے تاکہ تیری چوکھٹ کو چومنے کے قابل ہوسکیں۔ تو اپنی بارگاہ میں بلاتا بھی ہے اور بلانے کے آداب بھی عطا فرماتا ہے۔

میرے داتا! تیرے حضور میں حاضری سے ابتدائی ادب سے بھی ہم تو واقف نہیں۔ جس زمین پر خواجہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ نے محبت کے سجدے کئے ہوں وہاں سے گزرنے کا یارا کس کو ہے؟ ہم اپنے آپ کو کہاں لے جائیں؟ ہر ہر قدم پر ہماری تقصیرات ہیں تو ہمیں معاف فرما۔ ہماری نادانیوں سے درگزر کر ہماری کوتاہیوں پر اپنی نگاہ کرم کا پردہ ڈال! الٰہی اور حضور صابر

پاک کے مرشد بابا فرید الدین شکر جب یہاں آئے تھے تو میلوں دور سے قدم قدم پر سجدے کرتے ہوئے آتے تھے کہ نہ جانے کہاں آپ کے اپنے قدم پڑے اور کہاں کہاں خواجہ بزرگ کے قدم پڑے تھے۔ ہمیں تو تیرے آستان تک حاضری آنے کا سلیقہ بھی نہیں آسکا۔ ہاں یہ جانتے ہیں کہ تو کرم فرما ہے۔ کائنات نے نوازش اور کرم کرنے کا انداز انہی بارگاہوں سے سیکھا ہے۔ ہم تیرے ہی کرم کے سہارے تیری گلی میں آنکلے اور تیرے ہی کرم کو آواز دینے کے لئے دوسرے سائلوں کی صف میں آشامل ہوئے ہیں۔ تیری بارگاہ کے انہی ان گنت گداگروں میں تیرے مقبول بھی ہیں، جن کی ادائیں تجھے پسند ہیں۔ جن کی حاضریاں تیری بارگاہ میں مقبول ہیں جن کی التجائیں باریاب ہیں۔ جن کی تمنائیں آسودہ ہیں۔ جن کی آرزوئیں تکمیل سے ہمکنار ہیں۔ ہم انہی مقدس ہستیوں کا سہارا لے کر تیرے حضور حاضر ہونے آئے ہیں۔ نوازش کر! لازوال نوازش کرنا۔

اچھا تو اے دوست! آ تاکہ ہم اپنا دامن سوال پھیلا لیں اور اپنی نگاہوں کو بے انتہا وسعتیں دے کر انہیں مجسم عرض و سوال بنا کر اپنے داتا کے قدموں کے کچھ اور قریب ہو چلیں۔ اچھا دیکھ! کچھ ظاہری آداب بھی ہیں۔ ہر بارگاہ میں حاضری کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ یہاں کے بھی آداب ہیں۔ تو ان ستوں کو نہ دیکھ، جو تجھے ادھر ادھر دکھائی دے رہے ہیں۔ ان کی کیفیات کچھ اور ہیں۔ ان کے لئے نہ زمان کا قرب و بُعد کوئی معنی رکھتا ہے نہ مکان کا۔ وہ اپنی کیفیتوں میں نہیں جمال یار کی کیفیتوں میں گم ہیں۔ اس نے انہیں کچھ ایسی تجلیوں کے جلو میں دیکھا ہے کہ بس وہیں کے ہو گئے ہیں۔ یہ ارباب حال نہیں اصحاب مقام ہیں۔ اس لئے تو ان کو نہ دیکھ کہ تجھے دیار داتا سے بلاوا آ گیا ہے۔ یہاں جوتے اتار رکھ کہ انوار ربانی کی عطائے بصیرت کے لئے ازل سے پہلا ادب یہی مقرر ہے۔ وادیٔ طور ہو کہ بیت المقدس حرم کعبہ ہو کہ بارگاہ محبوب رب جلیل۔ عرش ہو کہ آستان مقبولان حق۔ ہر جگہ کی رسوم ازل سے ایک ہی متعین ہیں۔

اب ہم ذرا گرد و پیش پر نگاہ ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اپنے داتا کے آستان کی چوکھٹ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ آ پھر ایک بوسۂ عقیدت، ایک سجدۂ مستی، ایک انداز وارفتگی، ایک اسلوب سرخوشی! ہاں اے ذوق سجدہ! آج تو اپنی مراد کو پہنچا اور اے جبین نیاز! مبارک ہو کہ آستان کرم کی حضوری مل گئی۔ اب فضائے نور میں باریابی ہونے کو ہے لیکن کوئی دم رک جا!

مرشد عارف کی یاد سے مشام جاں کو تروتازہ کرلے کہ اہل اللہ نے یہی دستور قائم کر رکھا ہے۔ نگاہ تصور کو ان کے قدموں تک لے جا اور مستی کا نعرہ لگا کہ

رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی

اب نکہت ونور کا پیام آیا۔ روح کی بالیدگی۔ نگاہ کو یارائے توجہ، قلب کو حوصلۂ حضور اور لبِ گزارش کو اذنِ باریابی مل گیا۔

اب اپنے آپ سے نکل جائیے۔ اب آپ آپ نہیں، ہم ہم نہیں۔ اب کوئی اور ہے، یہ کائنات کسی کی ہے۔ یہ فضا کسی کی ہے، یہ رنگ ونور کسی کا ہے یہ کیف و مستی کسی کے ہیں، یہ قرب وحضور کسی کے ہیں۔ یہ سب کچھ اسی کا ہے جس کے ہم ہیں۔ اب اس کا کرم ہمارا راہ نما اور دامن کش ہے۔ اب ہم بڑھتے ہیں۔ ہوش اجازت دے تو چند نوافل ادا کرتے ہیں اس مسجد میں جہاں حضور علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے نمازیں پڑھیں۔ جس کے ذکر سے اس فرمانروائے اقلیم مقبولیت کی جبین پاک سے آشنا ہو کر کائنات کے لئے سرفرازی عرش کا سامان بن کر رہے۔ آ انہی کی تقلید میں ہم بھی یہاں چند سجدے اس معبود حقیقی کی بارگاہ احدیت وصمدیت میں ادا کرتے ہیں جو رب الارباب ہے، جو ارحم الراحمین ہے جس نے اپنی ذات کے لئے رحمت وکرم کو خود لازم کر یا ہے جو ہمارا خالق بھی ہے اور معبود بھی! آ کہ شاید وہ سجدہ جس کے لئے اس کی رحمتِ لازوال منتظر ہے، انہی میں سے کوئی ہو۔ آ کہ سبحان ربی الاعلیٰ کہہ کر ہم بھی اسے دیکھیں اور کہہ دیں کہ اے رب العالمین! تو ہمارا معبود حقیقی ہے۔ تو ہر بلند سے بلند، ہر اچھے سے اچھا ہر پاک سے پاک اور ہر بہتر سے زیادہ بہتر ہے۔ تیرا کرم کہ تو نے سر جھکانے کی توفیق دی۔ مولا کرم کر! اپنی نوازشوں کے صدقے نوازش فرما! اے اکرم الاکرمین! آپ کرم فرماتے ہیں اور کرم کی لاج بھی رکھتے ہیں۔ میرے معبود! ہماری لغزشوں سے درگزر فرمائیے اور اپنی نوازشوں کے دروازے اپنے مقبولوں اور محبوبوں کے صدقے میں ہم پر کھول دیجئے۔

بارالٰہا! تو رحم فرمائے تو کوئی تیرا ہاتھ روکنے والا نہیں۔ اور اگر تو اپنے کرم کی نگاہ پھیر لے تو کون ہے جو تجھے مجبور کر سکے۔ تو مختار کل ہے۔ اپنے اختیار کو رحمت سے ہمکنار فرما!

لیجئے! اس نے ایک عاجز کی التجا سن لی۔ وہ کرم فرمانے پر آتا ہے تو سائل کو دامن پھیلانے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ اٹھئے اور مسکرائیے کہ حاملین عرش نے اس کی رحمتوں کے

دروا ہونے کی نوید دے دی۔ کان اسے سنیں نہ سنیں، دل نے سن لیا ہے کہ یہ اسی کے سننے کی بات تھی۔ مسرتوں کی خوشبوئیں مہکنے لگی ہیں۔ جبین عقیدت کو کشادگی مل گئی ہے۔ دل میں ایک نیا اعتماد، ایک نیا یقین اور ایک نیا کیف ورود فرما ہو گیا۔ اب ہم طبیعت میں ایک نیا سکون و کیف لے کر بڑھتے ہیں۔ اللہ اکبر! ہم اس دروازے پر آ گئے جہاں رحمت کی گھٹائیں برستی ہیں جہاں کرم کے انوار جلوہ ریز ہوتے ہیں۔ عقیدت و محبت کی جبین کو یہاں کے ذروں سے روشناس کرتے ہوئے ذرا ادھر حضور خواجگان غریب نواز حضور خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ رحمۃ اللہ علیہ کا حجرۂ اعتکاف کے لئے کھڑے ہو کر سلام کہتے ہیں۔

نسبت کی بات ہے اور ہر کوئی نسبت ہی سے ہوتا ہے۔ خواجہ بزرگ جیسی عظیم و جلیل ہستی نے یہاں مراقبہ اور اعتکاف فرمائے اور اس مجسمۂ محبوبیت و عطائے رسول سے بڑھ کر، حضور داتا کے مقام و مرتبہ کا شناسا اور کون ہے؟ اسی لئے آپ نے اعتکاف سے رخصت ہوتے ہوئے آنے والے زمانوں کے لئے ایک یادگار ارشاد فرمایا ہے کہ:

لوگ! داتا کے دیار میں آئے ہو۔ تم آتے ہی رہو گے۔ خدا کرے کہ تم اس بارگاہ میں حاضری دیتے ہی رہو اور اپنی جھولیاں اللہ کریم کی رحمتوں سے بھرتے ہی رہو۔ یاد رکھو یہ آستان بڑی عطا کا ہے۔ کوئی یہاں سے خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ یہاں رب کریم کے حضور کی سرفرازیاں بٹتی ہیں۔ یہاں آستان رحمت العالمین کی لازوال برکتیں عطا ہوتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر جو آرزو پیدا ہوتی ہے وہ ضرور ملتی ہے۔ یہ آستان حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس ذات گرامی کا جو فیوض و برکات کا منبع ہیں جو عطاء کرم کا خزانہ ہیں۔ وہ سلیقہ سوال بھی دیتے، توفیق گزارش بھی دیتے ہیں۔ عطائیں فرماتے ہیں اور ان عطاؤں کا بقا و تسلسل بھی مرحمت فرماتے بالفاظ مختصر وہ ارشاد یہ ہے کہ۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

میرے داتا............ سلام! تیری ذات پر ان گنت سلام!
ہمیں تیرے کرم کا سہارا ہے۔ تو ہم پر اپنا کرم جاری رکھ............!!

(بشکریہ۔ ماہنامہ السعید ملتان جولائی ۱۹۶۴ء)

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

مفتی کفایت احمد رتوی

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں محلہ ہجویر ۴۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ غزنہ کے ایک محلہ ہجویر اور والد دوسرے محلہ جلاب کے رہنے والے تھے۔ اس مناسبت سے وہ ہجویری اور جلابی کہلائے۔ علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان علم وادب کی اشاعت کے لحاظ سے غزنی میں مشہور تھا۔ حضرت تاج الاولیاء رشتے میں آپ کے ماموں تھے۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اس مدرسہ میں پائی جو سلطان محمود نے بنوایا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر بمشکل بارہ تیرہ سال ہوگی۔ اور آپ بڑے خاموش طبع طالب علم تھے۔ رضوان نامی سفید ریش بزرگ اس مدرسہ کے مدرس تھے۔ وہ حضرت داتا صاحب کو بڑی تکریم کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا رعب عطا فرمایا کہ دیکھنے والے اپنی نظریں جھکا لیا کرتے۔ ایک دفعہ محمود غزنوی نے داتا صاحب کی تجلیات کی تاب نہ لاتے ہوئے نظریں فوراً جھکا دیں۔ اور خوشی ومسرت کے ساتھ محمود غزنوی نے اس مدرسہ کے اساتذہ کو کہا کہ واللہ یہ بچہ خدا کی طرف راغب ہے۔ ایسے طالب علم اس مدرسہ کی زینت ہیں۔ فاتح سومنات محمود غزنوی جس کے نام سے ہندوستان کے بڑے بڑے راجے اور مہاراجے تھراتے تھے اور جس کی تلوار سے سارا ہندوستان لرز اٹھا وہ ایک کمسن طالب علم کے سامنے سرنگوں ہوگیا۔ حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے دینی علوم کے طلبگار تھے اور آپ کی اسی دینی عقیدت نے آپ کو معراج فضیلت سے ہمکنار کیا۔

حضرت خواجہ مستان شاہ کابلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب سلطان العاشقین میں ایک مناظرے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک ہندو فلاسفر رام نارائن نے ہندوستان سے غزنی پہنچ کر اعلان کردیا کہ جو شخص روحانیت میں اس کے ساتھ مناظرہ میں اس کو ہرادے گا وہ اس کا غلام ہو

جائے گا۔ البیرونی عنصری ایسے عالموں کی موجودگی میں محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو اس مناظرے کی دعوت دی۔ یہ مناظرہ سینکڑوں عالموں، فلاسفروں اور شاعروں کی موجودگی میں ہوا۔ آخر طویل مناظرہ کے بعد ہندو فلسفی نے نہ صرف نوجوان حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت میں قابلیت کا اعتراف کیا بلکہ سب کے سامنے دعوت اسلام قبول کر کے کلمۂ حق پڑھا۔

اس مناظرہ کے بعد حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی کو محمود غزنوی نے بوسہ دیا۔ اپنے حق میں دعا کے لئے التجا کی۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو صوفیائے کرام اور بزرگان دین سے بڑی عقیدت تھی وہ اپنی زندگی میں سینکڑوں فقرائ، صوفیاء اور علماء کرام سے مل چکے تھے۔ ان سے ملنے اور فیضیاب ہونے کے لئے سلسلے میں انہوں نے متعدد تکالیف برداشت کیں۔ سفر کے دوران سردی گرمی اور طوفان تک کی پرواہ نہیں کی۔

حضرت داتا صاحب کی زندگی کا بڑا حصہ سیاحت میں گزرا۔ سفر کی کیفیات بھی عجیب و غریب تھیں۔ ایک مرتبہ ایک خانقاہ میں پہنچے۔ کپڑے پھٹے ہوئے ہاتھ میں صرف لاٹھی اور پانی کا مشکیزہ تھا۔ وہاں کے مقیم صوفیوں نے سوکھی اور مڑی ہوئی روٹی کھانے کو دی اور خربوزے کے چھلکے ان پر پھینکے۔ نیز ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ عراق میں خوشحال لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ لوگ دنیاوی چیزیں مانگتے تھے اور یہ ان کی فراہمی کی مساعی کرتے اس ضمن میں وہ قرض کے زیر بار بھی ہوئے۔ آخر ایک بزرگ کی تنبیہہ سے آنکھ کھلی۔ حضرت داتا صاحب کو شیخین سے کمال عقیدت تھی۔ انہوں نے حضرت ثانی الاثنین کے اس اصول کو مدنظر رکھا کہ رضائے الٰہی کے لئے جس طرح وہ غزوۂ تبوک میں اپنے گھر کا سارا سامان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اٹھا کر لائے۔ داتا صاحب کی تمام زندگی اور مال و متاع رضائے الٰہی کے لئے تھا۔ وہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو طریقت کا امام مانتے تھے۔ حلم اور بردباری ان کی سیرت کا نمایاں جوہر تھے۔ انہوں نے کتاب و سنت کے اصولوں کو ملحوظ رکھا۔

اوقات اس طرح تقسیم کر رکھے تھے کہ ایک لمحہ بھی بیکار نہیں جاتا تھا۔ طلباء کو درس دیا کرتے۔ تیسرے پہر قرآن حکیم کا درس دیتے تھے۔ رات کو طالبان حق اور زیر تربیت مرید فیض پاتے۔ اس کے بعد جو وقت بچتا وہ تبلیغ اسلام میں صرف ہوتا۔

حضرت داتا صاحب کے پیر و مرشد حضرت شیخ ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے کے اولیاء اللہ سنت رسول کے پیروکار شریعت کے شیدا اور طریقت کے پابند تھے۔ ان کو کشف ہوا کہ لاہور میں آپ کے مرید حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ بعد اس جہان فانی سے کوچ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی جگہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ دور تھا جب لاہور کی سرزمین غازیان اسلام کے ولولہ انگیز نعروں اور شمشیران حق کی جھنکاروں کو کئی مرتبہ سن چکی تھی۔ مگر اہل لاہور ابھی تک صحیح طریق سے دین اسلام کے نغمات سے بے بہرہ تھے۔ ظلم و شب کا طلسم ٹوٹنے والا تھا۔ اور صبح و صادق کی نوید ملنے والی تھی کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ورود لاہور میں ہوا۔

دریائے راوی کے کنارے اسلام کا جھنڈا گاڑا۔ اور لوگوں کو ان کے مقصد حیات سے روشناس کرایا۔ اور زندگی کے راز کھول کر رکھ دیئے۔ تلاوت کی کرشمہ سازی سمجھ لیجئے کہ دریائے راوی کی یہی گزرگاہ آج سے تقریباً چالیس برس پہلے قائداعظم محمد علی جناح بانی پاکستان کی آماجگاہ بنا۔ جہاں انہوں نے پاکستان کا پرچم لہرایا۔ اور قیام پاکستان کے لئے ایک قرارداد پیش کی اور یہی دریائے راوی کا کنارہ ہی تو تھا جہاں سب سے پہلے ہندو نے جو لاہور کا گورنر تھا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ قائداعظم نے سچ ہی تو کہا تھا کہ دراصل پاکستان اس دن ہی قائم ہو گیا تھا جس دن برصغیر کے پہلے ہندو نے کلمۂ حق پڑھا۔ جب لاہور شہر میں آپ تشریف لائے تو اس وقت آپ کے واعظ و تبلیغ زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری دیکھ کر کئی ہندو مسلمان ہوئے۔ ان ناگوار حالات میں تبلیغ کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور ان دنوں بدھ رسوم کا مرکز تھا۔ برہمنی سامراج نے اپنے مخصوص چالوں سے مہاتما بدھ کو اپنے لاتعداد خداؤں کی فہرست میں ایک بت کی حیثیت سے شامل کر لیا۔

حضرت داتا صاحب نے شرک کے ان مراکز میں شمع توحید روشن کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ آپ نے کسی ناموافق اور ناساعد سیاسی و سماجی حالت کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی۔ آپ کی شرافت نفس، اخلاق عالیہ کی وجہ سے لوگوں نے آپ کی طرف جوق در جوق بڑھنا شروع کر دیا۔ اور ہزاروں کفار حلقۂ بگوش اسلام ہوئے۔ ہزاروں جاہل آپ کے ذریعہ سے عالم، ہزاروں

دیوانے، صاحب عقل، ہزاروں ناقص کامل اور ہزاروں ریاکار نیکو کار ہو گئے۔

میدنے کے گدا دیکھے ہیں دنیا کے امام اکثر
بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام اکثر

اسلام کی تبلیغ اور فروغ کے لئے حضرت شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور شہر کو خاص طور پر منتخب کیا۔ اور یہ فضیلت صرف لاہور شہر کو ہی حاصل ہے کہ ایک ہی پیر ومرشد کے دو مریدوں نے اس شہر کے مشرق ومغرب میں اسلام کے پرچم لہرائے اور شمع توحید روشن کی۔ یہ دونوں مرید اپنے فرائض میں اس قدر کھو گئے کہ اپنے وطن عزیز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔ حضرت داتا صاحب، صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ان کی روحانی قابلیت اسلامی علوم، دین وفقہ، علم وفکر، فصاحت اور بلاغت کا دور دور تک چرچا ہو گیا۔ رائے راجو کو اپنے آپ پر گھمنڈ تھا۔ اس لئے وہ اپنا ڈیرا جہاں جادوگری کے کرتب دکھایا کرتا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک خوبصورت اور بارعب شخصیت کا مالک تھا۔ علم نجوم، علم ریاضی اور جادوگری میں اپنی مثال آپ تھا۔ اور وہ حضرت داتا صاحب کے مسکن کے قریب ڈیرا لے آیا۔ ایک روز ایک بڑھیا دودھ کی مٹکی اٹھائے داتا صاحب کے قریب سے گزری تو آپ کے مریدوں میں سے ایک نے اس بڑھیا کو روک کر دودھ قیمتاً لینا چاہا۔ لیکن بڑھیا نے دودھ دینے سے انکار کر دیا اور کہا یہ دودھ میں رائے جوگی کے لئے لے جا رہی ہوں۔ اگر میں نے اس کو یہ دودھ نہ دیا تو میرے جانوروں کے تھنوں سے دودھ کے بجائے خون آنا شروع ہو جائے گا۔ یہ بات سن کر حضرت داتا صاحب مسکرائے اور اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ یہ دودھ مجھے دے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے جانوروں کے دودھ میں اضافہ کر دے گا۔ ضعیف عورت آپ کی بات ٹال نہ سکی۔ اور سارا دودھ آپ کی خدمت عالیہ میں پیش کر دیا۔ جب اس عورت نے اگلے وقت دودھ دوھنا شروع کیا تو برکات الٰہی سے دودھ میں پہلے سے زیادہ روانی تھی۔ اس قدر دودھ ہو گیا کہ گھر کے تمام برتن بھر گئے۔ اس واقعہ کی خبر آس پاس پھیل گئی۔ اور اب سب گوالے اس کوشش میں تھے کہ وہ دودھ حضرت داتا صاحب کے مسکن میں فروخت کر دیا کریں۔ اس وجہ سے راجو کی شہرت ماند پڑ گئی اب یہ آپ کے پاس آیا اور اپنے جادو کے ذریعے آپ کو متاثر

کرنا چاہا۔ منتر پڑھ کر ہوا کے اوپر اڑنے لگا۔ حضرت داتا صاحب نے اپنے جوتے کو ہوا میں پھینکا اب آپ کا جوتا تھا اور رائے راجو کا سر۔ جوتوں کی وہ بارش ہوئی کہ جوگی نے گڑگڑا کر فریاد کی کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ حضرت داتا صاحب نے دعا کی اور رائے راجو نے آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اور فوری طور پر آپ کے ہاتھوں مسلمان ہو گیا۔ رائے راجو کی ذہانت، بلاغت اور وسیع القلبی کو سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اپنی کتاب ملفوظات میں خوب سراہا ہے اور اعتراف کیا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش کا قرب حاصل کرنے میں اس کی سعادت اور عقیدت کا زیادہ ہاتھ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد رائے راجو کی ظاہری و باطنی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ داتا صاحب جیسے مرشد معظم اور استاد ذی مکرم سے دینی علوم میں فیضیاب ہوا۔ اور بہت جلد قرآن حکیم اور رموز شریعت سے بہرہ ور ہو کر ایک باعمل زاہد و عابد بزرگ کی شہرت حاصل کر لی۔ آپ سے خوش ہو کر داتا صاحب نے شیخ ہندی کے خطاب سے نوازا۔ وہ مسجد جس کی تعمیر حضرت داتا صاحب کے ہاتھوں ہوئی اور جہاں آپ امامت کرایا کرتے تھے آپ کی وفات کے بعد امامت کے فرائض حضرت شیخ ہندی نے سنبھال لئے۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جو شیخ ہندی کو اس وقت حاصل ہوا۔ حضرت داتا صاحب کی وفات کے بعد سب سے پہلے شیخ ہندی نے بذات خود حضرت کے مزار کی تعمیر میں حصہ لیا۔ مزار کی تعمیر کے دوران اکثر آنکھیں اشکبار دیکھی گئیں۔ اور اپنے آنسوؤں سے حضرت کے مزار کو دھو کر سکون قلب حاصل کیا۔ یہ عقیدت ہی تو تھی جس کی وجہ سے پشت در پشت آپ کے خاندان کو حضرت داتا گنج بخش کے مزار کی سجادہ نشینی حاصل ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے داتا صاحب کے مزار کے پاس چلہ کاٹا اور روحانی فیض حاصل کرنے کے بعد کہا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت داتا صاحب نے صفر ۴۶۵ صفر ہجری ۱۰۷۲ء میں وفات پائی اور لاہور میں آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔

سیّدی فیض عالم رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوبِ حیات اور منہج افکار

حافظ محمد محسن قادری

آپ کا اسم گرامی علی، کنیت ابو الحسن اور لقب داتا گنج بخش ہے۔ آپ کے والد محترم کا نام عثمان ہے۔ آپ حسنی سید ہیں اور آپ کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ چار سو (۴۰۰) ہجری میں سلطان محمود غزنوی کے دور حکومت میں افغانستان کے شہر غزنی کے محلہ ہجویر میں پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے آپ ہجویری کہلاتے ہیں۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے خاندان کے علماء وفضلاء سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد دیگر علوم دینیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور وقت کے نامور علماء سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ ابو العباس اشقانی کا نام سرفہرست ہے۔ آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اپنے استاد محترم کا تذکرہ بڑے ادب واحترام سے کیا ہے۔ آپ شیخ ابو الفضل محمد بن حسن الختلی کے مرید تھے۔ آپ کا شجرۂ طریقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس طرح ملتا ہے: "حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مرید شیخ ابو الفضل ختلی کے، وہ مرید شیخ خضری کے، وہ مرید حضرت ابوبکر شبلی کے، وہ مرید حضرت جنید بغدادی کے، وہ مرید حضرت معروف کرخی کے، وہ مرید حضرت داؤد طائی کے، وہ مرید حضرت حبیب عجمی کے، وہ مرید حضرت حسن بصری کے اور وہ مرید حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے۔"

علاوہ ازیں آپ شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح، شیخ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قیشری (صاحب رسالہ قیشریہ)، خواجہ ابو احمد المظفر، شیخ ابو القاسم گرگانی اور شیخ ابو سعید ابو الخیر علیہم الرحمۃ کے علمی وروحانی فیوض وبرکات سے بھی مستفید ومستفیض ہوئے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے صرف خراسان کے تین سو مشائخ سے استفادہ کیا ہے۔ آپ نے مختلف ممالک کی سیر و

سیاحت بھی کی جن میں عراق، شام، فلسطین، ترکستان، سمرقند، بخارا اور طبرستان وغیرہ شامل ہیں۔
آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سیر و سیاحت کا مقصد مختلف اولیاء اور صوفیاء کی بارگاہ میں حاضر ہو کر منازل سلوک طے کرنا تھا۔

آپ مختلف تاریخی روایات کے مطابق ۴۳۱ ہجری یا ۴۵۱ ہجری میں سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود غزنوی کے عہد حکومت میں اپنے پیر و مرشد کے حکم پر لاہور تشریف لائے۔ آپ کی لاہور آمد کے سلسلے میں "فوائد الفواد" کی یہ روایت ملتی ہے کہ ایک رات آپ کے خواب میں آپ کے پیر و مرشد تشریف لائے اور آپ کو حکم دیا کہ لاہور جاؤ اور وہاں مستقل اقامت اختیار کرو، تمہیں لاہور کا قطب بنا دیا گیا ہے۔ آپ نے عرض کی کہ لاہور میں تو خواجہ حسین زنجانی موجود ہیں ان کی موجودگی میں میرا وہاں جانا عبث ہے۔ ارشاد فرمایا کہ بحث و مباحثہ مت کرو اور جلد از جلد لاہور پہنچو۔ آپ جب لاہور پہنچے تو کافی رات ہو چکی تھی اس لئے آپ نے رات شہر سے باہر گزاری۔ صبح جب شہر میں داخل ہوئے تو ایک جنازہ دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ ہے۔ اب آپ کو مرشد گرامی کے فرمان میں پوشیدہ حکمت کا علم ہوا۔"

اکثر مؤرخین اور محققین اس واقعے کے صحیح ہونے پر متفق نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ معتمد اور معتبر تاریخی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا سن وصال ۶۰۰ ہجری ہے جبکہ حضرت داتا گنج بخش ۴۳۱ ہجری یا ۴۵۱ ہجری میں لاہور تشریف لائے اور ۴۶۵ ہجری میں آپ کا وصال ہوا لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے وصال کے تقریباً سوا صدی بعد تک بقید حیات رہے۔ اس واقعے کے متعلق مختلف تحقیقی آراء ہیں جن کی وجہ سے اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے پیش نہیں کی جا سکتی۔

جب آپ لاہور تشریف لائے اور اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا تو آپ کی تعلیمات کی بدولت ہزاروں غیر مسلم دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ آپ کی تعلیمات نے کفر کی ظلمت و تاریکی میں ڈوبے ہوئے بے شمار انسانوں کے قلوب کو توحید کے نور سے روشن اور منور کر دیا۔
آپ نے دین کی دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس کے لئے ایک مسجد تعمیر کروائی جس کا محراب دیگر مساجد کی بہ نسبت قدرے جنوب کی طرف تھا۔ وقت کے علماء اور فقہاء نے اس پر اعتراض

کیا۔آپ نے سب علماء وفقہاء کو مسجد آنے کی دعوت دی۔جب سب تشریف لے آئے اور نماز کا وقت ہوگیا تو آپ نے نماز کی امامت فرمائی۔نماز کی ادائیگی کے بعد آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ قبلہ کس طرف ہے؟ حاضرین نے قبلہ کی طرف دیکھا تو خانہ کعبہ تک تمام حجابات اٹھ چکے تھے اور خانہ کعبہ بالکل سامنے نظر آ رہا تھا۔اس طرح سب حاضرین کو نہ صرف قبلہ کی سمت کے درست ہونے کا پتا چلا بلکہ آپ کے باکرامت ولی ہونے کا علم بھی ہوگیا۔

آپ کے سن وصال کے بارے میں بھی مؤرخین کی مختلف آراء ہیں۔اکثر مؤرخین کی رائے کے مطابق آپ کا سن وصال ۴۶۵ ہجری ہے۔آپ کا مزار پُر انوار لاہور میں مرجع خلائق ہے جہاں زائرین جوق در جوق حاضر ہوتے ہیں اور اپنی جھولیوں کو آپ کے روحانی فیوض و برکات سے بھرتے ہیں۔بڑے بڑے صوفیائے کرام اور مشائخ عظام آپ کے مزار پُرنور پر حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ باقی باللہ، مجدد الف ثانی، بابا فرید الدین گنج شکر اور میاں میر سرکار n جیسی عظیم الشان المرتبت ہستیاں بھی آپ کے مزار پر حاضر ہو کر آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئیں۔جب خواجہ خواجگان معین الدین چشتی اجمیری m نے آپ کے مزار پر چالیس دن تک قیام کیا فیوض و برکات حاصل کئے تو بوقت واپسی اس شعر کی صورت میں آپ کو عقیدت تحسین پیش کیا جو آج بھی زبان زد خاص و عام ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آپ نہ صرف عالم اور صوفی تھے بلکہ متعدد علمی و تحقیقی کتب کے مصنف بھی تھے۔آپ کی تصانیف کی تعداد دس ہے جن میں کشف المحجوب زیادہ معروف ہے۔کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے جو آپ نے شیخ ابو سعید ہجویری کے چند سوالات کے جوابات میں تحریر فرمائی۔یہ کتاب دنیائے تصوف میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کی اہمیت کے پیش نظر بے شمار علماء وصوفیاء نے اپنی کتب میں اس کے مختلف اقتباسات نقل کیے ہیں اور اسے علم تصوف میں بطور سند پیش کیا ہے۔یہ وہ عظیم کتاب ہے جس کے بارے میں محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں: "جس کا کوئی پیر نہ ہو وہ کشف المحجوب کا مطالعہ کرلے گویا اسے پیر

کامل مل گیا"۔ اسی کتاب سے استفادہ کے بعد پیر دستگیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا "اگر مجھے سید علی ہجویری کا زمانہ میسر آتا تو میں ان کے دست مبارک پر بیعت کر لیتا"۔

آج کے اس پُرفتن دور میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت عوام الناس کو داتا علی ہجویریؒ کے افکار و تعلیمات سے دور کرنے کے لئے یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ کشف المحجوب انسانی عقل اور سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس کتاب کو سمجھنا عام انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس جامد فکر کی تردید کے لئے یہی بات کافی ہے کہ جب اللہ رب العزت کی کتاب "قرآنِ مجید" انسانی عقل سے بالاتر نہیں تو داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کشف المحجوب" جو قرآنی تعلیمات کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے کیسے انسانی عقل سے بالاتر ہو سکتی ہے؟ مزید برآں اگر کشف المحجوب انسانی عقل میں نہ آنے والی کوئی کتاب ہوتی تو آج اس کے دنیا کی مختلف زبانوں بشمول انگریزی میں بیسیوں تراجم موجود نہ ہوتے اور بے شمار اہل علم و دانش اور محققین اس پر ریسرچ نہ کرتے۔ ہمارے لئے افسوس کا مقام ہے کہ جس کتاب کی تعلیمات سے غیر مسلم مستفید ہو رہے ہیں ہم اس کتاب کی اہمیت سے ناآشنا اور اس کی تعلیمات سے ناواقف ہیں۔ کشف المحجوب میں موجود آپ کے چند افکار و اقوال پیش خدمت ہیں۔ مطالعہ کیجئے اور فیصلہ فرمائیے کہ کیا اس کتاب کو یہ کہہ کر کہ اسے سمجھنا بہت دشوار ہے، طاق نسیاں کی نذر کر دینا چاہئے یا پھر معاشرے کی ہمہ گیر اصلاح اور امن و آشتی کے فروغ کے لئے اس کتاب کی تعلیمات کو عام کرنا چاہئے؟

۱۔ خدا کے راستے پر چلنے والوں کا پہلا مقام توبہ ہے۔

۲۔ توبہ تائید الٰہی ہے اور گناہ فعل جسمانی۔

۳۔ اخلاص کے بغیر کوئی نیک عمل قابل قبول نہیں۔

۴۔ طہارت کی دو اقسام ہیں ایک طہارت ظاہری اور دوسری طہارت باطنی، طہارت ظاہری سے مراد جسمانی پاکیزگی اور صفائی ہے جس کے بغیر عبادات درست نہیں ہو سکتیں جبکہ طہارت باطنی سے مراد دل کا پاک ہونا ہے جس کے بغیر معرفت الٰہی کا حصول ناممکن ہے۔

۵۔ عمل کرنے والا اس وقت تک ثواب کا مستحق نہیں ہوتا جب تک اس کے عمل کی بنیاد علم پر نہ ہو۔

۶۔ غافل امراء، کاہل فقراء اور جاہل درویشوں کی صحبت سے پرہیز کرنا عبادت ہے۔

۷۔ صوفی کا سرمایہ زندگی محبوب حقیقی کی محبت ہے۔

۸۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس علل و اسباب کچھ نہ ہو۔ نہ کسی شے کے چلے جانے سے محتاج ہو اور نہ کسی شے کے مل جانے پر مالدار اور خوش ہو۔

۹۔ معرفت اگر علم اور عقل سے نصیب ہوتی تو پھر ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا۔ معرفت اسی بندے کو حاصل ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہو۔

۱۰۔ صوفی وہ ہوتا ہے جس کا دل کدورت سے پاک ہو اور اس کے اخلاق و معاملات درست ہوں۔

۱۱۔ تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ یعنی ان آٹھ پیغمبروں کی اقتداء سے صوفی بنتا ہے۔

۱۔	سخاوت ابراہیم علیہ السلام	۲۔	رضائے اسمٰعیل علیہ السلام
۳۔	صبر ایوب علیہ السلام	۴۔	اشارہ زکریا علیہ السلام
۵۔	غربت یحییٰ علیہ السلام	۶۔	سیاحت عیسیٰ علیہ السلام
۷۔	لباس موسیٰ علیہ السلام	۸۔	فقر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۲۔ صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے مگر دوسروں کو تکلیف میں مبتلا نہیں کرتا۔

۱۳۔ فقر میں دل غیر اللہ سے دور رہتا ہے اور غنا میں غیر سے تعلق کا احتمال رہتا ہے۔

۱۴۔ بوڑھوں کو چاہئے کہ وہ جوانوں پر شفقت کریں کیونکہ ان کے گناہ کم ہیں اور جوانوں کو چاہئے کہ وہ بوڑھوں کا ادب کریں کیونکہ وہ ان سے زیادہ عبادت گزار ہیں۔

۱۵۔ فنا کا علم یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ دنیا فانی ہے اور بقا کا علم یہ ہے کہ یقین ہو جائے کہ عقبیٰ (آخرت) باقی ہے۔

۱۶۔ سب سے پسندیدہ بات یہ ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہے۔

۱۷۔ طریقت میں اس سے بڑا حجاب اور آفت کوئی نہیں کہ انسان اپنی نیکی پر غرور کرے۔

۱۸۔ اقسام علم بے حد ہیں اور انسان کی عمر نہایت مختصر۔ بنابریں واضح ہو گیا کہ تمام علوم حاصل کرنا ہر انسان پر فرض نہیں مگر ان علوم میں سے اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے جس کی

شریعت مطہرہ کے اندر ضرورت ہے۔

۱۹۔ مجاہدہ اور ریاضت نفس کو راہ حق پر لانے کے لئے ہے جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو ریاضت اور مجاہدے کا کوئی فائدہ نہیں۔

۲۰۔ جس کام میں ذاتی غرض اور نفسانی خواہشات شامل ہو جائیں اس سے برکت اٹھ جاتی ہے۔

۲۱۔ دل خدا کی معرفت کا گھر ہے اور کعبے سے بڑا ہے۔

۲۲۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ طالبان حق ابتداء سے انتہاء تک اسی راہ سے راہ حق پاتے ہیں۔

۲۳۔ روزہ ایک باطنی عبادت ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے کہ ظاہر سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور کسی غیر کو اس سے کوئی حصہ نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا بے حساب رکھی۔

۲۴۔ تندرستی ایک نعمت ہے۔ جسم کے ہر عضو پر زکوٰۃ ہے۔ وہ اس طرح کہ اپنے تمام اعضاء کو عبادت میں مشغول رکھے۔

۲۵۔ بزرگ وہ ہے جو اپنے جسم کو دل کے تابع کرے اور اس کا دل محبت الٰہی سے سرشار ہو۔

۲۶۔ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو۔ وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت کو پسند نہیں کرتا۔

۲۷۔ کوئی مسلمان جادوگر نہیں ہوتا اور کوئی کافر صاحب کرامت نہیں ہو سکتا کیونکہ ضدیں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

۲۸۔ سخاوت یہ ہے کہ دنیا کو اہل دنیا کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

۲۹۔ ہر شخص کو بولتے ہوئے اپنی گفتگو کا جائزہ لینا چاہئے اگر کلام حق ہے تو بولنا خاموشی سے افضل ہے اور اگر کلام باطل اور جھوٹ ہے تو خاموشی بولنے سے بہتر ہے۔

۳۰۔ دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں۔ توبہ گناہوں کو، جھوٹ رزق کو، غیبت اعمال صالحہ کو، غم عمر کو، صدقہ بلاؤں کو، غصہ عقل کو، پشیمانی سخاوت کو، تکبر علم کو، نیکی بدی کو اور عدل ظلم کو۔

گنج بخش فیضِ عالم

(معترضین کے اعتراضات اور ان کے مدلل ومسکت جوابات)

ابوزوہیب محمد ظفر سیالوی

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سلطان الطریقت ہیں، گنج حقیقت ہیں، برہان شریعت ہیں۔

خاندانی حالات:

آپ رحمۃ اللہ علیہ سادات حسنی سے ہیں۔آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت سیدنا زید شہید بن امیر المؤمنین حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔آپ کے آباؤ اجداد غزنی کے رہنے والے تھے۔آپ کے دادا کا نام حضرت علی ہے۔

والد ماجد کا نام:

آپ کے والد ماجد کا نام عثمان رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

ولادت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ غزنی میں پیدا ہوئے۔

اسم گرامی:

آپ کا نام "علی" ہے۔ہجویر شہر کا نام نہیں بلکہ غزنی کے ایک محلے کا نام ہے۔اس لئے آپ "علی ہجویری" کہلاتے ہیں۔

کنیت:

آپ کی کنیت "ابو الحسن" ہے۔

لقب:

آپ "داتا گنج بخش" کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔

لقب کی وجہ تسمیہ:

خواجہ، خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری جب لاہور میں رونق افروز ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر اعتکاف فرمایا۔ چلتے وقت حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل شعر پڑھا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اس روز سے آپ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ مشہور ہوئے۔

تعلیم و تربیت:

آپ علوم ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہو کر علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ کے استاذ شیخ ابو القاسم آپ سے فرماتے تھے کہ:

"فقیر کے لئے حاضری مرشد سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ فقیر کو چاہئے کہ حاضری مرشد کی رکھے۔"

بیعت و خلافت:

آپ شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ وہ مرید خضری کے، اور وہ مرید حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

سیر و سیاحت:

آپ نے خراسان، ماوراء النہر، آذربائیجان کی سیر و سیاحت فرمائی۔ بہت سے درویشوں سے ملے اور بہت سی برگزیدہ ہستیوں سے استفادہ کیا۔ حضرت شیخ القاسم گرگانی، حضرت شیخ ابو سعید، ابوالخیر اور حضرت شیخ ابو القاسم قیشری کے روحانی فیوض سے مستفیض ہوئے۔

پیر و مرشد:

آپ اپنے پیر و مرشد کے حکم سے ہندوستان تشریف لائے۔

وصال باکمال:

آپ نے ہجری ۴۶۵ میں اس دنیا فانی سے سفر دار الآخرت فرمایا۔ بعض نے سن وصال ہجری ۴۵۶ لکھا ہے۔ مزار پر انوار لاہور میں فیض و برکات کا سرچشمہ ہے۔

سیرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ قطب زمانہ تھے۔ ذکر و فکر، مراقبہ و محاسبہ، عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، دنیاوی آلائشوں سے پاک صاف تھے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات سے بہت سے بندگان خدا کو فیض پہنچا۔ تصرفات آپ کے بے شمار ہیں۔ (۱)

داتا تیرا دربار ہے رحمت کا خزانہ:

شہزادہ دارا شکوہ قادری لکھتے ہیں: "ہر جمعرات کو آپ کے روضہ اطہر پر ہزاروں آدمی حاضر ہوتے ہیں اور مشہور ہے کہ جو شخص چالیس جمعرات یا چالیس دن کامل روضہ کا طواف (یعنی مزار پر حاضر دے) کرے اس کی ہر ضرورت پوری ہوتی ہے۔" (۲)

مشہور مؤرخ و محقق مولانا نور احمد چشتی صاحب نے بھی لکھا ہے، ملاحظہ ہو! (۳)

مسلک دیوبند کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مولوی عبدالماجد دریا آبادی نے بھی یہی لکھا ہے ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"اہل حاجت یوں بھی برابر آتے جاتے رہتے ہیں۔ جمعرات اور جمعہ کو مجمع زائد ہو جاتا ہے۔ عقیدت مندوں کا خیال ہے کہ اگر چالیس روز متصل حاضری دی جائے یا چالیس جمعہ کی راتوں کو مزار کا طواف کیا جائے تو ہر مشکل آسان اور ہر حاجت روا ہو جاتی ہے۔" (۴)

گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کہانی، دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی:

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ہجری ۴۶۵/۴۵۶ کے لقب "گنج بخش" کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولوی عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

عام لقب جو گنج بخش چلا ہوا ہے اس کی بابت روایت یہ ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مزار پر آ کر حسب دستور صوفیہ چلہ کشی کی اور فیض و برکت سے مالا مال ہو کر جب رخصت ہونے لگے تو مزار کے رخ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما (۵)

اب جو لوگ آج کل "داتا" اور "گنج بخش" کا لفظ جس کے منہ سے سنتے ہی فوراً اسے کافر و مشرک بنا دیتے ہیں ان سے ہم عرض کریں گے کہ ذرا دائیں بائیں دیکھ کر!

اگر گنج بخش کہنے والا مشرک ہے تو حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے مقلیان کرام کا کیا فتویٰ ہے؟ اور فتویٰ لگانے سے قبل ذرا حسین احمد ٹانڈوی سے پوچھ لیجئے گا کہ وہ کیا کہتے ہیں، نہیں تو ہم عرض کیے دیتے ہیں۔

مولوی حسین احمد ٹانڈوی دیوبندی کہتے ہیں: "حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے پہلے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں نے جن کے اندر ذرہ برابر بھی خلاف شریعت کوئی بات نہیں تھی۔" (۶)

اکابر کہیں کہ ان میں ذرہ برابر خلافت شریعت بات نہ تھی اور اصاغر کہیں کہ جو "گنج بخش" یا "داتا" اللہ کے سوا کسی کو کہے تو وہ مشرک ہو جائے گا، کیا بات ہے۔

اب ذرا قاری طیب صاحب جو دیوبندی مسلک کے حکیم الاسلام ہیں کی بھی سنئے کہ وہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الہند حضرت معین الدین حسن چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ قاری طیب صاحب کہتے ہیں کہ:

"ننانوے لاکھ آدمیوں نے تنہا حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور جو ان کے خلفاء کے ہاتھ پر اسلام لائے ان کی تعداد الگ ہے۔" (۷)

اب غیر مقلدین کی بھی سنئے!

اہل حدیث کے پیشوا مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں کہ:

"صوفیائے کرام کی وجہ سے اسلام کو بہت ترقی ہوئی۔ مثلاً راجپوتانہ میں اسلام کی اشاعت حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ ہوئی۔ کشمیر میں حضرت علی ہمدانی کے ذریعہ سے اسلام پھیلا۔

دہلی کے گرد و نواح میں حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا خاص اثر تھا، حضرت مجدد صاحب سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اسلام بھی خصوصاً قابل قدر ہے۔ یعنی بزرگان دین کی خدمت اسلام سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔" (۸)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے برصغیر میں اسلام پھیلایا شرک نہیں، لاکھوں لوگوں کو بقول دیابنہ وہابیہ کے مسلمان کیا مشرک نہیں بنایا، اور "گنج بخش" دنیا میں مشہور کرنے والے اور یہ کہنے والے بھی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اگر گنج بخش کہنا شرک ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ جو خود (نعوذ باللہ من ذالک) مشرک تھے۔

(بقول مخالفین کے) تو دوسرے کو کیسے مسلمان کرتے رہے اور اسلام پھیلاتے رہے؟

سر دست ایک حوالہ اور ہم نذر قارئین کرتے ہیں کہ: دیوبندی ہفت روزہ میں ایک

مضمون شائع ہوا جس کا عنوان ہے "داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی لاہور میں آمد"۔(۹)

اگر "داتا" اور "گنج بخش" کہنا شرک اور کہنے والا مشرک اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی داتا اور گنج بخش نہیں تو مندرجہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں ان کہنے اور لکھنے والوں کے لیے کیا فتویٰ اور فرمائیں گے مفتیان کرام!

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے:

دیوبندی مسلک کے "امام" مولوی سرفاز گکھڑوی کہتے ہیں: "حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بڑے اکابر اولیاء میں سے گزرے ہیں جن کو لوگ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ یہ بلند پائے کے بزرگ تھے ان کی وجہ سے ہمارے باپ دادوں کو دین ایمان نصیب ہوا، ورنہ ہمارے بڑے تو کھتری اور سکھ ہوتے۔"(۱۰)

کشف المحجوب شریف:

امام الاولیاء، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کشف المحجوب" علوم ظاہری و باطنی کا عظیم خزانہ ہے، تصوف کے عنوان پر آپ کی یہ کتاب مستطاب بے مثال و لاجواب ہے۔ علماء کرام و اولیاء عظام اس کی تعریف و بیان فوائد و ثمرات میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

شہزادہ دارا شکوہ قادری، کشف المحجوب شریف کے متعلق لکھتے ہیں: "یہ تصنیف درحقیقت کامل رہنما ہے۔ کتب تصوف میں مرشد کامل ہے فارسی زبان میں ایسی کامل تصنیف نہیں ہوئی۔"(۱۱)

محمد دین کلیم لکھتے ہیں کہ: "شاہ فاروق احمد کا نام عیسائی نام لینارڈ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی طبیعت میں مذہب کی طرف میلان بہت زیادہ ہوگیا۔ آپ کو حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ محبت تھی اور اس وجہ سے کشف المحجوب کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور اس کشف المحجوب کا مطالعہ کر کے ہی آپ مسلمان ہوئے تھے۔"(۱۲)

مولوی عبدالماجد دریا آبادی دیوبندی لکھتے ہیں: "سب سے بڑھ کر قابل استناد و

افتخار قول سلطان المشائخ نظام الملت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔"

آپ کا ارشاد تھا کہ جس کا مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا۔(۱۳)

ترجمان اہلحدیث کا حوالہ:

غیر مقلدین کا ترجمان کہتا ہے: "یہ کتاب علم تصوف میں پنجاب کے مشہور و معروف بزرگ شیخ علی ہجویری صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم الشان یادگار ہے اس کی تعریف میں جناب کا اسم ہی کافی ضمانت ہے۔"(۱۴)

کرامت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے، حصول برکت و تکمیل عنوان کے طور پر صرف دو عدد کرامات قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

شہزاد دارا شکوہ قادری لکھتے ہیں کہ "ایک مسجد بھی آپ نے خود تعمیر کرائی تھی۔ جس کا محراب دوسری مساجد کی نسبت جنوب کی طرف جھکا ہوا تھا، اس وقت کے علماء نے محراب کے ٹیڑھا ہونے پر اعتراض کیا۔ ایک دن آپ نے سب کو جمع کیا۔ امامت فرمائی اور بعد از نماز سب کو خطاب کیا کہ دیکھو کعبہ کس طرف ہے! تمام حجابات درمیان میں اٹھے ہوئے تھے اور کعبہ شریف سامنے تھا۔"(۱۵)

اس کرامت کا ذکر مولوی عبدالماجد دریا آبادی دیوبندی نے تفصیل سے کیا ہے ملاحظہ ہو!(۱۶)

جوگی سے مقابلہ:

مشہور غیر مقلد مولوی غلام رسول ساکن قلعہ میاں سنگھ والے کا بیٹا مولوی عبدالقادر اہلحدیث لکھتا ہے:

"علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ صاحب المعروف گنج بخش صاحب جن کا مزار لاہور میں

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو لاہور میں مقیم ہونے کا حکم ہوا۔ آپ لاہور تشریف لے آئے اور جہاں آپ کا مزار ہے مقیم ہو گئے کیونکہ آپ کو یہی جگہ بذریعہ کشف دکھائی گئی تھی۔ آپ کے قرب و جوار میں ایک جوگی رہتا تھا جو استدراج کی بدولت بہت مشہور تھا اور بہت سے لوگ اس کو مقتداء سمجھتے تھے۔ پنجشنبہ کے روز شہر اور دور دور کے گاؤں سے اس جوگی کے پاس دودھ آیا کرتا تھا۔ جو شخص اس روز جوگی کے پاس دودھ نہ لاتا تھا یا اس کی نیت دودھ نہ لانے کی ہو جاتی، اس کی گائے یا بھینس کے تھنوں میں بجائے دودھ کے خون آ جاتا تھا۔ بہت سے لوگ اس جوگی کے سبب سے شرک میں گرفتار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے علی ہجویری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس فتنہ و فساد کو رفع کرنے کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے بھی اس کے راستے میں جھونپڑی ڈال لی۔ ایک روز ایک بڑھیا دودھ لے کر جوگی مذکور کے پاس جا رہی تھی۔ راستہ میں دم لینے کے لئے علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھ گئی۔

آپ نے پوچھا: "مائی جی! کہاں سے آئی ہو اور کہاں جانا ہے؟"

بڑھیا نے اپنا مفصل حال پیش ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: "ابھی کچھ راستہ باقی ہے آپ کو وہاں پہنچنے میں تکلیف ہوگی یہ دودھ مجھ کو دے دو۔"

بڑھیا بولی "میں نے تو دینا ہی ہے۔ تمہیں دے تو دوں مگر خطرہ یہ ہے کہ دودھ دینے والی نہ مر جائے۔ کیونکہ ایسے واقعات کئی لوگوں سے گزر چکے ہیں۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "خدا پر بھروسہ کرو اور دودھ مجھ کو دے جاؤ اللہ تعالیٰ دودھ دینے والی کا دودھ دوگنا کر دے گا۔"

آپ کا فرمان بڑھیا کے دل پر اثر کر گیا اور آپ کو دودھ دے کر واپس چلی گئی۔ خدا کے فضل سے اس کی گائے نے علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق دوسرے دن دودھ اور گھی دوگنا دیا۔ اور بڑھیا نے اپنے گاؤں کے لوگوں کو جو جوگی کے پاس جایا کرتے تھے اپنا واقعہ سنایا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ آئندہ جمعرات کو اس گاؤں کی تمام عورتیں سارا دودھ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کر گئیں۔ رفتہ رفتہ گرد و نواح میں یہ خبر مشہور ہو گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں جوگی کی طرف لوگوں کی آمد و رفت کم ہو گئی اور آپ کی طرف زیادہ۔ جوگی نے

اپنے چیلوں سے تنزل کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے علی ہجویری صاحب مرحوم کا نام لیا اور ساتھ ہی کچھ الفاظ بھی کہے۔ جوگی سنتے ہی آگ بگولا ہوگیا۔ ان کے میلہ کا دن قریب تھا۔ جب میلہ کا دن آیا تو جوگی علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ کے لئے آیا اور کہا کہ "آپ کچھ دیکھیں یا دکھائیں۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "میں مداری نہیں ہوں۔"

"پہلے آپ اڑیں یا میں اڑتا ہوں۔"

"اڑنا مکھیوں کا کام ہے۔"

جوگی غصہ میں آیا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر اڑ گیا، جب نظر سے غائب ہونے کے قریب ہوا تو آپ نے ایک ٹوٹی ہوئی جوتی پکڑی اور بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔ بقدرۃ اللّٰہ و انا ملت رسول اللّٰہ پڑھا اور کہا: جا اور اسی شیطان رجیم کو میرے پاس لے آ!

جوتی اللہ کے حکم سے اوپر کی طرف اڑی۔ اور جوگی مرجوم کے سر پڑنی شروع ہو گئی، جوگی کو واپس زمین پر لے آئی۔ ہزار ہا لوگ دیکھ رہے تھے۔ جوگی بمع اپنے چیلوں کے اور ہزار ہا لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (۱۷)

فوائد واقعہ:

۱۔ مولوی عبدالقادر غیر مقلد نے بھی حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو "گنج بخش" کہا ہے اور آج "مفتیان کرام" فتویٰ دیتے ہیں ایسے کہنے والا مشرک ہے۔ تو کیا خیال ہے پھر مولوی صاحب کے بارے میں؟؟

غیر مقلدین کا ایک اور حوالہ بھی ملاحظہ فرمائیں: "داتا گنج بخش مرحوم" (۱۸)

۲۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاہور تشریف لائے تھے۔

۳۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دودھ مجھے دے جاؤ اللہ تعالیٰ دودھ دینے والی کا دودھ دوگنا کر دے گا۔ معلوم ہوا کہ آپ سرکار کے فضل و احسان سے جانتے تھے کہ دودھ دوگنا ہو جائے گا۔

۴۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے ولی حکم فرمائیں تو جوتے بھی اڑنا شروع کر دیتے ہیں۔

حضرت سیدنا داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ آسمان ولایت کے وہ نیر تاباں ہیں کہ سارا زمانہ ان کا ثنا خواں ہے۔ دنیائے معرفت کے ایسے بے تاج بادشاہ ہیں کہ اپنے بیگانے سب حاضر بارگاہ ہیں۔ تصوف کا ایسا تاجدار ہے کہ ہر کوئی حاضر دربار ہے۔ اپنے اور غریب بیگانے میرے داتا کو "داتا" مانتے ہیں۔ سب میرے گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سرکار کو "گنج بخش" مانتے ہیں۔

فرشتے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں:

دیوبندی مسلک کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں، کیسے حاضر ہوتے ہیں اور کیا منظر دیکھتے ہیں اور کیسے اس منظر کو بیان کرتے ہیں یہ سب دیوبندی مسلک کے حکیم الاسلام قاری طیب صاحب لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو!

"حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وفات سے تقریباً دو سال قبل دانت درست کرانے کے لئے لاہور تشریف لے گئے تو واپسی سے ایک دن قبل لاہور کے قبرستان کی زیارت کے لئے گئے تو واپسی سے ایک دن قبل لاہور کے قبرستان کی زیارت کے لئے بھی نکلے سلاطین کی قبروں پر بھی گئے اور مساکین کی قبریں بھی دیکھیں۔ فاتحہ خوانی پڑھی، ایصال ثواب کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (سبحان اللہ) کے مزار پر پہنچ کر دیر تک مراقب رہے۔"

وصل صاحب مرحوم بلگرامی ساتھ تھے اور انہوں نے ہی یہ واقعہ مجھے تھان بھون میں بیان فرمایا تھا کہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے لوٹتے ہوئے فرمایا کہ کوئی بہت بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے ہزار ہا ملائکہ کو ان کے سامنے صف بستہ دیکھا۔ (۱۹)

مقبول حسین وصل بلگرامی جو کہ تھانوی کے ساتھ تھے، نے خود بھی اس واقعہ لکھا ملاحظہ ہو:

کتاب میں باٹنگ ہے: "خانقاہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ میں۔"

اس سرخی کے تحت لکھتے ہیں:

دو شنبہ ربیع الاول ہجری ۱۳۵۷ مطابق ۲ مئی ۱۹۳۸ء، صبح کو پھر ڈاکٹر صاحب نے تفریح کے لئے عرض کیا، موٹر آیا، حضرت والا سوار ہو گئے اور خانقاہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ تشریف لے گئے۔ وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے فرمایا کہ بہت بڑے شخص ہیں، عجیب رعب ہے، وفات کے بعد سلطنت کر رہے ہیں۔(۲۰)

منشی عبدالرحمن خان دیوبندی نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔(۲۱)

فوائد:

۱۔ فرشتے صفہ بستہ کھڑے ہیں پر کوئی مضائقہ نہیں پر اگر ہم سنی لوگ صفہ بستہ کھڑے ہو جائیں تو بدعتی و مشرک؟

۲۔ وفات کے بعد سلطنت کر رہے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مردے بھی سلطنت و بادشاہی کرتے ہیں؟

جب بقول تھانوی کے سلطنت کر رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنے قبرستان مبارک میں زندہ ہیں۔

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی الفت میں جو مرتے ہیں
اللہ کے وہ بندے زندہ ہیں مزاروں میں

۳۔ وصل بلگرامی دیوبندی، قاری طیب دیوبندی، منشی عبدالرحمن دیوبندی ان سب نے "داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ" لکھا ہے۔

۴۔ تھانوی صاحب کا کشف غلط تھا یا احمد علی لاہوری کا؟ یا پھر فرشتے خالی جگہ آ کر کھڑے ہو گئے شاید (نعوذ باللہ) پتہ نہ چلا ہو کہ جانا تو شاہی قلعہ تھا پر ادھر آ کر کھڑے ہو گئے۔ یاد رہے کہ فرشتے جو کرتے ہیں رب کے حکم سے کرتے ہیں۔

مولوی اللہ یار، حاضر دربار:

شیخ حبیب الرحمن صدیقی دیوبندی لکھتا ہے: "ایک بار حضرت جی (مولوی اللہ یار خان)

تشریف لائے تو حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (یعنی داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک ساتھی کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ میرے پاس بھی تشریف لائیں۔ چنانچہ حضرت جی آپ کے مزار پر حاضر خدمت ہوئے۔ تو راز و نیاز کی باتوں کے بعد مزید روحانی ترقی کی خواہش کا اظہار فرمایا چنانچہ امام الاولیاء نے (مولوی اللہ یار نے) توجہ فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی (مولوی اللہ یار کی) دعا سے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو "مقام رضا" عطا فرمایا۔" (۲۲)

فوائد:

۱۔ معلوم ہوا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چل چکا تھا کہ مولوی اللہ یار لاہور آ چکا ہے، تو جب ان کو لاہور شہر میں نے والوں کا پتہ چل جاتا ہے تو پھر اپنے مزار پر حاضر ہونے والوں کا کیسے نہ پتہ چلتا ہوگا۔

۲۔ اگر مزارات پر جانا شرک و بدعت تھا تو مولوی صاحب کیا لینے گئے تھے؟

۳۔ راز و نیاز کی باتوں کے بعد، اگر اولیاء اور خاص کر داتا صاحب اپنی قبر شریف میں زندہ نہیں تھے مولوی اللہ یار صاحب کس سے راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے؟

۴۔ بقول مولوی احمد علی لاہوری اگر داتا صاحب کی تدفین یہاں نہیں ہوئی تو جناب کے "امام الاولیاء" وہاں کس سے راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے؟

۵۔ مولوی اللہ یار خان صاحب اگر داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دینے چلے ہی گئے تھے تو آپ لوگ صاف صاف بیان کر دیتے یہ داتا صاحب کو فیض دینے اور مقام رضا دلوانے کا بہانہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بھلا کوئی صاحب عقل اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ مولوی اللہ یار خاں دیوبندی داتا صاحب کو مقام رضا دلوانے گئے تھے، بقول تھانوی صاحب کے جن کے سامنے فرشتے صف بستہ کھڑے ہیں، وفات کے بعد سلطنت کر رہے ہیں قبر کے اندر مولوی اللہ یار خاں کے لاہور آنے کا علم حاصل ہے اور بقول ان کے مولوی جی کو بلوا لیا تو ابھی ان کو مقام رضا حاصل ہی نہیں ہوا تھا۔ فیا للعجب۔

عبدالحمید سواتی دیوبندی کی حاضری:

دیوبندی حضرات کے امام اہلسنت مولوی سرفراز گکھڑوی کے بھائی صوفی عبدالحمید گجراتی بھی داتا صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ ملاحظہ ہو!

مولوی سواتی کا بیٹا کہتا ہے کہ:

"پھر سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر بھی مراقبہ کیا۔"(۲۳)

وہی اس سفر میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر مراقب ہوئے۔(۲۴)

مفتی محمود کی داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاضری:

مفتی محمود صاحب کو علمائے دیوبند کا قائد ہونے کا شرف حاصل ہے، انہوں نے جرأت سے کام لے کر حضور داتا صاحب کی بارگاہ میں دوبارہ حاضری دی۔ مولوی احمد علی لاہوری کے صاجزادے مولوی عبیداللہ انور نے ان کا پورا پورا ساتھ دیا...... اور اپنے والد صاحب کے کشف کو (یکسر) نظرانداز کر کے مفتی صاحب کے ساتھ بذات خود حاضر ہوئے۔ ملاحظہ ہو!

"لاہور، ۱۵ اگست ۱۹۷۷ء پاکستان قومی اتحاد کے صدر مفتی محمود نے گزشتہ روز حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی۔ اس موقع پر مفتی محمود نے ملک کی سالمیت و استحکام کے لئے دعا مانگی، جب مولانا مزار پر آئے تو لوگوں نے بازار داتا صاحب میں ان پر گل پاشی کی اور ان کا پر جوش استقبال کیا۔ مزار میں ان کی دستار بندی کی گئی، مولانا مفتی محمود نے بعد میں تبرک تقسیم کیا۔"(۲۵)

مولوی عبدالرحمن اشرفی چوکھٹ داتا رحمۃ اللہ علیہ پر:

مولوی عبدالرحمن اشرفی دیوبندی ایک انٹرویو میں کہتے ہیں کہ "میں مہینے میں ایک مرتبہ حضرت داتا علی ہجویری نوراللہ مرقدہ کے دربار پر حاضری ضرور دیتا ہوں، پچھلے جمعہ کو بھی گیا

تھا اور اگر میں دیر لگاتا ہوں تو حضرت خود مجھے بلاتے ہیں، خواب میں آتے ہیں کہ تم کیوں نہیں آئے؟ تم نے دیر کیوں لگائی؟ حضرت کو میرے ساتھ اتنا پیار ہے، اس لئے مہینے میں ایک بار لازمی دربار شریف پر جاتا ہوں، جامعہ اشرفیہ میں ہمارے نئے شیخ الحدیث آئے ہیں، مولانا حمید اللہ جان، میں نے کہا کہ حضرت میں شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جایا کرتا ہوں، شیخ الحدیث کہنے لگے، مولانا میں بھی ضرور جانا چاہتا ہوں۔ میں ابھی لاہور آیا ہوں تو میں ان کو ساتھ لے کر گیا، تین چار، پانچ حضرات اور بھی ہمارے ساتھ تھے۔ وفد بن کر وہاں حاضری دی، سلام پیش کیا۔" (۲۶)

غیر مقلدین کی گواہی:

پنجاب کے نگرانی وزیر اعلیٰ نے عرق گلاب سے سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو غسل دیا۔ مشہور دیوبندی درس گاہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم صاحبزادہ عبدالرحمن وزیر اعلیٰ کے ساتھ کھڑے ہیں اور اس عرق گلاب سے جو سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی بالائی منزل سے مس ہو کر نیچے گر رہا تھا۔ مولانا مہتمم جامعہ اشرفیہ اسی کو اپنے چلو میں لے کر اپنی داڑھی پر مل رہے تھے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک نیچے تھی اور یہ اوپر کا خول تھا۔ (۲۷)

الاعتصام کا تبصرہ:

"حسرت تو اس بات پر ہے اگر یہ کام بریلوی علماء کریں تو ان کی بارگاہ سے ان کے خلاف بدعتی اور مشرک ہونے کا فتویٰ صادر کیا جاتا ہے اور جب خود ایسی بات کا ارتکاب کریں تو.........." (۲۸)

ان مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں ہم ان حضرات کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ آج تم لوگ کتنی آسانی سے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف سید الاولیاء امام الاتقیاء، پیر روشن ضمیر، مقبول بارگاہ، سراج منیر، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر آنے والے مسلمانوں کو جو محبت اولیاء سے سرشار، اپنے سینوں کو حب درویشاں

سے آباد کیے، اپنے قلوب وازبان کو عشق اولیاء سے معطر کئے، رفعت وعظمت اولیاء کے سامنے نظریں جھکائے حاضر ہوتے ہیں اور ان کو "داتا" اور "گنج بخش" کے القاب سے یاد کرتے ہیں اور فیض وروحانیت سے اپنے دل کی دنیا آباد کرتے ہیں اور قرب محبوبان خدا میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرتے ہیں کو مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہیں۔ اس وقت خدا کا خوف تم لوگوں کو نہیں آتا کہ ہم مسلمانوں کو مشرک قرار دے رہے ہیں۔ اک مسلمان کو مشرک قرار دینا کتنا بڑا ظلم اور گناہ کبیرہ ہے۔ امید ہے آپ جانتے ہوں گے اور شرک کی تعریف کیا ہے۔ شاید آپ اس سے واقف ہوں گے، اگر واقعتاً ہی ایسا ہے تو پھر تم لوگوں نے امت مسلمہ کو مشرک کہنے کا ٹھیکہ مفت میں کیوں لے رکھا ہے؟ اور اگر تمہارے نزدیک یہ ہے سب کچھ واقعی شرک ہے تو پھر جو حقائق ہم عرض کر چکے ہیں ان کے بارے کیا فتویٰ ہے کہ وہ مسلمان ہیں یا مشرک؟ علمائے امت کی ایک عظیم تعداد ہے جو آپ کو داتا اور گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کہتے اور لکھتے آئے ہیں۔ اولیاء امت کی بھاری تعداد ہے جو داتا کے حضور حاضر ہوتے رہے اور ان کی ولایت بھی مشہور ومسلمہ ہے کیا وہ سب مشرک ہو گئے؟ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی شان ولایت میں کس کو شک ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہی "گنج بخش" کہا ہے، ان حقائق پر اگر آپ سنجیدگی سے اور نیک نیتی سے نظر ثانی فرمائیں گے تو امید ہے کہ امت مسلمہ جو کہ افتراق وانتشار کی آگ میں جل رہی ہے اس آگ میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی اور اگر نہیں تو ضد کا اور "میں نہ مانوں" کا تو کوئی علاج نہیں۔

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، "تذکرہ اولیائے پاک وہند جدید" ۸، ۹، ۱۰ ممتاز اکیڈمی اردو بازار لاہور پاکستان۔

۲۔ "سفینۃ الاولیاء" صفحہ: ۲۱۰، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، طبع ہفتم ۱۹۸۶ء

۳۔ "تحقیقات چشتی" صفحہ: ۱۶۹، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور

۴۔ "تصوف اسلام" صفحہ ۲۶، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور

۵۔ "تصوف اسلام" صفحہ ۲۶، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور
۶۔ "خطبات اپنے اکابر کے" صفحہ: ۶۰، ادارہ اسلامیات لاہور، سن اشاعت مئی ۲۰۱۱ء
۷۔ "خطباتِ حکیم الاسلام" جلد: ۵، صفحہ: ۵۳، دارالاشاعت کراچی
۸۔ "فتویٰ ثنائیہ" جلد: ۱، صفحہ: ۱۵۱، مکتبہ ثنائیہ النور اکیڈمی، چوک بلاک، ۱۹ سرگودھا
۹۔ محمد اسلم، السیرت، نومبر تا دسمبر ۱۹۵۹ء، جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ
۱۰۔ عبدالقیوم قاسمی "ملفوظات امام اہلسنت" صفحہ: ۲۳۱، اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاون کراچی ۲۰۱۴ء
۱۱۔ "سفینۃ الاولیاء" صفحہ: ۲۱۰، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، طبع ہفتم ۱۹۸۶ء
۱۲۔ "مدینۃ الاولیاء" صفحہ: ۵۵۱، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور
۱۳۔ "تصوف اسلام" صفحہ ۲۸، تصوف فاؤنڈیشن المعارف گنج بخش روڈ لاہور ۲۰۱۱ء
۱۴۔ ہفت روزہ "اہلحدیث"، امرتسر، ۲۰ جمادی الاول، ہجری ۱۳۵۷، صفحہ: ۲۰ و ہفت روزہ "اہلحدیث"، امرتسر: ۱۵ جنوری ۱۹۴۳ء، صفحہ: ۱۸
۱۵۔ "سفینۃ الاولیاء" صفحہ: ۲۱۰ نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، طبع ہفتم ۱۹۸۶ء
۱۶۔ "تصوف اسلام" صفحہ: ۲۸ تصوف فاؤنڈیشن المعارف گنج بخش روڈ لاہور ۲۰۱۱ء
۱۷۔ "سوانح حیات غلام رسول" صفحہ: ۱۱، ۱۲، ۱۳ فضل بکڈپو اردو بازار گوجرانوالہ
۱۸۔ ہفت روزہ "الاعتصام"، ۱۲ جنوری ۱۹۷۰ء
۱۹۔ "عالم برزخ" صفحہ: ۲۴، ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
۲۰۔ "سفرنامہ لاہور و لکھنؤ" صفحہ: ۶۳، ۵۰، ۴۹ المکتبۃ الاشرفیۃ، جامعہ اشرفیۃ، فیروز پور روڈ، لاہور
۲۱۔ "سیرت اشرف" جلد: ۱، صفحہ ۱۹۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
۲۲۔ "امام الاولیا" صفحہ ۱۵۹، ادارہ فلاح دارین، چوبرجی لاہور
۲۳۔ ماہنامہ "نصرۃ العلوم" مفسر قرآن نمبر، صفحہ: ۱۴۱، ادارہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۲۴۔ ماہنامہ "نصرۃ العلوم" مفسر قرآن نمبر، صفحہ: ۱۹۵، ادارہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۲۵۔ "نوائے وقت" ۲ اگست ۱۹۷۷ء، ماہنامہ الفرید ساہیوال اکتوبر ۱۹۷۷ء، صفحہ: ۳۳، حوالہ سیرت بعد از وصال، حضرت داتا گنج رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۸۱، رضا پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۴ء
۲۶۔ "اخبار اہلسنت" جنوری ۲۰۰۰ء، صفحہ: ۳۱، "ماہنامہ قومی ڈائجسٹ" مئی ۱۹۹۹ء، بحوالہ سیرت بعد از وصال حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ صفحہ: ۹۷، پبلی کیشنز لاہور ۲۰۱۴ء
۲۷۔ ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور، ۱۶ ستمبر ۱۹۸۸ء، صفحہ: ۱۸، بحوالہ سیرت بعد از وصال حضرت داتا گنج بخش، صفحہ: ۹۷، پبلی کیشنز لاہور ۲۰۱۴ء
۲۸۔ ہفت روزہ "دالاعتصام" ۱۱ ستمبر ۱۹۸۶ء، صفحہ: ۸۱

اسفارِ صوفیہ اور سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی سیاحت

ڈاکٹر محمد سلطان شاہ

انسانی زندگی میں سفر کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ درحقیقت زندگی اور سفر لازم وملزوم ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سفرِ حج تو صاحبِ استطاعت کے لیے ناگزیر ہے کیونکہ اس کے بغیر مناسکِ حج کی ادائیگی ناممکن ہے۔ اسی طرح حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اُمتیوں کو مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ بیت المقدس کی زیارت کے لیے سفر اختیار کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ حصولِ علم کی غرض سے سفر کرنا ہمارے اسلاف کا شعار رہا ہے۔ قرآن مجید میں "سیروا فی الارض" کے الفاظ ہمیں سفر اختیار کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ الغرض سفر کئی مقاصد کے لیے کیا جاتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کے مطابق سفر عام طور پر درج ذیل مقاصد کے لیے کیا جاتا ہے:

۱۔ حصولِ معاش کے لیے
۲۔ حصولِ علم کے لیے
۳۔ تجارت کے لیے
۴۔ فرائضِ منصبی ادا کرنے کے لیے، جیسے سفراء دوسرے ملکوں میں سفارت کے لیے جاتے ہیں۔
۵۔ معلومات میں اضافہ کے لیے
۶۔ آیات اللہ یعنی مناظرِ فطرت اور مظاہرِ قدرت کا مشاہدہ کرنے کے لیے
۷۔ زیارت کے لیے
۸۔ عبرت کے لیے
۹۔ عزیزوں دوستوں سے ملاقات کے لیے

☆ صدر شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی لاہور

۱۰۔ سفر کی ایک قسم، ہجرت بھی ہے۔(۱)

ان کے علاوہ صوفیہ مردانِ خدا کی زیارت اور مزارات اولیاء اللہ سے استفادہ و استفاضہ کی غرض سے سفر اختیار کرتے ہیں۔(۲) تلاشِ مرشد کی غرض سے بعض صوفیہ نے طویل سفر کیے۔ بعض صوفیہ ایسے بھی ہیں جو سفر کو تزکیۂ نفس کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں، کبھی قیام نہیں کرتے۔ شیخ ابراہیم خواص قدس سرہٗ کا تعلق ایسے طبقے سے تھا، آپ کسی شہر میں چالیس دن سے زیادہ قیام نہیں کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ اگر چالیس دن سے زیادہ کسی شہر میں مقیم رہیں گے تو ان کے توکل میں فرق آجائے گا، چونکہ اس عرصے میں لوگ ان کو اچھی طرح جان لیں گے اور لوگوں کا ان کی طرف رجوع شروع ہو جائے گا۔(۳) حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے قاریو، اے طالبو! سفر کرو کہ تم خوش رہو اور پاک وصاف رہو، اس لیے کہ پانی زیادہ دیر تک ایک جگہ ٹھہرا رہتا ہے تو وہ متغیر ہو جاتا ہے، اس کا رنگ اور مزہ سب کچھ بدل جاتا ہے۔(۴) حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کب تک دنیا کی سیر و سیاحت میں مشغول رہیں گے؟ انہوں نے جواب دیا: پانی ایک جگہ ٹھہر جانے سے اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا، پھر سمندر کیوں نہیں بن جاتے تاکہ نہ بدبو پیدا ہو اور نہ رنگ تبدیل ہو۔(۵) اس سے واضح ہوتا ہے کہ صوفیہ کے ہاں سیر و سیاحت کی بڑی اہمیت ہے۔

مخدوم الاولیاء، سلطان الاصفیاء حضرت سید علی ہجویری قدس سرہ العزیز نے اپنے عہد کے قریباً تمام اسلامی ممالک کی سیاحت کی اور وہاں کے مشائخ وصوفیہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ اس کا ذکر اُن کی معروف کتاب کشف المحجوب میں کئی مقامات پر ملتا ہے۔ چونکہ کتاب سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا سفر نامہ نہیں ہے اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے اتنے ہی ملکوں اور شہروں کی سیاحت کی جن کے نام ان کی کتاب میں مذکور ہوئے ہیں اور ان کا سفر پاک و ہند بھی صرف اس حد تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ غزنی سے چل کر لاہور پہنچ گئے۔(۶)

محمد گل احمد خان عتیقی نے لکھا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے غزنی میں اپنے خاندان کے مقتدر مشائخ اور جید علماء کرام سے ظاہری علوم اور باطنی کمالات سے فیض یاب ہونے کے بعد سیر و سیاحت کو اپنایا۔ سیر و سیاحت، کرشمہ ہائے قدرت کے مشاہدے اور حسن منظر سے لطف اندوز

ہونے، اولیاء کرام اور ان کے مزارات کی زیارت اور اُن سے روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے کا ذریعہ بھی اور تبلیغی مشن کا حصہ بھی ہے کیونکہ اس سے لوگوں کی عادات و اطوار اور مزاج شناسی کا ملکہ بھی حاصل ہوتا ہے اور مصائب و مشکلات برداشت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ جس سے تبلیغ اسلامی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں سلوک کے لا ینحل عقدے کھلتے ہیں اور سلوک کی منزلیں طے ہونے لگتی ہیں۔ (۷)

آر۔ اے۔ نکلسن نے سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کشف المحجوب کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جس کے مقدمے میں اُس نے مصنف کے اسفار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"He mentions a great number of shaykhs whom he had met and conversed with in the course of his wanderings. He travelled far and wide through the Muhammadan empire from Syria to Turkistan and from the Indus to the Caspian Sea)." (۸)

روسی مستشرق پروفیسر ژوکوفسکی (Zhukovsky) نے کشف المحجوب کا فارسی متن ایڈٹ کیا جو اُس کی موت کے بعد ۱۹۲۶ء میں لینن گراڈ سے زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ اُس نے سید ہجویر علیہ الرحمہ کی سیاحت اور اس کی افادیت کے حوالے سے یوں اظہارِ خیال کیا:

"The many-sided development of Jullabi was fostered in a material degree by his travels, and in his time he travelled much. He visited many parts of the Musulman world, and thus came into contact with leading religious men and Sufis of his day ....In such manner he acquired that varied and vivid material which he used later in his stories of different Shaykhs and generally in his broad and illuminating judgment of diverse questions and Sufistic teaching)." (۹)

اس طرح ژوکوفسکی کے مطابق حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے اسفار مختلف شیوخ کے

متعلق واقعات اور معلومات کے حصول کا ذریعہ بنے جن کو انہوں نے بعد میں اپنی کتاب میں بیان کیا۔

سید علی ہجویری قدس سرہ العزیز نے اپنی کتاب کے تیرھویں باب میں شام، عراق، فارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، کمش، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور غزنی کے مشائخ عظام کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بیشتر سے انہیں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ خراسان کے نو صوفیہ کے اسماءِ گرامی اور مختصر تذکرہ کے بعد فرماتے ہیں:

"میں نے تین سو مردانِ خدا خراسان میں ایسے پائے جو آفتاب و ماہتابِ طریقت ہیں۔" (۱۰)

نکلسن کے مطابق جن ممالک اور شہروں کا سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سفر کیا ان میں آذربائیجان، بسطام، دمشق، رملہ، شام میں بیت الجن، طوس، اوزکند، المنہا، مرو، سمرقند اور عراق شامل ہیں۔ (۱۱) حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ نے ان اماکن میں کچھ مزید ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ اُن کی تیار کردہ نامکمل فہرست میں مندرجہ بالا اماکن کے علاوہ ماوراء النہر، خراسان، کمش، کمند، نیشاپور، بخارا، سرخس، بغداد، فارس، نواحی خوزستان، فرغانہ، شلاتک، ترکستان اور پاک و ہند شامل ہیں۔ (۱۲)

محمد گل احمد خان عتیقی کے مطابق سید ہجویر علیہ الرحمہ حجاز مقدس بھی گئے۔ اُن کا کہنا ہے: "آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ نگاروں کی تحقیق کے مطابق تمام عالم اسلام کا سفر کیا اور اسی سیر و سیاحت کے دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دو مرتبہ حج کی سعادت بھی حاصل کی۔" (۱۳)

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے مطابق کشف المحجوب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پاک و ہند کے اکثر شہروں کی سیاحت کی تھی، یہاں کے علماء سے ملے تھے اور یہاں کی تہذیب و تمدن و رسم و رواج اور ہندوؤں کے عقائد سے گہری واقفیت حاصل کی تھی۔ (۱۴) اس کا ثبوت درج ذیل واقعات سے ملتا ہے:

۱۔ میں نے ہندوستان میں ایک مرد کو دیکھا کہ وہ تفسیر اور وعظ اور علم کا دعویٰ کرتا تھا۔ اُس نے اس بارے میں مجھ سے بحث کی۔ جب میں نے دیکھا اور اس پر نظر کی تو وہ فنا و بقا کو جانتا ہی نہ تھا۔ (۱۵)

۲۔ مشہور ہے کہ ہندوستان میں شکاریوں کا ایک گروہ ایسا ہے کہ یہ لوگ باہر جنگل میں نکل جاتے ہیں اور گانا شروع کر دیتے ہیں اور بڑی سُریلی آوازیں نکالتے ہیں۔ ہرن جب انہیں سُن پاتے ہیں تو اُنہی کی طرف بھاگتے چلے آتے ہیں۔ انہیں قریب آتا دیکھ کر یہ لوگ ان کے گرد گھیرا سا ڈال لیتے ہیں اور مسلسل گاتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ راگ کی لذت سے ہرن کی آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں اور (اسی خمار کی حالت میں) بالآخر وہ سو جاتا ہے او روہ لوگ اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ (۱۶)

۳۔ میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ زہرِ قاتل کے اندر ایک کیڑا پیدا ہو جاتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اس زہر میں زندہ رہ سکتا ہے بلکہ اس کی زندگی موقوف ہی اس زہر میں پڑے رہنے پر ہوتی ہے۔ (۱۷)

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ افغانستان کے شہر غزنی سے برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوئے اور کئی شہروں سے ہوتے ہوئے لاہور پہنچے جسے انہوں نے اپنی قیام گاہ بنایا۔ یہیں اُن کا وصال ہوا اور یہی شہر اُن کی آخری آرام گاہ ہے۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے علاوہ دنیا کے متعدد شہروں کی سیاحت کی۔ اُن کی کتاب کشف المحجوب سے چند واقعات اور دوسرے صوفیہ سے اُن کے علاقوں کا تذکرہ ملاحظہ ہو۔

اپنے مرشد ابوالفضل محمد بن حسن الختلی قدس سرہ العزیز کے وصال کے وقت سید علی ہجویری علیہ الرحمہ اُن کے پاس تھے۔ اس واقعہ کو انہوں نے کشف المحجوب میں یوں بیان فرمایا ہے: "جس روز کہ حضرت کی وفات کا وقت آیا، آپ اس روز بیت الجن میں تھے۔ یہ ایک گاؤں ہے جو دمشق اور بانیارود کے مابین ایک گھاٹی پر آباد ہے۔ آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔" (۱۸)

ماوراء النہر سرسبز و شاداب صوبہ تھا۔ کسی ملک میں نہ تو اتنے فقہاء تھے اور نہ علم کا ایسا چرچا تھا۔ سید علی ہجویری علیہ الرحمہ کو وہاں کچھ وقت گزارنے کا موقع ملا۔ جس کا انہوں نے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت احمد حماد سرخسی ماوراء النہر میں اُن کے رفیق تھے جو تجرد پسند تھے۔ (۱۹) ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ مجھے ایک بار ماوراء النہر کے ملامتی سے ملاقات کا

اتفاق ہوا تو جب وہ بے تکلف ہوگیا تو میں نے اس سے کہا بھائی! اس قسم کے شوریدہ افعال سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کہنے لگا مخلوق سے اپنے آپ کو چھپانا۔ میں نے کہا: لوگ بہت ہیں اور تیری عمر کم، تو زمانہ میں ان سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا، لہذا تو خود اُن کو کیوں نہیں چھوڑ دیتا تاکہ اس شغل سے تو بھی آزاد ہو جائے اور ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ لوگوں میں مشغول ہوتے ہیں اُن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ لوگ اُن کی طرف مشغول ہیں۔ تُو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ تو اپنے کو نہ دیکھ تاکہ پھر تجھے کوئی نہ دیکھے۔ (۲۰)

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر اس خطے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک کامل بزرگ کو ماوراء النہر میں دیکھا جو سلسلہ ملامتیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس کا یہ حال تھا کہ وہ مرغوب اشیاء جسے انسان شوق سے کھاتا ہے، بالکل استعمال نہ فرماتے۔ (۲۱)

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بسطام میں حضرت شیخ بایزید قدس سرہٗ العزیز کے مزار پر بھی حاضر ہوئے اور کسی مسئلے کے حل کے لیے وہاں مجاوری کرتے رہے۔ آخر وہ مسئلہ حل ہوگیا۔ (۲۲) وہ ایک دفعہ دمشق کے درویشوں کے ساتھ ابن المعلا کی زیارت کے لیے رملہ کے ایک گاؤں بھی تشریف لے گئے۔ رملہ فلسطین کا ایک شہر ہے۔ (۲۳) شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک بار شام میں تھے اور حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ مؤذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار کے سرہانے سو رہے تھے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا اور اسی خواب میں دیکھا کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معمر کو اپنے پہلو میں اس طرح لے رکھا ہے جیسے بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں۔ شیخ فرطِ محبت سے دوڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے اقدس کو چومنے لگے۔ وہ اس تعجب میں تھے کہ یہ معمر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے محبوب کون ہیں؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے تعجب کو نُورِ نبوت سے سمجھ گئے اور اُن سے فرمانے لگے:

"یہ تیرا امام ہے اور تیرے شہر کے لوگوں کا امام ہے یعنی ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ"۔ (۲۴)

کشف المحجوب میں سید ہجویر علیہ الرحمہ کے بغداد میں قیام کا بھی ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہم نے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں ملحدین کا ایک گروہ دیکھا ہے جو اپنے آپ کو حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ کا معتقد ظاہر کرتا ہے اور اپنے الحاد و زندقہ پر اُن کے کلام پر حجت لاتا ہے اور اس گروہ کا نام ہی "حلاجی" ہے اور حضرت حسین بن منصور کے معاملہ

میں اس حد تک غلو کرتا ہے جس حد تک روافض محبت علی کرم اللہ وجہہ میں کرتے ہیں۔ (۲۵)

اپنے سفرِ خراسان کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ میں علی بن عثمان جلابی ہوں۔ میں خراسان کے ایک قصبہ پہنچا جسے "مکند" کہتے ہیں۔ وہ ایک بزرگ تھے جنہیں "ادیب مکندی" کہتے تھے۔ یہ وہاں کے مشہور بزرگ تھے۔ وہ بیس سال تک برابر قیام میں رہے۔ نماز میں تشہد کے سوا کبھی نہ بیٹھے ان سے میں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا: ابھی میرا وہ درجہ نہیں کہ حضورِ حق کا مشاہدہ بیٹھ کر کروں۔ (۲۶)

سید علی ہجویری علیہ الرحمہ طوس بھی تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک بار حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ درویش کو کم از کم کیا چیز لازم ہے جس سے اُس کے ساتھ نام "فقر" موزوں ہو سکے؟ فرمایا تین چیزیں کم از کم ضروری ہیں اور اس سے کم ہرگز نہ ہوں۔ اوّل یہ کہ وہ اپنی کمبلی پر جب پیوند لگائے تو یہ سمجھے کہ پیوند کس طرح موزوں رہے گا اور اسے کس طرح کمبلی پر چسپاں کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ (دل کی آواز اور عوام کی بات) اچھی طرح سُن سکے اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کی اہلیت رکھے۔ تیسرے یہ کہ فقیر کا کوئی قدم زمین پر بیکار وغیرہ موزوں نہ پڑے۔ (۲۷)

ایک دن حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کے ہمرکاب تھے۔ چلتے چلتے آذربائیجان کی آبادی سے گزرے تو انہوں نے دو تین خرقہ پوش دیکھے کہ گندم کے ڈھیروں پر کھڑے ہوئے تھے اور اپنے خرقہ کے دامنوں کو کسانوں کی طرف پھیلا رکھا تھا تا کہ وہ گندم میں سے اُن کے دامنوں میں کچھ ڈالیں۔ سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ قدس سرہٗ نے اُن کی طرف نظر ڈالی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ (۲۸)

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کی تجارت نے انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور یہ ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔"

سید ہجویری علیہ الرحمہ نے عرض کی حضور! یہ لوگ کس قدر ذلت میں مبتلا ہیں کہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ ان کے پیر کو مرید جمع کرنے کی حرص ہوئی ہے

تو ان کو دُنیا جمع کرنے کی حرص ہوگئی۔(۲۹)

سید علی بن عثمان قدس سرہ العزیز بخارا بھی گئے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بخارا میں شیخ احمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ چالیس برس گزر گئے تھے مگر رات کو کبھی نہ سوتے تھے۔ صرف دن کے وقت تھوڑی سی نیند کرلیا کرتے تھے۔(۳۰) مرو (Marv) میں ایک امام حدیث سے ملاقات کا ذکر بھی کشف المحجوب میں درج ہے۔(۳۱) ترکستان میں حضرت سید علی ہجویری علیہ الرحمہ نے جو مشاہدہ کیا اُس کا ذکر اُن کی ہی زبانی سُنیے:

"ترکستان میں مَیں نے دیکھا کہ سرحدِ اسلام کے قریب ایک شہر میں ایک پہاڑی سی تھی کہ اس کے اندر آگ لگ گئی تھی اور وہ برابر جل رہی تھی اور اس کے پتھروں میں سے نوشادر اُبل اُبل کر باہر آرہا تھا۔ لیکن اس آگ میں ایک چوہا تھا کہ اگر اسے باہر نکالتے تو وہ ہلاک ہو جاتا۔"(۳۲)

صاحبِ کشف المحجوب نے اپنے اسفار کے ذکر کے علاوہ تینئیسویں باب میں" آدابِ صحبت سفر" رقم فرمائے ہیں جس میں انہوں نے اپنے قارئین کو ہدایت کی ہے کہ مسافر کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ حافظِ سنت رہے۔(۳۳) پچیسواں باب "چلنے پھرنے کے آداب" سے متعلق ہے اور چھبیسویں باب میں فاضل مصنف نے "سفر وحضر میں سونے کے آداب" پر بحث کی ہے۔

اس مقالہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت سید علی ہجویری قدس سرہ العزیز نے اپنا کوئی سفر کسی مالی منفعت کے لیے نہیں کیا بلکہ اُن کا ہر سفر روحانی سفر تھا۔

حوالہ جات:

۱۔ صدیقی، ظہیر احمد، پروفیسر ڈاکٹر۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ (لاہور: مجلس تحقیق وتالیف فارسی، جی سی یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء) ص ۴۰۹۔

۲۔ امرتسری، محمد موسیٰ، حکیم۔ دیباچہ، کلام المرغوب ترجمۂ کشف المحجوب از ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (لاہور: شیخ اکیڈمی، ۱۳۹۳ھ) ص ۴۷۔

۳۔ سہروردی، شہاب الدین، شیخ الشیوخ، عوارف المعارف، مترجم حضرت شمس بریلوی۔ (کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی ۱۹۷۷ء، ص ۲۶۸)

۴۔ صدیقی، ظہیر احمد، پروفیسر ڈاکٹر۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ، ص ۴۱۱۔

۵۔ ایضاً،ص ۴۱۱، ۴۱۲۔
۶۔ امرتسری، محمد موسیٰ۔ دیباچہ کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب،ص ۴۷،۴۸۔
۷۔ نیروی، محمد الطاف، اُردو ترجمہ کشف المحجوب، مقدمہ محمد گل احمد خان عتیقی، اشاعت اوّل ۱۹۹۲ء۔
۸۔ Nicholson, R.A)tr(.The Kashf al-Mahjub)Lahore: Sang-e-Meel(publications, 1996(P.vi
۹۔ Z h u k o v s k y, Sidney Jerrold, E.Denison Ross, Being a translation of Professor Zhokovsky's introduction to his edition of the Kashf-ul- Mahjub, Bulletin of the school of Oriental Studies, University of London, vol,5,No.3) 1929(p.477
۱۰۔ قادری، سید محمد احمد، علامہ ابوالحسنات، (مترجم) کلام المرغوب ترجمۂ کشف المحجوب،ص ۳۳۴۔
۱۱۔ . P.vi,The Kashf al-Mahjub(.)trNicholson
۱۲۔ امرتسری، حکیم محمد موسیٰ، دیباچہ کلام المرغوب ترجمۂ کشف المحجوب،ص ۴۷۔
۱۳۔ نیروی، محمد الطاف، اُردو ترجمہ کشف المحجوب۔
۱۴۔ امرتسری، حکیم محمد موسیٰ، دیباچہ کلام المرغوب ترجمۂ کشف المحجوب،ص ۴۷۔
۱۵۔ قادری، سید محمد احمد، علامہ ابوالحسنات (مترجم) کلام المرغوب ترجمۂ کشف المحجوب،ص ۴۳۲۔
۱۶۔ یزدانی، محمد عبدالمجید، پروفیسر۔ کشف المحجوب کا مستند ترین اُردو ترجمہ گنج مطلوب، (لاہور، ناشران قرآن لمیٹڈ، ۱۹۶۸ء) ص ۶۴۹، ۶۵۰۔
۱۷۔ ایضاً،ص ۶۶۲۔
۱۸۔ قادری، سید محمد احمد، علامہ ابوالحسنات (مترجم) کلام المرغوب ترجمۂ کشف المحجوب،ص ۳۲۵۔
۱۹۔ ایضاً،ص ۵۷۰،۵۷۱۔
۲۰۔ ایضاً،ص ۵۷۰۔
۲۱۔ ایضاً،ص ۱۴۷۔
۲۲۔ قادری، سید محمد احمد، علامہ ابوالحسنات، کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب،ص ۱۷۱۔
۲۳۔ ایضاً،ص ۵۴۴۔
۲۴۔ ایضاً،ص ۲۱۶۔
۲۵۔ ایضاً،ص ۳۰۶۔
۲۶۔ ایضاً،ص ۵۳۳۔
۲۷۔ ایضاً،ص ۱۴۵۔
۲۸۔ البقرۃ ۲:۱۶۔
۲۹۔ قادری، کلام المرغوب ترجمۂ کشف المحجوب،ص ۱۵۵۔
۳۰۔ یزدانی، محمد عبدالمجید، پروفیسر، گنج مطلوب،ص ۵۷۴۔
۳۱۔ ایضاً،ص ۶۵۱۔
۳۲۔ ایضاً،ص ۶۶۲۔
۳۳۔ قادری، کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب،ص ۵۴۷۔

فرمودات حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

(حسن کلام کی عمدہ مثال)

بتول فاطمہ ملک ☆

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مبارک آج سے ۹۷۶ سال قبل ۴۶۵ھ بمطابق ۱۰۷۲ء لاہور میں ہوا۔ آپ کا مزار اس مقام پر ہے جہاں تقریباً ۳۵ سال تک آپ اللہ کی یاد میں مصروف رہے اور ہزاروں مشرکوں اور کافروں نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ ۹۷۶ سال گزر جانے کے باوجود آپ کا روحانی فیض آج بھی جاری ہے۔ شہر لاہور جسے آپ کی نسبت سے داتا کی نگری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سالانہ عرس کی تقریبات کے سلسلے میں پورے پاکستان سے عقیدت مند حاضری دیتے ہیں، یہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جیسے اولیاء اللہ نے روحانی فیض حاصل کیا۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کشف المحجوب" ایک مرشد کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے اب تک بہت ساری دوسری زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ اصل میں یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اب میں اس کتاب سے کچھ باتیں لکھتی ہوں۔ یہ باتیں کتنی عمدہ ہیں جب آپ پڑھیں گے تو آپ کو اس کا پتا چلے گا۔ باتوں میں یہ باتیں بڑی کمال ہیں میں نے یہ باتیں اسی کتاب میں سے نکالی ہیں، آئیں ان کو پڑھیں۔

☆ جس کام میں نفسانی غرض شامل ہو جائے اس کام سے برکت جاتی رہتی ہے۔ دوزخ کے دروازے کی کنجی یہ ہے کہ انسان نفس کی خواہش کے موافق کام کرے۔

☆ علم تو بہت ہے مگر عمر تھوڑی ہے اس لیے تمام علوم کو سیکھنا فرض نہیں صرف اتنا سیکھنا چاہیے جتنے کی شریعت میں ضرورت ہے اور علم جو سیکھے اس سے پوری واقفیت حاصل کرے کیونکہ تھوڑے علم پر مکمل عمل نہیں ہو سکتا۔

☆ جب بندہ یقین کے ساتھ یہ بات جان جائے گا کہ میرا خدا مجھے دیکھ رہا ہے تو ہرگز ایسا کام نہیں کرے گا جس سے اس کو خدا کے سامنے قیامت کے دن شرمندہ ہونا پڑے۔

☆ سٹوڈنٹ جماعت ششم: گورنمنٹ گرلز ہائی سکول جوہر آباد

☆ غافل علماء، وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنالیا ہے ظالموں اور بادشاہوں کی پرستش میں دن رات مصروف رہتے ہیں اور ان کے مکانوں کا طواف کرتے ہیں۔ حسد اور کینہ کو مذہب قرار دیتے ہیں۔

☆ خداوند تعالیٰ نے فقیر اور درویش کا مرتبہ بہت بڑا رکھا ہے کیونکہ وہ متوکل علی اللہ ہے۔ فقیر کی شان یہ ہے کہ وہ اسباب ہونے سے مالدار نہیں ہوتا اور نہ ہونے سے محتاج نہیں ہوتا۔

☆ مکار فقیر وہ لوگ ہیں کہ کوئی شخص ان کی خواہش کے موافق کوئی کام کرے خواہ وہ کام غیر حق ہو تو اس کی تعریف کریں اور اگر کوئی شخص ان کی خواہش کے خلاف کوئی کام کرے خواہ وہ کام غیر حق ہو تو اس کی تعریف کریں اور اگر کوئی شخص ان کی خواہش کے خلاف کوئی کام کرے۔ خواہ وہ حق ہو تو اس کی برائی کریں۔

☆ جاہل صوفی وہ ہے جو کسی پیر کامل کی صحبت میں نہ رہا ہو۔ کسی بزرگ سے ادب نہ سیکھا ہو۔ کبھی کسی آزمائش میں نہ پڑا ہو۔ ان تینوں قسم کے لوگوں کی صحبت سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔

☆ صوفی وہ ہے کہ جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو۔

☆ ولی شریعت کے خلاف نہیں جاسکتا وہ شریعت کی پاسداری کرتا ہے۔

☆ خدا تعالیٰ شکستہ دلوں میں پایا جاتا ہے۔

☆ جس نے اللہ کی اطاعت کی وہ مر کر بھی زندہ ہوتا ہے۔

☆ بے علم بادشاہ، بے عمل عالم اور بے توکل فقیر شیطان کے قرب کا باعث ہیں۔

☆ تھوڑی غذا کھانے سے عمر زیادہ ہوتی ہے۔ پیٹ بھر کر کھانا جانوروں کا کام ہے اور یہ کوئی خوبی نہیں ہے۔

☆ وہ قوت جس سے انسان احکام خداوندی کی اطاعت کرتا ہے توفیق کہلاتی ہے۔

☆ تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے۔

☆ پسندیدہ اخلاق و اعمال وہ ہیں جو حسب شریعت اسلامیہ ہوں۔

☆ تصوف لباس پر ہرگز منحصر نہیں۔ بلکہ اس کا دارومدار عمل پر ہے۔

☆ اخلاص عمل کے لئے بالکل ایسا ہے جیسے روح جسم کے لیے۔

☆ بڑی مصیبت اہل غفلت کے لئے یہ ہے کہ وہ اپنے ایوب سے عیوب سے جاہل ہوتے ہیں۔

گنج بخش ایک باکمال ولی اللہ

انتخاب: ملک محمد علی اعوان قادری

اے گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کہئے یا منبعِ فیض عالم
ہے یہ بیکسوں کا ملجا اور غم زدوں کا ماوا

ولادت:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اصل اسم مبارک علی تھا۔ حضرت کے والد محترم کا نام عثمان اور دادا کا نام علی تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ غزنی میں تقریباً ہزار سال پہلے پیدا ہوئے، اس مناسبت سے ہجویری جو کہ غزنی کے ایک محلہ کا نام ہے پکارے جاتے ہیں، جس زمانہ میں حضرت کا وجود مبارک اس دنیا میں ظاہر ہوا اس زمانہ میں غزنی علماء، فضلاء، شعراء اور اہل کمال کا مرکز تھا۔ ان دنوں غزنی کا شمار بہت بڑے شہروں میں ہوتا تھا۔ حضرت کو اپنے وطن سے بیحد محبت تھی۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں اپنے وطن کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ میری پیدائش غزنی میں ہوئی ہے۔ خداوند تعالیٰ اسے آفتوں اور حادثوں سے بچائے۔ حضرت کے پیر طریقت کا نام ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ حضرت خود تحریر فرماتے ہیں کہ میں طریقت میں ان کا تابع ہوں ان کا تعلق جنیدیہ سلسلہ سے تھا۔ سلسلہ عالیہ جنیدیہ کے متعلق حضرت فرماتے ہیں کہ یہ بہت معروف اور مشہور سلسلہ ہے، ہمارے سب شیخ جنیدی مسلک ہوئے ہیں۔

تحصیل علم:

حضرت نے علم دین اور علم معرفت وسلوک میں جسے کامل پایا اسی سے فیض حاصل کیا۔ حضرت علم کی تلاش میں اس حدیث کے پورے پابند رہے کہ علم حاصل کرو خواہ وہ چین ہی سے ملے۔ حضرت نے حصول علم کی خاطر اپنے آرام اور اپنے وطن اور آسائشوں کو قربان کر دیا

تھا، کبھی فرغانہ میں جا نکلے، کبھی خراسان میں، کبھی کسی جگہ، حضرت نے خواجہ ابو الفضل رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیض حاصل کیا۔ مگر تصوف و معرفت میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا پیر خواجہ ابو الفضل رحمۃ اللہ علیہ اور علم دین میں شیخ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ ہی کو لکھا ہے۔ حضرت شیخ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اکثر آپ کی آمد و رفت رہتی تھی۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ میرے علم دین کے استاد فرمایا کرتے تھے "فقر میں مرشد کی رضا جوئی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں، پس فقیر کو چاہئے کہ ہر وقت مرشد کو پاس ہی سمجھے۔"

شادی:

حضرت کی شادی کا کہیں ذکر نہیں ملتا، کہ کب اور کہاں ہوئی۔ ہاں دوسری شادی کا ذکر آپ کی تصانیف سے ملتا ہے جس میں حضرت نے ذکر کیا ہے کہ گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا تھا۔ مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا اور میں عیال کی صحبت میں دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا، اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچپن ہی میں حضرت کی شادی ہو گئی تھی اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ حضرت کی تحریروں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت کی پہلی اور دوسری شادی والدین کی موجودگی میں ہوئی تھی۔ حضرت عورتوں سے پناہ مانگتے تھے مگر والدین کے ادب و احترام کی وجہ سے انکار نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ دوسری شادی کے بعد ایک سال تک میں اس آفت میں مبتلا رہا، یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا، خدا تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور رحمت سے مجھے اس آفت سے نجات دلائی۔ حضرت کی اس تحریر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ایک سال بعد آپ کی دوسری بیوی کا بھی انتقال ہو گیا اور پھر حضرت نے تا دم وصال نکاح کا نام نہیں لیا۔ حضرت تجرد و تنہائی کی زندگی کو زیادہ پسند کرتے اور عورت سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے تا کہ اس جھنجھٹ سے دور رہ کر ہمہ تن عبادت میں مصروف رہ سکیں۔

سیاحت:

حضرت نے ریاضت، جفاکشی، حصول تجربہ، حصول علم کی خاطر اپنے پیر و مرشد کے

ساتھ مختلف ممالک کی سیر کی تھی۔ حضرت تنہا بھی کئی مقامات پر گئے اور ریاضت شاقہ اور علمی سبق حاصل کرتے رہے۔ ہندوستان میں تشریف لانے سے پہلے حضرت نے خراسان، ماوراالنہر اور آذر بائیجان وغیرہ مقامات کی سیاحت کی۔ حضرت اپنے سفر خراسان کا ذکر کرتے ہوئے اپنی مشہور تصنیف "کشف المحجوب" میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے خراسان کے ایک گاؤں میں ایک آدمی ادیب کندی کو دیکھا، یہ بزرگ بیس سال تک ایک پاؤں پر کھڑے رہے اور سوائے نماز کے کبھی نہیں بیٹھتے تھے۔ جب لوگوں نے بزرگ سے اس طرح کھڑے رہنے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ مجھے ابھی تک یہ درجہ حاصل نہیں ہوا کہ خدا کے مشاہدہ میں بیٹھنے کی عزت حاصل کرسکوں، ماوراالنہر کے سفر کے دوران آپ کے ہمسفر احمد حماد فرجی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حضرت نے ان سے پوچھا کہ آپ نکاح کیوں نہیں کرتے، ہمسفر نے جواب دیا کہ مجھے اس چیز کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ حضرت نے فرمایا کیوں؟ جواب ملا کہ میں اپنے زمانہ میں یا اپنے سے غائب ہوتا ہوں، یا دونوں جہاں سے، مجھے کچھ یاد نہیں ہوتا، جب حاضر ہوتا ہوں تو اپنے نفس پر نگاہ رکھتا ہوں اور زندہ رہنے کے لئے ایک روٹی کو ہزار حور سے بہتر سمجھتا ہوں اور خدا کی محبت سے بہتر اور کسی چیز کو نہیں پاتا۔

جن دنوں حضرت مرو میں تھے آپ کی ملاقات ایک امام سے ہوئی۔ انہوں نے حضرت کو بتایا کہ میں نے سماع کے مباح ہونے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ حضرت نے فرمایا اس سے بڑی خرابی پیدا ہوگی، ہر شخص سماع کے قابل نہیں ہے، اگر دل میں حلال کی تاثیر ہے تو سماع حلال ہے اور اگر حرام کی تاثیر ہے تو حرام، جس چیز کا ظاہری حکم گناہ ہے صاحب باطن پر اس کا اطلاق نہ ہوسکتا ہو۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آذربائیجان کے پہاڑوں میں پھر رہا تھا کہ ایک درویش کو دیکھا جو بسرت وزاری اشعار پڑھ رہا تھا، اشعار کے پڑھنے کے بعد اس کا رنگ ایسا متغیر ومتاثر ہوا کہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور میرے دیکھتے دیکھتے بیہوش ہو کر گر پڑا اور جان بحق ہوا۔

لاہور میں آمد:

جب حضرت کے پیر روشن ضمیر کو معلوم ہوگیا کہ حضرت اب تکمیل کو پہنچ گئے ہیں اور

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ عوام الناس کو آپ کی ذات سے فیض و برکت حاصل ہو تو آپ نے ایک دن حضرت سے فرمایا کہ آپ لاہور چلے جائیں وہاں آپ کو بہت ضرورت ہے، ایک دنیا آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہونے کی منتظر ہے جو آپ کی ہدایات ونصائح، علم وفضل، فقر و تصوف سے اس سرزمین سے جاری ہونے والا ہے۔ حضرت نے جواب دیا کہ وہاں تو ہمارے پیر بھائی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید کامل حضرت حسین زنجانی موجود ہیں اور وہ قطب الاقطاب ہیں ان کی موجودگی میں بھلا میری کیا ضرورت ہے۔ حضرت کے مرشد کامل حضرت ابوالفضل نے فرمایا "تمہیں بلا توقف وہاں چلے جانا چاہیے۔ یہ ہمارا حکم ہے۔" حضرت نے پیر و مرشد کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کیا اور اس دشوار گزار سفر، دور دراز مسافت کے لئے بغیر کسی ساز و سامان کے پاپیادہ لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت کی تشریف آوری سے قبل پنجاب، دہلی، کالنجر وغیرہ صوبجات میں ہندوؤں کی حکومت تھی، لاہور پر جے پال حکومت کرتا تھا، امیر سبکتگین نے لاہور اور ملتان پر حملہ کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا، اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام کا دائرہ بھی وسیع ہو رہا تھا اور خدائے واحد کی پرستش کروڑ ہا دیوتاؤں پر غالب آ چکی تھی، ملتان میں ایک مسلمان حاکم حمید لودھی بھی موجود تھا، اس کے سبکتگین سے اچھے تعلقات تھے، اس عرصہ میں ہندوستان میں اسلام کو عروج حاصل ہو رہا تھا، جگہ جگہ مساجد تعمیر ہو رہی تھیں۔ امیر سبکتگین کے بعد اس کے لڑکے سلطان محمود نے لاہور پر حملہ کیا، حضرت اپنے ہمراہیوں سمیت پیر و مرشد کے ارشاد کے مطابق منزلوں پر منزلیں طے کرتے اور راستہ میں لوگوں پر برکت و نصائح کے موتی لٹاتے، فقر و فاقہ اور صبر و شکر سے شکم پری کرتے ۴۳۱ھ میں لاہور کی سرزمین میں وارد ہوئے اور اپنے مبارک قدموں سے اس کفر گڑھ کو پاک کر دیا، جس وقت آپ لاہور پہنچے تھے شام ہو چکی تھی۔ شہر کے باہر ہی شب بسر فرمائی، بعض کتابوں میں درج ہے کہ جہاں اب حوض ہے وہاں آپ نے قیام کیا، اس جگہ ایک بلند ٹیلہ تھا اور اس پر کریر کا ایک درخت بھی تھا۔ اس درخت کی لکڑی اب تک دربار عالیہ میں موجود ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کے وقت سلطان مسعود کی حکومت اپنے آخری لمحات پورے کر رہی تھی اور غزنی میں خانہ جنگی برپا تھی، دہلی اور دوسرے مقامات کے راجاؤں نے اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ہانسی اور تھانیسر کے مسلمانوں کو محصور کر لیا، محصورین نے اہل لاہور سے مدد

مانگی، مگر باہمی رنجش کے سبب کمک نہ مل سکی، اسی لئے دوبارہ بت خانے قائم ہو گئے، یوں بھی ہند میں اسلام کی آمد کو کتنے دن ہوئے تھے، مسلمانوں پر یہ بڑا نازک وقت تھا، لاہور کی رعایا نہ دن کو چین کر سکتی تھی اور نہ رات کو آرام کی نیند سو سکتی تھی، بال آخر خدا کی قدرت نے ہند کے راجاؤں میں پھوٹ ڈال دی اور مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت کے دروازے کھل گئے۔

ادھر لاہور پہنچ کر حضرت پر پیر روشن ضمیر کے ارشاد کا راز منکشف ہو گیا۔ چنانچہ قول شب بیرون شہر قیام کرنے کے بعد صبح شہر کی جانب روانہ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جنازہ آ رہا ہے۔ استفسار پر حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا تو ارشاد مرشد اور حکمت الٰہی پر دم بخود ہو کر جنازہ کے ساتھ ہو گئے اور تجہیز و تدفین فرمائی۔

تعمیر مسجد:

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں تشریف لا کر سب سے پہلے ایک مسجد تعمیر کرائی چنانچہ دربار سے ملحقہ موجودہ مسجد جو بعد میں از سر نو تعمیر ہوئی ہے آپ کے ادب و احترام اور یادگار کے طور پر اسی مسجد کی زمین پر تیار کی گئی ہے، اگرچہ پرانی مسجد سے بہت کشادہ ہے، یہ مسجد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گرہ سے تیار کرائی تھی یہ پہلی مسجد تھی جو ایک اللہ کے دوست نے اپنے ہاتھوں تعمیر کرائی، شہزادہ داراشکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت نے یہ مسجد بنائی تو اس مسجد کا قبلہ قدرے جنوبی سمت معلوم ہوتا تھا۔ علماء نے اس پر اعتراض کیا، حضرت اعتراض سن کر خاموش رہے، جب تعمیر مسجد سے فراغت پائی تو آپ نے انہیں بلایا اور اپنی امامت میں نماز پڑھائی، نماز کے بعد علماء سے فرمایا کہ آپ لوگ اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض کرتے ہیں، اب دیکھ لیجئے، قبلہ کس طرف ہے، جب انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو محراب میں سے قبلہ کو سیدھے رخ پر دیکھ کر نادم ہوئے اور حضرت سے معذرت چاہی۔ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی کرامت تھی جو لاہور میں آپ سے ظاہر ہوئی اور جس نے فوراً ہی سارے شہر میں آپ کو مشہور کر دیا۔ حضرت تھوڑے ہی عرصہ میں سارے ہندوستان میں قطب الاقطاب مشہور ہو گئے۔

رشد و ہدایت:

حضرت کے قدم سے اہل پنجاب اور بالخصوص دہلی اہل لاہور کو بہت سے روحانی فیوض نصیب ہوئے، اور ہزاروں لوگوں کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق حسنہ اور کلام پر تاثیر سے اسلام کی لازوال نعمت میسر ہوئی۔ آپ کی زندگی اور آپ کے کلام اور کردار نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں جو شمشیر کے زور سے بھی ناممکن تھے۔ آپ کے مواعظ حسنہ سن کر لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور اس مظہر نور خدا کی توجہ سے تاریکی سے روشنی، جماعت سے شائستگی اور کفر سے اسلام میں آتے گئے، ہزاروں بندگان خدا میں سب سے پہلے جو شخص مسلمان ہوا وہ والئے کابل و غزنی کی طرف سے پنجاب کا نائب حاکم رائے راجو تھا، چونکہ یہ پہلا ہندوستانی ہندو تھا، جو حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا، اس لئے حضرت نے اپنی خواہش سے اس کا نام شیخ ہندی رکھا، دربار کے موجودہ مجاور اور خدام اسی شیخ ہندی کی اولاد سے ہیں۔ آپ اپنی تعمیر کی ہوئی مسجد میں طالب علموں کو درس دیا کرتے تھے۔ لیکن جب حضرت کو معلوم ہوا کہ اس طریقہ سے حکومت کی بو دماغ میں پیدا ہو رہی ہے تو آپ نے طالب علموں کو درس دینا چھوڑ دیا۔ حضرت کے ملفوظات جواہرات سے زیادہ قیمتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ دنیا پانی پر کشتی کی مانند تیر رہی ہے تجھے چاہئے کہ تو غوطہ خور بن نہ کر غرق آب ہو، کسی کا دل تجھ سے رنجیدہ نہ ہو، بادشاہ کی تعریف کی لیکن دنیاوی اغراض کے لئے اس کی مدح سرائی نہ کر، کیونکہ لالچ میں انسان ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ مرشد کو اپنا قبلہ جان اس کی دل لگا کر خدمت کر، اپنے وقت کا زیادہ حصہ یاد خدا میں بسر کر، سختی اور محنت سے نہ گھبرا کیونکہ یہی جوانمردی کی نشانی ہے درود شریف کو اپنا وظیفہ بنا کیونکہ درود شریف کے بعد جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ خدا تعالیٰ تجھے اس کا بڑا اجر دے گا۔ ایک جگہ مریدوں سے خطاب فرماتے ہیں کہ "اے مرید میں نے بہت دنیا دیکھی ہے تو بھی علم پڑھ، علم سیکھ اور پھر عمل کر، ماں باپ کے ادب سے خدا جنت میں جگہ دے گا، جو کچھ اللہ تعالیٰ عنایت کرے اس پر راضی رہ، اگر گدڑی دے تو پہن لے اور اگر بڑھیا پوشاک دے تو بھی انکار نہ کر اور اگر کچھ بھی نہ دے تو صبر کر، صبر عجیب ہے

پند و نصیحت:

حضرت اپنے مریدوں کو ایثار و قربانی کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرات ابی الحسن احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ، اقام رحمۃ اللہ علیہ اور ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کے امام گزرے ہیں جو دوسروں کی مصلحتوں پر اپنی مصلحتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ ایک دفعہ امیر المومنین کے ایک غلام غلیل نامی کی ان بزرگوں سے عداوت ہوگئی۔ اس نے شکایت کی کہ ان لوگوں سے دین میں خرابی پیدا ہو رہی ہے اور ان کے خیالات ملحدانہ ہیں، اگر امیر المومنین ان کے قتل کا حکم دے دیں تو بے دینوں کا خاتمہ ہو جائے گا، کیونکہ یہی سب بے دینوں کے سردار ہیں۔ خلیفہ نے اسی وقت ان کے قتل کا حکم دیا۔ جلاد آئے، تینوں کے ہاتھ باندھ دیئے گئے، جب امام کو قتل کرنے لگے تو نوری اٹھے اور کہا پہلے میرا حق ہے، جلاد نے کہا کیا تلوار میں اتنی لذت ہے کہ تم خوشی سے موت کے منہ میں چلے جانا چاہتے ہو۔ نوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہاں تلوار میں ایسی ہی لذت ہے، میرا مذہب ایثار ہے مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز اپنی جان ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانس اپنے بھائیوں کی بہتری کے لئے صرف کر دوں تا کہ دوسرے جہان میں ایثار کی لذت حاصل کرسکوں۔ جلاد نے یہ خبر خلیفہ کو پہنچائی، خلیفہ نے حکم دیا کہ قتل سے ہاتھ روک لو اور انتظار کرو۔ اسی وقت خلیفہ نے ان تینوں حضرات کو دربار میں بلوایا اور پوچھا کوئی حاجت ہے، ان لوگوں نے کہا اگر تو اتنی مہربانی کر سکے کہ ہمیں بھول جا اور پھر کبھی ہمیں یاد نہ کرے تو یہ بڑا احسان ہوگا۔ ایک اور ایثار کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ دس درویش ایک جنگل میں سفر کر رہے تھے، وہ جنگل میں رستہ بھول گئے، پیاس سے سخت بیتاب ہوئے لیکن ان کے پاس صرف ایک آدمی کی پیاس بجھانے کے لئے پانی تھا، درویش اپنی پیاس کی خواہش کو ایک دوسرے پر قربان کرتے تھے، آخر اسی کشمکش میں ایک کے سوا سب مر گئے اور آخری درویش نے وہ پانی پی لیا...... درویش نے ایک شخص سے اس ماجرا کا ذکر کیا اس شخص نے کہا اگر تم بھی وہ پانی نہ پیتے تو اچھا ہوتا۔ درویش نے کہا اگر میں وہ پانی نہ پیتا تو خودکشی کا مجرم ہوتا اور عاقبت میں باز پرس ہوتی۔ اس آدمی نے کہا تو پھر تمہارے وہ نو ساتھی بھی خودکشی کے مرتکب ہوئے ہیں ان سب سے بھی جوابدہی ہوگی۔ درویش نے کہا انہوں نے خودکشی نہیں کی، بلکہ وہ شہید ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی جان

بچانے کے لئے خود موت قبول کرتا تھا۔لیکن جب وہ سب ایک دوسرے کی وجہ سے انتقال کر گئے اور صرف میں ہی اکیلا رہ گیا تو شرع نے مجھ پر یہ واجب کیا کہ میں پانی پی لوں اور اپنے آپ کو دانستہ ہلاک نہ کرلوں۔اگر میں بھی پانی نہ پیتا تو میں بھی مرجاتا اور کوئی درویش موجود نہ تھا جس کے لیے میں ایثار کرتا۔اس لئے میری موت حرام ہوتی۔

بیان فرمایا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لڑکے کو ایک دفعہ مچھلی کی خواہش ہوئی۔بہت تلاش کے بعد مچھلی ملی اس کو بھون کر نوکر صاحبزادے کی خدمت میں لے گیا۔وہ مچھلی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔اسی وقت دروازہ پر ایک سوالی آیا صاحبزادے نے نوکر سے کہا اس کو یہ مچھلی دے دو،غلام نے عرض کیا کئی دنوں سے آپ کو مچھلی کھانے کی خواہش تھی آج خدا نے پوری کی ہے،فقیر کو کوئی اور چیز دے دیجئے۔آپ نے کہا پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ جس چیز کو خواہش سے حاصل کرو اس سے ہاتھ اٹھاؤ۔

کلمات عالیہ:

حضرت داتا صاحب نے کلمات طیبات کا ایک غیر فانی خزانہ چھوڑا ہے۔فرماتے ہیں:

☆ جو ولی کی معرفت کے قائل نہیں،ان کا قول معتبر نہیں۔

☆ کرامت ولی کے صدق کی علامت ہے،ولی مخصوص کرامتوں اور نبی معجزوں سے پہچانے جاتے ہیں۔

☆ عارف عالم بھی ہوتا ہے مگر ضروری نہیں کہ عالم بھی عارف ہو۔

☆ بندہ کے لئے سب چیزوں سے زیادہ مشکل خدا کی پہچان ہے۔

☆ جس کو خدا گمراہ کردے اسے کوئی راہ پر نہیں لا سکتا،اور جسے خدا سیدھی راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔

☆ خدا کے راستہ کے سالکوں کا پہلا مقام توبہ ہے۔

☆ خواہ کافروں کی سی ٹوپی سر پر رکھ مگر سچا فقیر بن۔

☆ اگر کسی مزار پر گزر ہو تو کچھ پڑھ کر بخش تا کہ صاحب مزار کو خوشی ہو اور وہ بھی تیرے حق میں دعا کرے۔

☆ اگر تم ہفت ہزری بھی ہو جاؤ تو کیا بنے گا، آخر مٹھی بھر خاک ہی رہو گے۔
☆ دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں۔ گناہوں کو توبہ، رزق کو جھوٹ، نیک اعمال کو غیبت، عمر کو غم، بلاؤں کو صدقہ، عقل کو غصہ، سخاوت کو پشیمانی، علم کو تکبر، بدی کو نیکی، ظلم کو عدل۔
☆ دنیا کے ساتھ ہاتھ، پاؤں، آنکھیں جو ظاہر میں دوست نظر آتے ہیں دراصل تیرے دشمن ہیں۔
☆ استاد کا حق ضائع نہ کر۔
☆ حرام کے لقمہ سے پرہیز کر۔
☆ جہاں بے عزتی ہو وہاں نہ جا۔
☆ بھید کو نہ کھول اور نماز کو نہ بھول۔
☆ بوڑھوں کو چاہئے کہ وہ جوانوں کا پاس خاطر کریں، کیونکہ ان کے گناہ بہت کم ہیں اور جوانوں کو چاہئے کہ بوڑھوں کا احترام کریں کیونکہ وہ ان سے زیادہ عابد اور تجربہ کار ہیں۔
☆ آنکھوں سے آنسو بہا اور خوشی کا اظہار کم کر۔
☆ تحفہ، ہدیہ و خیرات وغیرہ کے طور پر جو چیز بغیر طلب ملے اسے رد نہ کر۔
☆ اولیاء خدا کے رحم اور غضب کے اظہار کا ذریعہ اور احادیث نبوی کی تجدید کا باعث ہیں۔

دُعائے مغفرت

ہمارے پیارے قادری بھائی اور دینی دوست ملک محمد علی قادری اعوان کی والدہ ماجدہ اکتوبر ۲۰۱۸ء کی وسط میں رحلت فرما گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ کو پدھراڑ ضلع خوشاب میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ رب کریم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے ان کی مغفرت کرے۔ ان کی قبر کو بقعۂ نور بنائے اور برادرم ملک محمد علی اعوان سمیت ان کے تمام سوگواروں کو صبر و اجر عطا کرے۔۔۔۔۔۔۔ (ادارہ)

۵

مصدرِ انوار

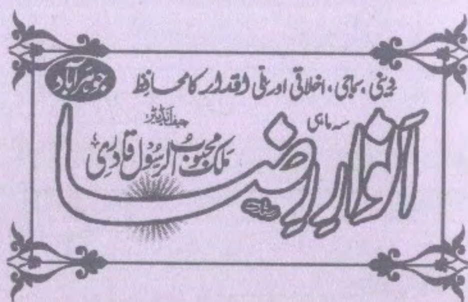
کوئی نہ وارِ شیطنت کا اُس پہ کامیاب ہو
ہو ارد گرد جس کے بھی حصارِ گنج بخشؒ کا

شعور ہی ہمیں کہاں ہے عظمتوں کا آپ کی
حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جڑا ہوا ہے تارِ گنج بخشؒ کا

سمجھتا ہوں کہ یہ ہے اک سعادتوں کا سلسلہ
کہ بلبلِ مدینہ ہے ہزارِ گنج بخشؒ کا

رہائشی جہاں کا ہے رشید منقبت سرا
ہے بستی گنج بخشؒ کی، دیارِ گنج بخشؒ کا

(راجا رشید محمود)



حسن ترتیب

عظمت شانِ اولیاء

حضرت پیر محمد افضل قادری

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم ان الله تعالیٰ قال: من عادیٰ لی ولیا فقد اذنته بالحرب والا یتقرب الی عبدی بشئی احب الی مما افترضت علیه و ما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احبیته فاذا احبیته فکنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها و ان سالنی لا عطینه ولئن استعاذنی لا عیذنه۔" (بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے کسی ولی (بندہ مقرب) سے عداوت رکھے تو میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں اور میرا بندہ کسی اور میری پسندیدہ چیز کے ذریعے میرا قرب نہیں پاتا جتنا کہ فرائض کے ذریعے (میرا قرب پاتا ہے) اور میرا بندہ نفل (زائد) عبادات کے ذریعے ہمیشہ میرا قرب پاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت فرماتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو اسے ضرور عطاء کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو اسے ضرور پناہ عطا فرماتا ہوں۔

(بخاری شریف)

"عادیٰ لی" عدو سے بنا ہے، جس کا معنیٰ ہے ظلم کرنا، دور رہنا، دشمنی رکھنا اور لڑائی کرنا۔

"ولی" ولی یا ولایۃ سے بنا ہے، ولی کا معنیٰ ہے قریب و نزدیکی۔ اور ولایۃ کا معنیٰ ہے محبت کرنا، قریب ہونا، حاکم ہونا، تصرف کرنا، مدد کرنا، دوستی کرنا اور کوئی کام ذمہ لینا۔ لہٰذا ولی کا لغوی معنیٰ ہے قریب، محب، حاکم، مددگار، دوست، متولی امر۔

شریعت میں ولی اسے کہتے ہیں جو مومن اور متقی پرہیزگار ہو اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے قرب محبت سے نواز دے اور اس بات پر متکلمین کا اتفاق ہے کہ کافر اور فاسق و فاجر کو اللہ تعالیٰ اپنی ولایت (اپنے قرب محبت) سے نہیں نوازتے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ ولایت پر فائز ہونے کے اسباب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مرتبہ ولایت کے حصول کی یہی صورت ہے کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آئینہ دل پر آفتاب رسالت کے انوار کا انعکاس ہونے لگے اور اس پرتو جمال محمدی (علی صاحبہ اجمل الصلوات واطیف التسلیمات) قلب و روح کو منور کر دے اور یہ نعمت انہیں بخشی جاتی ہے جو بارگاہ رسالت میں یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائبین یعنی اولیاء امت کی صحبت میں بکثرت حاضر رہیں۔" (ترجمہ تفسیر مظہری)

لفظ "ولی" کے تمام لغوی معانی مبالغہ کے ساتھ اللہ کے محبوب و مقرب بندوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور اس کے دلائل کتاب و سنت اور سیرت بزرگان دین میں بکثرت موجود ہیں اور اس حدیث پاک میں بھی اس پر مضبوط استدلال موجود ہے۔

"باحرب" سے اللہ تعالیٰ کا ولی کے دشمن کے خلاف اعلان جنگ ہے یا پھر دشمن ولی کا اللہ کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کسی کے خلاف اعلان جنگ سے مراد یہ ہے کہ اللہ اسے دنیا میں ہدایت کی توفیق مرحمت نہ فرمائے یا اسے ایمان پر خاتمہ نصیب نہ فرمائے اور آخرت میں اسے عذاب الیم میں مبتلا کر دے۔

بزرگان دین فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دو گناہوں پر وعید جنگ فرمائی ہے،

(۱) اسود (۲) اللہ کے محبوب بندوں سے عداوت۔

حضرت علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے ساتھ عداوت رکھنا انتہائی خطرناک ہے، اس کی وجہ سے ایمان کے خاتمہ کا خطرہ ہے۔ اور اسی قسم کا مضمون حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے۔

"عبدی" قرب محبت پانے والے شخص کو عبدی (میرا بندہ) فرمانے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں بلند مراتب حاصل کرنے کا اصل سبب خدا تعالیٰ کی بندگی ہے۔ جیسا سورہ اسراء میں آیت اسراء میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے عبد کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

"مما افترضت علیہ" فرض سے مراد وہ دینی احکام ہیں جنہیں دلیل قطعی کے ذریعے جن وانس پر لازم کر دیا جائے۔ فرض کا انکار کفر ہے، اور فرض کو ادا نہ کرنے والا فاسق و فاجر ہے۔ بعض مقامات پر فرض کا اطلاق نواہی پر بھی ہوتا ہے کیونکہ نواہی میں بھی کام کو نہ کرنا لازم کر دیا جاتا ہے بلکہ نواہی سے احتراز کرنا، اوامر کی ادائیگی سے زیادہ ضروری ہے۔

"ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل" نفل سے مراد وہ عبادات ہیں جو فرض و واجب نہیں۔ جیسے نفلی نماز، نفلی روزہ، تلاوت قرآن، محافل میلاد، محافل ایصال ثواب، درود شریف وغیرہ۔

"فاذا احببتہٗ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ الخ" اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ محبوب کے کان ہاتھ اور پاؤں بن جانے سے مراد یہ ہے کہ جب بندہ مومن فرائض پر پابندی کے بعد نوافل کی کثرت اختیار کرتا ہے اور مجاہدات و ریاضات کے ذریعے وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے انوار و تجلیات اس پر وارد ہوں تو وہ خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ اب اس کا سننا دیکھنا پڑھنا اور چلنا عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے دوریاں اور فاصلے ختم کر دیئے جاتے ہیں اور وہ جہاں چاہے تصرف کر سکتا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک صحابی کا واقعہ موجود ہے کہ بلقیس ملکہ یمن مسلمان ہونے کی غرض سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کے قریب پہنچ چکی تھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

"تم میں کون ہے جو بلقیس کا تخت (سینکڑوں میل دور صنعاء یمن سے) اس کے میرے پاس پہنچنے سے پہلے میرے پاس لائے؟" تو قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ

اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہا میں آپ کے پاس وہ تخت آپ علیہ السلام کی آنکھ جھپکنے سے پہلے لاتا ہوں۔

(نمل: ۴۰)

یہ تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ولی تھے، لیکن حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے اولیاء کی شان پہلی امتوں کے اولیاء کرام سے کہیں زیادہ ہے۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بلاد اللہ ملکی تحت حکمی و وقتی قبل وقتی قد صفانی۔

اللہ کی ساری کائنات میرے زیر حکومت ہے اور میرا وقت مجھ سے پہلے میرے لئے صاف ہو چکا تھا۔

نظرت الی بلاد اللہ جمعا کخردلۃ علی حکم اتصال۔

"میں نے اللہ کی ساری کائنات کو بیک وقت ایسے دیکھا جیسے رائی کا دانہ۔" (قصیدہ غوثیہ)

اس حدیث میں اولیاء کے لئے جن مافوق الاسباب اختیارات کا ذکر ہے وہ اختیارات روحانی ہیں، لہٰذا اولیاء کرام کو یہ اختیار وفات کے بعد بھی حاصل رہتے ہیں کیونکہ اجماع امت ہے کہ وفات سے روح فنا نہیں ہوتی، بلکہ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد روح جسم سے آزاد ہونے کی وجہ سے زیادہ طاقتور ہو جاتی ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

روح کا وفات کے بعد دنیاوی زندگی کی نسبت زیادہ مضبوط ہونا دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

ان المیت یسمع قرع نعالھم۔

بے شک میت دفن کرنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتی ہے۔" (عامہ کتب حدیث)

حالانکہ اگر زندہ آدمی کو قبر میں دفن کر دیا جائے تو وہ باہر سے لاؤڈ سپیکر کی آواز بھی نہیں سن سکتا، لیکن میت جوتوں کی آواز سنتی ہے۔

اس بحث کی روشنی میں یہ ثابت کرنا بھی مقصود ہے اولیاء کرام ظاہری زندگی کی طرح وفات کے بعد بھی دور و نزدیک سے سن سکتے ہیں اور فریاد رسی کر سکتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"او (حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ) در قبر خود مثل احیاء تصرف می کند۔"

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی اپنی قبر انور میں زندہ اولیاء کی طرح تصرف فرما رہے ہیں۔ (جمعات نمبر ۱۱)

علاوہ اس کے تمام سلاسل روحانیہ قادریہ، نقشبندیہ چشتیہ اور سہروردیہ وغیرہا کے مسلمہ مشائخ کا اہل قبور سے فیض حاصل کرنے اور ان کے روحانی تصرفات پر اجماع ہے۔

"وان سالنی لا عطینه"

اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو ضرور اسے عطا کرتا ہوں۔" اس سے اولیاء کرام کی دعاؤں کا قبول ہونا ثابت ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد بھی ان سے دعا کروانا ہمیشہ سے مسلمانوں میں مروج ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

من لقیهٗ منکم فمروہ فلیستغفر لکم۔

تم میں سے جس کی بھی ان سے ملاقات ہو ان سے دعا و استغفار کرائیں۔

(مسلم شریف)

اور امام بخاری و مسلم کے استاذ شیخ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قحط پیدا ہوا تو صحابی رسول حضرت بلال ابن حارث مزنی رضی اللہ عنہ روضہ نبوی پر حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ استسق لامتك۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے لئے بارش کی دعا فرمائیں۔

(مسند ابی ابن شیبہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں آپ کی امت کے اولیاء بھی قبور میں فیض رسانی فرما رہے ہیں اور اہل قبور سے فیض و برکت حاصل کرنا ہمیشہ سے امت مسلمہ میں مروج ہے بلکہ مخالفین کے مسلمہ اکابرین سے بھی ثابت ہے۔

ولئن استعاذنی لاعیذنہٗ اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو ضرور بالضرور پناہ دیتا ہوں۔

اس سے مراد نفس و شیطان کے شر سے یا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کی طرف سے سختی یا اس کی بارگاہ سے دوری وغیرہ سے پناہ مانگنا مراد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اولیاء کرام رحمہم اللہ گناہوں سے محفوظ ہیں۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کرام رحمہم اللہ کو اپنی پناہ میں رکھتے ہوئے گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور کسی حکمت کے تحت ان سے کوئی لغزش ہو جائے تو فوراً رجوع الی اللہ کی توفیق مرحمت فرماتے ہیں۔

اس حدیث مبارک سے دیگر بے شمار فوائد اخذ کئے جا سکتے ہیں جنہیں اختصار کے پیش نظر ترک کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں کے آقا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل قبول و منظور فرمائیں۔ آمین!

برحمتك یا ارحم الراحمین

صوفی اور تصوف

کشف المحجوب کے آئینہ میں

پروفیسر اختر الواسع ☆

دہلی میں حضرت خواجہ حسن نظامی کے عرس مبارک پر منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمینار میں پروفیسر اختر الواسع صاحب نے یہ مقالہ پڑھا۔ اس سیمینار کی صدارت ہارورڈ یونیورسٹی (جرمنی) کی پروفیسر این میری شمل نے کی۔

اسلامی تصوف کا یہ ہمیشہ امیاز رہا ہے کہ اس نے زندگی کے خارجی پہلو کو کبھی نظر انداز نہ کیا۔ اس کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسلام کا مقصد خارجی اور باطنی زندگی میں توازن پیدا کرنا ہے۔ وہ فکر و عمل میں حد اوسط قائم کرتا ہے۔ ایمان اور عمل دونوں کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ اسلامی تصوف کی نشوونما میں اگر ایک طرف عربوں کی حقیقت بیں عملی قوم کا اثر پڑا تو دوسری طرف ایرانی طبیعت کے اس رجحان نے اسے متاثر کیا جو فکر اور باطن کی طرف زیادہ تھا۔ اسلامی تصوف کی یہی خوبی اس کے لیے سب سے بڑی اور مثبت طاقت ثابت ہوئی جس کا اعتراف علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا:

"اسلامی تصوف کی قوت کا راز اس بات میں پوشیدہ ہے کہ انسانی فطرت کے متعلق اس کا نقطہ نظر بہت ہی جامع و مکمل ہے اور اسی پر وہ مبنی بھی ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ راسخ العقیدہ مذہبی لوگوں کے ظلم و تعدادی اور سیاسی انقلابات سے صحیح و سلامت نکل آیا۔ کیونکہ یہ فطرت انسانی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے۔" (۱)

تصوف کے رہ نوردِ شوق کے لیے یہ ایک ناگزیر امر ہے کہ وہ جب اس منزل کی طرف بڑھے تو اس کا رہنما کون ہو؟ اسی لیے راقم الحروف نے تصوف اور صوفی کی حقیقت کو جاننے

☆ استاذ: جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

اور سمجھنے کے لیے کشف المحجوب کا انتخاب کیا۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اپنی قدامت اور استناد کے علاوہ یہ برصغیر ہی میں تصنیف کی گئی۔ دوسرے اس میں متقدمین کے اقوال و حکایات کے نقل کر دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ مولانا عبدالماجد دریابادی کے بقول:

"مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، مکاشفات، واردات، مجاہدات وغیرہ بھی قلمبند کرتے جاتے ہیں۔" (۲)

پھر یہ کتاب حضرات صوفیائے کرام کی نظروں میں بھی بڑی وقیع اور اہم ہے۔ مثال کے طور پر سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) کا قول ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کی برکت سے مل جائے گا۔ (۳) پھر حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (م ۷۸۲ھ) کے مکتوبات (۴) حضرت جہانگیر اشرف سمنانی (م ۸۲۵ھ) کے ملفوظات (۵) (میں اس کا حوالہ بکثرت ملتا ہے اور داراشکوہ (م ۱۰۶۹ھ) جو اس کے معتبر و مشہور ہونے پر متفق ہیں۔ (۶)

پھر اس کے مصنف حضرت علی بن عثمان بن جلابی ہجویری الغزنوی لاہوری (م ۴۶۵ھ) ہیں، جن کا شجرۂ نسب دس واسطوں سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ہوتا ہوا حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے اور سلسلہ طریقت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابوالحسن حضری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطوں سے سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی تک جا پہنچتا ہے۔ شریعت میں حنفی المذہب تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے خاص عقیدت تھی۔ ان کا نام "امام اماماں و مقتدائے سنیاں" شرف فقہا و عز علماء (۷) کی حیثیت سے لیا ہے۔ سفر و سیاحت میں اکثر رہے۔ شام سے لے کر ترکستان تک اور سندھ کے ساحل سے لے کر بحر قزوین تک اپنے زمانے کی تقریباً ساری اسلامی عملداری کی سیاحی کی۔ استعداد علمی کے اندازے کے لیے کشف المحجوب کا مطالعہ کافی ہے۔

رشد و ہدایت، طریقت و شریعت میں ان کے مرتبہ کا اندازہ صرف اسی سے ہو سکتا ہے کہ اس سید ہجویر اور مخدوم امم کا مرقد پیر سنجر (خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ) کا حرم رہ چکا ہے اور انہوں نے زمین ہند میں تخم سجدہ کی کاشت کی (یعنی توحید الٰہی کی بنا ڈالی)، اس پاسبان عزت اُم الکتاب نے عہد فاروقی رضی اللہ عنہ کے جمال کو تازگی عطا کی اور خاکِ پنجاب کو اپنی سانسوں سے

نئی زندگی بخشی۔ حرف حق کو اپنی آواز سے بلند کیا اور اپنی ایک نظر سے باطل کو ختم کیا۔ (۸) اس گنج بخش کے در پر گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے حاضری کو سعادت جانا اور معین الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان کیا کہ:

گنج بخش فیضِ عالم، مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

اس پس منظر نیز خود اپنے مؤقف کی وضاحت کے بعد جب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ہجویریؒ نے کلام اللہ اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صوفی اور تصوف پر اپنی بحث کا آغاز کیا ہے، انہوں نے سورۃ الفرقان کی آیت ۶۳ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پیش کیا ہے کہ:

"یعنی خاص بندگان الٰہی وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے ان سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا خوش رہو۔" (۹)

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب اس قول کو پیش کیا ہے کہ "جس نے اہلِ تصوف کی آواز سن کر ان کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا۔" (۱۰)

اس کے بعد یہ بتایا ہے کہ "یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صوفی کون ہے؟" (۱۱) ان کا کہنا ہے کہ:

"لوگوں نے لفظ صوفی کی بہت سی تعریفیں بنا رکھی ہیں اور اس بحث میں بہت سی کتابیں بھی تالیف ہو چکی ہیں۔ ایک جماعت تو کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ (جامۂ صوف) کمبل اوڑھتا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بروزِ قیامت صف اول میں ہوں گے۔ ایک گروہ اس طرف گیا کہ صوفی اسے کہا جا سکتا ہے جو اصحابِ صفہ کے ساتھ محبت و وِلا کا رابطہ رکھے۔ ایک فرقہ کہنے لگا کہ صوفی ایک اسم ہے جو صفا سے مشتق ہے، یعنی جس کے اندر باہر صفائی ہے وہ صوفی کہلانے کا حقدار ہے۔" (۱۲)

شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کا قلب "صفا" (صفائی) سے لبریز ہو اور آلودگی سے پاک ہو اور ان کے نزدیک اس مرتبہ تک کاملانِ "ولایت" ہی پہنچ سکتے ہیں۔ (۱۳)

ان کے نزدیک اہل تصوف کے تین درجے ہیں۔

(۱) صوفی (۲) متصوف (۳) مستصوف۔

ان کی تعریف وہ اس طرح کرتے ہیں: "صوفی وہ ہے جو اپنے وجود سے فانی ہو کر باقی بحق ہو گیا۔ قید مزاج وطبائع سے آزاد ہو کر حقیقت حقائق کے ساتھ مل گیا۔ متصوف وہ ہے جو اس درجہ کے حاصل کرنے کی آرزو میں تکلیف ومشقت ومجاہدہ کر رہا ہے اور صوفی بننے کا خواہشمند ہے اور صوفیائے کرام کی رسم ورواج کی پیروی میں اپنی اصلاح کرتا ہے۔ اور مستصوف وہ ہے جو مال ومتاع دنیوی حاصل کرنے کی غرض سے صوفیائے کرام کے اعمال وافعال وحرکات کی نقل کرتا ہے۔ صوفیہ کے اقوال کہتا پھرتا ہے، مگر خود محض بے خبر ہے اور کچھ نہیں جانتا، چنانچہ ایسے شخص ہی کے حق میں مشائخ کرام نے فرمایا: مستصوف صوفیائے کرام کے نزدیک ذلیل مکھی کی طرح ہے اور عوام کے حق میں مستصوف مثل بھیڑیئے کے ہے۔ اس لیے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے اس کی مراد تھوڑے سے ٹکڑے کا حاصل کرنا ہے۔" (۱۴)

ان کے نزدیک: "صوفی صاحب وصول ہوتا ہے اور متصوف صاحب اصول اور مستصوف صاحب فضول۔" (۱۵)

شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں صوفی "صاحب وصول" اس لیے ہے کہ اسے وصل مقصود ہو چکا ہوتا ہے۔ متصوف "صاحب اصول" اس لیے کہلایا کہ وہ اصل صحیح پر قائم رہ کر احوالِ طریقت میں مشغول رہتا ہے اور مستصوف، "صاحب فضول" اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی قسمت میں حقیقت سے محجوبی اور معانی سے محرومی ہوتی ہے۔

صوفی اور تصوف کی اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بات کے ثبوت میں قدیم ترین صوفیہ کے اقوال کو بھی بطور سند پیش کیا ہے۔ مثلاً حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "صوفی وہ ہے کہ جب کلام کرے تو اس کا کلام اس کے حقیقتِ حال کا مظہر ہو اور جب وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی اس کے حال کی ترجمان ہو اور علائق دنیوی سے بے تعلقی کا ثبوت اس کے اعضاء سے واضح ہو۔" (۱۶)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "تصوف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ ٹھہرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا بندہ کے لیے؟ تو

فرمایا: بمعنیٔ حقیقی تو ہر صفت مخصوص بذات باری تعالیٰ ہے، لیکن رسماً صفت بطور مجاز بندہ کے لیے ہوتی ہے۔" (۱۷)

حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: "صوفی وہ ہیں کہ ان کی روحیں کدورتِ بشریت سے مجلا ہو چکی ہیں...... اور وہ دربارِ الٰہی میں صفِ اول کے اندر درجہ تقرب پاتی ہیں...... صوفی وہ ہے جو نہ کسی کا مالک ہو اور نہ کسی کی مِلک۔" (۱۸)

شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے بارے میں شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے متفق ہیں کہ تصوف علوم و رسوم کا نام نہیں بلکہ یہ خصلتِ اخلاق ہے۔ ان کی رائے میں علم ہوتا تو تعلیم سے، رسم ہوتا تو مجاہدہ سے آ جاتا لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک اس خصلتِ اخلاق کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ خدا کے احکامات ادا کرنے میں کسی قسم کا ریا اور دکھاوا نہ ہو۔

۲۔ بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر رحم اور ہر معاملے میں انصاف پسند ہو اور اس میں کسی قسم کا معاوضہ نہ چاہیے۔

۳۔ ہر قسم کی حرص و خواہش نفسانی سے بچے۔ (۲۰)

انہوں نے اس سلسلے میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے۔ یعنی تصوف میں۔

"(۱) سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی۔ (۲) رضا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی۔ (3) صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا۔ (۴) اشارات حضرت زکریا علیہ السلام کے۔ (۵) غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی۔ (6) لباس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ (۷) سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی۔ اور (8) فقر، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (ہو)" (۲۱)

مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ توحید اور تحقیق کے خلاف چلنے والا صوفی نہیں ہو سکتا۔ (۲۲)

اس مختصر جائزہ کے بعد ایک اہم بات کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ تصوف کے باب میں کشف المحجوب کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اس لیے لکھا تا کہ یہ کتاب خدا کے راستے کو بیان اور بشریت کے حجاب کو دور کر سکے۔ (۲۳) اس کتاب کی

ہمارے زمانے میں اس لیے اور بھی اہمیت ہے کہ چونکہ یہ جس دور میں لکھی گئی، اس سے اگر زیادہ برا نہ سہی تو کم برا دور ہمارا بھی نہیں۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی تصنیف کے زمان و مکان کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا کہ:

"رب العزت جل مجدہٗ نے ہمیں بھی ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا کہ اہالیانِ زمانہ حظوظِ حرص و ہوا کو شریعت بنا بیٹھے اور طلب جاہ اور ریاست و تکبر کو عزت و علم سمجھ لیا اور ریاکاری و نمائش کو خوفِ الٰہی قرار دے لیا اور بغض، حسد و کینہ کو حلم و بردباری بنا لیا۔ مجادلہ کا نام غیرت رکھ لیا۔ نفاق کے معنی زہد کر لیے اور غناء باطل کو ارادت بتانے لگ گئے۔ ہذیان و بکواس کا نام معرفت رکھ لیا، حرکت دل بڑھ جانے کو قلب جاری ہونا کہہ دیا دل میں جو خطرات پیدا ہوتے ہیں اس کا نام الہام و حدیث نفس بنا لیا۔ الحاد خالص کو فقر کہہ دیا۔ سہل انگاری کو صفوت کہہ ڈالا۔ زندقہ کا نام فنا فی اللہ ہونا رکھ لیا۔ ترکِ شریعت کو طریقت بنا بیٹھے اور خس و خاشاک، فکر دنیا و آفت زمانہ کا نام معاملہ فہمی۔" (۲۴)

اسی لیے ہم جیسے "ناقصوں" کے لیے اس "پیر کامل" اور "کاملوں" کے لیے "رہنما" کی لکھی ہوئی یہ کتاب بہت اہم بھی ہے اور ضروری بھی۔ آج جب کہ گناہوں کے مرض میں ہم جیسے بہت سے لوگ مبتلا ہیں تو شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہمیں اس مرض کی دوا مل سکتی ہے۔ اسی طرح جیسے کہ مرشدین کے مرشد حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو ملی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکیم سے کہا کہ: "مجھے گناہوں کا مرض ہے اگر اس کی دوا بھی آپ کے پاس ہو تو عنایت کیجئے۔" یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور سامنے میدان میں ایک شخص تنکے چُننے میں مصروف تھا، اس نے سر اٹھا کر کہا: "شبلی رحمۃ اللہ علیہ یہاں آؤ۔ میں اس کی دوا بتاتا ہوں" حیا کے پھول، صبر و شکر کے پھل، عجز و نیاز کی جڑ، غم کی کونپل، سچائی کے درخت کے پتے، ادب کی چھال، حسن واخلاق کے بیج، یہ سب لے کر ریاضت کے ہاون دستے میں کوٹنا شروع کر دو اور اشکِ پشیمانی کا عرق ان میں روز ملاتے رہو۔ ان سب دواؤں کو دل کی دیگچی میں بھر کر شوق کے چولہے پر پکاؤ جب پک کر تیار ہو جائے تو صفائے قلب کی صافی میں چھان لینا اور شیریں زبانی کی شکر ملا کر محبت کی تیز آنچ دینا، جس وقت تیار ہو کر اترے تو اس کو خوفِ خدا کی ہوا سے ٹھنڈا کر کے استعمال کرنا۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، وہ دیوانہ

غائب ہو چکا تھا۔ بہر حال وہ نسخہ جو شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تھا، کیا ہمارے لیے مجرب نہیں ہو سکتا؟ یہی سوال ہے جس کا جواب مادیت کی آلائشوں اور اس کے نتیجہ میں گناہوں کے وبائی امراض میں مبتلا اس دنیا کو حضرات اہل تصوف نے منازل سلوک سے دینا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر محمد اقبال: فلسفۂ عجم، (اردو ترجمہ) میر حسن الدین (حیدر آباد: ۱۹۴۴ء) ص ۱۴۶

۲۔ عبد الماجد دریابادی: تصوفِ اسلام (اعظم گڑھ بار سوم) ص ۵۲

۳۔ ایضاً ص ۵۲

۴۔ سہ صدی مکتوبات از شیخ یحییٰ منیری، بحوالہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری، پیش لفظ (اردو ترجمہ از ابو الحسنات سید محمد احمد قادری) کشف المحجوب (لاہور: ۱۹۸۰ء) ص ۳۳

۵۔ لطائف اشرفی بحوالہ بالا۔

۶۔ دارا شکوہ: سفینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) محمد علی لطفی (کراچی: ۱۹۵۹ء) ص ۲۱۰

۷۔ ابو الحسن سید علی بن عثمان ہجویری: کشف المحجوب، (اردو ترجمہ) ابو الحسنات سید محمد احمد قادری۔ (لاہور: ۱۹۸۰ء) ص ۲۱۲

۸۔ احمد سروش: کلیاتِ اشعار فارسی مولانا اقبال لاہوری (تہران: بار دوم) ص ۳۷

۹۔ ہجویری: کشف المحجوب حوالہ بالا ص ۱۱۲

۱۰۔ ایضاً ۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً ۱۳۔ ایضاً ص ۱۲۰

۱۴۔ ایضاً ص ۱۲۰۔ ۱۲۱ ۱۵۔ ایضاً ص ۱۲۱

۱۶۔ ایضاً ۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً ص ۱۲۳ ۱۹۔ ایضاً ص ۱۳۰۔ ۱۳۱

۲۰۔ ایضاً ص ۱۲۶۔ ۱۲۷ ۲۱۔ ایضاً ص ۹۲

۲۲۔ ایضاً ص ۶۹ ۲۳۔ ایضاً ص ۷۵

(بشکریہ ماہنامہ درویش لاہور، نومبر ۱۹۹۶ء)

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں تصوف

ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی (رہا) ☆ ۔۔۔۔مترجم: ڈاکٹر محمد اقبال ثاقب ☆☆

مقدمہ:

اکثر مستشرقین اور محققین جنہوں نے تصوف کی طرف رخ کرتے ہوئے تحقیقات سرانجام دی ہیں، وہ تصوف کی اصل اور اس کے نشانِ پا کے لیے اسلام کے خارجی عوامل کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اُن میں سے ایک گروہ نے تصوف کو ہندی اصل سے منسوب کیا ہے اور ایک گروہ نے اُسے مسیحی رہبانیت شمار کیا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جس نے کہا کہ تصوف، دین کے خلاف آریاؤں کی اس عقلی حکمتِ عملی کی صدائے بازگشت ہے جس کے خلاف فارس کے مسلمانوں نے جنگ کو واجب گردانا۔ ایک گروہ کا یہ بھی گمان ہے کہ تصوف، یونانی فلسفے سے اخذ کیا گیا ہے، اِس پر وہ لوگ جو اُن کی مخالفت میں کھڑے ہوئے بولے:

"اسلامی تصوف کا سرچشمہ اسلام اور دین اسلام ہے۔ صوفیاء خود معتقد ہیں کہ ان کی طریقت، قرآن وسنت پر استوار ہے اور اِس عمارت کی بنیاد پیغمبروں اور برگزیدہ ہستیوں کے اعلیٰ اخلاق و اطوار پر رکھی گئی ہے۔" (۱)

☆ زیرِ نظر عنوان نامور ایرانی اسکالر جناب ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی کی تالیف "تحلیل کشف المحجوب وتحقیق در احوال و آثار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ" کے بخش دوم کے فارسی متن کا اُردو ترجمہ ہے۔ بخش اول کا ترجمہ معارف کے شمارہ نمبر ۲ میں شائع ہو چکا ہے۔

☆☆ چیئرمین شعبہ فارسی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور۔

تصوف، ایک اصل اور روحانی محصول سے مالا مال ہے جو انسان کو مجبور کرتا ہے اور تشویق دلاتا ہے کہ وہ عالم مادی سے عالم روحانی کی طرف پرواز کرے۔ تصوف، ظاہری انسانی مفہوم کے ساتھ مائل ہے کہ مکمل طور پر دینی ماحول اور اس کے داخلی عوامل میں رشد و نمو کرے اور پھلے پھولے۔ (۲) لیکن وہ چیز کہ جس میں شک نہیں یہ ہے کہ اسلامی تصوف، اُن اجزا میں سے ایک ہے جو دینی، عقلی، نفسیاتی اور روحانی طور پر اسلامی ورثے سے وابستہ ہے۔ تصوف، خضوع و تواضع پر توجہ مرکوز رکھتا ہے اور اِسی طرح دوسرے سے بھی خضوع کا متقاضی ہے کیونکہ یہ اسلامی زندگی کے مظاہر کے لیے نشوونما اور ارتقاء کے عوامل میں سے ایک ہے۔ اسلام میں تاریخ تصوف، تاریخِ اسلام کا ہی ایک جزو ہے جو کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ تصوف، اِس دین کے مظاہر میں سے ایک ہے اور اُسے کسی جگہ یا کسی شے تک محدود نہیں کیا جا سکتا اور اُسے کوئی فرقہ یا گروہ شمار نہیں کیا جا سکتا اور تصوف نے خارج سے کچھ قبول نہیں کیا ہے تا کہ وہ اسلامی دین، اسلامی روح اور اسلامی تعلیمات ہی سے وابستہ رہے۔ (۳) حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، تصوف کو اصولاً قرآن و حدیث، اہلِ صفہ، آئمہ اطہار اور مشائخ کے اقوال کی اساس پر ثابت کرتے ہیں، نہ کہ کسی دوسری چیز پر۔ (۴)

اِس بناء پر ہم پر واجب ہے کہ ہم تصوفِ اسلامی کی اس پیشرفت اور تصور سے انکار کریں کہ جس میں کسی خارجی وجود کے اثرات کا عملی دخل ہو۔ تصوف اسلامی میں صرف اُن روحانی عناصر کا عمل دخل ہے جو دینی عوامل کے ساتھ اسلامی ماحول پر وارد ہوتے ہیں۔ تصوف کا ارتقائ، نشوونما، ترقی اور کمال انہی دینی عوامل کا نتیجہ ہے اور انہی دینی عوامل کے سبب عملی جامہ سے مزین ہوتا ہے۔ یہ وہی عوامل ہیں جو بعد ازاں ابتدائی تصوف کی نشوونما اور عروج کا باعث بنے ہیں۔ (۵)

اب ہم حسبِ ذیل ترتیب و تقسیم سے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں تصوف کے ظہور، تاریخ اور موجودیت کو بیان کرتے ہیں:

(ا): تصوفِ اسلامی کا ظہور اور وہ مراحل جو تصوف نے علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک طے کیے:

اسلامی تصوف کا ظہور اسلام کے ساتھ ہوا اور اس کے ابتدائی بیج پہلی صدی ہجری کی

حقیقی اور اصلی پارسائی کی صورت میں بو دیے گئے جس سے دنیائے اسلام کو بڑی سرفرازی نصیب ہوئی۔ دنیا اور متاعِ دنیا سے بے رخی، دینی اُمور کی طرف توجہ اور شرعی احکام کی پاسداری یہ سب کچھ اسلامی تصوف کے استحکام کا موجب بنے۔ اِس کا حتمی مقصد یہ تھا کہ عابد و زاھد اس طرح باور کریں کہ تصوف اُن کے لیے رحمت و بہشت تک رسائی اور عذاب و جہنم سے رہائی کا موجب ہے۔

زاہدوں کا زُہد اور عابدوں کی عبادت، اسلامی تصوف میں حدِ اعتدال میں تھی، یعنی وہ اجتماعی زندگی میں شریک تھے اور اپنے کسبِ معاش کے لیے جدو جہد اور کام کرتے تھے اور دینی اور شرعی احکام کو اپنی پوری توانائی کے ساتھ بجالاتے تھے اور روحانی قوا کے ساتھ اُن کی محافظت کرتے تھے۔(۶)

شیخ امام علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المجوب کے باب "التصوف" میں صوفی، متصوف اور مستصوف کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بات کی ہے۔ دوسری صدی ہجری کے نصف میں زاہدوں میں سے ایسے افراد ظاہر ہوئے جنہوں نے کچھ اس طرح کی زندگی گزاری جو زُہد میں افراط، ترکِ مالِ دنیا اور جسم و نفس کی ریاضت کے لحاظ سے دوسروں سے مختلف تھی۔ اِس بناء پر ضروری تھا کہ اُن کو کسی مخصوص نام سے یاد کیا جاتا۔ لہٰذا ایسے زاہدوں پر "صوفی" کے نام کا اطلاق ہونے لگا۔ ایسے صوفیاء کا تصوف جو زُہد و عبادت کے مسلک کی مناسبت سے تھا، پہلی صدی ہجری تک جاری رہا۔ بعد ازاں بعض برگزیدہ افراد نے زُہد کے راستے پر ایسے مراحل طے کیے جو پہلی صدی ہجری کے زاہدوں سے بہت مختلف تھے۔ اُن کے اقوال میں تصوف کے محبت اور فنا جیسے اساسی اور احساسی عناصر کے سوا کوئی اور چیز نہیں ملتی۔ زاہدوں کے مابین فقط رابعہ عدویہ (۷) (متوفی: ۱۸۰ یا ۱۸۵ھ۔ق/۷۹۶ یا ۸۰۱ء) ہے جس نے محبت کے بارے میں بات کی ہے۔ رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کے ظہور کے ساتھ تصوف کا مفہوم بدل گیا۔ زُہد، جملہ وسیلوں میں سے وہ وسیلہ قرار پایا جس سے خدا کے دیدار اور جمالِ ازلی کے مشاہدے میں مدد لی جاتی تھی۔ البتہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو زاہدوں اور ازھد متصوفہ کے پیر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی نسبت اُن کا مرتبہ اور درجہ بلند تر ہے اور وہ اقوال، رموز و اشارات میں مؤثر اور قوی تر شمار کیے جاتے ہیں۔(۸)

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تصوف ترقی میں درجۂ کمال تک پہنچ گیا۔ صوفیاء کے مسائل شروع میں مشکل نظر آرہے تھے کہ ان کی آسانی سے وضاحت ہوتی اور وہ موضوعِ بحث بنتے۔ ہوا یوں کہ تیسری صدی عدویہ سے بتدریج جو خارجی عناصر اسلام میں داخل ہوئے، تصوف میں اثر ونفوذ پیدا کرنے لگے اور آخر کار اُس کے ساتھ رقابت کی صورت اختیار کرلی۔ اس رقابت کے نتیجے میں تصوف کا مفہوم بدل گیا اور ایک تازہ چیز وجود میں آگئی جو ریاضت اور مجاہدہ کی حد تک محدود نہ رہی اور انسان صرف مشاہدہ پر قناعت پذیر نہ رہا۔ اب تصوف کا مکمل طور پر یہ ہدف قرار پایا کہ انسان اپنے آپ کو فنا کردے اور اپنے خدا کے ساتھ بقا حاصل کرلے اور دونوں باہم متحد ہوجائیں۔ (۹)

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے صوفیاء کے اقوال کے مطالعہ سے ایک فکری ارتقاء کا احساس ہوتا ہے جو تصوف کے مفہوم پر منتج ہوتا ہے۔ اُن کے اقوال میں نئے افکار اور مخصوص اصطلاحات وتعبیرات ظاہر ہوئیں۔ اُن میں سے بعض کا تعلق تصوف کے فکری پہلو سے ہے جیسے: طریقت کے اہداف کی حد بندی اور احوال ومقامات میں ترتیب۔ اس نظریے کے حامل ابتداء کے مبلغین، ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ۲۴۵ (ھ۔ق/ ۸۵۹ء) اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ ۲۵۱ (ھ۔ق/ ۸۶۵ء) تھے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مصر میں احوال ومقامات کے بارے میں بات کی۔ (۱۰) حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے بغداد میں مقامات کی ترتیب اور احوال کی تفسیر سے متعلق بات کی (۱۱) اِسی طرح بعض اصطلاحات اور تعبیرات کا تعلق تصوف کے نفسانی اور وجدانی پہلو سے ہے، جیسے فنافی اللہ، اتحادِ محب ومحبوب اور وجودِ مجازی کی وجودِ حقیقی میں محویت۔ اس مسئلے سے وحدت الوجود کے نظریئے کا ظہور ہوا۔ یہی موجودِ حقیقی دراصل خدائے یکتا ہے اور اُس کے سوا عدمِ محض ہے۔ اِسی طرح حُبّ رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کے نزدیک دوسری صدی ہجری میں زُہد کی علامت تھی۔ یہی حُبّ تیسری صدی ہجری کے صوفیا کے نزدیک تصوف کی بہترین خصوصیات میں سے ایک خاصیت قرار پائی۔ اِسی بنا پر معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ، جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی تمام باتیں اسی ایک لفظ "حُبّ" پر مشتمل تھیں۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ایسے افراد کا ظہور ہوا جو محبت کے بارے میں

مخصوص نظریات کے حوالے سے پہچانے گئے۔ ان میں حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ، عبد اللہ بن سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ، سمنون رحمۃ اللہ علیہ اور ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس عہد میں حُبِ الٰہی کی فکر اپنے درجۂ کمال کو پہنچ گئی۔ وحدت الوجود کے حامی بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۶۱ھ۔ق ر ۸۷۴ء) اور حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ (مقتول ۳۰۹ھ۔ق ر ۹۲۱ء) (۱۲) جیسے صوفیا کی طرف سے اس عہد کے تصوف میں اس طرح کے موضوعات در آئے جیسے یہ کہ روح اور اُس کے باطنی احکامِ شریعت، ظاہری شکل وصورت سے زیادہ اہم ہیں یا عمل کا دارومدار نیت پر ہے یا سنت فرض سے بہتر ہے اور اطاعت عبادت سے افضل ہے۔

اِس طرح کے نظریات نے اُس دور کے لوگوں کی معلومات میں ایک ہیجان برپا کر دیا اور اُن کی آراء میں بے باکی آگئی، بطورِ خاص فقہا کا وہ گروہ جو صوفیاء سے دشمنی رکھتا تھا وہ اِن باتوں کو اسلامی معاشرے کے لیے بڑا خطرناک قرار دے رہا تھا۔ وہ صوفیاء پر بدعت کاری کا الزام لگاتے اور کبھی اُن کو کفر و الحاد سے منسوب کرتے۔ (۱۳) جیسے جیسے اُن کی حُب اور اتحاد و حلول کی باتوں میں تواتر رہا، دوسرے اسلامی فرقے مشتعل ہوتے رہے۔ (۱۴)

فقہاء کی باہمی نسبت اور صوفیاء سے اُن کا تنازعہ:

تیسری صدی ہجری میں اِن دو گروہوں (فقہاء اور صوفیاء) کے درمیان تنازع کے آغاز کے شواہد ملتے ہیں۔ اِن دو گروہوں کے درمیان نزاع کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کے ابتدائی ایام میں احکامِ شریعت سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اَخذ کیے جاتے تھے اور عبادات، اعتقادات اور معاملات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ بعد ازاں زیادہ وقت نہیں گزرا کہ مسلمانوں نے دین کے مسائل پر بحث مباحثہ شروع کر دیا اور اُن پر تحقیق کرتے ہوئے احکامِ شریعت کے علل و اسباب کو تلاش کرنے لگے۔ وہ جن چیزوں پر تحقیق کرتے اور زیرِ بحث لاتے، اُن کی کانٹ چھانٹ کرنے لگے۔ اِس کے نتیجے میں علم فقہ وجود میں آگیا اور لوگ اُس کی طرف متوجہ ہونے لگے اور اس پر بحث وتمحیص اور تحقیق کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اکثر مسلمان یہ گمان کرنے لگے کہ اِس علم سے واسطہ اور اس پر عمل، یہی دین کا مقصد اور انجام ہے۔ (۱۵) پھر صوفیاء کا ظہور ہوا۔ اُن کا ایک خاص نظریہ تھا جو دینی مسائل اور احکامِ شرعی

سے وابستہ تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ دین جو فقہاء میں رائج اور متداول ہے وہ محض رسوم کی بجا آوری ہے جس میں نہ زندگی ہے نہ روحانیت۔ صوفیاء کے نزدیک دینی کمال احکامِ شریعت کے ظاہری معانی کے ساتھ ساتھ باطنی معانی کی بحث میں پوشیدہ ہے۔ یہاں سے علمِ تصوف کا ظہور ہوا یا دوسرے معنوں میں علمِ شریعت ظاہر اور باطن کے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ فقہاء ظاہر پر توجہ کے لیے مخصوص ہو گئے اور صوفیاء نے باطن کی طرف رخ کر لیا۔ (۱۶) دونوں گروہوں میں ہر ایک گروہ کے لیے دین کی ماہیت کے بارے میں مخصوص نظریہ وجود میں آ گیا۔ (۱۷)

اب یہ ایک فطری عمل تھا کہ نظریے کی نسبت دونوں گروہوں میں جنگ چھڑ جاتی۔ کوئی زیادہ وقت نہ گزرا کہ فقہاء نے صوفیاء کی نسبت اپنی دشمنی کو آشکار کر دیا اور اُن میں سے بعض نے صوفیاء کے خلاف صف آرا ہونے کا ارادہ کر لیا اور بعض پر کفر و الحاد کی تہمت لگا دی۔ قدیم کتب میں ہمارے لیے متواتر ایسی معلومات رقم کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ اور صوفیاء کے بے شمار گروہوں کو عدالتوں کے کٹہرے میں لے جایا گیا اور اُن کو موت کی سزا سنائی گئی۔ اُن میں سے کچھ عقوبت خانوں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، اور بعض دوسرے اس تعصب کی راہ میں قربان ہو کر ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے۔

صوفیاء پر فقہاء کی آزار و ایذا رسانی اپنی سخت ترین صورت میں ظاہر ہوئی۔ جن صوفیاء پر رنج و الم کے پہاڑ توڑے گئے اُن میں غلام الخلیل رحمۃ اللہ علیہ (۱۸) معروف ہیں۔ انہی صعوبتوں کی وجہ سے ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ مصر کی طرف فرار ہو گئے۔ صوفیاء میں سے تقریباً ستر پر الحاد کی تہمت لگائی گئی جن میں جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے جن کو قتل کرنے کا حکم سنایا گیا۔ نزدیک تھا کہ اُن میں سے بعض کی سزا پر عمل درآمد بھی ہو جاتا لیکن وہ رہائی پا گئے۔ (۱۹) آزار و ایذا رسانی کا یہ عمل اپنے درجہ کمال کو پہنچ گیا اور اس قبیح عمل کے نتیجے میں حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سولی پر چڑھ گئے، یعنی پہلے قید ہوئے، عذاب جھیلا اور قتل کر دیئے گئے۔ اُن کا قتل فقہا کے فتوے کا نتیجہ تھا جس کو خلیفہ کے حکم سے انجام دیا گیا۔ (۲۰)

شیخ امام علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس بارے میں بڑی پُر ارزش عارفانہ باتیں کی ہیں اور اپنا عقیدہ بیان کیا ہے (۲۱) دوسرے اسلامی فرقوں کی نسبت تیسری صدی ہجری کے ایک اسلامی فرقے امامیہ نے صوفیاء کی نسبت زیادہ دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کے برعکس وہ فرقہ

جس نے صوفیاء سے نزاع کا بالکل انکار کیا ہے، "حشویہ" تھا۔ اس کے ماننے والے مومنوں کے درمیان نزاع اور دشمنی کو کٹھن اور دشوار زندگی پر محمول کرتے تھے اور ہمیشہ خُلّتِ خدا (خدا سے دوستی) کی حمایت کرتے تھے اور فرائض سے ناآگاہی اور بے خبری کو جائز گردانتے تھے۔ معتزلہ وہ تھے جو عشقِ الٰہی سے انکار کرتے تھے اور نظری اعتبار سے تشبیہہ پر استوار تھے اور علمی اعتبار سے ملامت اور حلول پر مستحکم رہتے تھے۔ (۲۲)

اِس تعصب کا نتیجہ یہ نکلا کہ بزرگانِ تصوف نے قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی طرف توجہ دی اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے اور اپنے دفاع کے لیے کتاب کے ہتھیار کے ساتھ متحرک ہوئے۔ (۲۳) علمِ تصوف، اس دور میں بہ طور "علم" اکٹھا ہو گیا۔ چوتھی صدی ہجری میں مقاماتِ صوفیاء کے بارے میں کتب تالیف ہونا شروع ہوئیں۔ انواعِ مجاہدات اور ذوق و وجد (اذواق و مواجید) (۲۴) کے موضوعات پر بھی کتب میدانِ تصوف میں داخل ہوئیں۔

اس دور میں دیگر پُر ارزش کتب بھی تالیف ہوئیں جیسے: "اللُّمع" تالیف ابونصر السراج رحمۃ اللہ علیہ طوسی (متوفی ۳۷۸ھ۔ق/۹۸۸ء) اور "التعرف لمذہب اہل التصوف" تالیف کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۸۰ھ۔ق/۹۹۰ء) اور "قوت القلوب" تالیف ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۸۶ھ۔ق/۹۹۶ء) (۲۵) ابونصر السراج" کو "طاؤس الفقراء" کہا جاتا ہے۔ اُن کی تصانیف علمِ طریقت و حقیقت کے بارے میں ہیں۔ وہ طوس کے رہنے والے تھے اور وہیں پر مدفون ہیں۔ (۲۶) تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں صوفیاء عالم اسلام کے چاروں طرف پھیل گئے۔ انہوں نے خود کو مخصوص مسائل اور مسالک کی بنیاد پر مختلف جماعتوں اور فرقوں کی صورت میں منظم کیا۔ اِسی لیے اِس دور میں اہلِ تصوف کے مخصوص مدارس وجود میں آ گئے۔ (۲۷) ہمارے پاس اُن سب کے لیے واضع اور مخصوص نشانیاں موجود ہیں۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی فرقوں اور صوفیا کے مدارس کو.......... تازہ تعبیر کی بنیاد پر.......... ہمارے لیے مرتب کیا ہے۔ اِس دور میں ہمیں صوفیا کے بارہ فرقوں کا پتہ چلتا ہے جن میں سے ہر ایک تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے کسی ایک ایک پیر یا شیخ سے منسوب تھا۔ (۲۸)

دراصل تیسری اور چوتھی صدی ہجری ایک ایسی محفل تھی جو تصوف کی اوّل درجے کی

شخصیات سے بھری ہوئی تھی اور یہ دور روحانی، علمی اور نظری مذاہب سے پُر تھا۔ ان مذاہب کو ہم ایک الگ باب اور مفید فصل کی صورت میں .... جس کو شیخ امام ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں "فرق صوفیاء" کے عنوان سے شامل کیا ہے۔ (۲۹) جلد پڑھ لیں گے۔

المختصر، تصوفِ اسلامی کا محل، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستحکم اور جاوداں ہو گیا اور یوں، مضبوط بنیاد پر استوار ایک بلند عمارت کا ظہور ہوا۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی ہستیوں نے اسلامی تصوف کی عمارت کو مضبوط اور مستحکم بنیاد فراہم کی ہے۔ ان ہستیوں میں سے ہر ایک نے اس محل کی شکل وصورت کے لیے محنت کی اور یہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ وہ موقع تھا جس پر تصوف میں خاص اور قابلِ بحث تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ یہ تبدیلیاں تصوف کی تعبیرات، اصطلاحات اور ظاہری خدوخال پر بھی اثر انداز ہوئیں مگر مضبوط بنیادوں کی بدولت یہ عمارت ابھی تک قائم ہے۔ (۳۰) اگرچہ شیخ امام ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں حشویہ صوفیان اور مستصوفان پر سخت تنقید کی ہے لیکن وہ خود بھی تصوف کے مردانِ کامل کا ایک بہترین نمونہ ہیں اور اُن کی کشف المحجوب بھی ایک بے حد اعلیٰ نمونہ ہے۔ (۳۱)

(۲): سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے عہد (پانچویں صدی ہجری) میں تصوف:

پانچویں صدی ہجری میں اسلامی دنیا کی حالت یُوں تھی کہ اُس کی سیاسی، دینی اور علمی فضاؤں کو افراتفری اور جنگ وجدال کے گہرے سایوں نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ سیاسی ماحول میں بغداد کے عباسی خلفاء اور اُن کے ایران میں غزنوی اور سلجوقی سُنّی فرمانرواؤں کے درمیان دائمی اختلافات کی وجہ سے کشیدگی تھی۔ اسی طرح مصر کے فاطمیوں اور اُن کے شیعہ اور باطنیہ فرقے کے پیروکار جو اسلامی دنیا کے اکثر علاقوں اور خاص طور پر ایران میں پھیلے ہوئے تھے، کے درمیان مسلسل تناؤ تھا۔ دینی فضا بھی مذہبی اختلافات کی وجہ سے بدترین صورتحال سے دوچار تھی۔ اسلامی فرقوں کے درمیان مذہبی جھگڑے شدید ہو گئے۔ یہ تنازعات محض اہلِ سنّت اور اہلِ تشیع کے درمیان ہی نہ تھے بلکہ ان اختلافات نے اہل سنّت کے دوسرے فرقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ علمی فضا بھی کوئی زیادہ سازگار نہیں تھی۔ باہمی دشمنی اور کینہ اہلِ علم میں بھی سرایت کر چکا تھا۔ فقیہوں اور فلسفیوں کے درمیان تنازعات شدت اختیار کر گئے۔ یہاں تک کہ

ان کے درمیان آزادانہ بحث ختم ہوگئی۔ دین اور سیاست میں مخالفت اور جمود پیدا ہو گیا۔(۳۲)

امام علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"خداوند عزّوجل نے ہمیں اس زمانے میں پیدا کیا ہے جس میں لوگوں نے ہوا و ہوس کو شریعت کا نام دے رکھا ہے۔ جاہ و منصب اور تکبر کو عزت و علم، عام الناس سے ریا کو خشیت، دل کے اندر کینے کو حلم، مجادلے کو مناظرہ، جنگ و سفاہت کو عظمت، نفاق کو زہد، تمنا کو ارادت، بیہودہ گوئی کو معرفت، حرکاتِ دل اور حدیثِ نفس کو محبت، الحاد کو فقر، انکار کو خلوص، بے دینی کو فنا (فنافی النفس)، ترکِ شریعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طریقت اور آفاتِ زمانہ کو معاملے کا نام دے رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اربابِ معانی ان کے درمیان پس پردہ چلے گئے اور دوسرے غلبہ پا گئے۔"(۳۳)

شیخ امام علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے مطابق یہ اختلافات بہت شدید تھے۔ ہر چند اس پریشان حالی، افراتفری اور جنگ و جدال نے اہلِ علم اور متصوفین کے انتشار میں نہایت اہم کردار ادا کیا مگر اس دور میں صوفیاء، علماء، زہاد اور فقہاء کے ایسے پیشوا پیدا ہوئے جن کی بدولت اسلامی علوم اور بطورِ خاص اسلامی تصوف کی بنیادیں مستحکم ہوئیں۔ امام ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے باب "اثباتِ علم" میں ان پریشانیوں، تنازعات اور ناآرامیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور خاص طور پر اسلامی علوم اور متصوفین کے پیشواؤں اور علوم کی تقسیمات کے بارے میں اپنا نکتہ نظر بیان کیا ہے۔

وہ تمام علوم کو خدا کی ذات سے منسوب کرتے ہیں اور اُن کا رشتہ قرآن و حدیث سے جوڑتے ہیں اور ان علوم پر بحث کرتے ہیں۔ بطور مثال: علم کی عمل پر فضیلت، عمل کی علم پر فضیلت، قال و حال کی حکایات، جہل پرستی کی روایات، علم حقیقت، علم ذاتِ خدا، علم صفاتِ خدا، علم افعالِ حق، علم حکمتِ خدا، علمِ شریعت، علمِ کتاب (قرآن)، علمِ حدیث، سنّت، اجماعِ امت، علم اثباتِ افعال، عقائد علماءِ اسلام، ملاحدہ کا عقیدہ، سوفسطائیوں کا عقیدۂ علم جس پر ایک فرقے نے شدید اعتراض کیا اور جہل پرستی وغیرہ کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔

شیخ امام ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ملاحدہ سے بہت ناراض تھے اور اُن کو بقول شخصے علم سے

منسوب بارہ فرقوں میں شمار کرتے ہیں، جن میں سے ایک فرقے نے صوفیاء میں اثر ورسوخ قائم کرلیا اور باقی گیارہ علوم اسلامی کے دیگر حلقوں میں شامل ہو گئے۔ (۳۴) ان حلقوں میں علمی حلقہ اور تصوف کا حلقہ اہم ہیں۔

اوّل۔ تصوّف کا میدان:

یہ افراتفری اور تنازعات، تصوف کی اشاعت و استثمار میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوئے۔ البتہ اس کا سبب فقط سختیاں اور گوناگوں دشواریاں ہی نہیں تھیں بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں کی سیاسی زندگی بے چینی اور مذہبی زندگی، عصبیت سے دوچار ہو چکی تھی۔ لوگ اپنے مذہب میں آزاد نہ تھے۔ ہمیشہ کوئی ایک فرقہ، دوسرے فرقے کو اپنے قہر و غضب اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنائے رکھتا تھا۔ اس طرح سے کئی مذہبی فرقے معرض وجود میں آگئے جیسے: امامی شیعہ، اسماعیلی، قرامطی، اشعری اور شافعی۔ انہیں فرقوں کی دوسری شاخیں بھی باہمی تعصبات کا شکار تھیں۔ یہی سبب تھا شیخ امام ہجویریؒ کے عہد میں معاشرے کے افراد، خاص طور پر مسلمانوں کے درمیان ناامیدی اور مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ سب کے جسم و جان خوف و ہراس کے شکنجے میں تھے۔ یہی سختیاں، دشواریاں اور خوف و ہراس، لوگوں کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ کی ضرورت کا باعث بنے۔ اس پناہ گاہ کا نام "تصوف" تھا۔ (۳۵)

دوسری طرف سیاسی افراتفری کے دور دورے اور مذہبی تنازعات نے صوفیاء کو موقع فراہم کیا کہ وہ اپنے بنیادی افکار اور تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لیے کام کریں۔ صوفیاء کی مذہبی جھگڑوں سے دوری کے لیے نئے نئے طریقے وجود میں آگئے۔ جن سے عام الناس، فرمانروا اور بادشاہ ان کا احترام کرنے لگے اور یہ چیز تصوف کی توسیع اور اہلِ تصوف کے ظہور پر منتج ہوئی (۳۶) اس صدی میں اہلِ تصوف کے بزرگوں اور پیشواؤں کا ایک گروہ اسلامی دنیا، خصوصاً ایران میں ظہور پذیر ہوا۔ پانچویں صدی ہجری کے نصف اول میں بڑے بزرگ پیدا ہوئے جیسے: عبدالرحمان سلمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۱۲ھ۔ق/۱۰۲۱ء)، ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۲۵ھ۔ق/۱۰۲۳ء)، ابوسعید بن ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۴۰ھ۔ق/۱۰۴۸ء)، ابوالقاسم جرجانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۵۰ھ۔ق/۱۰۵۸ء) و امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۷ھ۔ق

/۱۰۷۲ء)۔ اِن بزرگوں کے علاوہ وہ جو تصوف کے میدان میں صاحبِ فضیلت اور برگزیدہ تھے، اپنے مریدوں اور شاگردوں کی تربیت میں کوشاں ہو گئے۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جو آنے والی صدیوں میں روحانی اور عرفانی زندگی کی تاریخ میں بڑے بزرگ صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ (۳۷) شیخ امام ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا ہے کہ:

"اُن کے عہد میں صرف خراسان میں تین سو مشائخ اور صوفیاء رہتے تھے اور اُن میں سے ہر ایک کا تصوف میں ایک خاص مشرب تھا۔" (۳۸)

اِس دور میں تصوف کی توسیع و اشاعت کی بنا پر ایک گروہ میں اتنی دلیری آگئی کہ وہ خود کو صوفیاء سے نسبت دینے لگے۔ ان نسبت دینے والوں اور خود کو صوفیاء میں سے ظاہر کرنے والوں میں اکثر ایسے تھے جو یا تو اپنی حمایت کے حصول کے لیے اور یا خود کو عزت و احترام سے مستفید کرنے کے لالچ میں صوفیاء کی صفوں میں داخل ہو گئے۔ یہ بناوٹی صوفی تصوف میں بدعات اور خرافات کی توسیع کے پیشرو ثابت ہوئے۔ ان میں سے کچھ نے اسلامی تقلیدات سے آزادی اور شرعی احکامات کے خاتمے کے لیے دست درازی کرنے کی کوشش کی اور کچھ نے تشیع، اسماعیلی اور باطنیہ فرقے کے عقائد کو رواج دیا۔ اُن کا یہ کام صوفیاء کی بدنامی کا باعث بنا اور تصوف پر سیاہ بادل منڈلانے لگے (۳۹)۔ کیونکہ یہ مصنوعی فرقے اصل صوفیاء کی مخالفت میں ڈٹ گئے اور مذہب اور عقیدے کی بنیاد پر اُن کے دیگر اسلامی فرقوں سے مسلسل لڑائی جھگڑے ہونے لگے۔ (۴۰)

دوم۔ علمی میدان:

البتہ، اس سب کے برخلاف مختلف گروہوں کے درمیان افراتفری، کئی نئے فرقوں کے ظہور کا موجب بنی۔ سب سے بڑا ردِ عمل وسیع پیمانے پر علمی تحریکوں کا معرضِ وجود میں آنا تھا۔ اس موقع پر ہر فرقے نے اپنے دفاع کے لیے علم کو بطورِ ہتھیار تھام لیا اور معتزلہ، اسماعیلی صوفیاء اور دیگر فرقوں کے علماء کی بہت سی کتب تالیف ہو کر منصہ ظہور پر آئیں۔ (۴۱) صوفیاء کے علوم دین سب سے اہم تھے اور اُن میں سے اکثر علوم کامیابی سے ہمکنار ہوتے اور یہ کامیابیاں، مخصوص علمی تحریک کی صورت خراسان میں متمرکز ہوئیں کیونکہ خراسان عالم اسلام میں

تصوف کا سب سے بڑا مرکز بن چکا تھا۔

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایران میں خراسان کی سرزمین .... جو صوفیاء کی تحریروں کا گہوارہ ہے.......... کی طرف اشارہ کریں کیونکہ خراسان بزرگوں اور دانشمندوں کا وطن تھا، جنہوں نے تصوفِ اسلامی پر بہت ساری کتب تالیف کی ہیں، جیسے: ابونصر السراج الطوسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۷۸ھ۔ق/۹۸۸ء) مؤلف "اللمع" ابوعبدالرحمان سلمی نیشاپوری علیہ رحمۃ اللہ (متوفی ۴۱۲ھ۔ق/ ۱۰۲۱ء) صاحب "طبقات الصوفیہ"، ابوالقاسم قیشری نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۵ھ۔ق/ ۱۰۷۲ء) مؤلف "الرسالۃ قیشریۃ"۔ (۴۲)

جیسے کہ بیان ہوا ہے، یہ دور تکامل علوم اور بزرگ علماء کے ظہور کی حیثیت سے اسلامی ادوار میں سب سے اہم ہے۔ علمی شخصیات، اہم شہروں کے تعلیمی مدارس اور مساجد میں جمع ہو گئیں جو کہ بحث و مناظرے کے مراکز تھے جیسے: شیراز، ری، اصفہان، دینور، نیشاپور، بلخ، مرو، بخارا، سمرقند اور غزنہ۔ اس دور میں کتب اور کتب خانوں کا رواج عام تھا۔ ابن الندیم الوراق رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۸۵ھ۔ق/ ۹۹۵ء) مولف "الفہرست" نے ان کتب اور کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔ صاحبِ "کافی" اسماعیل بن عباد (متوفی ۳۸۴ھ ق/ ۹۹۴ء) اُن جملہ بزرگوں اور وزیروں میں سے تھا جس کے کتابخانے کی فہرست دس جلدوں پر مشتمل تھی اور اس کی کتابیں چارسو سے زائد اونٹوں کے بار پر مشتمل تھیں۔ سلطان محمود غزنوی نے جس وقت ری پر غلبہ حاصل کیا تو اس شہر کا بڑا کتابخانہ جو علومِ تفسیر، حدیث اور ادب سے متعلق تھا، تقریباً سو اونٹوں پر لاد کر غزنیں لے جایا گیا۔ (۴۳)

تعلیمی مراکز بھی مختلف جگہوں پر قائم تھے۔ جیسے: سیستان، بخارا، بلخ، ہرات، فارس، نیشاپور اور غزنیں نیشاپور کی قدیم مساجد اور مسجد مطرزی کے علاوہ ابوعلی حسان بن سعد (متوفی ۴۶۳ھ۔ق/ ۱۰۷۰ء) جو نیشاپور کے بزرگوں میں سے تھے، انہوں نے "جامع منیعی" تعمیر کروائی جس کا کتابخانہ بڑا معتبر تھا جو ۵۴۸ھ۔ق/ ۱۱۵۳ء میں غزنویوں کے حملے میں برباد ہو گیا۔ اسعد بن مسعود العتبی نیشاپوری (متولد ۴۰۴ھ۔ق/ ۱۰۱۳ء) اِس مسجد میں مجلسِ املا تشکیل دیتے تھے جس میں محدثین اور وقت کے امام شرکت کرتے تھے۔

شیخ ابومحمد عبداللہ الجوینی (متوفی ۴۳۸ھ۔ق/۱۰۴۶ء)، امام الحرمین جوینی کے

والد تھے اور نیشاپور میں مجلسِ مناظرہ اور مجلسِ تعلیم خاص تشکیل دیتے تھے۔ امام عبداللہ حلیمی (متوفی ۴۰۳ھ۔ق/ ۱۰۱۲ء) مشہور فقیہ جب نیشاپور آئے تو محمود غزنوی کی جانب سے ایک حلقہ تشکیل دینے پر مامور ہوئے اور اُن کو نیشاپور میں اپنی تمام تر مدتِ امامت کے دوران املائے حدیث کے حلقے میں مشغول رکھا۔ "مدرسہ صاعدیہ" نیشاپور میں تھا جس کو بظاہر محمود بن سبکتگین کے خراسان کے سپہ سالار نصر بن ناصر الدین نے ۳۸۹ھ ق/ ۹۹۸ء میں قاضی ابوالعلا صاعد بن محمد کی ہمسائیگی میں بنایا۔ نیشاپور میں چار بڑے مدرسے بنائے گئے تھے جو کرامی، تشیع، حنفی اور شافعی فرقوں سے متعلق تھے اور ان فرقوں کے علماء اُن میں تدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

اوّل: مدرسہ حنفیہ، جس میں چھٹی صدی ہجری کے معروف دانشمند امام ابوالقاسم عبدالعزیز بن یوسف بیہقی، ابوالحسن بیہقی کے دادا، تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔

دوم: مدرسہ شافعیہ، جس میں ابوالحسن حنانی واعظ نیشاپوری (متوفی ۴۱۶ھ ق/ ۱۰۲۵ء) درس دیتے تھے اور یہ مدرسہ محلہ نو نیشاپور میں واقع تھا۔

سوم: مدرسہ طایفہ کرامیہ، ابوعسکر عبداللہ اور ابوسھل پسران ابوذر محمد بن محمد الطوعی (متوفی ۴۰۱ھ۔ق/ ۱۰۱۰ء) کے نام پر محلہ "شاد" راہِ نیشاپور میں تھا۔

چہارم: مدرسۂ سادات، یہ مدرسہ سادات کے پیروکاروں یعنی شیعہ، عدلیہ (معتزلہ) اور زیدیہ کے لیے علی بن عبداللہ بن احمد نیشاپوری المعروف ابن الطیب (متوفی ۴۱۸ھ۔ق/ ۱۰۲۷ء) کے نام پر محلہ "اسفریس" نیشاپور میں بنایا گیا۔ مشہور یہ کہ ابوالقاسم علی بن حسین بن عمرو نے جب اِن مدارس کو بنوایا تو قاصد نے سلطان محمود (متوفی ۴۲۱ھ۔ق/ ۱۰۳۰ء) کو خبر کر دی۔ سلطان نے غلام بھیجا اور جمادی الاول ۴۱۴ھ۔ق/ ۱۰۲۳ء کو اُسے غزنی کے دربار پیش کیا گیا۔ جب وہ دربار پہنچا تو سلطان نے سرزنش کی کہ کیوں باعقیدہ مذہب کی مدد نہیں کرتے اور اُس مذہب کے آئمہ کے لیے مدرسہ نہیں بناتے؟ جملہ فرقوں کے لیے جب ایک شخص مدرسہ بنائے اور تربیت کرے تو وہ یوں ہے جیسے اُس نے اپنے عقیدے کے خلاف کام کیا ہو، اور جو کوئی اپنے عقیدے کے خلاف کام کرے تو وہ تقرب حق تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ شہرت اور ریا کے لیے ہے۔ اس کے بعد شفاعت کرنے والوں نے رسم شفاعت منعقد کی تو اُس کی خلاصی

ہوگئی۔(۴۴)

اُستاد امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۵ ھ۔ق/ ۱۰۷۲ء) کے لیے بھی نیشاپور میں ایک مدرسہ تعمیر ہوا۔(۴۵)

ابوالعباس فضل بن احمد اسفراینی جو ۴۰۱ ھ۔ق/ ۱۰۱۰ء تک سلطان محمود غزنوی کے وزیر رہے، انہوں نے بھی بلخ میں ایک مدرسہ بنوایا تھا۔(۴۶) جب سلطان محمود غزنوی ۴۰۹ ھ۔ق/ ۱۰۱۸ء میں قنوج (ہندوستان) فتح کرنے کے بعد لوٹ رہا تھا تو اُس نے غزنی میں ایک جامع مسجد بنوائی اور مسجد کے قریب ایک مدرسہ بھی تعمیر کروایا اور اُس کو نفیس کتب اور آئمہ کی نادر تصانیف سے بھر دیا جو صاف ستھرے خطوں میں تحریر کی گئی تھیں اور علماء و آئمہ سے تصحیح شدہ بھی تھیں۔ علم کے پیاسوں نے اس مدرسے کا رخ کیا اور علم کے حصول میں مشغول ہو گئے۔ طالب علم اموالِ مدرسہ سے مقررہ وظائف کی صورت میں مستفید ہوتے تھے۔(۴۷) بعد کے مؤرخین نے بھی غزنی میں سلطان محمود کے عہد کے اِس مدرسے کے بارے میں اطلاع دی ہے۔ جیسے حمد اللہ مستوفی، صاحب "تاریخ گزیدہ" (۶۸۰ ۔ ۷۵۰ ھ۔ق/ ۱۲۸۱۔ ۱۳۴۹ء) (۴۸)

اس دور میں علومِ شرعی جیسے: علمِ قرأتِ قرآن اور علمِ تفسیر قرآن مکمل طور پر رائج تھے۔ قرآن کی بعض تفاسیر جیسے کہ: "التفسیر الکبیر" از ابوبکر نقاس معتزلی (متوفی ۳۵۱ ھ۔ق/ ۹۶۲ء) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ بارہ ہزار اوراق پر مشتمل تھی۔(۴۹)

عبدالسلام قزوینی (متوفی ۴۸۸ ھ ق/ ۱۰۹۵ئ) جو بغداد کے معتزلہ فرقے کے بزرگوں میں سے تھے، اُن کی تفسیر تین سو، اور ایک قول کے مطابق سات سو جلدوں پر مشتمل تھی۔(۵۰)

مشائخ صوفیاء میں سے ہر ایک اپنی مجلس میں، حاضرین کے سوالات کے جوابات یا اپنے کلام کی مناسبت سے قرآنی آیات کی تفسیر کرتا تھا۔ یہ تاویلات، صوفیاء کی کتب اور اُن کی مجالس پر مشتمل آثار میں پائی جا سکتی ہیں جیسے: اسرار التوحید، کشف المحجوب، رسائل خواجہ عبداللہ انصاری (۴۸۱ ھ۔ق/ ۱۰۸۸ء) وغیرہ۔ ان تاویلات میں صوفیاء کی روش معتزلہ جیسی تھی۔ یعنی یہ بھی آیات کی تفسیر کے موقع پر اپنی توجہ بطور خاص اپنی طریقت کے اثبات پر مبذول رکھتے۔

اسی وجہ سے اُن کی تفاسیر بھی عظمت و اہمیت میں معتزلہ سے کم نہیں تھیں۔ بطورِ مثال: تفسیر خواجہ عبداللہ انصاری یا تفسیر کشف الاسرار وعدۃ الابرار جو ۵۲۰ ھ۔ ق/ ۱۱۲۶ء میں، ابوالفضل رشید الدین المیبدی کے توسط سے تالیف ہوئی اور دو ہزار چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اُس کا کامل ترین نسخہ جو کہ عارفانہ تفسیر کا نمونہ ہے، اب بھی ہمارے پاس موجود ہے جو ۲۳۴۳ صفحات پر مشتمل ہے اور دس جلدوں میں مرحوم علی اصغر حکمت شیرازی (متوفی ۱۳۶۲ھ۔ق/ ۱۹۸۱ء) کی تصحیح کے ساتھ اُن کے شاگردوں کی ہمت اور کوشش سے شائع ہو چکی ہے۔ (۵۱)

علمِ حدیث، علمِ فقہ اور علمِ کلام کے بارے میں چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے علماء اور بزرگوں نے کتابیں تحریر کی ہیں۔ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (متوفی ۴۵۸ھ۔ ق/ ۱۰۶۵ء) حدیث اور فقہ کے بہت بڑے مصنف تھے۔ "السنن الکبیر والسنن الصغیر" اُن کی تالیف ہے۔ (۵۲) ابواسحاق شیرازی (متوفی ۴۷۶ ھ۔ق/ ۱۰۸۳ء) کی "طبقات الفقہا" بھی معروف ہے۔ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (متوفی ۴۳۰ھ۔ ق/۱۰۳۸ء) نے اپنی کتاب "ذکر اخبار اصبہان" اور خطیب بغدادی (متوفی ۴۹۳ھ ق/ ۱۰۷۰ء) نے "تاریخ بغداد" اور "طبقاتِ محدثین" میں ان دو شہروں (یعنی اصفہان اور بغداد جو چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں عقلی، نقلی اور عرفانی علوم کے اہم مراکز تھے) سے مربوط محدثین کے بارے میں بڑی باریک بینی سے کام لیا ہے۔ (۵۳)

صوفیاء کی اہم ترین کتب جو پانچویں صدی ہجری میں تالیف ہوئیں، دو تھیں۔ یہ دونوں اس صدی کے نصف اول میں لکھی گئی:

۱۔ الرسالہ یا رسالۂ قشیریہ ۲۔ کشف المحجوب (۵۴)

الرسالہ، عربی میں ہے جس کو ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۲۵ھ۔ق/ ۱۰۷۲ء) نے تالیف کیا ہے اور اُس میں صوفیاء کے اصول اور اُن کے احوال بیان کیے ہیں۔ اس کتاب میں امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی آراء نہایت معتدل ہیں اور باقی صوفیاء کے لیے مثال ہیں۔ (۵۵) کشف المحجوب جو کہ فارسی میں ہے۔ ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الہجویری الجلابی الغزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تالیف کیا اور اُس میں اپنے ہم عصر امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی روش کو نہایت معتدل طرز پر اپنے سامنے رکھا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں شریعت اور

حقیقت کے درمیان ایک ارتباط قائم کیا اور لکھتے ہیں:

"شریعت، حقیقت کے بغیر کوئی چیز نہیں مگر، ریا اور اس طرح حقیقت، شریعت کے بغیر کچھ نہیں مگر، نفاق۔ (۵۶) اسی طرح شریعت، بغیر حقیقت کے ریا اور حقیقت بغیر شریعت کے نفاق بنے۔" (۵۷)

حقیقت یہ ہے کہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ اور ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تصوف کی شروع کی ممتاز ہستیوں میں سے تھے اور اُن دونوں کی اِن کوششوں سے ہر گز انکار نہیں کیا سکتا کہ تصوف اپنی پہلی روش اور طریقے پر لوٹ آئے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ ان دونوں کو ہر قسم کے شکوک وشبہات سے مبرا اور پاک رکھا جائے۔ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتب اُس دور میں تالیف کیں جب تصوف کی حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ حشویوں اور بناوٹی صوفیوں کے بہت سے گروہوں نے اصل صوفیاء اور اُن کے پیروکاروں سے انحراف اور دوری اختیار کی اور اُن پر طعنہ زنی کو اپنا وظیفہ گردانا اور اُن کی تعلیمات پر شکوک وشبہات کا اظہار کرنے لگے۔ بعض اوقات وہ تصوف کو اِس نظر سے دیکھتے کہ گویا یہ کوئی بے دینی اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے انحراف ہے۔ یہ نکتۂ نظر اس لیے وجود میں آیا کہ بعض صوفیاء کی تعلیمات، تقلیدات (اسلامی) سے آزادی پر مشتمل تھیں اور کچھ صوفیاء کی تعلیمات، تشیع، اسماعیلی، اور باطنی فرقے کے بعض عقائد آپس میں خلط ملط ہو گئے تھے۔ (۵۸)

ان حالات کا اثر عام لوگوں کے علاوہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ اور علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسے صوفیاء اور مفکرین پر بڑا گہرا اور شدید تھا۔ جو کوئی بھی "رسالہ قشیریہ" اور "کشف المحجوب" کا مقدمہ پڑھتا ہے، وہ ان دو کتابوں کے مؤلفین کے دور میں تصوف کی بربادی پر اُن کے شدید رنج اور افسوس سے واقف ہو جاتا ہے۔ دونوں نے جس خلوص اور جوش کے ساتھ تصوف کو اپنی پہلی اور اصلی حالت کی طرف واپسی کی شدید خواہش کو اپنی تحریروں میں سمویا ہے، اس کا واضح احساس ہوتا ہے۔ اُن کی اِس اندرونی خواہش نے کہ تصوف اپنے زوال، کمزوری اور زبوں حالی سے نکل جائے، دونوں کو مجبور کیا کہ وہ ایک ایک کتاب تالیف کریں۔ لہٰذا "الرسالۃ القشیریہ" اور "کشف المحجوب" معرض وجود میں آئیں۔ جیسے جیسے کوئی بنظرِ غائر دیکھتا ہے، ان دونوں کتابوں کے مقدموں کے درمیان کمال وابستگی اور ہم آہنگی سے واقف ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں مؤلفین جب اصل موضوع پر تحقیق و

تمرین کرتے ہیں تو موضوعات کی تفصیل پر اتفاق کرنے کے علاوہ اصل اصطلاحات وتعبیرات پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان دونوں عارفوں کا فکر کی بنیاد پر تجربہ مختلف تھا۔ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ موضوع کو سالکانِ حقیقت کے خفا ہونے کی بنا پر تحقیق کرتے ہیں لیکن تصوف کے وجود کا انکار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اعلمو - رحمکم اللہ۔ انّ المحققین من ھذا الطائفۃ نقرض اکثرھم ولم یبق فی زماننا ھذا من ھذہ الطائفۃ الاّ اثرھم کما قیل: اما الخیام فاِنھا کخیامھم واَري نِساءَ الحَیّ کنسائھا حصلت الفترۃ في ھذہ الطریقۃ لابل اندرست الطریقۃ بالحقیقۃ۔ مضی الشیوخ الّذین کان بھم اھتداء و قل الشباب الذین لھم بسیرتھم و سنّتھم اقتداءَ" (۵۹)

قشیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ، یہ وہ سبب ہے کہ جس کے لیے اُس نے چاہا کہ یہ رسالہ تالیف ہو۔ علاوہ ازیں سابقہ مشائخ کے احوال وآثار شامل کروں اور اُن کے آداب، اخلاق، معاملات، عقائد، مواجید (وجد)، اذواق (ذوق) اور اشواق (شوق) بیان کروں تاکہ نو وارد مریدوں اور راستگو لوگوں کے لیے مشعل راہ بنے۔ وہ فرماتے ہیں:

"فعلّت ھذہ الرسالۃ الیکم ---- اکرمکم اللہ---- وذکرت سیر فیھا بعض سیر شیوخ ھذہ الطریقۃ قوّۃ۔" (۶۰)

لیکن شیخ امام ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، اپنے عہد میں علم تصوف کے مکمل طور پر ناپید ہونے کو اپنی تحقیق کا اصل موضوع قرار دیتے ہیں، خصوصاً اُس علاقے میں کہ جہاں وہ زندگی گزار رہے تھے۔ اسی طرح فرماتے ہیں کہ اس تصوف سے کچھ باقی نہیں بچا سوائے ایک بھیانک تصویر کے، جو اصل سے بالکل مختلف ہے۔ (۶۱)

وہ فرماتے ہیں:

"قال المسئول وھو علی بن عثمان الجلابی وفقہُ اللہ تعالیٰ....."

جان لو کہ ہمارے زمانے میں حقیقت کا علم فرسودہ ہو چکا ہے۔ خاص طور پر اس دیار

میں کہ جہاں جملہ مخلوق ہوا و ہوس میں گرفتار ہو گئی ہے اور رضائے حق کے طریق سے ہٹ گئی ہے۔ علمائے روزگار اور مدعیانِ وقت کے لیے اس طریقت کی تصویر اصلی سے مختلف ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا اُس چیز کے حصول کے لیے ہمت کریں جس تک اہلِ زمانہ کا ہاتھ بالکل نہیں پہنچا، سوائے خاصانِ درگاہِ حق کے۔ اِس سے تمام اہلِ ارادت کی مرادیں منقطع ہو گئیں اور اس کے وجود سے تمام اہل معرفت کی معرفتیں معزول ہو گئیں، ماسوائے خاصانِ درگاہِ حق کے۔ خاص و عام نے اُس کی عبارت پر اکتفا کیا ہے اور اُس کے حجاب کے دل و جان سے طلبگار ٹھہرے۔ کام تحقیق کی بجائے تقلید پر موقوف ہو گیا ہے۔ تحقیق نے اپنا چہرہ زمانے سے چھپا لیا۔ عوام اسی پر اکتفا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"ہم حق کو پہچانتے ہیں اور خواص اسی پر راضی ہو گئے کہ اُن کے دل میں حق کی تمنا، نفس میں احساس اور سینے میں سرای حق کی خواہش ہے۔ بطور شغل کہتے ہیں کہ: یہ دیدارِ حق کا شوق اور محبت کا سوز ہے اور مدعیان اپنے دعوے کی وجہ سے اپنی مراد کامل تک نہ پہنچ پائے۔ مریدوں نے خود کو مجاہدہ سے دُور رکھا اور اپنے ظن بیمار کا نام مشاہدہ رکھا۔" (۶۲)

اِسی طرح فرماتے ہیں:

"اور خداوند عزوجل نے ہمیں اُس زمانے میں پیدا کیا ہے کہ جس کے لوگوں نے ہوا و ہوس کو شریعت کا نام دیا ہے اور جاہ و مقام و تکبر کو عزت و علم اور مخلوق سے ریا کو خوفِ (خدا) اور دل کے اندر مخفی کینے کو حلم اور مجادلے کو مناظرہ اور جنگ و جدال اور بے عقلی کو عظمت اور نفاق کو زُہد اور تمنا کو ارادت اور طبیعت کی بیہودگی کو معرفت اور حرکاتِ دل اور حدیثِ نفس کو محبت اور الحاد کو فقر اور کفر و انکار کو خلوص اور بے دینی کو فنا (حق) اور ترکِ شریعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشاہدہ اور آفت اہلِ زمانہ کو باہمی معاملے کا نام دیا ہے۔ یہاں تک کہ اہلِ معرفت اِن کے درمیان پس پردہ چلے گئے ہیں اور انہوں نے غلبہ پا لیا ہے۔" (۶۳)

پس یہی تصوف کی بھیانک تصویر تھی جس نے شیخ امام ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو اس کے دفاع کی دعوت دی۔ اسی لیے انہوں نے اپنی کتاب میں تصوف کو "روشنی" سے تعبیر کیا ہے اور اس کتاب میں وہ تصوف کے نظری اور علمی اصول بیان فرماتے ہیں اور اُس کی تمام بنیادوں کو قرآن و حدیث کی روشنی سے منور کرتے ہیں اور تصوف میں شریعت اور حقیقت کے درمیان

نزدیکی پیدا کرتے ہیں۔ مزید برآں تصوف اور اہلِ تصوف (صوفیاء) کے بدخواہ منحرفوں اور بناوٹی صوفیوں کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔(۶۴)

بالتحقیق، امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ اور سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا ہدف یہ تھا کہ اپنی کتابوں کی مدد سے اذہان کو اُس خطرے سے آگاہ کریں جو تصوف کو لاحق تھا اور تصوف کی نسبت تمام شکوک و شبہات دور کرنے کی دعوت دیں جو اُس میں دَر آئے تھے۔ ان دو چارہ گروں کی ساری چارہ جوئی اسی لیے تھی۔ ان دونوں سچے چارہ گروں نے اپنا یہ فریضہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۰(۔ ۵۵۰ھ۔ ق/ ۱۰۵۸۔۱۱۱۱ء) کے سپرد کر دیا جو اِن دونوں کے بعد آئے اور تصوف کو اپنے متقدمین کی مانند اعلیٰ اسلامی حالت میں لانے کے لیے بے حد کوشش کی۔ انہوں نے اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں تالیف کی جو اعلیٰ تصوف کا غیر متنازعہ مآخذ و منبع ہے۔(۶۵)

تصوف کے استحکام میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو ہمیشہ برتری حاصل رہے گی کیونکہ انہوں نے سُنی مذہب کی قابل فہم تعبیر اور واضح حد بندی کو معتبر بنایا ہے۔(۶۶) البتہ وہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحِ تصوف کی دعوت اور اس کے لیے سازگار ماحول کی کوششوں سے انکار نہیں کرتے اور معترف ہیں کہ درحقیقت انہوں نے دوسرے صوفیاء کے لیے تصوف کی راہیں ہموار اور محفوظ بنائی ہیں۔

اِس دور کے وہ امتیازات جو تصوف کی پہچان بنے، وہ روزِ اوّل سے اس کا فارسی شعر میں داخل ہونا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تصوف کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ پانچویں صدی ہجری کے صوفی شعرا کی زبان رموزِ تصوف سے پُر ہوگئی۔ وہ شعرا جو چوتھی صدی ہجری کے اصل الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے تھے انہوں نے بھی ان الفاظ اور اصطلاحات کو کنایات اور استعارات کی صورت میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ مثلاً اُن کے نزدیک "اللہ"، "حبیب، معشوق اور محبوب" ہے۔ اسی طرح "وجد" جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچنے سے دل میں پیدا ہوتا ہے بطور کنایہ "خمر" اور "خمار" ہے۔ "ظاہر و باطن" اِن دو الفاظ کے بجائے بالترتیب "نورانی چہرہ" اور "سیاہ زلفیں" کا بطور رمز و کنایہ استعمال فراوان ہے۔(۶۷)

ابوسعید بن ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۴۰ھ ق/ ۱۰۴۸ء) وہ پہلا ایران کا صوفی شاعر

ہے جس نے اپنی شاعری میں رموز سے لبریز زبان استعمال کی ہے۔ سب سے پہلے صوفیانہ شاعری کی تخلیق بھی اُن سے منسوب ہے۔ صوفیانہ شاعری کے میدان میں بعد میں آنے والے بزرگ صوفی شعراء کے لیے وہ نہایت معتبر پیشرو سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے: سنائی غزنوی (متوفی ۵۳۵ھ۔ق/ ۱۱۴۰ء)، عطار نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۱۷۔ ۶۲۸ھ۔ق/ ۱۲۲۰ء۔ ۱۲۲۹ء) و جلال الدین محمد بلخی رومی رحمۃ اللہ علیہ ۶۰۴ ۔ ۶۷۴ھ۔ق/ ۱۲۰۷۔ ۱۲۷۵ء)۔

چوتھی صدی ہجری میں صوفیاء کی تعداد بڑھی تو وہ مختلف علاقوں میں پھیلنے لگے اور پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں اِس کی رفتار میں قابلِ غور حد تک اضافہ ہوگیا۔ اب وہی صوفیاء پانچویں صدی ہجری میں ہی مختلف خانقاہوں میں جا گزیں ہونے لگے۔ یہاں تک کہ یہ خانقاہیں اسلامی دنیا میں ہر طرف عام ہوگئیں۔ ان دنوں ایسی خانقاہوں کی ایک بڑی تعداد خراسان، عراق اور فارس کے گرد و نواح میں موجود تھی۔ (۶۸) اِن خانقاہوں میں زندگی گزارنے کے لیے ایک مخصوص نظام وضع کرلیا گیا اور خانقاہوں کا نظم و نسق چلانے کے لیے صوفیاء کے شیوخ میں سے کسی ایک کو نامزد کرلیا جاتا تھا۔ ابوسعید بن ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ انہی میں سے ایک ہیں جنہوں نے پہلی بار ایک مخصوص نظامِ زندگی کو خانقاہوں میں شروع کیا۔ وہ ان خانقاہوں میں سے ایک بڑی تعداد کا نظم و نسق چلاتے تھے اور نیشاپور میں منبر پر بیٹھتے، مجالس ترتیب دیتے اور ظاہری علماء اور دیگر مذاہب کے اماموں پر اعتراض کرتے اور اُن کے ساتھ جھگڑتے اور بحث و مباحثہ کرتے یہاں تک کہ بعض اوقات اُن کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جاتا۔ (۶۹) ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ تقریباً نصف صدی تک خراسان میں صوفیانہ تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔ کبھی وہ نیشاپور، کبھی اپنی زادگاہ "میھنہ" اور کبھی طوس، خرقان اور مرو کے درمیان نقل مکانی کرجاتے اور مرید ہر جگہ اُن کے گرد جمع ہو جاتے۔ وہ ہر خاص و عام کے لیے ایک بلند مقام رکھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ پانچویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں، خاص طور پر غزنویوں (۳۶۷۔ ۵۸۲ھ ق/ ۹۷۷۔ ۱۱۸۶ء) کے دورِ حکومت کے اختتام اور سلجوقیوں (۴۲۸ اور ۴۲۹ھ۔ق/ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷ء) کے دورِ حکومت کے آغاز پر ایران میں خراسان کی سرزمین پر ایک بڑی صوفیانہ تحریک کی قیادت کر رہے تھے۔ اس دور میں صوفیاء کے سامنے

ایک وسیع میدان کھل چکا تھا اور سلجوقی دور میں صوفیانہ طرزِ زندگی رواج پا چکی تھی۔

ہمیں دو کتابوں "راحۃ الصدور" اور "اسرار التوحید" میں سلجوقی امراء اور مشائخ صوفیاء کے مابین آمد و رفت (۷۰) اور ملاقاتوں (۷۱) کے واضح اشارے ملتے ہیں۔ البتہ اُن میں سے صوفیاء کی ایک بڑی تعداد ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کی ہم عصر تھی، جیسے: ابو عبد الرحمن السلمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۱۲ ھ۔ ق/۱۰۲۱ء)، ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۲۵ ھ۔ ق/ ۱۰۳۳ء)، ابو العباس الشقانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۰ ھ۔ ق/۱۰۹۷ء)، ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی حدود ۴۵۳ ھ۔ ق/۱۰۹۱ء)، ابو القاسم الجرجانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۵۰ ھ۔ ق/ ۱۰۵۸ء)، ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۵ ھ۔ ق/ ۱۰۷۲ء)۔ یہ تمام صوفیاء، بڑے اشتیاق کے ساتھ خراسان اور ایران کے دوسرے حصوں میں صوفیانہ تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور اُن میں سے ہر کوئی مریدوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کی تربیت کر رہا تھا۔ اُن میں سے ایک گروہ کے صوفیاء اپنے عہد میں "پیر" کے درجے تک پہنچ گئے اور مریدوں کے ایک دوسرے گروہ کی تربیت کرنے لگے۔ وہ خانقاہوں کا نظم و نسق بھی چلاتے اور صوفیانہ تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لیے متعدد سفروں پر بھی نکلتے تھے۔

اِن میں سے ابو علی الفارمدی رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۷ (ھ۔ ق/ ۱۰۸۴ء) اور سرکار حجۃ الاسلام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ، دونوں ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ اور ابو القاسم جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید تھے۔ ابو علی الفارمدی نے خرقہ ابو القاسم جرجانی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا اور اُن کی وفات کے بعد اُن کے جانشین اور خراسان کے پیروں میں سے ایک پیر بن گئے۔ (۷۲) اُن کی قبر طوس میں ہے۔ (۷۳) ابو الفتح سالبہ رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۳ (ھ۔ق/۱۰۸۰ء) ابن شیخ الشیوخ ابو الحسن سالبہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ، جو ابو مسلم فارسی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ علی بن حسن کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید تھے اور شیخ ابو علی الاستانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی صحبت کا شرف رکھتے تھے، انہوں نے "باب کوار" میں ایک خانقاہ بھی بنائی اور اُس میں تیس سال تک عبادت و ریاضت میں مشغول رہے، اکثر علماء اور دیندار اُن کے مجاوروں میں سے تھے۔ آپ ۴۷۳ ھ۔ ق میں انتقال فرما گئے اور اپنی خانقاہ میں سپردِ خاک ہوئے۔ (۷۴)

ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الھجویری الغزنوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی حدود ا ۴۶۵۔۴۷۵ ھ ق) جو ابوالعباس الشقانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوالقاسم الجرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ آپ نے قشیریؒ سے ملاقات کی اور تمام اسلامی دنیا کے سفر اختیار کیے اور ان کے دوران بڑے بڑے صوفیاء کے مشائخ اور دیگر مذاہب کے پیشواؤں اور رہبروں سے ملاقاتیں کیں اور گرانقدر معلومات حاصل کرنے کے بعد اُن سب کو اپنی کتاب کشف المحجوب میں اکٹھا کیا۔ (۷۵)

حوالہ جات:

۱۔ الطبقات الکبری: الشعرانی، القاہرہ، ۱۳۱۶ھ ق، ج ا،ص ۲۔

۲۔ اسعاد عبدالھادی قندیل: کشف المحجوب للھجویری رحمۃ اللہ علیہ (ترجمۂ عربی) قاہرہ، ۱۳۹۴ھ۔ق، (۱۹۷۴ء)، ج ا،ص ۲۴

۳۔ ایضاً،ص ۲۷

۴۔ ایضاً،ص ۲۲

۵۔ ژوکوفسکی، ترجمہ کشف المحجوب: ص ۴۰

۶۔ اسعاد عبدالھادی قندیل: کشف المحجوب للھجویری، ج ا،ص ۲۸۔

۷۔ ڈاکٹر قاسم غنی، تاریخ تصوف در اسلام، تھران، ۱۳۲۲خ،ص ۳۱

۸۔ اسعاد عبدالھادی قندیل: کشف المحجوب للھجویری: ج ا،ص ۲۸۔

۹۔ "فی التصوف و تاریخہ" نیکلسن: ترجمہ ابوالعلا عفیفی،ص ۷، چاپ تہران۔

۱۰۔ اسعاد عبدالھادی قندیل، ایضاً،ص ۲۸۔

۱۱۔ ژوکوفسکی، ترجمہ کشف المحجوب: ص ۱۳۷

۱۲۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران: ص ۲۵۵، طبع ۱۳۵۱ھ ش۔

۱۳۔ ڈاکٹر قاسم غنی، تاریخ تصوف در اسلام: ص ۵۳۔

۱۴۔ اسعاد عبدالھادی قندیل: ایضاً،ص ۲۷۔۲۹۔

۱۵۔ التصوف، الثورۃ الروحیۃ (نقل از اسعاد عبدالھادی قندیل) ص ۱۱۱۔۱۱۲۔

۱۶۔ التصوف، الثورۃ الروحیۃ: ایضاً، ص ۱۱۳۔

۱۷۔ اسعاد عبد الهادی قندیل: ایضاً، ج۱، ص ۳۔

۱۸۔ غلام الخلیل: وہ احمد محمد بن خالد بن مرداس ہے۔ بصرہ میں پیدا ہوا اور بغداد میں ۲۶۲ھ۔ق / ۸۷۵ء میں فوت ہوگیا۔ وہ تقوے اور پرہیزگاری میں معروف تھا۔ لیکن اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں ناپسندیدہ تھا کیونکہ اُسے ریاکار سمجھا جاتا تھا۔ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے صوفیہ کی نسبت مکر و حیلہ اور کینہ ور کے طور متعارف کروایا ہے۔ (نگار کنید بہ کشف المحجوب، طبع ژوکوفسکی، ص ۱۷۲، بہ بعد کہ قصہ آن بسیار خواندنی است)

۱۹۔ الرسالۃ القشیریۃ: ج ۲، ص ۵۰۳؛ اسعاد عبد الهادی قندیل، ایضاً، ج۱، ص ۳۱۔

۲۰۔ الحلاج او وضوء الام، تالیف: میشال فرید غریب، در مکتبۃ الحیات، بیروت (قصہ صوفیہ تاریخیۃ) ص ۱۔۱۴۹

۲۱۔ ژوکوفسکی، ترجمہ کشف المحجوب: ص ۱۸۹۔

۲۲۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مادہ: "تصوف"۔

۲۳۔ ڈاکٹر قاسم غنی، تاریخ تصوف در اسلام: ج ۲، ص ۵۴۔

۲۴۔ اسعاد عبد الهادی قندیل: ایضاً، ص ۲۱۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۳۱۔

۲۶۔ تاریخ ادبیات، دکتر صفا، ج۱، ص ۲۵۷۔

۲۷۔ التصوف، الثورۃ الروحیۃ: ص ۹۴ اور اُن سے بعد کے صفحات دیکھیں۔

۲۸۔ ژوکوفسکی، ترجمہ کشف المحجوب: ص ۱۶۴۔

۲۹۔ دیکھیں باب "فی فرق فرقهم ومذاهبهم وآیاتهم ومقاماتهم وحکایاتهم"۔ کشف المحجوب؛ ژوکوفسکی، ص ۲۱۸۔۳۴۱۔

۳۰۔ اسعاد عبد الهادی قندیل: ایضاً، ص ۳۲۔

۳۱۔ ژوکوفسکی، ترجمہ کشف المحجوب: ص ۴۰۔۴۳۔

۳۲۔ تاریخ تصوف در اسلام، ج ۲، ص ۴۸

۳۳۔ کشف المحجوب، تصحیح ژوکوفسکی لینگراڈ، (سابقہ پطرز بورگ) ۱۹۲۶ء، ص ۸-۹

۳۴۔ کشف المحجوب، ایضاً، ص ۱۱-۱۲، نیز ص ۱۶۴

۳۵۔ اسعاد عبدالھادی قندیل: ایضاً، ج۱،ص ۳۳۔
۳۶۔ سلاجقہ ایران والعراق: عبدالنعیم حسنین، القاہرہ، ۱۹۵۹ء، ص ۱۸۱۔
۳۷۔ اسعاد عبدالھادی قندیل: ایضاً۔
۳۸۔ کشف المحجوب: تصحیح ژوکوفسکی، ص ۱۷۴۔۲۱۶؛ تاریخ ادبیات در ایران: ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، ج۱،ص ۲۵۶
۳۹۔ اسعاد عبدالھادی قندیل: ایضاً، ج۱،ص ۳۳۔
۴۰۔ تاریخ ادبیات در ایران: ایضاً، ج۱،ص ۲۴۔
۴۱۔ سلاجقہ ایران والعراق: ص ۱۹۲۔
۴۲۔ تاریخ ادبیات در ایران: ایضاً، ج۱،ص ۲۵۵۔۲۵۷۔
۴۳۔ تاریخ الخلفائ: سیوطی، الکامل ابن الاثیر، حوادث سال ۴۲۰ ھ۔ق، تاریخ ادبیات ایران: ایضاً، ج۱،ص ۲۵۹۔۲۶۲، ۲۶۳۔
۴۴۔ تاریخ بیہقی: ص ۱۸۵، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۵، ۲۰۲، ۲۲۰، ۲۲۱، تاریخ ادبیات در ایران: ایضاً، ج۱،ص ۲۶۳۔۲۶۷
۴۵۔ تاریخ ادبیات در ایران: ایضاً،ص ۲۶۷۔
۴۶۔ جوامع الحکایات وسوامع الروایات: محمد عوفی، ج۲،ص ۵۱۰۔
۴۷۔ ترجمہ تاریخ عیینی: ص ۴۲۲۔ ۴۲۳؛ تاریخ ادبیات در ایران: ایضاً،ص ۲۶۷۔۲۶۸۔
۴۸۔ تاریخ گزیدہ: ص ۴۰۱؛ تاریخ ادبیات در ایران: ایضاً، ج۱،ص ۲۶۸، نیز فہرست نسخہ ھای خطی فارسی موز ملی پاکستان، کراچی: سید عارف نوشاہی، ۱۳۹۲ھ ش،ص ۱۴۵۔
۴۹۔ الفہرست لابن الندیم: ص ۵۰۔
۵۰۔ طبقات الشافعیہ: ج۳،ص ۳۲؛ تاریخ ادبیات در ایران: ایضاً، ج۱،ص ۲۹۹۔
۵۱۔ تاریخ ادبیات در ایران: ایضاً، ج۱،ص ۲۷۰۔
۵۲۔ ایضاً،ص ۲۷۴۔
۵۳۔ ایضاً۔
۵۴۔ اسعاد عبدالھادی قندیل: ایضاً،ص ۳۳۔
۵۵۔ سبک شناسی: مرحوم محمد تقی بہار، ج۲،ص ۱۸۶۔

۵۶۔ کشف المحجوب: چاپ ژوکوفسکی، ص ۴۹۹۔

۵۷۔ ایضاً ص ۴۹۹ / ۱۵۔۱۶۔

۵۸۔ الحیاۃ الروحیۃ فی الاسلام: محمد مصطفی حلمی، القاہرہ، ۱۹۴۵ء، ص ۱۲۱،
اسعاد عبدالہادی قندیل: ایضاً، ج ۱ ص ۳۴۔۳۵۔

۵۹۔ الرسالۃ للقشیری، ج ۱ ص ۲۔

۶۰۔ ایضاً ص ۲۲۔

۶۱۔ اسعاد عبدالہادی قندیل: ایضاً ص ۳۵۔

۶۲۔ کشف المحجوب: چاپ ژوکوفسکی، ص ۷۔۸۔

۶۳۔ کشف المحجوب: چاپ ژوکوفسکی، ص ۸۔۹۔

۶۴۔ اسعاد عبدالہادی قندیل: ایضاً، ج ۱ ص ۳۶۔

۶۵۔ تاریخ الفلسفۃ العربیۃ: حنا الفاخوری، بیروت ۱۹۵۷ء ص ۳۳۷۔

۶۶۔ تاریخ الاداب فی ایران: براؤن، ج ۲ ص ۳۶۸؛ اسعاد عبدالہادی قندیل، ایضاً، ج ۱ ص ۳۷۔

۶۷۔ تاریخ الادب فی ایران: ایضاً ص ۳۳۴۔

۶۸۔ اسرار التوحید: تالیف محمد بن منور، چاپ (ایڈیشن) مرحوم استاد بھمن یار، ۱۳۵۷خ، ص ۳۰، ۳۱، ۴۷، ۴۹، ۶۱، ۷۵، ۷۶، ۸۸، ۸۹، ۱۸۲، ۳۱۱ اور دیگر۔

۶۹۔ اسرار التوحید: ایضاً ص ۶۹، ۷۵، ۸۳، ۳۹۴؛ اسرار التوحید ایضاً ص ۱۲۸۔۱۳۰ (حکایت ملاقات چغری بیگ و ابوسعید ابوالخیر و بوسیدن دست او ونیز ص ۲۷۰۔۲۷۱ حکایت خواجہ منصور طغرل بیگ۔

۷۰۔ راحۃ الصدور و آیۃ السرور: راوندی، ص ۲۱، ۹۸۔۹۹۔

۷۱۔ اسعاد عبدالہادی قندیل: ایضاً، ج ۱ ص ۳۷۔

۷۲۔ سفینۃ الاولیائ: محمد داراشکوہ، کانپور ۱۸۸۴ء، ص ۷۵۔

۷۳۔ سفینۃ الاولیاء: ایضاً ص ۷۵۔

۷۴۔ شذ الازار: مصر ایڈیشن ۱۳۹۴ ھ۔ق، ص ۱۸۰۔۱۸۱، اسعاد عبدالہادی قندیل: ایضاً ج ۱ ص ۳۸۔

۷۵۔ سفینۃ الاولیاء: ایضاً ص ۷۵، اسعاد عبدالہادی قندیل، ایضاً، ج ۱ ص ۳۸۔

تصرفاتِ اولیاءِ اُمت

تقریر: قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ

خطبۂ عربی: الحمدللّٰہ رب العالمین۔ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ہادی لہ۔ ونشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ و حدہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و نبینا و حبیبنا و مولانا محمدًا صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم عبدہ ورسولہ۔ الذی ارسل الی الخلق کافۃ بشیرًا و نذیرًا و داعیًا الی اللّٰہ باذنہ و سراجًا منیرا۔

هو الحبیب الذی ترجیٰ شفاعته لکل هول من الاهوال مقتحم
جائت لدعوته الشجار ساجدة تمشی الیه علی ساق بلا قدم
ومن تکن برسول اللّٰه نصرته ان تلقه الاسد فی اجامها تجم

اللھم صل علی حبیبک سیدنا و مولانا محمد صاحب الوجہ الانور والجبین الازہر صلاۃ و سلاما علیک یا رسول اللّٰہ۔ قال اللّٰہ عزوجل فی شان حبیبہ مخبرا و امرا۔ ان اللّٰہ و ملئکتہ یصلون علی النبی۔ یایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما○ اللھم صلی علی سیدنا و مولانا محمد معدن الجود والکرم و علی اٰلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

محترمی گرامی قدر صاجزادہ والاشان زینت آستانہ عالیہ ہمدم رحمۃ اللہ علیہ جناب حضرت مولانا محمد اقبال خاں ربانی ہمدمی صاحب زید مجدہ، صاجزادہ افضال نورانی، صاجزادگان والاتبار، میرے محترم بزرگوار، میرے محترم بھائیو، میری محترم بہنوں، عزیز نوجوانوں، پیارے بچوں السلام

علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں کافی عرصے کے بعد اس علاقے میں حاضر ہوا ہوں اور حضرت سلطان العاشقین مولانا مہر محمد خاں صاحب ہمدم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر اس سے پہلے بھی حاضر ہوا لیکن عرس شریف کی بابرکت تقریب میں حاضر نہیں ہو سکا۔ آج میں حاضر ہوا۔ صاحبزدگان گرامی قدر اور آپ تمام حضرات نے مزار پر انوار پر بھی حاضری کی سعادت پائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کی اس حاضری کو قبول فرمائے۔ آپ میں سے بہت سارے حضرات قرب و جوار سے دور دراز سے اس بابرکت اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔

یہ سارا وقت یہ سارا سفر یقیناً عبادت میں شمار ہو رہا ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عرس کی تقریب میں شرکت باعث اجر و ثواب ہے اور ہر وہ لمحہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے سننے میں گزرتا ہے وہ لمحہ عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ یہ صاحب عرس جو ہیں یہ عالم دین تھے، اللہ کے ولی تھے، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور اس طرح سے سلسلہ در سلسلہ چلتا جاتا ہے۔ اللہ کے ولیوں کا مشن کیا تھا اللہ کے ولیوں کا مشن کوئی اپنا مشن نہیں تھا۔ اپنا کچھ نہیں تھا۔ اللہ کے ولی کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیا ہوا ہوتا ہے۔ ان کا صدقہ ملتا ہے۔ ان کی خیرت بٹتی ہے۔ درِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیرات بٹتی ہے اور اللہ کا ولی درِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیراتی ہوتا ہے۔

و کلھم من رسول اللہ ملتمس غرفا من البحر او رشفا من الدیم

"اور سب انبیاء علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التماس کرتے ہیں جیسے دریا سے ایک چلو یا بارش سے ایک گھونٹ۔" (قصیدہ بردہ شریف)

ہر عالم دین ہر ولی کامل عارف باللہ دریائے محمدی سے قطرہ قطرہ پیتا رہتا ہے اور سیراب ہوتا رہتا ہے۔ اپنے ظرف کے مطابق پیتا رہتا ہے اور سب دربار مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیتے ہیں۔ دربار مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نہر ہے۔ نہیں! ایک سمندر ہے اس سمندر سے شاخیں نکلتی ہیں۔ دربار مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اولیاء اللہ اور علماء کے فیضان کی شاخیں نکلتی ہیں اور جس طرح سے اسٹیشن پر پہنچنے کے لئے مختلف راستے ہیں، مختلف طریقے ہیں۔ مختلف طریقت کے سلسلے ہیں ان کے واسطے سے سب رستے دربارِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جا کے ملتے ہیں۔ ان کا مشن کیا تھا ان کی زندگی کا مقصد کیا تھا؟ اب دیکھئے رب العالمین ارشاد فرماتا ہے۔

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں۔

(پارہ ۹، الانفال: ۳۴) (ترجمہ کنزالایمان)

ہم اس کا اردو میں ترجمہ کرتے ہیں۔ خدا سے ڈرنے والا۔ خوف رکھنے والا پرہیزگار۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۚ سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم۔ (ترجمہ کنزالایمان)

(پارہ ۱۱، یونس: ۶۲)

آگاہ رہو، خبردار رہو، اللہ کے جو ولی ہیں وہ کیا ہیں آپ اس کا ترجمہ سنتے رہتے ہیں۔ آگے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۙ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

(پارہ ۱۱، یونس: ۶۳)

اللہ کا ولی ایمان والا ہوتا ہے۔ بے ایمان فراڈیا اللہ کا ولی نہیں ہوتا۔ ایسی بہت ساری آیات طیبات میں بیان فرمایا۔ اتقوا اللّٰہ۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ، پرہیزگاری، خوف خدا، ہم سے بہت سے لوگ متقی ہیں۔ اللہ کا گھر ہے بڑے ذوق وشوق سے تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ بڑے اہتمام سے نماز ادا کر رہے ہیں۔ ذکر الٰہی میں مصروف ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ان سے بڑھ کر کوئی اللہ کا ولی نہیں ہے۔ جونہی مسجد سے باہر قدم رکھا دکان پر بیٹھتے ہی الم گلم شرع۔ ۲ نمبر کام شروع ہوگیا۔ مسجد میں تو اللہ سے ڈرتے رہے۔ جب دکان پر بیٹھتے ہیں تو کسی سے نہیں ڈرتے۔ مسجد میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔ جب بازار میں ہوتے ہیں۔ گھر میں ہوتے ہیں جب خلوت میں ہوتے ہیں۔ جب جلوت میں ہوتے ہیں تو کسی سے نہیں ڈرتے۔ تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح مسجد میں اللہ سے ڈرتے ہو زندگی کے ہر موڑ پر اللہ سے اسی طرح ڈرتے رہو اور جو زندگی کے ہر قدم پر اللہ سے ڈرتا رہے وہی اللہ کا ولی ہے۔ تقویٰ میں انسان کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہوتا ہے۔ حضور پُرنور سید المتقین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ متقیوں کے سردار تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم متقی تھے ان کو خدا کا خوف رہتا تھا۔ مسجد میں بھی اللہ کا خوف مسجد سے باہر بھی اللہ کا خوف۔ رات کو بھی اللہ سے ڈرتے تھے، دن کو بھی اللہ سے ڈرتے ہر لمحہ زندگی کے ہر موڑ پر یہ سمجھتے تھے کہ میرا

رب مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ تقویٰ کا خلاصہ ہے۔

حدیث مبارک میں ہے اس کی تشریح آتی یہ قرآن بھی فرماتا ہے تم نماز پڑھتے ہو۔ اے لوگو نماز بھی پڑھتے ہو۔ روزے بھی رکھتے ہو۔ حج بھی کرتے ہو۔ زکوٰۃ بھی دیتے ہو۔ تقویٰ خوف خدا زندگی کو اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق گزارنا یہ تقویٰ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے بڑی متقی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں...... تقویٰ اللہ سے ڈرتے رہنا اور یہ سمجھنا کہ جو کچھ میرے پاس ہے یہ میری جان ہے...... یہ میرا مال ہے، یہ مکان ہے یہ اللہ کا دیا ہوا ہے یہ بھی تقویٰ ہے۔ یہ مومن کی زندگی کا مقصد ہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
(پ۸، الانعام:۱۶۲)

تم فرماؤ! بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب سارے جہاں کا۔

(ترجمہ کنزالایمان)

اے محبوب فرما دیجئے میری نمازیاں میرا روزہ میرا حج میری زکوٰۃ اور میری زندگی کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ یہ رب العالمین کے لئے ہے۔ دنیا سے اس کا تعلق بڑا مختصر سا ہوتا ہے۔ دنیا سے تعلق بالکل اس حدیث کے متعلق ہوتا ہے۔

يقول الحبيب صلى الله عليه وسلم كن فى االدنيا كانك غريب اور عائر و سبيل او كما قال صلى الله و عليه وسلم

تم دنیا میں اس طرح رہو کہ گویا تم ایک پردیسی مسافر ہو۔ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح ایک مسافر رہتا ہے۔ اب اس سے کہا چلنا ہے اگلی منزل پر چلنا ہے۔

مثلاً اس کو لاہور جانا ہے اب لاہور جانے کے لئے جتنی بھی جگہیں آتی جائیں گی اس کو چھوڑتا ہوا چلا جائے گا اس لئے کہ لاہور پہنچنا ہے۔ عائر سبیل ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا پرتو تھے۔ ان سے بہتر متقیوں کی جماعت کوئی نہ تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید المتقین تھے متقیوں کے سردار تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی...... دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کن کن چیزوں کی کمی تھی، کوئی کمی نہیں تھی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا لوشئت اگر میں چاہوں تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلتے ہیں پہاڑ سونا بن جائیں میرے ساتھ چلتے رہیں اور میں سونا خرچ کرتا رہو......لیکن نہیں...... حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مگر آپ کو معلوم ہے آپ کو یاد ہو گا سید المتقین حضور پر نور ﷺ نے جب حیات ظاہری سے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو رسول اللہ ﷺ کے دربار اقدس میں آپ ﷺ کے سر مبارک پر آپ ﷺ کے سرہانے جو دیوار تھی اس میں نو تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔ اس وقت گھر میں ستو کے چند دانے اور کچھ کھجوریں تھیں اس کے علاوہ کچھ نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے سامان میں نو تلواریں تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے گھر کا سب سے بڑا اثاثہ یہی تھا۔ یہ مومن کا ہتھیار ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ مجاہد کا ہتھیار ہے یہ صاحب تقویٰ جتنا زیادہ متقی پرہیزگار خوف خدا رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے زندگی اللہ کی دی ہوئی ہے اور ہر وقت ان کو اللہ کی راہ میں قربان ہونا چاہیے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ زندگی میں دیکھو کہ نو تلواریں تھیں۔ گھر میں کھانے کے لئے صرف چند کھجوریں تھیں آٹا بھی نہیں تھا اور گوشت بھی نہیں تھا اور سالن بھی نہیں تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی بھی اس شان سے گزر رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ راتوں کو نمازیں پڑھتے تھے تہجد پڑھتے تھے عبادت خداوندی میں مصروف رہتے تھے۔ اور جب دن کا وقت ہوتا تھا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان جہاد میں ہوتے تھے۔ رات کو مسجد میں ہوتے تھے اور دن کو میدان جہاد میں ہوتے تھے اور کیا بات تھی یوں سمجھو! کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم رات کے نمازی تھے اور دن کے غازی تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی امت میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے بعد اگر کسی کا مرتبہ ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے ایک ترتیب کے ساتھ یعنی خلیفہ اول اور خلفائے راشدین ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم و عشرہ مبشرہ فی الجنۃ رضی اللہ عنہم اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اہل بدر، اہل احد، اس کے بعد دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس طرح ترتیب وار سب کا مرتبہ اور مقام ہے۔ ان کی فقہائے کرام، محدثین نے تشریح فرمائی ہے تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ نے ان کی بشارت دی قرآن میں ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہے وہ اللہ سے راضی ہیں۔ جس گروہ کی

جماعت کی بشارت دی اللہ نے خود............

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار۔ (ترجمہ کنزالایمان)

(پ ۱۱، التوبہ: ۱۰۰)

ایمان میں سبقت لے جانے والے اولین میں سے......جو سبقت لے گئے سب سے پہلے ایمان میں......اہل مکہ اور اہل مدینہ۔ مہاجرین میں سے اور انصار میں سے......

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

(پ ۱۱، التوبہ: ۱۰۰)

اور جنہوں نے ان کی پیروی کی تابعین کا وہ گروہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے والی آنکھوں سے دیکھا دیکھنے والوں کی زیارت کا شرف حاصل کیا وہ تابعی ہیں......اللہ تبارک وتعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے تابعین سے راضی ہے اسی طرح راضی ہے کہ ان سے اللہ کہے گا کہ تم مجھ سے راضی ہو یا نہیں......آج کے دن میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم میری رضا چاہتے رہے اب میں تم سے کہتا ہوں......بتا تیری رضا کیا ہے......یہ ان کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین، تبع تابعین، آئمہ دین، مجتہدین، اولیاء کاملین ان سب کا مرتبہ یہی ہے۔

تو میں جو بات عرض کر رہا تھا وہ یہ تھی کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم رات مسجد نبوی کے نمازی تھے اور دن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غازی تھے۔ رات کے نمازی اور دن کے غازی یہ مجاہدین فی سبیل اللہ تھے۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے تھے انہوں نے ہر قدم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔ میدان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہر معرکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے رہتے تھے۔ اولیاء کاملین کا طریقہ بھی یہی رہا ہے مگر لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ مرید بناتے رہو نذرانے وصول کرتے رہو اور ان کو نماز روزے کی تلقین کرتے رہو بس یہی کافی ہے۔ ایسا نہیں ہے اگر صرف یہی اسلام مسجدوں میں محدود رہتا شہروں میں

اسلام نہیں پھیلتا۔ قصبوں میں وادیوں میں اسلام نہ پھیلتا یورپ کے مرغزاروں میں اسلام نہ پھیلتا۔ افریقہ کے صحراؤں میں اسلام نہ پھیلتا جنہوں نے:۔

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں اور کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

وہ کون تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہد صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جنہوں نے اللہ کے دین کی برتری کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔ تقویٰ میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ اللہ کے نزدیک جتنے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے ہم اس کا عشر عشیر بھی نہیں میں اور آپ ایک لاکھ مقبول نمازیں پڑھ لیں میں اور آپ ایک کروڑ چندہ اللہ کی راہ میں دے دیں۔ میں اور آپ ایک پہاڑ جو مری میں نظر آتا ہے، پہاڑ کی برابر سونا خیرات کر دیں ثواب تو ملے گا کتنا ملے گا؟ آپ اگر احد پہاڑ کی برابر سونا خرچ کر دیں ایک لاکھ نمازیں پڑھ دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کی ایک رکعت نماز کے برابر بھی نہیں ہو سکتی کوئی پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کر دے۔

لو انت احد کم مثل احد ذھبا (حدیث) اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کر دے تو میرے صحابی رضی اللہ عنہ کی مٹھی بھر جو کے برابر نہیں ہے۔

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ اور تقویٰ میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ خدا کا خوف رکھنے والوں میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ اللہ سے جتنے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اللہ کے قریب ہم سے کوئی نہیں لیکن سبحان اللہ ان کے دو قدم رات کو مسجد میں ہوتے تھے اور دن کو یہی دو قدم مجاہد کی حیثیت سے گھوڑے پر سوار رہتے تھے وہ دن کے غازی تھے وہ مجاہد تھے ہم میں سے بہت سے لوگوں نے سمجھ لیا۔ قرآن شریف پڑھتے رہو، تسبیح کرتے رہو باہر کیا ہو رہا ہے اس سے بے خبر رہو۔ کیسے بے خبر رہو بہت سے ایسے ہیں ان سے اگر آپ پوچھیں کہ حضور وہ کشمیر جو ہے اس کا معاملہ گڑبڑ ہے آج کل...... کشمیر؟ کیا ہو رہا ہے وہاں...... حضور گڑبڑ ہے قتل و غارت ہے، عصمت دری ہے۔ ارے بھئی بات اصل میں یہ ہے کہ ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تو سیاسی آدمی ہیں نہیں اور اخبار ہم پڑھتے نہیں ہیں۔ تو ہمیں کیا معلوم کہ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے بھئی کیا ہو رہا ہے فلسطین کہاں ہے؟ کیا حضور وہ مسجد اقصیٰ

بیت المقدس جہاں شب معراج ہوئی تھی۔

دونوں جہانوں کے سردار خدا کی خدائی کے مختار، امت کے غم خوار، اللہ کے دلدار، عرشیوں کے آقا، فرشیوں کے داتا، سبز گنبد کے مکیں آقا شب معراج کے دولہا، سید العالمین مصطفی ﷺ مسجد اقصیٰ میں شب معراج میں تشریف لے گئے۔ کہا فرشتوں کے جھرمٹ میں گئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں نے جہاں ان کے پیچھے نماز پڑھی آج کل اسی مسجد اقصیٰ کے فرش پر یہودی مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں۔ جہاں رسول اللہ ﷺ کی جبین اقدس جھکی وہ جگہ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہو رہی ہے۔ پیر و مرشد نے کہا اچھا...... ہم کو تو معلوم ہی نہیں ہم تو اخبار بھی نہیں پڑھتے حضور بڑا غضب ہو رہا ہے...... کیا ہو رہا ہے؟ باہر کھڑے لوگ (جاہل مرید) کہہ رہے ہیں ہمارے حضرت بڑے متقی، پرہیزگار ہیں کیا تقویٰ ہے بھئی اخبار نہیں پڑھتے۔

سبحان اللہ! دنیا کے حالات سے بے خبر ہیں! حضرت کو پتہ نہیں کہ کشمیر کدھر ہے! فلسطین کہاں ہے! چیچنیا، بوسنیا اور فلسطین بیت المقدس کہاں ہے! رسول اللہ ﷺ کی امت کا ولی بے خبر نہیں بلکہ باخبر ہوتا ہے۔ قرآن کیا کہتا ہے میں قرآن سے پوچھتا ہوں۔ جاہل پیر سے نہیں پوچھنا چاہتا اس لئے کہ قرآن وسیلہ نجات ہے اس کا پڑھنا باعث برکت ہے اور اس پر عمل کرنا باعث نجات ہے قرآن کیا کہتا ہے؟ قرآن یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں! ایک دوسرے مسلمان کے حال سے باخبر رہو...... اچھا باخبر رہنا چاہئے...... اوہو...... کس طرح باخبر رہو، جس طرح ایک بھائی دوسرے بھائی کے حال سے باخبر ہوتا ہے۔ یہ بھائی اور بہن کا رشتہ بڑا نازک ہے اس کا جوڑنا فرض ہے اس کا توڑنا گناہ کبیرہ ہے اور سورہ محمد ﷺ میں ہے:

وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾

اور اپنے رشتے کاٹ دو یہی لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور انہیں حق سے بہرہ کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔

(پ۲۶، سورہ محمد: ۲۲۔۲۳) (ترجمہ کنز الایمان)

جس کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا قیامت کے دن بھی پوچھا جائے گا بہن بھائی کے رشتے کے بارے میں اس کو جوڑے رکھا یا توڑے رکھا سورہ محمد ﷺ میں ہے تم

پر لعنت ہو بے سبب، بے وجہ، بہت سے لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہن بھائی کے محترم رشتے کو توڑ دیتے ہیں جوڑتے نہیں...... تقویٰ اور پرہیزگاری کا سب سے بڑھ کر نمونہ یہ نہیں ہے کہ دنیا سے بے خبر رہا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ تھے جنتی تھے۔ جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی:

لو کان نبی بعد لکان عمر — عمر رضی اللہ عنہ میرے بعد نبی ہوتے لیکن نبوت ختم ہو گئی۔

• سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ مسجد نبوی میں بیٹھ کر بارہ سو میل دور نگاہِ فاروقی رضی اللہ عنہ دیکھ رہی تھی۔ تو فرمایا ساریہ اے ساریہ دیکھو وہ دشمن حملہ آور ہو رہا ہے تم پہاڑ کی اوڑھ میں چلے جاؤ۔ وائرلیس نہیں تھا۔ انٹرنیٹ نہیں تھا۔ ٹیلی فون نہیں تھا۔ یہ آواز فاروقی آواز محمدی تھی...... اس لئے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کچھ نہیں تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ، ابوبکر تھے، عمر رضی اللہ عنہ عمر تھے، عثمان رضی اللہ عنہ، عثمان تھے، علی رضی اللہ عنہ علی تھے۔ لیکن اب ابوبکر رضی اللہ عنہ دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بن گئے، عمر رضی اللہ عنہ دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بن گئے، عثمان رضی اللہ عنہ دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ بن گئے۔ علی رضی اللہ عنہ دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے تو ولی بن گئے...... یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے۔ یہ خطبہ جمعہ دے رہے ہیں۔ اور ساریہ سپہ سالار کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ مومن مومن کے حال سے باخبر ہوتا ہے جیسے بھائی بھائی کے حال سے باخبر ہوتا ہے۔ کون کہتا ہے اللہ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ — مسلمان مسلمان بھائی ہیں۔

(پ ۲۶، الحجرات: ۱۰) (ترجمہ کنزالایمان)

ایمان والے ایک دوسرے کے بھائی ہیں تم میں کوئی کالا نہیں کوئی گورا نہیں۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا اسود علی احمر الا بتقوی (الحدیث) — کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے کو فضیلت حاصل ہے۔ وہی افضل و

اعلیٰ ہے سب صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی کو دیکھو، تابعین کی زندگی میں دیکھو، ایمان والے ایک دوسرے کے کس طرح بھائی تھے۔ ایک دوسرے پر مال و جان نچھاور کرتے تھے۔ ایک دوسرے کے حال سے ہر وقت باخبر رہتے تھے اور جب ایک دوسرے کے حال سے بے خبر رہے۔ اور کیسے میں تو اخبار بھی نہیں پڑھتا مجھے معلوم نہیں چیچنیا کہاں ہے۔ کتنے مسلمان مرے ہیں۔ کتنے مسلمان شہید ہو گئے ہیں۔ ستر ہزار مسلمان کشمیر میں شہید ہو گئے اور درویش جاہل پیر کہتا ہے۔ اپنے حجرہ میں بیٹھ کر مجھ کو تو خبر نہیں مجھے تو معلوم نہیں میں تو اخبار نہیں پڑھتا میں تو سیاسی بات چیت نہیں کرتا۔ یہ سیاسی بات ہے! کیا مسلمانوں کے حال سے باخبر ہونا یہ سیاسی بات ہے؟ جاہل گدیوں پر بیٹھ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسند پر جاہلوں نے بیٹھ کر جنہوں نے علم دین حاصل نہیں کیا۔ قرآن شریف جن کو پڑھنا نہیں آتا وہ بیٹھ کر جاہل ایسے مسئلے بیان کرتے ہیں۔ اگر حکومت کے معاملات کرنا سیاست ہے تو بولو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے میں مسلمانوں کی ریاست قائم کیوں کی تھی؟ ابو جہل کی حکومت، نمبرداری مکہ میں ختم ہوئی۔ مکہ فتح ہوا اسلام کا بول بالا ہوا۔ یہ آج کل کے چودھویں صدی کے جاہل پیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ باخبر ہیں۔ اگر یہ سیاست ہے اور سیاست میں بیٹھنا پیسہ لگانا مسلمانوں کے حال سے باخبر رہنا۔ فلسطین میں دس ہزار سے زائد مسلمان ہو چکے ہیں۔ اس سے باخبر رہنا یہودیوں کے مظالم سے باخبر ہونا ستر ہزار مسلمان ہندوؤں نے کشمیر میں شہید کر دیئے ہیں۔ اس سے باخبر رہنا یہی اسلام ہے اور مسلمانی ہے اور تقویٰ ہے اگر وہ بے خبر ہے تو وہ مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بے خبر ہے۔ یہ تو امت واحدہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے ایک امت واحدہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سبحان اللہ...... میرے آقا حضور پرنور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المومن للمومن کلبنیان یشد بعضه بعضاً...او کما قال صلی اللہ علیه وآله وسلم

ایمان والوں کی مثال ایسی ہے جیسے عمارت میں مکان میں بلڈنگ میں پتھر اینٹیں لگی ہوئی ہیں۔ ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ ایسے ہی ایمان والے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے بغیر کام نہیں ہو سکتا۔ جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ مومنوں کی مثال آپس میں ایسی ہے

جیسے ایک جسم محبت میں مودت میں اخوت میں جیسے ایک جسم ہے جب جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم محسوس کرتا ہے ایسے ہی روئے زمین کے مسلمان غلامان مصطفی ﷺ ایک جسم ہے۔ کشمیر کے مسلمان کو تکلیف پہنچے، آپ بھی اس درد اور دکھ کو محسوس کریں اور اس کی اخلاقی مدد کے لئے تیار رہیں۔ جاہل پیر کہتے ہیں کہ ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے ہم تو مصلی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں ہم محراب میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہمارا کام صرف نمازیں پڑھنا ہے۔ ہمارا کام اللہ اللہ کرنا ہے۔ ہمارا کام حلقۂ ذکر کرنا ہے۔ ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر یہی بات ہے اور آپ ایسے ہی متقی ہیں تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں سیاست کی تھی جواب دو بھائی؟ ان جاہل لوگوں سے پوچھو پیر جی جواب دو۔ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کوئی ولی تھا؟ نہیں! یہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے تھے۔ یہ شہزادہ گلگوں قبا تھے۔ یہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کا نور تھے اور سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے دل کا سرور تھے۔ یہ امام حسین رضی اللہ عنہ گنبد خضریٰ کے زیر سایہ بیٹھے رہتے لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں نانا جان کا دین رسول اللہ ﷺ نے اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے خون سے اس دین کی آبیاری کی ہے۔ میں یزید کو اسلام کا درخت کاٹنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ انہوں نے اپنے خون سے اس کی آبیاری کی ہے۔ میں بھی خون دے کر درخت اسلام کو بچاؤں گا۔ شجر اسلام کو بچاؤں گا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سب سے بڑے حزب اختلاف کے رہنما تھے یا نہیں تھے۔ یزید کو چیلنج کر دیا۔ اب آج کے بے وقوف کہتے ہیں ہم کو پتہ نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ معلوم ہے نہیں ہے غیر سیاسی آدمی ہیں تو شاہ جی میں تو سیاسی ہوں ہی نہیں۔ وہ شاہ جی کو سبق پڑھا رہے ہیں۔ نورانی صاحب ہمارا تو سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تو دعا گو ہیں۔

سبحان اللہ! اگر وہ سیاسی نہیں ہیں سب عالم دین علماء دین اور تمام جتنے بھی سجادہ نشین اولیائے کاملین اگر یہ سیاسی نہیں ہیں تو پھر بتاؤ! اسلام کے درخت کی حفاظت کون کرے گا۔ اگر سب بیٹھ جائیں سب چھوڑ چھاڑ کے...... اور ہم سب بیٹھ جائیں چھوڑ چھاڑ کے درخت اسلام کی حفاظت ہم کو اس طرح کرنی ہوگی جیسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ ملک کا حال یہ ہے کہ چیزیں مہنگی ہوگئی ہیں۔ اتنی مہنگی ہوگئی ہیں کہ اب مرنا مہنگا ہوگیا ہے۔

اب تو گھبرا کے وہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اب گھبراہٹ ہوتی ہے روزگار نہیں ہے۔ بچہ بی اے کی ڈگری لئے پھر رہا ہے۔ روزگار نہیں ہے اور جو روزگار ہے اس کو گولڈن...... ایک نیا لفظ نکلا ہے یہ...... پہلے سننے میں نہیں آتا تھا یہ اب سننے میں آتا ہے۔ انگریزی کے نئے نئے لفظ نئی نئی ڈکشنری نکل رہی ہے پاکستان میں...... گولڈن اچھا۔ ہینڈ اچھا۔ شیک اچھا...... اب ایک سیدھا آدمی سوچتا ہے۔ کیا ہے یار گولڈن ہینڈ شیک کیا بلا ہے؟ کہا۔ بلا ہے کہ گھر جاؤ۔ یہ گولڈن ہینڈ شیک ہے۔ یہ بڑا سنہری ہاتھ ہے۔ بیروزگاری، مہنگائی سر پر کھڑی ہے۔ منہ کھولے ہوئے ہے عفریت کھڑا ہوا ہے وجہ کیا ہے؟ امریکہ کے کارندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ عالمی بینک ورلڈ بینک وجہ کیا ہے؟ آئی ایم ایف کیا مصیبت ہے؟ یہ روز روز نئے نئے نام سننے میں آتے ہیں اس کا ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کو سمجھنا پڑتا ہے۔ اس کی ڈکشنری دیکھی پڑتی ہے۔ IMF آئی مطلب کوئی بلا آ رہی ہے۔ اچھا انٹرنیشنل مانٹری فنڈ او...... ہو...... کیا کیا مصیبتیں ہیں سب پاکستان کے پیچھے لگ رہی ہیں۔ IMF پیچھے لگا ہوا ہے۔ انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ پیچھے لگا ہوا ہے۔ ورلڈ بینک پیچھے لگا ہوا ہے۔ پیرس کلب پیچھے لگا ہوا ہے۔ یہ سب پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اس کے پیچھے اور بھی کچھ لگے ہوئے ہیں۔

این جی اوز یہ غیر سرکاری تنظیمیں ہیں۔ یہ یہودیوں سے پیسے لے کر پاکستان میں کام کر رہی ہیں۔ ابھی بھی نہیں سمجھے این جی اوز ہوتی بھی ہے ہوتا بھی ہے کھوتی بھی ہے کھوتا بھی ہے کیا ہوتی ہے این جی اوز؟ دو بسوں میں بھر کر ساٹھ عورتوں کو لے کر شوہروں کو یہاں چھوڑ کر دہلی جاتی ہیں۔ نہیں سمجھے بولو بھائی سمجھ گئے یا نہیں؟ سمجھے این جی اوز کیا ہوتی ہے۔ وہ دہلی جاتی ہے وہ بھارتی فوج جس نے ستر ہزار مسلمانوں کو شہید کر دیا ہے۔ بھارتی فوج جس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ لاہور سے این جی اوز دہلی جاتی ہے۔ ان کو مٹھائی کھلاتی ہے اور ان کو ناچ بھی دکھاتی ہے اب سمجھ گئے این جی اوز یہ ہیں۔ این جی اوز آپ پوچھتے ہوں گے کہ این جی اوز کیا ہوتا ہے کھوتا کھوتی والی بات ہے۔ جب اسلام آباد میں پوری قوم جشن منا رہی تھی کہ آج ہم ایٹمی قوت بن گئے ہیں۔ کب کا ذکر ہے اٹھائیس مئی ۱۹۹۸ء کو اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو یہ عطیہ خداوندی ہے پاکستان یہ ۲۶ رمضان ستائیسویں شب، شب قدر میں اللہ نے ہمیں

عطا فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے غلاموں کو عطا فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی امت کو عطا فرمایا تھا۔ یہ پاکستان رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے۔ میں نے مانا کہ ہندوستان بڑا ملک ہے واقعی بڑا ملک ہے۔ رقبے کے لحاظ سے آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کے پاس امریکہ کی سرپرستی میں یہودیوں اور روس کی سرپرستی میں بہت ہتھیار ہیں۔ ایٹمی قوت ہے تو پھر کیا ہوا پاکستان ایک چھوٹا ملک ہے اچھا ارے تم تو کہتے ہو کہ پاکستان چھوٹا ملک ہے اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ اللہ بہت بڑا ہے اگر ہندوستان بڑا فوج بڑی رقبہ بڑا۔ تو اللہ سب سے بڑا یہ کیا کہتا ہے اب مسلمانوں سے فرماتا ہے۔ قرآن پڑھو قرآن سنو!

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝

(پارہ ۳، آل عمران:۲۶)

یوں عرض کر! کہ اے اللہ ملک کے مالک، تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

اللہ مالک الملک ہے......جس کو چاہے ملک دے دے۔ ہندوستان ہمیشہ باقی نہیں رہے گا۔ لیکن اللہ کا دیا ہوا پاکستان باقی رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ یہ شب قدر میں رسول اللہ ﷺ کی امت کو عطا ہوا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس ملک کی بہترین کے لئے سائنسدان کی ٹیم بھیج دی۔ سیاستدان پیسے لے رہے تھے۔ کوئی ۱۰٪ ٹین پرسنٹ......نہیں سمجھے! سمجھ گئے۔ کمیشن! ٹین پرسنٹ سے بڑھتے بڑھتے سینٹ پرسینٹ ۱۰۰٪ سو فی صد کمیشن یعنی ۱۰ سے لے کر ۱۰۰ تک پہنچ گئے۔ سیاست دان کمیشن کھانے میں لگے ہوئے تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس ملک کی حفاظت کا انتظام کیا۔

پاکستان نے ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو دھماکہ کیا۔ پاکستان کے دشمن پریشان ہو گئے۔ این جی اوز کے پیٹ میں درد شروع ہوگیا۔ کیونکہ این جی اوز کو پیسہ ملتا ہے۔ یہودیوں سے عیسائیوں سے......جب اسلام آباد میں دھماکے کی خبر اڑگئی تو این جی اوز نے اسلام آباد میں دوسرے دن جلوس نکالا اور جلوس میں ایٹمی سائنسدانوں کا جنازہ نکالا۔ ڈاکٹر عبد القدیر خان کا جنازہ نکالا۔

پاکستان کا ایٹمی پروگرام زندہ باد۔ یہ مسلمان کہتے ہیں اور این جی اوز کہتے ہیں۔ ایٹمی پروگرام مردہ باد۔ بولو! یہ بولی کس کی ہے۔ یہ یہودیوں اور عیسائیوں کی بولی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ایٹمی قوت ہو۔ آپ سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کچھ بیان نہیں کیا۔ اس میں تو ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ فرمایا:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ

(پارہ ۱۰، الانفال: ۶۰)

اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ۔

(ترجمہ کنز الایمان)

تم اپنے دشمنوں کے لئے ہر قسم کا ہتھیار تیار رکھو۔ معلوم ہوا ایٹمی قوت بنو۔ تیار رہو۔ جو استطاعت میں ہے تمہاری قوت میں ہے وہ تم ہتھیار بنا سکتے ہو۔ مسلمانوں تم بناؤ۔ تا کہ اللہ کے دشمنوں پر رعب ڈال سکو۔ یہ تو قرآن فرماتا ہے این جی اوز کیا کہتی ہیں۔ ایٹم بم مت بناؤ جس نے ایٹم بم بنایا اس کا جنازہ نکالو۔ اسلام آباد میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا جنازہ نکال دیا۔ پتلا جلا دیا۔ واجپائی کا پتلا نہیں جلایا۔ ہندوؤں کا پتلا نہیں جلایا۔ عیسائیوں، یہودیوں کا کلنٹن کا پتلا نہیں جلایا۔ اسلام دشمنوں کا پتلا نہیں جلایا۔ اور اگر پتلا جلایا تو اس کا جلایا جس نے اسلام کی مسلمانوں کی پاکستان کی حفاظت کی۔ یہ سب ہے این جی اوز۔ این جی اوز یہودیوں سے پیسہ لیتا ہے اور لیتی ہے۔ پھر یہودیوں کے کہنے پر ہندوؤں کے سامنے ناچتی ہے وہ جنازہ نکالتا ہے پتلا جلاتا ہے۔ یہ ناچتی ہے ہندوؤں کو خوش کرتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ پاکستان کی حفاظت فرمائے کوئی مایوس ہونے والی بات نہیں! تو میں عرض کر رہا تھا۔ بات یہاں سے چلی تھی کہ حضور پرنور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت امتِ جہاد ہے۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے میدان میں جہاد کیا۔ سلطان الہند ولی الہند خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کا وصال بھی رجب میں ہوا۔ جنہوں نے حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ؎

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

اللہ تعالیٰ تمام اولیائے کاملین کے آستانوں کو سلامت رکھے جو فیض کا ذریعہ ہیں یہ ہمارے روحانی مراکز ہیں۔ اولیاء اللہ کے آستانوں سے ایمان کی بیٹری چارج ہوتی ہے۔ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ اجمیر میں رہتے ہیں آپ نے رات جناب شہاب الدین غوری کو خواب میں افغانستان میں فرمایا۔ وہ افغانستان میں غور میں ارو یہ ہندوستان میں اجمیر میں رہتے تھے۔ اجمیر شریف اور افغانستان کا فاصلہ ڈھائی ہزار میل کا ہے۔ شہاب الدین غوری غور میں سو رہا تھا۔ ادھر خواجہ اجمیری صوفی بزرگ اجمیر میں تھے۔ اب دیکھو ہندوستان کہاں ہے افغانستان کہاں ہے! اجمیر کہاں ہے غور کہاں ہیں؟ خواجہ اجمیری نے فرمایا! شہاب الدین ادھر آؤ! جہاد کے لئے تیاری کرو۔ شہاب الدین ہندوستان کا تاج وتخت الٹ دو! صبح ہوتی ہے شہاب الدین غوری گھوڑے تیار کرتا ہے لشکرِ اسلام کو ترتیب دیتا ہے۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

وہ مجاہدین اپنے گھوڑے لے کر تیار ہو کر دہلی کی طرف دوڑتے ہیں۔ پرتھوی راج کی سلطنت کے پرخچے اڑا دیئے۔ دہلی میں ہندوؤں کا قتل عام کیا اور ان کی فوج میں جو ہاتھی تھے ان کا قتل عام کیا اور دہلی پر .... **لاالٰہ الااللہ محمد الرسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچم لہرایا۔ یہ ہیں متقی اور پرہیزگار معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ متقی اور پرہیزگار تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سید المتقین، سید المجاہدین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں زندگی میں بندگی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس ملک میں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نافذ کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے اور آستانہ عالیہ ہمدم کو تاقیام قیامت شاد وآباد رکھے۔ (آمین ثم آمین)

(خطاب بموقع عرس علامہ ہمدم رحمۃ اللہ علیہ، بشکریہ: صاحبزادہ حاجی محمد بلال خان عرفانی)

(۱۴ اکتوبر ۲۰۰۰، ۱۴ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ)

سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ فقر و تصوف

صاجزادہ خورشید احمد گیلانی

برصغیر پاک وہند کے نہایت ممتاز معروف اور مقبول عوام وخواص بزرگان دین اور صوفیاء میں حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک نمایاں اور محترم مقام حاصل ہے۔ تصوف پر لکھی جانے والی عربی زبان کی پہلی کتاب شیخ حارث المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الرعایہ ہے فارسی میں یہ تقدم اور فوقیت کشف المحجوب کو حاصل ہے جو حضرت مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور تصوف کے مآخذ میں اس کتاب کو سند کا درجہ حاصل ہے، جس طرح حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر زمانہ حال کے کسی صاحب علم اور باعمل صوفی نے فقر وتصوف پر اپنا اپنا نقطہ نظر بیان کیا اور یہ نقطہ قرآن وحدیث کی روح کے قریب تر ہے۔ اسی طرح صاحب کشف المحجوب نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب میں اس پر بحث کی ہے اور بڑے خوبصورت اور روح پرور پیرائے میں فقر کی وضاحت اور تصوف کی تشریح کی ہے۔

عرفِ عام کے مطابق اور لغوی مفہوم کے اعتبار سے تو فقر محتاجی، غربت اور تنگدستی کا مترادف ہے جب کہ صوفیاء کے ہاں یہ ایک ایسا مقام ہے جب اس پر کوئی بندہ فائز ہوتا ہے تو اس کے نزدیک سونے کی ڈلی اور مٹی کے ڈھیلے میں چنداں فرق نہیں رہتا اور وہ خدا کا اس قدر محتاج ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس طرح تصوف کے بارے میں عام خیال یہی ہے کہ یہ اوراد و وظائف، چلہ کشی، تسبیح گردانی اور کشف وکرامت کے چرچے کا نام ہے جب کہ قدیم اور حقیقی صوفیاء کے نزدیک تصوف قال نہیں ایک حال ہے جو بندے پر وارد ہوتا ہے۔ جس سے اس کے ظاہر وباطن کا تضاد دور ہو جاتا اور قلب و دماغ تزکیہ وطمانیت کا مرکز بن جاتا ہے۔

مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فقر وتصوف کو کس نظر سے دیکھا، یہ بیان کرنے سے پہلے چند ائمہ تصوف کی آراء سامنے آجائیں تو بات زیادہ واضح اور وقیع ہو جائے گی۔

شیخ ابو بکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب انسان حقیقی طور پر اللہ کا محتاج ہو جاتا ہے تو پھر وہ حقیقی طور پر غنی باللہ ہو جاتا ہے۔"

شیخ ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی نفیس اور خوبصورت بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں:

"دنیا و آخرت دونوں جہان میں فقیر کے لیے خوشخبری ہے۔ تو اس نے وجہ پوچھی تو فرمایا اس لیے کہ دنیا میں اس سے بادشاہ خراج نہیں لیتا اور کل قیامت میں خدا اس کا حساب نہیں مانگے گا۔"

شیخ ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

"مجھے اگر اللہ تعالیٰ غنی کر دے تو میں غافل ہونے کے بجائے اس کا شکر ادا کروں گا۔ اور اگر وہ مجھے فقیر بنا دے تو حریض اور منہ پھیرنے والے کے بجائے میں صبر کروں گا۔"

یہ تو فقر اور فقیر کے بارے میں صوفیاء کبار کی چند آراء تھیں۔ اب ملاحظہ کیجئے کہ تصوف کیا ہے؟

شیخ ابو الحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"تصوف کیا ہے؟ تمام حظوظِ نفس کا ترک کر دینا۔"

شیخ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

"حق تعالیٰ کا مطیع فرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے۔"

شیخ ابو علی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے:

"تصوف اچھے اخلاق کو کہتے ہیں۔"

شیخ سمنون کی فلسفہ آمیز رائے ملاحظہ کیجئے:

"تصوف کیا ہے؟ تصوف یہ ہے کہ کسی چیز کا مالک نہ بنے اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک بنے۔"

حضرت شیخ ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ کا روح پرور جملہ:

"خالی ہاتھ دل کی خوشی کا نام تصوف ہے۔"

حضرت سید علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی لازوال اور شہر آفاق کتاب "کشف المحجوب" میں اثباتِ فقر کے عنوان کے باقاعدہ ایک باب قائم کیا اور تصوف پر بحث کی ہے۔

فقیر کون ہے؟ کے عنوان کے تحت آپ لکھتے ہیں:

"فقیر وہ ہے جس کی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو اور کسی چیز کے حاصل ہونے سے اسے کوئی فرق نہ پڑے وہ اسبابِ دنیا کے موجود ہونے سے اپنے آپ کو غنی نہ سمجھے اور ان کے نہ ہونے سے اپنے آپ کو محتاج نہ جانے، اس کی نظر میں اسباب کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔"

آپ نے آگے چل کر ایک بادشاہ اور درویش کا مکالمہ نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

"ایک درویش سے بادشاہ کی ملاقات ہوئی، بادشاہ نے کہا مجھ سے کچھ مانگو، درویش نے کہا میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ مانگنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ بادشاہ کو اس جواب پر قدرے غصہ اور تعجب ہوا اور پوچھا جناب میں آپ کے غلاموں کا غلام کیسے ٹھہرا؟ اس درویش نے بڑے اطمینان سے جواب دیا، حرص اور امید یہ دونوں میرے غلام ہیں اور تم حرص اور امید کے غلام ہو۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ بڑی معنی آفرین اور خوبصورت بات ارشاد فرمائی ہے۔ کشف المحجوب میں اثباتِ فقر کے باب میں رقمطراز ہیں:

"امراء صاحبِ صدقہ ہوتے ہیں اور فقراء صاحبِ صدق، اور صدقہ ہرگز صدق کے برابر نہیں ہوسکتا پس درحقیقت فقرِ ایوب علیہ السلام غنائے سلیمان علیہ السلام سے کسی صورت کم نہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو صبر کا عظیم مظاہرہ فرمانے پر "نعم العبد" یعنی بندۂ خوب کہا ٹھیک اسی طرح سلیمان علیہ السلام کو ملک وہ حکومت ملنے پر بھی "نعم العبد" فرمایا جب خدائے رحمان کی رضا حاصل ہوگئی تو فقرِ ایوب علیہ السلام اور غنائے سلیمان علیہ السلام میں کچھ فرق نہیں رہا۔

تصوف کے حوالے سے بھی کشف المحجوب میں بڑی مفصل بحث اور بھرپور رہنمائی ملتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اہل تصوف کی تین اقسام بیان کی ہیں۔(۱)۔صوفی، (۲) متصوف، (۳) مستوصف۔ان کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ صوفی وہ ہے جو اپنے وجود سے فانی ہو کر حق کے ساتھ باقی ہو گیا ہو، طبعی خواہشات اور ان کے تصرف سے آزاد ہو کر حقیقت الحائق کے ساتھ مل گیا ہو۔

۲۔ متصوف وہ ہے جو مجاہدے کے ذریعے اس مقام کے لیے کوشاں ہے اور راہِ حقیقت کی تلاش میں اپنے آپ کو صوفیاء کے طریقے پر کاربند رکھتا ہو۔

۳۔ مستوصف وہ ہے جو دنیوی مال و متاع کے حصول اور جاہ و منصب کی لالچ میں صوفیاء کی نقالی کر رہا ہو اسے نہ تو اوپر والے دونوں گروہوں سے تعلق ہوتا ہے اور نہ اسے طریقت کے بارے میں کوئی آگہی حاصل ہوتی ہے۔ مشائخ کرام نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے متوصف صوفیاء کے نزدیک ذباب یعنی مکھی کی مانند ہے اور غیر صوفیاء (عوام) کے لیے وہ زیاب یعنی بھیڑیے کی طرح ہے۔

عرس اور آدابِ حاضری

مولانا حافظ نذیر احمد نوری

کچھ ایام اور تاریخیں ایسی ہوتی ہیں، جن کو قرآن کریم نے ایام اللہ کہہ کر ذکر کیا ہے۔ لوگوں کو ان کا شدت سے انتظار ہوتا ہے اور ان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ کاش وہ ایام ان کی زندگی میں عجلت سے آئیں۔ ان میں ایک دن حرمت والے چار مہینوں میں سے ماہ رجب المرجب کا ہے۔ رجب المرجب کی یکم تاریخ، اہل سلسلہ نوریہ کے لیے عید سے بڑھ کر خوشیاں لاتی ہے، کیونکہ اس تاریخ کو حضور قبلہ فقیہ اعظم مولانا علامہ الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ قادری نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس اور دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کا سالانہ جلسہ دستار فضیلت ایک ساتھ منعقد ہوتا ہے، جس میں شمع نور کے نوری پروانے، اپنے ذوق کی تکمیل کے لیے اپنی مصروفیات، کاروبار اور موسم کی شدت کے باوجود دور دراز سے بڑے شوق سے شرکت کر کے روحانی غذا سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ موجودہ مادہ پرستی کے دور میں بزرگان دین کا وجود، وہ نعمت عظمیٰ ہے، جن کے پاس حاضری دلوں کو غفلت کی نیند سے جگا کر روحانی و ایمانی حلاوتوں اور لذتوں سے سرشار کرتی ہے اور ان کی نگاہ سے انسان اپنے قلب و روح میں ایک نورانی تبدیلی محسوس کرتا ہے۔ اہل اللہ نے ایمان کی حقیقت اور روح سے لوگوں کو آشنا کرنے کے لیے مختلف طریقے اپنائے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو جمع کر کے ان کے دلوں میں مصطفوی انقلاب برپا کرنے کے لیے مخصوص دن مقرر کیے ہیں، جنہیں عرف عام میں عرس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

عرس کا مفہوم:

عرس عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی شادی، خوشی اور مسرت کے ہیں، اس لیے عربی میں دولہا کو عریس اور دلہن کو عروس کہا جاتا ہے۔ اولیاء اللہ کی تاریخ وصال کو عرس کہنے کی اہل بصیرت نے کئی وجوہات بیان کی ہیں۔

اولاً:

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ جب قبر میں نکیرین، صاحب قبر کا امتحان لیتے ہیں اور وہ اس میں کامیابی حاصل کرتا ہے تو فرشتے اسے کہتے ہیں کہ اب تو اس عروس (دلہن) کی طرح سو جا، جس کو اس کے محبوب [illegible] اور کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ چونکہ فرشتوں نے لفظ عروس استعمال کیا ہوتا ہے، اس مناسبت سے اس مردِ مومن کی تاریخ وصال کو عرس کہا جاتا ہے۔

ثانیاً:

قبر کی رات پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسین رخِ زیبا کو دیکھنے کی رات ہے اور کائنات میں دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر بھلا اور کون سی نعمت ہے، جس کے حصول پر خوشی حاصل ہو۔

لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف
خرمن عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائیں گے

یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام سکراتِ موت سے بالکل خوف زدہ نہیں، بلکہ اسے محبوبِ حقیقی کا تحفہ سمجھ کر سینے سے لگا لیتے ہیں۔

اور کیوں نہ ہو کہ موت تو ایک پل ہے، جس پر سے گزر کر محب اپنے محبوب کے جلوؤں سے فیض یاب ہوتا ہے۔ مولانا آسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسیؔ
قبر کی رات ہے اس گل سے ملاقات کی رات

نتیجہ یہ نکلا کہ چونکہ غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن وصال محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزے لوٹتے ہیں اور اپنی عروسی نیندوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اس لیے اس دن کو یوم العروس یعنی شادی کا دن کہتے ہیں۔

ماثبت بالسنہ میں شیخ محقق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس دن اولیائے کرام بارگاہ محبوب میں پہنچتے ہیں، اس دن تمام دنوں سے زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی امید ہے۔ اس لیے مشائخ عظام خاص اس دن مزارات پر اجتماعی صورت میں حاضر ہو کر اوراد و

وظائف، صدقات وخیرات اور تلاوت کرتے ہیں اور صاحب مزار سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

قبروں کی زیارت کے لیے تاریخ اور دن کا مقرر کرنا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے، چنانچہ تفسیر کبیر میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر سال کے شروع میں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی یونہی کیا کرتے تھے۔

اہل اللہ دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اپنے مزارات میں نہ صرف حاضرین و زائرین کے کلام کو سنتے ہیں، بلکہ انہیں دیکھتے اور پہچانتے ہیں اور ان کی مدد بھی کرتے ہیں، کیونکہ ان کی روحیں وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہیں اور ان سے حیات ظاہری سے بھی زیادہ تصرفات صادر ہونے لگتے ہیں، وہ جہاں چاہتے ہیں، چلے جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ صاحب ایمان کی جب جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی قید خانے میں تھا، اب اسے نکال دیا گیا ہے اور وہ زمین میں آزادی سے گھومتا پھرتا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جب اولیاء اللہ انتقال کرتے ہیں تو وہ اپنے بدنی علائق کو منقطع کر کے ملائکہ کے ساتھ مل جاتے ہیں اور جس طرح فرشتے آدمیوں کے دل میں نیک باتوں کا القا کرتے ہیں، یہ لوگ بھی کرتے ہیں۔ کبھی یہ پاک روحیں کفار سے جہاد کے وقت مسلمانوں کی امداد کرتی ہیں اور کبھی بنی آدم سے اس لیے قریب ہوتی ہیں کہ ان پر افاضۂ خیر فرمائیں۔

ان احادیث اور مشائخ وعلماء کے عمل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ والوں کا یوم وصال ان کے لیے دلہن بننے کا دن ہوتا ہے، اس لیے اس دن کو عرس کا دن کہتے ہیں اور عرس کے جائز اور مستحسن ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اتفاق رہا ہے۔

عرس کا مقصد:

عرس ایک خالص دینی و روحانی اجتماع ہوتا ہے، اس کا مقصد صرف اور صرف انسان کی روحانی ترقی ہوتا ہے، چونکہ انسانی جسم و روح، دو چیزوں کا مرکب ہے اور جسم کی نشوونما کے لیے تو ہر انسان دن رات کوشاں رہتا ہے، جب کہ روح جو اس جسمانی گاڑی کو چلاتی

ہے، اس کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر وقفوں کے بعد گاڑی کو اوور حال نہ کروایا جائے، تو وہ خطروں کا باعث بن جاتی ہے۔ بعینہٖ انسان کی روح کو گاہے گاہے، پاکیزہ اور مضبوط بنانے کا انتظام نہ کیا جائے وانسان درندہ بن جاتا ہے۔ عرس ایک ورکشاپ کا کام کرتا ہے، جہاں انسانی مشین کے انجن یعنی روح کی میل کچیل اتارنے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ عرس کوئی تفریحی میلہ نہیں، بلکہ ذکر وفکر، تعلیم اور تلقین کی پاکیزہ محفل کا نام ہے، جس کی افادیت اور اہمیت سے وہ لوگ بھی انکار نہیں کر سکتے، جو اس پر اعتراض کرتے ہیں۔

عرس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے بندوں کا تعلق، مالک حقیقی سے جوڑنا اور لوگوں کے دلوں میں پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت اور اظہار کا جذبہ بیدار کرنا ہوتا ہے۔ صحیح عرس تو اہل محبت و عقیدت کا ایک روح پرور اجتماع ہوتا ہے، جہاں سے علم و ہدایت اور معرفت و عرفان کے چشمے پھوٹتے ہیں اور مختلف قسم کے اعمال، اذکار اور عبادات کے طریقے نہایت نظم کے ساتھ مرتب کیے جاتے ہیں، جس سے طالب اپنے ذوق کی تسکین حاصل کرتا ہے۔ عرس ایک ریفریشر کورس ہوتا ہے، جس سے دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے، روح کی لطافت میں اضافہ ہوتا ہے اور روح کی پرواز کی رفتار بڑھتی ہے اور بندے کا تعلق اپنے خالق حقیقی سے مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔ عرس میں شریک ہونے والے نہ صرف خود اپنے دلوں کو معرفت کے نور سے منور کرتے ہیں، بلکہ واپس جا کر اپنے گھروں، محلوں اور آبادیوں میں پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ ایسے عرس نہ صرف مبارک ہیں بلکہ اس دور میں بڑی غنیمت ہیں اور دین کی سربلندی کا ذریعہ اور تواصوا بالحق کا اہم وسیلہ ہیں۔

عرس کی خصوصیات جو بزرگوں نے بیان فرمائی ہیں، لاتعد ولاتحصیٰ ہیں، تاہم چند ایک کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں، جن پر عمل پیرا ہو کر ہم عرس کے انوار سے اپنے قلب و روح کی کھیتیوں کو رحمت و بخشش کی بارش سے سیراب کر سکتے ہیں۔

خلوصِ نیت:

عرس کی مقدس تقریب میں شامل ہونے والے ہر شخص کو اپنی اصلاح و تربیت کی غرض سے اپنے گھر سے روانہ ہونا چاہیے اور عرس کو اپنی روحانی تربیت کا ذریعہ سمجھنا چاہیے اور

ہمہ وقت اس بات کی کوشش اور فکر کرنی چاہیے کہ عرس اس کے انداز فکر و عمل کی اس تبدیلی کا ذریعہ بن جائے، جس کے نتیجہ میں وہ سچا باعمل انسان بن جائے اور عرس سے واپسی کے بعد ان کی عبادات، تجارت اور معاشرت ایسی ہو کہ اسے اسلامی کہا جا سکے۔

عرس کے موقع پر ہر مرید کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور واپس جا کر بھی اسے حساب لگانا چاہیے کہ اس سفر کا مقصد کس حد تک پورا ہوا ہے اور کیا اس نے آنے اور جانے کو ہی تو سب کچھ نہیں سمجھ لیا۔

عقیدت و ارادت:

مرید کو اپنے پیر کی کاملیت پر پورا یقین ہو، وہ اپنے پیر کی ہر بات کو اپنی اصلاح کا ذریعہ سمجھے۔ اپنے شیخ کا کوئی ارشاد یا عمل سمجھ آئے یا نہ آئے، اسے اس پر عمل کرنا چاہیے اور اپنی طرف سے اعتراض، نکتہ چینی یا طبیعت میں قبض نہیں کرنا چاہیے۔ بقول حافظ شیرازی:

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

قطب ربانی محبوب سبحانی حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ مرید پر شیخ کی ظاہری و باطنی مخالفت اور اعتراض کا ترک واجب ہے، جو اپنے شیخ پر اعتراض کرتا ہے، وہ اپنے نفس کو ہلاکت پر آمادہ کرتا ہے، لہٰذا مرید کو اپنے پیر کے مقابلہ میں ہمیشہ نفس کا دشمن رہنا چاہیے۔ نیز فرمایا کہ مرید اپنے شیخ کو سب سے بہتر جانے اور اس کی مخالفت سے ڈرے کہ یہ زہر قاتل ہے اور شیخ سے اپنے احوال و اسرار کو نہ چھپائے۔

حضور خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید اپنے شیخ کے فرمان سے ذرہ بھر تجاوز نہ کرے، کیونکہ شیخ اپنے مرید کو سنوار کر کمال تک پہنچاتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اپنے شیخ کی موجودگی اور عدم موجودگی میں یکساں خدمت کرنی چاہیے، بلکہ بعد از وصال شیخ، اس کی ظاہری زندگی سے بھی زیادہ خدمت کرے۔

پیر کی پسند مرید کی پسند ہو، پیر کی ہر خواہش کا احترام کرنا، مرید کے لیے ضروری ہے۔
یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ اہل اللہ نہ تو لمبے چوڑے وعظ کرتے ہیں اور نہ حاکم کی طرح حکم

دیتے ہیں، وہ تو چند لفظوں میں اپنے دل کی بات کہہ جاتے ہیں۔ اب مرید کا فرض ہے کہ وہ پیر کی محفل میں بیٹھے تو ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھے۔ اپنے شیخ کے ارشادات کو غور سے سنتا جائے اور اپنے اندر کی خامیوں کی اصلاح کا عزم صمیم بھی کرتا جائے۔

ادب واحترام:

مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیر و مرشد کا ماں باپ سے بھی زیادہ احترام کرے اور شیخ پر اپنی ضروریات پیش کرنے میں ادب و احترام اور وقت و موقع کی رعایت رکھے اور جب شیخ کو اپنی طرف متوجہ اور بات سننے کے لیے آمادہ پائے تو ذکر کرے، ورنہ خاموش رہ کر انتظار کرے۔ شیخ کی بارگاہ میں دوزانو بیٹھے، شیخ پر اپنا کوئی احسان نہ سمجھے، بلکہ اس کا احسان جانے کہ اس نے اسے اپنی بارگاہ میں قبول کر لیا اور رد نہیں کیا۔ جب شیخ کی بارگاہ میں حاضری دے کر واپس آئے تو الٹے پاؤں لوٹے۔ شیخ کے آتے جاتے وقت ایسے کھڑا ہو کہ تعظیم سے بڑھ کر اظہار عاجزی ہو۔ شیخ کی خدمت میں آتے اور جاتے وقت ادب و احترام کو ملحوظ رکھے اور یہ یقین جانے کہ جو کچھ مجھے حاصل ہو رہا ہے، وہ شیخ کے طفیل مل رہا ہے۔ شیخ کے مزار مبارک اور گھر بار کا بھی ادب کرے۔ مزار مبارک پر حاضر ہو کر شیخ کو اپنے بدن اور روح کی طرح تصور کرے اور ایسے رہے جیسے نو آموز طالب ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ شیخ کے پاس ہوتے ہوئے کسی کی طرف توجہ نہ کرے، خواہ ابدال اور اوتاد سے ہی ملاقات کیوں نہ ہو اور شیخ کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ رہے۔ جب شیخ کے مزار کی حاضری کو جائے تو نزدیک پہنچ کر نہ زیادہ تیز چلے اور نہ آہستہ، بلکہ درمیانی رفتار سے چلے۔ فاتحہ پڑھتے وقت منہ شیخ کی طرف ہو اور واپس ہوتے وقت کم از کم تین قدم الٹے پاؤں چلے۔

علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی اپنے شیخ کی مجلس میں حاضر ہوتا، تو اس روز روزہ رکھتا اور پھر غسل کرتا اور بعض اوقات تو میری یہ حالت ہوتی کہ اگر سوئی بھی چبھو دی جائے تو محسوس نہ ہو۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک عرصہ تک حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ ایک دن امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، بایزید! ذرا طاق سے کتاب اٹھاؤ، عرض کی، حضور

طاق کہاں ہے؟ فرمایا، اتنا عرصہ گزر گیا، ابھی تک طاق کا پتہ نہیں۔ عرض کی، حضور مجھے تو آپ کی زیارت ہی سے فرصت نہیں، طاق کا خیال کیسے رکھوں؟

حضرت ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ حصول فیض کے لیے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر، نماز عشاء خرقان میں ادا کر کے بسطام آتے اور نماز فجر اسی وضو سے واپس خرقان میں ادا کرتے اور یہ سلسلہ عرصہ بیس سال تک چلتا رہا اور ایک دن بھی ناغہ نہ ہوا۔ مزار پر بڑے ادب سے کھڑے رہتے اور واپسی پر تمام راستہ مزار مبارک کی طرف پیٹھ نہ کرتے۔ وصال کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میری قبر تیس گز گہری کھودنا، کیونکہ خرقان کی زمین بسطام کی زمین سے تیس گز اونچی ہے اور یہ بے ادبی ہے کہ میری قبر بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے اونچی ہو۔

یہ چند مثالیں اس لیے عرض کی ہیں کہ سوائے ادب و احترام کے کوئی بھی بلند مقام پر فائز نہیں ہو سکتا، اس لیے مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کے ادب و احترام میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔ اپنی آواز کو مرشد کی آواز سے بلند نہ کرے اور نہ ہی اپنے شیخ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے اور اپنے شیخ کے آگے نہ چلے۔ اگر بارگاہ شیخ میں بیٹھنے کے چند لمحات خوش بختی سے میسر آ جائیں، تو غنیمت سمجھتے ہوئے باادب بیٹھے۔ علاوہ ازیں اپنے دوسرے پیر بھائیوں کے ادب و احترام کا بھی خاص خیال رکھے۔

پاکیزگی:

عرس کے دوران باوضو رہنے کی کوشش کرے، تمباکو نوشی سے اجتناب کرے، زبان کو فحش گوئی اور غیبت جیسی چیزوں سے آلودہ کرنے کی بجائے ذکر سے تر رکھے اور اس حاضری کو تفریح یا پکنک نہ سمجھے۔ یہ نہ ہو کہ ادھر عرس کی مقدس تقریبات میں شرکت کا اعلان کیا جا رہا ہو اور یہ دکانوں پر بیٹھا چائے کے بہانے خوش گپیوں میں مصروف ہو۔ یہ بات ہمیشہ قلب و ذہن پر نقش ہو جائے کہ شیخ کی محفل میں حاضری، خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

هم قوم لا يشقى بهم جليسهم — یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین خدا کی رحمت سے محروم نہیں رہتا۔

بلکہ پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا او نشیند در حضور اولیاء
جو شوی دور از حضور اولیاء در حقیقت گشتہ دور از خدا
یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

"جو شخص خدا کی ہم نشینی یعنی قرب چاہتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ اولیاء اللہ کے حضور میں بیٹھے۔ جب تو اولیاء اللہ کے حضور سے دور ہو جائے تو یقین کر لے کہ تو خدا سے دور ہو گیا۔ اولیاء اللہ کی ایک دم کی صحبت سو سال کی بے ریا عبادت سے افضل ہوتی ہے۔"

پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے بے سمجھ لوگوں کے لیے جو انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کو اپنے حال پر قیاس کرتے ہیں، چند مثالیں بیان فرمائی ہیں، جن کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ پاک لوگوں کے معاملہ کو اپنے پر قیاس نہ کرو۔ شیر اگرچہ لکھنے میں شِیر (دودھ) کا ہم شکل ہوتا ہے مگر دونوں میں بڑا فرق ہے۔ شیر وہ ہے جو آدمیوں کو پھاڑ کھاتا ہے اور شِیر (دودھ) وہ ہے، جسے آدمی پیتے ہیں۔ اس غلط قیاس سے لوگ گمراہ ہو گئے کہ ہم بھی انسان اور یہ بھی انسان او رہم دونوں کھانے، سونے اور دیگر بشری تقاضوں کے پابند ہیں۔ پھر فرق کیا ہوا؟

نیز فرماتے ہیں کہ بھڑ اور شہد کی مکھی نے ایک ہی جگہ سے پھولوں اور شگوفوں کا رس چوسا مگر ایک سے زہر (ڈنگ) اور دوسری سے شہد پیدا ہوا۔ نیز دونوں ہرنوں نے ایک ہی جنگل میں ایک ہی طرح کی گھاس چری اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیا لیکن ایک سے مینگنیاں بن گئیں، جب کہ دوسری سے خالص کستوری حاصل ہوئی۔ پھر فرمایا کہ گنا اور بانس ایک قسم کی فضا اور آب و ہوا میں نشو و نما پاتے ہیں اور ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، لیکن ایک کھوکھلا اور دوسرا شکر یعنی رس سے بھرا ہوا ہے۔

عرس سے واپسی:

عرس سے واپس جاتے وقت اس بات کا ضرور جائزہ لیجئے کہ آپ نے جس مقصد کے لیے عرس پاک کی اس مقدس تقریب میں شرکت فرمائی، وہ کہاں تک حاصل ہوا؟ کیا آپ نے عرس کی انتظامیہ کی بھی اطاعت کی؟ جو کام آپ کے سپرد ہوا، کیا آپ نے اسے احسن طریقے

سے سرانجام دیا؟ جو آپ کو حکم ملا، کیا اس پر فوراً عمل پیرا ہوئے؟ کیا آپ نے لنگر کی تقسیم کے وقت پورے صبر اور نظم وضبط کا مظاہرہ کیا؟ کیا آپ نے دوسروں کی خدمت کو اپنا شعار بنایا؟

مجھے ایک دفعہ عرس شریف سے واپسی پر ایک دوست نے پوچھا کہ عرس میں شمولیت میں پہلی اور بعد کی حالت میں آپ کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟ ذرا آپ بھی اس سوال کو ذہن میں رکھیں کہ عرس شریف سے واپسی کے بعد آپ سے یہی سوال کیا جائے، تو آپ کیا جواب دیں گے؟

اگر عرس میں شمولیت کے بعد بھی آپ کے معمولات زندگی میں فرق نہیں آیا، کاروبار دنیا میں حقوق العباد کو خلوص نیت پورا کرنے کی ترغیب نہیں ہوئی، حقوق اللہ کی طرف پورا پورا رحجان نہیں ہوا اور اپنے فرائض منصبی کو دیانت داری اور نیک نیتی کے ساتھ ادا کرنے کا ولولہ پیدا نہیں ہوا، تو یقین جانیے کہ آپ کی شمولیت سے جو وقت اور پیسہ خرچ ہوا، وہ ضائع گیا اور عرس سے جو فیوض و برکات حاصل ہونی چاہیے تھیں، وہ نہیں ہوئیں اور جیسے آئے تھے، ویسے ہی واپس چلے گئے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اپنے شیخ کے مشن کے لیے تن، من، دھن کی بازی لگا دی جاتی، کیونکہ اپنی زندگی کو شیخ کی خواہش کے برعکس شیطان کی خواہش کے مطابق گزارنا محبت نہیں، بلکہ منافقت ہے۔ مثلاً شیخ نماز کی پابندی کا حکم دے اور اس کی پروانہ کرنا، شیخ، جھوٹ، چغلی، غیبت اور دیگر برائیوں سے منع کرے مگر اس سے نہ رکنا۔ شیخ حلال روزی کمانے کی ہدایت کرے مگر اپنی آمدنی بڑھانے کے لیے حلال وحرام کی تمیز نہ کرنا اور محبت کا دعویٰ کرنا، یہ بھی بے ادبی ہے۔

ضروری بات:

ایک نہایت اہم بات جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، وہ یہ کہ سال کے ۳۶۵ دنوں میں سے صرف دو دن اپنے شیخ کامل کی خاطر وقف کر دیں اور ان دنوں یہاں کے نورانی پروگراموں میں پوری دل چسپی، دل جمعی اور فرض سمجھ کر حصہ لیں اور باقی دنیوی معاملات اور سرگرمیاں کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھیں۔ یہ دو دن صرف اور صرف تزکیہ نفس،

غور و فکر اور تربیت روحانی کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں اور دیگر ہر قسم کی مصروفیات کو خیر باد کہہ دیں، گلیوں میں کھڑے ہو کر یا دکانوں پر بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، نماز باجماعت ادا کریں اور کوشش کریں کہ اپنے بڑے بچوں کو ہمراہ لائیں تاکہ ان کا پیر خانے سے تعلق مضبوط ہو اور انہیں یہاں کی حاضری کے آداب سکھائیں۔

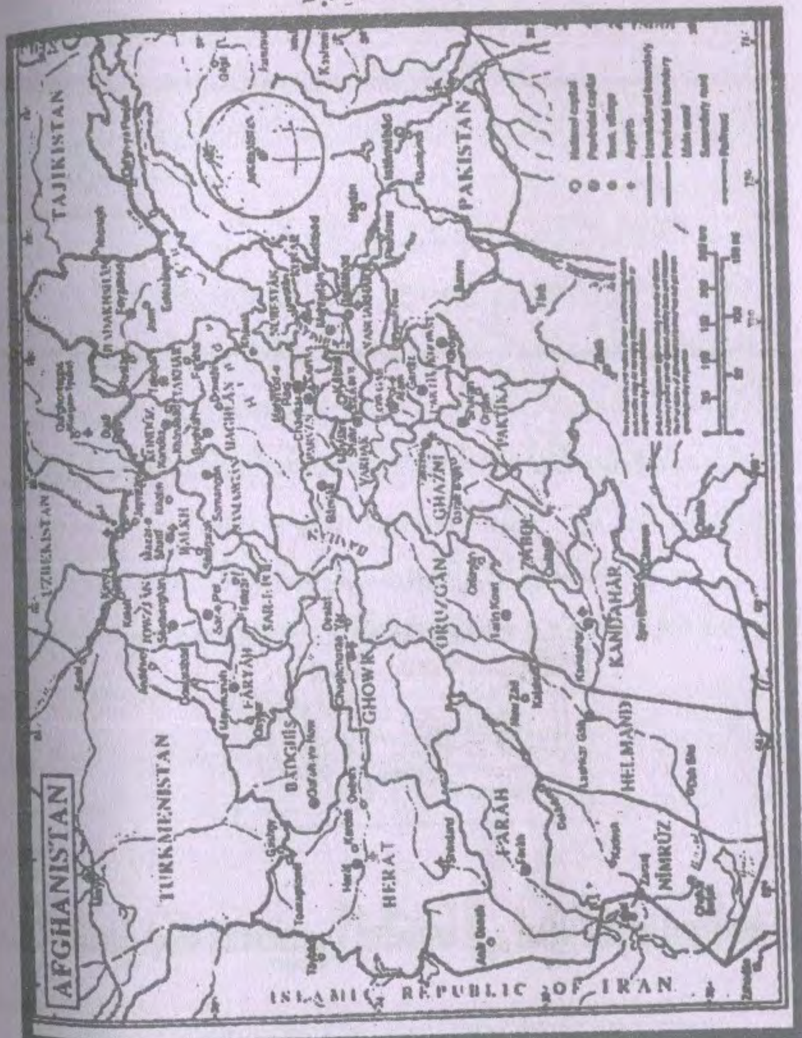
آخری گزارش:

متذکرہ بالا سب گزارشات کا لب لباب یہ ہے کہ ان دو یا تین دنوں کو غنیمت جان کر اپنی زندگی پر نظر ڈالیں اور غور و فکر کریں اور اپنی اصلاح کے لیے خلوص نیت سے دعا مانگیں کہ وہ قادر مطلق، اولیاء کرام اور بزرگوں کے تصدق سے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہماری سابقہ خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف کرے تاکہ ہماری روح کو پاکیزگی ملے۔ بزرگوں کے اعراس منانے کی یہی غرض و غایت ہوتی ہے اور یہی اس کی صحیح روح ہے۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

حضور سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا وطن غزنی

غزنی نقشہ وحدود اربعہ



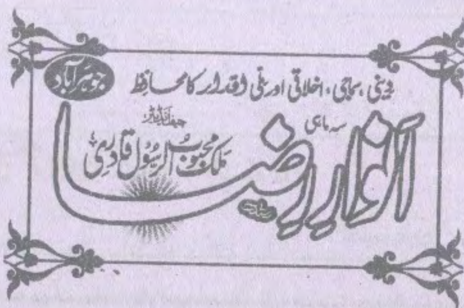
(٦)

تصرف، فیضان، ارادت اور افکار

سلیم ایسی بنائی رب نے فطرت میرے داتاؒ کی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت ہے بیعت میرے داتاؒ کی
فقط اقطاب و اغواث جہاں کو علم ہے اس کا
بہت کم اولیاء تک میں مماثل ان کا دیکھو گے

کرم مخلوقِ خالق پر ہے عادت میرے داتاؒ کی
یہ رفعت میرے داتاؒ کی ہے، عظمت میرے داتاؒ کی
نگاہِ کبریا میں ہے جو وقعت میرے داتاؒ کی
ہو صورت میرے داتاؒ کی یا سیرت میرے داتاؒ کی

(راجا رشید محمود)



حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر

حسن ترتیب

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

عظمت و مقامِ حضرت داتا گنج بخش سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

(کشف المحجوب اور بعض صالحین کے مشاہدات کی روشنی میں)

جسٹس (ر) میاں نذیر اختر ☆

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اس عالم رنگ و بو میں ۴۰۰ھ بمطابق ۱۰۰۹ء بخانہ حضرت سید عثمان بن علی بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا عہدِ حکومت تھا۔ سلطان کا وصال ۴۲۱ھ میں ہوا جب حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک اکیس برس تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندانی نام علی اور معروف لقب داتا گنج بخش ہے۔ آپ کا شجرہ نسب صرف نو واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:۔

حضرت سید علی بن عثمان بن علی بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن ابی الحسن بن حسین بن زید شہید رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما بن حضرت علی شہید کرم اللہ وجہہ الکریم۔ آپ کے والد محترم سید عثمان رحمۃ اللہ علیہ غزنی کے معروف عالم دین تھے اور لوگوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دیگر مروجہ علوم کی بھی تعلیم دیا کرتے تھے۔ آپ کے نانا اور ماموں کا شمار بھی غزنی کی اہم دینی شخصیات میں ہوتا تھا۔

فقہی اعتبار سے آپ رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق حنفیہ پر کاربند تھے اور تصوف کے میدان میں آپ طریق جنیدیہ کے پیروگار تھے۔ آپ کا شجرۂ طریقت بھی دس واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:۔

سید علی ہجویری۔ حضرت خواجہ ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی غزنوی۔ حضرت علی حصری۔ حضرت شیخ شبلی۔ حضرت جنید بغدادی۔ حضرت سری سقطی۔ حضرت معروف کرخی۔ حضرت داؤد طائی۔ حضرت حبیب عجمی۔ حضرت سید علی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

یوں آپ کی ذاتِ مبارکہ میں نسبی اور خاندانی شرف و فضیلت اور روحانی عظمت

☆ سابق جج لاہور ہائیکورٹ لاہور، سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان، سابق امین پنجاب بیت المال

و بزرگی جلوہ گر تھی۔ آپ نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد محترم حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ قرآنی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے عربی، فارسی، فقہ، تفسیر، علم کلام، منطق اور فلسفہ جیسے علوم مختلف اساتذہ سے حاصل کیے۔ آپ نے اس دور کے معروف طریق کے مطابق مختلف شہروں کا سفر کر کے اس دور کے معروف علماء و صوفیاء کرام سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کیے۔ یوں آپ رحمۃ اللہ علیہ چھوٹی عمر میں ہی بلند پایہ علمی، دینی اور روحانی شخصیت بن گئے۔ آپ نے محمود غزنوی کی حیات کے آخری سال یعنی ۴۲۱ھ میں غزنوی میں ایک ہندو فلسفی سے مناظرہ کیا۔ دورانِ گفتگو ہندو پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ لاجواب ہو گیا۔ یوں اللہ کریم نے آپ کو اس مناظرے میں فتحیاب فرمایا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد پاک حضرت ابو الفضل الختلی رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کرتے رہے اور راہِ تصوف میں اعتماد کے ساتھ گامزن رہے حتیٰ کہ آپ کے مرشد نے آپ کو حکم دیا کہ آپ لاہور چلے جائیں اور مخلوقِ خدا کی راہِ حق کی طرف راہنمائی کریں۔ مرشد کے حکم کی تعمیل میں آپ اپنے دو پیر بھائیوں حضرت ابو سعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ پرچم تھامے ہوئے ۴۳۱ھ میں لاہور وارد ہوئے۔ اس زمانے میں دریائے راوی کے قریب ہندوؤں کا ایک مندر تھا۔ آپ نے اس کے قریب اپنا پرچم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نصب کر دیا اور فرمایا کہ انشاء اللہ اب یہ جھنڈا قائم دائم رہے گا اور ہمیشہ دیار لاہور پر سایہ فگن رہے گا۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ حضرت داتا صاحب کی روحانیت نہ صرف لاہور بلکہ پورے پاکستان اور بیرون پاکستان بھی جاری و ساری ہے۔ آپ کی روحانیت سے بعد از وصال بھی ہزاروں لاکھوں لوگ مسلسل فیض یاب ہو رہے ہیں۔ عامۃ الناس کے علاوہ اکابر اولیاء کرام بھی آپ کے درِ اقدس پہ حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے جن میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مادھو لال حسین رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شیخ بہلول دریائی قادری رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شیخ حسن علائی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (حسو تیلی)۔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ۔ پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا سردار احمد محدث اعظم پاکستان۔ حضرت خواجہ قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ سیالوی، حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی تقدس علی خان قادری

رضوی (شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ، پیر جوگوٹھ، خیر پور، سندھ)، حضرت سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے فرزندان حضرت سید مظہر سعید کاظمی اور سید حامد سعید کاظمی، حضرت صوفی برکت علی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ، حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ محمد افضل فقیر بھی شامل ہیں۔ حافظ صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کے لیکچرار رہے۔ ہر ماہ اپنی تنخواہ مستحقین میں تقسیم کر کے گھر آجاتے۔ وہ اُردو اور عربی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے درِ اقدس پر بڑی عقیدت اور محبت سے حاضری دیتے۔ انہوں نے حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایک خوبصورت منقبت کہی جس کے یہ اشعار داتا دربار کے مغربی برآمدے میں منقوش ہیں:۔

اے آبروئے ملت بیضا کے پاسباں لاہور تیرے دم سے عروس البلاد ہے
اسرارِ معرفت ہوئے تجھ پر عیاں کہ تو شہبازِ فقر، سیدِ عالی نہاد ہے

مغربی برآمدے میں ہی حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت بحضور سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بھی درج ہے جس کے دو اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

السلام اے سیدِ ہجویر قطب الاولیاء السلام اے مرکزِ توحید انوارِ اللہ
خطہِ لاہور میں سربستہ رازِ لاالہ سرزمین شوق و مستی میں بہاروں کی فضا

شہزادہ دارا شکوہ جو شاہ جہاں کا بڑا بیٹا تھا۔ درویش طبع اور صوفی منش شخص تھا وہ بھی اپنی زندگی میں باقاعدہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پہ حاضر ہوتا رہا۔ تصوف پر اس کی کتاب "سفینۃ الاولیاء" بہت مشہور ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ایک بار میں کسی خاص مقصد کے لئے چالیس روز تک متواتر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوتا رہا تو اللہ کریم نے میرا دلی مقصد پورا فرما دیا"۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے ساتھ ہی دو اور قبریں ہیں جن میں ایک حضرت شیخ ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسری شیخ حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ آپ کے مزارِ اقدس پر ظہیر الدولہ، ابراہیم غزنوی، حاکم افغانستان اور پنجاب نے حاضری دی۔ اس کی حاضری سے آٹھ برس پہلے حضرت داتا صاحب کا وصال ہوا تھا، اس بادشاہ نے اپنے دورِ حکومت میں حضرت کی قبر مبارک پر مقبرہ کی تعمیر کروائی۔ بعد ازاں کئی سلاطین، سپہ سالار اور نامور شخصیات بھی داتا صاحب کے مزار پر حاضر ہوتی رہیں جن

میں سلطان الدولہ بن ارسلان شاہ غزنوی، سلطان معز الدولہ غزنوی بن بہرام شاہ، سلطان خسرو شاہ غزنوی، سلطان خسرو ملک، سلطان قطب الدین ایبک، سلطان شمس الدین التمش، سلطان غیاث الدین بلبن، شہنشاہ جلال الدین اکبر، نورالدین جہانگیر، شہاب الدین شاہ جہاں، اورنگ زیب عالمگیر، نواب عبدالصمد خان، دلیر جنگ، عزالدولہ خان بہادر، نواب زکریا خان، نواب یحییٰ خان، نواب معین الملک اور دیگر بہت سی نامور شخصیات کو دربار پر حاضری کا شرف حاصل ہے۔ ماضی قریب اور دورِ حاضر کے تقریباً تمام اولیاءِ کرام، مشائخِ عظام، علماء کرام اور صالحین آپ کے دربارِ گوہر بار پر بصد ادب و احترام اور ذوق و شوق کے ساتھ حاضر ہوتے رہے۔ یہاں سب کا ذکر ممکن نہیں لیکن صرف چند بزرگوں کا حوالہ دینے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ایک بار حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوئے انہوں نے اپنی چشمِ باطن سے دیکھا کہ آپ کے مزار پر فرشتے قطاریں باندھے کھڑے تھے۔ واپس لوٹتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "کوئی بہت بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں میں نے ہزارہا ملائکہ کو ان کے سامنے صف بستہ دیکھا۔ عجیب رعب ہے کہ وفات کے بعد بھی سلطنت کر رہے ہیں"

(حوالہ کتاب عالم برزخ۔ صفحہ ۱۲۴۔ از قاری محمد طیب دیوبندی و سفر نامہ لاہور و لکھنؤ۔ صفحہ: ۵۰۔ از مقبول حسین بلگرامی)

تھانوی صاحب کی حاضری محض ایک مسافر کی سرسری حاضری نہ تھی بلکہ اس واضح عقیدے کی روشنی میں تھی کہ صالحین کی قبور پر حاضری سے فیوض و برکات حاصل ہوتی ہیں۔ تھانوی صاحب فرماتے ہیں "میں نے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں میں نے حدیث سے ثابت کر دیا ہے کہ اہل قبور سے فیض ہوتا ہے۔" (ماہنامہ الابقاء کراچی۔ مارچ ۱۹۸۳۔ صفحہ: ۲۹)

مولانا عبدالرحمن اشرفی فرماتے ہیں "حضرت کو میرے ساتھ پیار ہے اس لئے میں مہینے میں ایک بار لازمی دربار شریف پر حاضر ہوتا ہوں اور جب حاضری میں دیر لگاتا ہوں تو داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ خود مجھے بلا لیتے ہیں۔"

(قومی ڈائجسٹ لاہور۔ مئی ۱۹۹۹۔ ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور۔ شمارہ۔ ۴ تا ۱۰ جون ۱۹۹۹ء)

مولانا محمد ملیک الرحمن چشتی عرصہ دراز تک ہر جمعرات کو داتا دربار پر حاضری دیتے

رہے اور پھر مسجد میں موجود افراد کو "کشف المحجوب" کا درس دیتے رہے۔ انہوں نے یہ فریضہ تا عمر نبھایا۔ انہیں کئی بار خواب میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ انہوں نے ایک بار راقم سے ارشاد فرمایا کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ روحانی طور پر اتنے بلند مقام پر فائز ہیں کہ اگر اہل لاہور کو ان کے اعلیٰ مقام کا علم ہو جائے تو پھر کوئی شخص اپنے گھر میں موجود نہ رہے بلکہ سب دلی اشتیاق کے ساتھ آپ کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوں۔ اور فیوض و برکات کے خزانے حاصل کریں۔

ماضی قریب میں ایک معروف مجذوب بزرگ حضرت بابا مست اقبال رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔ وہ ہمیشہ باقاعدگی سے داتا دربار پر حاضری دیتے رہے۔ انہوں نے کئی بار داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی۔ انہوں نے راقم کو بتایا کہ ایک بار انہیں داتا دربار کی قدیم مسجد میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ بابا مست اقبال رحمۃ اللہ علیہ وہ عظیم بزرگ ہیں جنہوں نے ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں راوی کے پُل کا روحانی طور پر دفاع کیا۔ انہوں نے راقم کو بتایا کہ یہ اہم ڈیوٹی انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونپی تھی۔ جنگ کے دنوں میں انہوں نے راوی کے پل کے قریب اپنا خیمہ لگا لیا تھا اور جنگ کے اختتام تک وہاں موجود رہے۔ بھارتی طیارے ۱۷ روز تک مسلسل راوی کے پل کو نشانہ بنانے کے لئے حملے کرتے رہے لیکن ان کے نشانے خطا جاتے رہے اور پل بالکل محفوظ رہا۔

شیخ محمد ناظم نقشبندی سلسلے کے ایک عظیم صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا قیام قبرص (ترکی والے حصے) میں رہا۔ وہ وقتاً فوقتاً پاکستان تشریف لاتے رہتے تھے۔ آپ اسلام کے بلند پایہ مبلغ تھے۔ آپ بالعموم انگریزی، ترکی یا عربی زبان میں گفتگو فرماتے۔ آپ نے پوری دنیا میں ہزاروں غیر مسلموں کو اسلام کی حقانیت کا قائل کر کے مشرف بہ اسلام کیا۔ آپ نے راقم کی موجودگی میں ایک بار ارشاد فرمایا کہ جب وہ پاکستان پہنچتے ہیں تو پاکستان کی سرزمین پر اترتے ہی وہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ایک بار وہ لاہور تشریف لائے اور اپنے ایک مرید کے ہاں خطاب فرمایا۔ اس دور میں جنرل مشرف برسرِ اقتدار تھا۔ اس کے ملٹری سیکرٹری کا فون آیا کہ صدر مشرف شیخ ناظم صاحب سے ملاقات کے خواہش مند ہیں اور وہ شیخ صاحب اور ان کے حلقہ کے دس، بارہ افراد کے لئے چارٹرڈ طیارہ مہیا

کریں گے۔ آپ صدر سے ملاقات کے لئے اسلام آباد تشریف لائیں۔ یہ پیغام ملتے ہی آپ نے عالم جلال میں ارشاد فرمایا کہ اسے کہو کہ مغرب کے بعد فون کرے کیونکہ انہوں نے (شیخ ناظم نے) حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے مشرف کے ساتھ ملاقات کی اجازت لینی ہے۔ مزید ارشاد فرمایا کہ وہ پاکستان میں تمام معاملات میں حضرت داتا صاحب کی اجازت اور ہدایات کے پابند ہیں۔ مغرب کے بعد جنرل مشرف کے ملٹری سیکرٹری کا دوبارہ فون آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: "نہیں۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مشرف سے ملاقات کی اجازت نہیں دی"۔ چنانچہ آپ نے چارٹرڈ طیارے کے ذریعے اسلام آباد جانے سے انکار کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کس بلند و بالا رتبے کے حامل ہیں اور شیخ ناظم جیسے عظیم بزرگ آپ کا کتنا ادب کرتے تھے اور اپنے مریدین اور حلقے کے تمام افراد کے سامنے بھی اس حقیقت کا بخوشی اظہار فرماتے کہ وہ پاکستان میں آ کر حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ میری درخواست پر کہ آپ میرے ہاں تشریف لائیں آپ نے غور فرمایا اور اگلے روز میری اس وقت کی سرکاری رہائش گاہ (۱۱۹ ایکمن روڈ لاہور) پر رونق افروز ہوئے اور تقریباً ۱۰۰ کے قریب مہمانوں سے انگریزی زبان میں خطاب فرمایا۔ اس تقریب کی خوبصورت یادیں آج بھی میرے دل و دماغ میں زندہ و تابندہ ہیں۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی تصرفات کا ایک واقعہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ہے۔ اس کی تفصیل جلال الدین ڈیروی صاحب کی کتاب میں یوں بیان کی گئی ہے۔ یہ واقعہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خادم علی بخش نے مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کو سنایا۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر رات دو بجے کسی نے دستک دی، خادم باہر نکلا کہ دیکھوں کون ہے، دیکھا تو ایک باریش بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے ملنا ہے۔ خادم نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اپنے لاہور والے گھر میں پہلے ہی کسی کے منتظر بیٹھے تھے۔ آپ اس سفید ریش بزرگ سے ملے۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ مجھے لسی پلاؤ، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خادم سے کہا کہ ایک جگ لسی لاؤ، خادم پریشان ہوا کہ یہ کیسی فرمائش ہے۔ دسمبر کی ٹھٹھرتی شب دو بجے لسی کہاں سے لاؤں گا۔ اتنی دیر

میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جلال میں آ کر کہا کہ علی بخش جلد لسی لاؤ۔ علی بخش جگ لے کر باہر نکلا تو سڑک کے کنارے ایک شخص گیس جلا رہا تھا اور ایک شخص دہی کے کونڈے رکھے ہوئے تھا، علی بخش نے لسی کے لئے کہا، تو اس شخص نے فوراً دہی سے لسی تیار کر دی اور اس میں برف بھی ڈالی۔ علی بخش حیران تھا کہ رات گئے لسی کس طرح مل گئی، گھر داخل ہوا اور اس بزرگ کو لسی پلائی جب وہ بزرگ چلے گئے تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے علی بخش نے پوچھا کہ وہ بزرگ کون تھے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ سفید ریش والے بزرگ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، نیز یہ بھی بتایا کہ دہی بیچنے والی ہستی حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔

ماضی قریب کے ایک عظیم قلندر صفت صوفی بزرگ حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ انہوں نے روحانی فیض جزوی طور پر پرانی انارکلی کے کسی گمنام بزرگ سے پایا۔ بعد ازاں لارنس باغ میں سیر کے دوران ایک فقیر سے حاصل کیا۔ (ان دونوں موقعوں پر اُن سے فیض یاب ہونے والے انوار الحق صاحب موجود تھے جنہوں نے راقم کو تفصیل بتائی) لیکن اصل فیض، حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے پایا، جنہوں نے انہیں قلندری رنگ میں رنگ دیا۔ انہوں نے راہِ سلوک کی منازل بھی طے کیں اور امام الاولیاء حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سے فیض یاب ہوئے اور انہیں اپنا پیر قرار دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایک خوبصورت منقبت لکھی جو اُن کی کتاب "شب چراغ" میں شامل ہے۔ ایک اور منقبت اُن کی کتاب "شب راز" میں شامل ہے۔ اس کا مندرجہ ذیل شعر حقیقت نمائی کرتا ہے:۔

کر گئی مجھ کو قلندر، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ عطا   بارگاہِ حسن میں واصفؔ ہے راقم، السلام

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے روحانیت میں مقامات امام الاولیاء حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے حاصل کیے اور انہیں اپنا پیر یا مرشد قرار دیا۔ ان کی کتاب "شب چراغ" میں "نوائے راز" ایک طویل نظم ہے جس کا آخری شعر یہ ہے:

میرا نام واصفِ باصفا، میرا پیر سیدِ مرتضیٰ   میرا وِرد احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، میں سدا بہار کی بات ہوں

آپ اُردو انگلش کالج نابھہ روڈ لاہور کے پرنسپل تھے۔ آپ کے شاگرد اعجاز احمد نے آپ سے درخواست کی کہ میں کسی کامل درویش کی تلاش میں ہوں۔ تاکہ اُس کے دستِ مبارک پر بیعت کر لوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کہا کہ داتا دربار ادب سے حاضری دو اور اپنی

گزارش ان کے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ اعجاز احمد آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق داتا دربار میں حاضر ہوا اور اپنی درخواست پیش کر دی۔ دعا کے دوران ہی کسی نے اس کا سر دائیں طرف گھما دیا تو اس نے دیکھا کہ اس طرف حضرت صوفی برکت علی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ اعجاز احمد نے بڑھ کر ان کی خدمت میں سلام عرض کیا اور پھر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

چوہدری ریاض احمد ایڈیٹر ماہنامہ "سویرا" نے بیان کیا کہ وہ بھی مرشد کی تلاش میں تھے اور اس سلسلے میں داتا دربار حاضری دے کر راہنمائی کی درخواست کی تو کچھ دنوں کے بعد ان کی ملاقات حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ انہوں نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ ریاض تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں کس ہستی نے میرے پاس بھیجا ہے؟ انہوں نے جواباً عرض کیا کہ جی ہاں مجھے معلوم ہے، ان کی مراد تھی کہ مجھے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بلا توقف حضرت واصف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ یہ واقعہ انہوں نے ڈاکٹر اظہر وحید صاحب (مرید حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ) کو متعدد بار سنایا اور ڈاکٹر صاحب نے راقم کے سامنے بیان کیا۔ حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ وقتاً فوقتاً داتا دربار حاضری دیتے رہے اور وہاں سے فیوض و برکات کے خزانے سمیٹتے رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۸ جنوری ۱۹۹۳ء کو ہوا۔

صاحبزادہ ناصر علی شامی ایڈوکیٹ ایک صاحب مقام درویش تھے۔ وہ حضرت عبدالنبی شامی رحمۃ اللہ علیہ (شام چوراسی والے) کی اولاد امجاد سے تھے۔ وہ بصد عقیدت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ گوہر بار پر حاضری دیتے۔ انہوں نے راقم کو بتایا کہ ایک دور میں وہ اہلسنت کے عقائد سے ہٹ گئے تھے۔ اور اپنے خاندان کے کچھ شیعہ عقائد پر کاربند حضرات کے زیر اثر ان کے عقائد پر کاربند ہو گئے۔ لیکن قلبی سکون نصیب نہ ہوا۔ ایک بار وہ داتا دربار حاضر ہوئے اور روضہ پاک کی جالیاں پکڑ کر تادیر اشک فشاں رہے اور قلبی سکون اور ہدایت کی دعا کرتے رہے۔ دعا کر کے پرانے مشرقی دروازے سے باہر نکلے تو ان کی ملاقات ایک تیئیس چوبیس سالہ ملنگ سے ہوئی۔ ملنگ بابا نے اُن سے گفتگو کی۔ گفت گو کرنے سے پہلے انہوں نے مختلف زبانوں کے فقرے بولے اور کہا کہ میں تم سے کس زبان میں بات چیت کروں۔ صاحبزادہ صاحب نے ادب سے گزارش کی کہ حضرت آپ مجھ سے اُردو میں ہی

کلام فرمائیں ۔ملنگ بابا نے صاجزادہ صاحب سے کچھ دیر تک گفتگو کی اور بطریق احسن اُن کے عقائد کی اصلاح فرما دی ۔صاجزادہ صاحب نے راقم کو بتایا کہ اس گفتگو کے بعد وہ اہل سنت والجماعت کے عقائد پر قائم اور کار بند ہو گئے ۔وہ اپنے گھر واقع موہنی روڈ پر ماہانہ گیارہویں شریف کی محفل کا اہتمام کرتے رہے ۔راقم کو ان محافل میں شرکت کی سعادت حاصل ہوتی رہی ۔

شیخ محمد ناصر ایڈووکیٹ لاہور ہائیکورٹ کے بہت محنتی اور قابل ایڈووکیٹ تھے ۔وہ یونیورسٹی لاء کالج میں پارٹ ٹائم لیکچرار بھی تھے ۔اس وقت راقم بھی لاء کالج میں لیکچرار تھا ۔شیخ ناصر طبعاً درویش اور صوفی منش تھے ۔میری ان سے اکثر تصوف کے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہتی ۔میں نے ان سے اپنے مرشد حضرت سید رجب علی شاہ قادری قلندری سروری رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات بیان کیے ۔تو وہ بے حد متاثر ہوئے ۔وہ مجھے جہاں بھی ملتے دور سے ہی ہاتھ اُٹھا کر کہنا شروع کر دیتے "آپ بڑی پناہ میں ہیں ۔بڑی پناہ میں ہیں ۔اپنے مرشد کی وجہ سے"۔وہ اپنے باطنی معاملات عام لوگوں سے چھپا کر رکھتے لیکن بعض اہم باتیں مجھے بتاتے رہتے ۔انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ اکثر حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوتے رہتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں ۔انہوں نے مزید بتایا کہ ایک دور میں پنجاب کے گورنر غلام مصطفی کھر تھے ۔انہوں نے اپنے مخالفین پر ظلم وستم کی انتہاء کر دی تو وہ (شیخ ناصر) داتا دربار پر حاضر ہوئے اور گورنر کے خلاف شکایات کر کے اس سے نجات کی درخواست پیش کی تو اسی وقت روحانی طور پر داتا صاحب کے مرقد اقدس سے ان کا دستِ مبارک ظاہر ہوا ۔شیخ ناصر نے ان سے ہاتھ ملایا تو انہیں اطمینان ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے امر سے جلد ہی گورنر سے نجات مل جائے گی ۔اس واقعہ کے ایک ہفتے کے اندر ہی کھر کی حکومت ختم ہو گئی ۔

جسٹس شمیم حسین قادری (سابق چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ لاہور) کے چھوٹے بھائی حضرت نعیم حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ لارنس روڈ لاہور بھی داتا صاحب کے دربار پر باقاعدہ حاضری دیتے رہے ۔بعد ازاں روحانی طور پر اُن پہ اپنے مرکز سے باہر نہ جانے کی پابندی عائد ہو گئی تھی ۔راقم ان سے ملاقات کے لئے ان کے ڈیرہ پاک واقع لارنس روڈ پر حاضر ہوتا

رہا۔آپ اپنے آپ کو بہت چھپا کر رکھتے تھے۔لیکن روحانی طور پر بہت بلند مقام پر فائز تھے۔وہ قیامِ پاکستان سے پہلے بھی داتا دربار پر حاضری دیتے رہے۔انہوں نے راقم کو بتایا کہ ایک دور میں داتا دربار میں روشنی کے لئے تیل سے چراغ جلائے جاتے تھے۔بجلی سے روشنی کا اہتمام نہ تھا۔لاہور میں ۱۹۱۸ء میں ایک وبائی بیماری (اغلباً طاعون) پھیلی جس کے باعث بڑی تعداد میں لوگ موت کے منہ میں چلے گئے۔رائے بہادر میلہ رام کے پوتے اس مرض میں مبتلا ہوئے اور علاج کے باوجود مرض بڑھتا گیا۔ان کی زندگی کے بارے میں مایوسی ہونے لگی تو میلہ رام نے داتا دربار حاضری دی اور اپنے بچوں کی بیماری کو بیان کیا اور کہا کہ حضرت ہم آپ کے ہمسائے ہیں۔آپ حق ہمسائیگی ادا کریں اور میرے بچوں کی صحت کے لئے دعا فرمائیں۔ایک رات رائے بہادر نے دیکھا کہ اس کے بیمار بچوں کے پلنگ کے پاس ایک نورانی بزرگ کھڑے ہیں۔انہوں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کون ہیں؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا: میں تمہارا پڑوسی علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہوں اور حق ہمسائیگی ادا کرنے آیا ہوں۔مجھ سے تمہاری پریشانی دیکھی نہ گئی اس لئے دعا کے لئے آیا ہوں۔گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرمائیں گے۔اُن کی دعا کی برکت سے بیمار بچوں کو صحت نصیب ہوگئی۔رائے بہادر صاحب نے لاہور شہر کے کئی مسلمان ہندو اور سکھ احباب کو جمع کر کے یہ واقعہ سنایا اور پھر بڑی عقیدت سے حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔نذرانہ پیش کیا اور دربار میں محبت و عقیدت سے بجلی لگوا کر روشنی کا انتظام کیا۔یہ سارا واقعہ شیخ عبدالشکور نے اپنی تصنیف "سبزہ بیگانہ" میں درج کیا ہے اور اس کا حوالہ پروفیسر محمد عثمان گورنمنٹ کالج لاہور نے اپنے ایک مضمون "تصوف اور اسلام" میں دیا ہے۔

(حضرت داتا گنج بخش اور درود تاج از خلیل احمد رانا۔صفحات:۹ تا ۱۱)

صوفی عبد العزیز الراعی جالندھری نے آپ کی کتاب "کشف المحجوب" کا اُردو میں ترجمہ کیا جو "کتاب محل" دربار مارکیٹ لاہور نے بہت خوبصورت انداز میں چھاپا ہے۔مترجم کے فرزند نے کتاب میں اپنے والد مرحوم کی حیاتِ طیبہ مختصراً درج کی جس میں لکھا "وصال سے تین چار روز پہلے فرمایا کہ جب میں اس کتاب کا کام کرتا تھا تو میرے دائیں ہاتھ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہوتے تھے۔اُٹھتے بیٹھتے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا تھا

----" (صفحہ: ۴۲)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ اقدس پہ حاضر ہونے والوں کے اپنے اپنے مشاہدات میں جن کی روشنی میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت بعد وصال پر جلال الدین ڈیروی نے ایک کتاب لکھی ہے جو رضا پبلی کیشنز لاہور نے مارچ ۲۰۰۴ء میں چھاپی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی داتا صاحب کے فیضان کے چند واقعات ہی درج ہیں۔ ہزارہا دیگر افراد کے مشاہدات و تجربات تو ان کے سینوں میں ہی محفوظ ہیں۔ اگر اس حوالے سے مزید کاوش اور تحقیق کی جائے تو یقیناً بہت زیادہ مواد جمع ہو سکتا ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت لاہور تشریف لائے تھے جب یہاں ہندومت کے غلبے کے باعث کفر و شرک کا دور دورہ تھا لیکن آپ کی روحانی قوت اور جلالتِ علمی کے باعث لوگوں کے قلوب بدلتے گئے اور وہ بتدریج اسلام کے نور سے منور ہوتے گئے۔ اس دور کے صاحب استدراج حاکم لاہور راجہ رائے راجو نے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مقابلہ کیا اور ہوا میں پرواز کر کے اپنی استدراجی استعداد کا مظاہرہ کیا۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کھڑانویں فضا میں اُچھال دیں جو رائے راجو کے سر پر پڑنے لگیں اور اسے زمین پر اُتار لائیں۔ وہ شکست خوردہ ہو کر آپ کے قدموں پر گرا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ یہ کیسی مبارک شکست تھی جس سے وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو گیا۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شیخ ہندی کا خطاب دیا اور خلافت بھی عطا کی۔ اس کی قبر آج بھی حضرت داتا صاحب کے مزار کے مشرقی پہلو میں موجود ہے۔ آپ کی تبلیغ کی برکت سے ہزارہا غیر مسلموں نے کلمۂ توحید پڑھ لیا۔ رفتہ رفتہ لاہور اور برصغیر پاک و ہند میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کاوشوں سے اسلام کا پرچم ہر خطے میں لہرانے لگا۔ پروفیسر فیض رسول فیضان نے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے منقبت میں ارشاد فرمایا:

رحمت بھرا جہان ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ کا آستاں ایسا کرم نشان ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ کا آستاں
اس بارگاہ میں خواجۂ اجمیر سر بہ خم دربارِ عز و شان ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ کا آستاں
غوث الوریٰ بھی معتقدِ گنج بخش ہیں دھرتی پہ آسمان ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ کا آستاں
لاہور کا ہے فخر، یہ پنجاب کا ہے ناز سارے وطن کا مان ہے داتا رحمۃ اللہ علیہ کا آستاں

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حقیقی اسلامی تصوف کے علمبردار تھے۔انہوں نے تصوف کے رموز واسرار، نثر اور نظم میں بیان فرمائے۔انہوں نے دس کتب تحریر فرمائیں جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔	کشف المحجوب	۲۔	منہاج الدین
۳۔	دیوان علی ہجویری	۴۔	الرعایت الحقوق اللہ
۵۔	کتاب الفنا وبقاء	۶۔	اسرار الخرق والموئنات
۷۔	نحو القلوب	۸۔	کتاب البیان لاہل العیان
۹۔	شرح کلام منصور	۱۰۔	دیوان شعر

ایک اور مختصر کتاب "کشف الاسرار" جو فارسی زبان میں تقریباً آٹھ صفحات اور اردو زبان میں ترجمے کی صورت میں تقریباً پچیس صفحات پر مشتمل ہے بھی حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔مرورِ زمانہ سے نو کتابیں (۲ تا ۱۰) تو ناپید ہو گئی ہیں۔کشف المحجوب پاک وہند اور دنیا کے کئی ممالک میں موجود ہے۔کشف الاسرار بھی مل جاتی ہے۔اس کتاب کا اردو ترجمہ مولوی فیروز الدین نے بڑی محنت سے کیا تھا۔لیکن بعض محققین نے اس کتاب کو حضرت داتا صاحب کی کتاب تسلیم نہیں کیا۔ان میں ڈاکٹر ظہور الدین، حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع وغیرھم کے اسمائے گرام شامل ہیں لیکن دوسری طرف اسے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تسلیم کرنے والوں میں پروفیسر شریف کنجاہی، ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، علامہ شمس الدین چشتی، حکیم سید امین الدین احمد قادری خوشحالی، محمد الدین فوق، مولوی فیروز الدین وغیرھم شامل ہیں۔مولانا سید محمد متین ہاشمی نے اپنی کتاب "سید ہجویر" میں کتاب کے حق اور مخالفت میں آراء درج کرنے کے بعد پروفیسر شریف کنجاہی کے اندازِ فکر کی تحسین فرمائی ہے۔آپ نے لکھا کہ اُن کا انداز بہت دھیما اور گہرے غور وفکر پر مبنی ہے۔ریسرچ ہو رہی ہے، ہونے دیجیے۔بہت ممکن ہے کہ آئندہ کوئی نئی تحقیق سامنے آجائے اگر اسی سٹیج پر کتاب کو جعلی قرار دے دیا گیا تو تحقیق وجستجو کا یہ عمل مفلوج ہو جائے گا۔

(حوالہ کتاب "سید ہجویر" از مولانا سید محمد متین ہاشمی۔صفحہ ۱۵۷۔ایڈیشن سوم نومبر ۲۰۱۴)

"کشف المحجوب" کے مطالعے سے ایک طرف تو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کی عظمت آجاگر ہوتی ہے اور دوسری طرف تصوف کی حقیقت اور باطن شریعت کی تفہیم نصیب ہوتی ہے۔ آپ نے یہ کتاب ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے سوال کے جواب میں لکھی۔ انہوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ میرے لئے طریقت وتصوف کی حقیقت، اہل تصوف کے مقامات ،ان کے مذاہب واقوال اور رموز واشارات، اللہ تعالیٰ کی محبت اور دلوں پر اس کے ظاہر ہونے کی کیفیت، اس کی ماہیت کی دریافت سے انسانی عقول کے حجاب کا سبب، اس کی حقیقت سے نفس امارہ کی نفرت اور برگزیدگی اور پاکیزگی سے روح کا آرام اور اس سے متعلق دیگر اُمور بیان فرمائیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جو تفصیلی جواب تحریر فرمایا وہ "کشف المحجوب" کی صورت میں دنیا کے سامنے آیا۔ آپ نے اس نام کے حوالے سے واضح فرمایا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب کا نام ہی اس کے تمام مضامین ومطالب کی گواہی دے۔ خصوصاً اصحابِ بصیرت جب کتاب کا نام سنیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ اس کتاب کا مقصد وموضوع کیا ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ اولیاء اور عزیزانِ درگاہِ الٰہی کے سوا سب اہل عالم امر حق کی تحقیق کی رمز سے بالکل پردہ میں ہیں اور چونکہ یہ کتاب راہِ حق کے بیان کرنے اور امر حق کی شرح اور بشریت کے پردوں کے کھولنے میں لکھی گئی ہے اس لئے اس نام کے سوا کوئی دوسرا نام اس کے لئے مناسب نہ تھا۔" آپ نے تصوف کی حقیقت بیان فرمائی۔ آپ نے کتاب کے تیسرے باب میں تصوف کے حوالے سے واضح کیا کہ لفظ تصوف کے معانی میں لوگوں نے کئی اقوال اور لطیف اشارات بیان کیے ہیں لیکن بغور دیکھا جائے تو یہ سب لغوی تحقیق ہے جن کا (تصوف کے) حقیقی معانی سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک گروہ نے کہا کہ انہیں صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ صوف کا لباس پہنتے ہیں، ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ اس لئے صوفی ہیں کہ اصحاب صفہ کو دوست رکھتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ لفظ "صفا" سے مشتق ہے۔ ہر کسی نے اپنے ظرف کے مطابق اس کی تحقیق کی لیکن حضرت داتا صاحب کی رائے میں "صفا" ان سب معنوں میں سے زیادہ قابل قبول ہے۔ آپ نے واضح فرمایا کہ "صفا" کی ضد "کدر" ہے۔ کدر، کثافت، آلائش اور ناپاکی ہے جو اپنے اعمال میں اس ضد پر بضد ہو وہ صفا کی منزل نہیں پا سکتا۔ صفا، باطنی صفائی، پاکیزگی اور جلا کا نام ہے۔ صفا، صدیق کی صفت ہوتی ہے۔ صفا کی ایک اصل اور ایک فرع ہے۔ اصل

غیر اللہ سے دل کا منقطع کرنا ہے اور فرع دنیائے غدار پر سے اپنا قبضہ اُٹھا لینا ہے۔ جو فانی (دنیا) سے دل لگائے گا فنا ہو جائے گا جو لافانی سے دل لگائے گا وہ اس کی بقا کے ساتھ باقی رہے گا۔ یہ حقیقت اس قول میں پنہاں ہے:

من نظر الی الخلق هلك ومن رجع الی الحق ملك

جس نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مخلوق پر نظر رکھی وہ ہلاک ہوا اور جس نے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا وہ مالک ہوا۔ یعنی صاحب قدرت وسلطنت اور صاحب امر ہوا۔

داتا صاحب ارشاد فرماتے ہیں: "الصفا صفة الاحباب وهم شموس بلا سحاب" یعنی اہل صفا اللہ تعالیٰ کے ان دوستوں سے ہیں جو چمکنے والے آفتاب ہیں جو بادلوں میں چھپ نہیں سکتے۔ وقت اور حالات کی گرد انہیں چھپا نہیں سکتی۔ ان کے دل نورِ محبت اور نورِ معرفت حق سے منور ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ عرشِ الٰہی کو دیکھتے ہیں۔ دنیا میں ہوتے ہوئے آخرت کے حقائق جان لیتے ہیں وہ اپنے بشری حالات کی کثافت سے آزاد ہو کر بہترین صفات سے متصف ہو جاتے ہیں۔ وہ مقامات کی قید سے رہا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنی خوبیوں پر تکبر اور عُجب میں مبتلا نہیں ہوتے۔ عقلیں ان کے باطنی احوال اور اُمور کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ ان کے دلوں کی دنیا وہم وگمان کے تصرف سے پاک ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ باطنی حقائق کا مشاہدہ کر کے حق الیقین کی منزل پر پہنچ جاتے ہیں اور کبھی تشکیک اور ریب میں مبتلا نہیں ہوتے۔ ان کو بارگاہِ الٰہی میں دائمی حضوری بلاغیبت کے نصیب ہوتی ہے۔ وہ انعاماتِ الٰہیہ سبب اور علت کے بغیر پانے والے ہوتے ہیں۔ وہ ایسے حاملان اعزاز و اکرام ہوتے ہیں جو دنیا وعقبیٰ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ جن کے لئے سونا اور مٹی کا ڈھیلا یکساں ہو جاتے ہیں۔ شرعی احکام کی بجا آوری جو لوگوں کو بہت مشکل نظر آتی ہے ان پر آسان ہو جاتی ہے۔ وہ ایسے عباد الرحمن بن جاتے ہیں جو زمین پر تواضع یعنی عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے کلام کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام ہے۔ اس سے مراد الگ یا جدا ہونے یا علیحدہ ہونے کا سلام ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کے یہ بندے جاہلوں کی مجلس اختیار نہیں کرتے۔ ایسے صالحین ہی اہلِ تصوف ہیں جو باطنی صفائی اور اخلاق عالیہ سے مزین ہوتے ہیں۔ جن کی تفصیل قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ ان کی آواز

سننا، ان کا ساتھ دینا اور ان کی بتائی ہوئی راہ پر چلنا ایک مسلمان کو روحانی حیات اور بالیدگی عطا کرتا ہے۔ بصورت دیگر اس کا شمار غافلین میں ہوتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت داتا صاحب علیہ رحمۃ اللہ نے اس حدیث پاک کا حوالہ دیا ہے:

من سمع صوت اهل التصوف فلا يؤمن على دعا ئهم كتب عند الله من الغافلين

جو اہل تصوف کی آواز سنے اور ان کی پکار پر یقین نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں غافلوں میں لکھا جاتا ہے۔

تصوف کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور حدیث پاک کا حوالہ دیا: "جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ اے حارثہ رضی اللہ عنہ تو نے صبح کیسے کی؟ تو انہوں نے جواباً کہا، کہ میں نے ایسے حال میں صبح کی کہ میں اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے حارثہ! جو بات تو کہہ رہا ہے اس پر غور کر کیونکہ ہر ایک چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے پس بتا کہ تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا، کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے الگ کر لیا اور اسے ہٹا لیا ہے اس لئے میرے نزدیک اس کے پتھر اور سونا چاندی اور مٹی کا ڈھیلا سب برابر ہیں پس میں رات کو بیدار اور دن کو پیاسا رہا۔ یہاں تک کہ میری یہ حالت ہوگئی کہ گویا میں اپنے رب کے عرش کو واضح دیکھ رہا ہوں۔ اور اہلِ جنت کو دیکھتا ہوں کہ وہ وہاں آپس میں ملاقات کر رہے ہیں اور اہلِ دوزخ کو دیکھتا ہوں کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا:

عرفت فالزم

تو نے پہچانا پس اسے لازم پکڑو۔

یعنی تو نے اپنے رب کو خوب پہچانا، اس کا عرفان حاصل کیا پس اپنی اس حالت کو ہمیشہ قائم رکھو۔

لفظ تصوف اور صوفی کی تعریف کسی ایک عبارت سے ممکن نہیں۔ اخلاص فی العمل تصوف کی روح ہے۔ اسی طرح تسلیم و رضا، عجز و انکساری، صبر و شکر، زہد و ایثار، پرہیزگاری، حب الٰہی، دنیا سے بے نیازی بلکہ جنت کی حب و طمع سے بھی بے نیازی، اللہ کریم اور اس کے حبیب کریم کی محبت و اطاعت، شریعت مطہرہ کی پابندی، باطن شریعت سے آگاہی۔ یہ سب تصوف

کے اہم پہلو اور خوبصورت گوشے ہیں۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لفظ تصوف کی تعبیر میں کل عالم بھی سرگرداں رہے۔ اس کا سراغ ملے یا نہ ملے تب بھی کوئی نقصان نہیں اصل بات تو حقیقت تک رسائی اور اس کا حصول ہے۔ یعنی عرفانِ الٰہی اور شریعت کی باطنی حقیقت کا ادراک۔ آپ نے فرمایا کہ صوفی لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں: اول، صوفی۔ دوم، متصوف۔ سوم، مستصوف۔ اول الذکر ہی حقیقی صوفی ہے جو اپنے آپ سے فانی اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو اور طبعی تقاضوں کے قبضہ سے رہائی پا کر باطن کی حقیقت کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ متصوف وہ ہے جو مجاہدہ اور ریاضت سے صوفی کے درجہ کی تلاش میں منہمک ہو اور ہر معاملہ میں صوفیائے کرام کی طرز زندگی کو پیشِ نظر رکھتا ہو۔ مراد یہ ہے کہ اس کا مقصد بھی نیک ہے اور وہ راہِ سلوک کا سالک ہے۔ وہ ایسا راہی ہے جو منزل کا متلاشی ہے۔ مستصوف وہ ہے جو مال و دولت، جاہ و ثروت کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو صوفیاء کی مانند بنائے رکھنے میں مصروف ہو اور اسے ان دونوں (اول اور دوم) کے مراتب کی کچھ خبر نہ ہو۔ آپ نے مشائخ کا ایک قول نقل فرمایا:

اَلْمُسْتَصَوِّفُ عِنْدَ الصَّوْفِيَةِ كَالذُّبَابِ وَعِنْدَ غَيْرِهِمْ كَالذَّوابِ

مستصوف صوفیاء کے نزدیک مکھی کی طرح حقیر ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کے نزدیک بھیڑیے کی طرح ہے۔

جس کی تمام تگ و دو کسی کے پھاڑنے اور مردار کھانے کے لئے ہوتی ہے۔ پس صوفی تو صاحب وصول، متصوف صاحب اُصول اور مستصوف فضول یعنی بے ہودہ ہوتا ہے اسے نہ وصل حق نصیب ہوا اور نہ وہ اُصول طریقت سے آگاہ ہوا۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کا مفہوم واضح کرنے کے لئے حضرت ذوالنون مصری، حضرت جنید بغدادی، حضرت ابوالحسن نوری، ابن جلا، ابو عمر دمشقی، حضرت ابوبکر شبلی، حضرت حصری، حضرت محمد بن علی بن الحسین بن علی۔ ابو محمد مرتعش، حضرت علی بن بندار الصیر فی النیشاپوری، محمد بن احمد المکری اور حضرت ابو علی قزوینی رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال تفصیل سے درج کیے تاکہ لوگ حقیقتِ تصوف کو جان کر خوش دلی سے اسے قبول کریں اور راہِ تصوف پر گامزن ہونے کی کاوش کریں۔ آپ نے تیسرے باب کی تیسری فصل کے آخر میں ارشاد فرمایا "اب میں نے اس کتاب میں تصوف کے بارے میں مشائخ طریقت

کے اقوال وارشادات کی اس قدر تحقیق بیان کر دی ہے جس سے تم پر (اللہ تمہیں نیکی دے) اس طریق کی حقیقت کھل جائے گی اور اس طریق کے منکرین سے یہ کہہ سکو گے کہ تصوف کے انکار سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اگر صرف اسمِ تصوف کا انکار کرتے ہیں تو مضائقہ نہیں کیونکہ معانی اپنے مسمیٰ سے بیگانہ ہوتے ہیں (ضروری نہیں کہ نام کے معانی نام والے میں پائے جائیں) اور اگر اصل تصوف کے معانی ومعارف کا انکار کرتے ہیں تو یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری شریعت اور ان کی عمدہ خصلتوں کا انکار ہے۔" سبحان اللہ، ایسی خوبصورت اور ایمان افروز بات وہی ہستی کہہ سکتی ہے جسے شریعت کا پورا علم ہو اور جو تصوف کے اسرار ورموز سے بھی پوری طرح آگاہ ہو۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم میں سے اہل تصوف کے اماموں کا تذکرہ کیا اس کے بعد حضرات اہل صفا، تابعین اور تبع تابعین اور صوفیاء متاخرین کے اماموں کا بھی بیان کیا۔ صوفیاء کے مختلف فرقوں کی حقیت بیان کی اور گمراہ فرقوں کو بے نقاب کیا۔ آپ نے اپنی کتاب کے نام کی نسبت سے گیارہ حجابات یعنی پردوں کو کھولا۔ جن کی مختصر تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

پہلا پردہ معرفت الٰہی (پندرھواں باب):

ابتدا میں ہی آپ نے یہ آیہ مبارک لکھی جس کا معنیٰ یہ ہے "ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں جانی جیسا کہ اس کی قدر کرنا چاہیے تھی" اور اس کے بعد انہوں نے یہ حدیث مبارکہ لکھی "اگر تم اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتے جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے تو سمندروں پر پاؤں پاؤں چلتے، پس تمہاری دعا سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔" آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معرفت الٰہی سے دل کی زندگی ہے جس کو معرفتِ حق حاصل نہیں، اس شخص کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ آپ نے معرفت الٰہی کی حوالے سے بہت سے مشائخ کے رموز تحریر کیے۔ اس ضمن میں پہلا قول حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا درج کیا انہوں نے فرمایا: "معرفت وہ ہے کہ کسی چیز سے تو تعجب نہ کرے" جب اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو عارف کو اس کے افعال پر تعجب کرنا محال ہے۔ اور اگر تعجب متصور بھی ہو تو وہاں ہونا چاہیے کہ اس نے ایک مٹھی خاک کو اس درجہ پر پہنچا دیا جس کی وجہ سے وہ اس کا فرمانبردار بنا اور خون کے قطرہ کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا کہ اس

کی محبت و معرفت، اس کے دیدار کی طلب اور اس کے قرب اور وصل کا طلبگار ہوا۔"

دوسرا پردہ: توحید الٰہی (سولہواں باب):

اسباقِ توحید کے حوالے سے انہوں نے ان آیات مبارکہ کا حوالے دیا، جن کا ترجمہ یہ ہے "اور تمہارا معبود برحق واحد ہے"۔ "تم دو معبود اختیار نہ کرو بے شک وہ معبود برحق اکیلا ہی ہے"۔ وہ تمام نقائص اور خرابیوں سے پاک اور سب عیوب سے برتر ہے۔ وہ منفرد ہے اور کوئی اس کے مانند نہیں۔ ان بنیادی باتوں کی تائید میں آپ نے متعدد مشائخ کے اقوال درج کیے۔ سب سے پہلا قول حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ نے فرمایا: "توحید، قدیم کو حوادث سے علیحدہ اور ممیز کرنا ہے"۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی کہ تو قدیم کو حوادث کا محل نہ جانے۔ اور نہ حوادث کو قدیم کا محل سمجھے۔ اور یہ جان لے کہ حق تعالیٰ قدیم ہے اور تو حادث ہے۔ تیری جنس سے کوئی چیز اس کے ساتھ پیوست نہیں ہو سکتی اور اس کی صفات میں سے کوئی چیز تیرے اندر نہیں مل سکتی۔ کیونکہ قدیم حادث کا ہم جنس نہیں ہوتا۔ آپ نے حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی درج فرمایا کہ "توحید الٰہی کے میدان میں بندے کا پہلا قدم اللہ تعالیٰ کو اس کے اوصافِ حقیقیہ میں منفرد نہیں بلکہ یکتائے محض سمجھنا ہے۔۔۔۔" "توحید شرکت کی نفی کرتی ہے۔ ایک موحّد نفس کے مرغوبات کو چھوڑ کر، مخلوق کی صحبت سے روگردانی کر کے حق کی صحبت کی طرف توجہ کرتا ہے۔ مخلوق کی صحبت اور اندیشے سے جو کچھ موحد کے دل پر گزرتا ہے وہ ایک حجاب اور آفت ہوتی ہے۔ اور جس قدر دل کو غیر کے ساتھ صحبت ہوتی ہے اتنا ہی وہ توحید میں حجاب کے اندر ہوتا ہے۔ موحّد کو حق تعالیٰ کے اختیار میں اپنا کوئی اختیار نہ رہے اور حق تعالیٰ کی وحدانیت میں اپنی ذات کی طرف نگاہ نہ ہو۔ اس لئے کہ قربِ حق کے محل میں اس کا نفس فنا ہو جائے گا۔ وہ تمام اوصاف سے فانی ہو جائے گا۔ اس کا جسم اسرارِ الٰہی کے مظاہر میں سے ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی ذات اگرچہ علم سے موصوف ہے لیکن حواسِ ظاہری اور باطنی سے اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی ذات کی حقیقت کے دریافت کرنے سے حجاب میں رکھا ہے اور اپنی قدرت کی نشانیوں کو مخلوق کی رہبری کا ذریعہ بنایا ہے۔

تیسرا پردہ: ایمان کی حقیقت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا: "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ" اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے" یعنی اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی روشنی میں آخرت، حشر نشر، حساب کتاب، جنت دوزخ وغیرہ پر بھی ایمان لائے۔ ایمان قول باللسان اور تصدیق بالقلب کا نام ہے۔ ایمان کا اصل دل سے تصدیق کرنا ہے اور اس کی فرع تمام احکامات الٰہی کی تعمیل کرنا ہے۔ جب تک احکام الٰہی بجا نہ لائے محض زبانی تصدیق کافی نہیں ہے۔ ایمان و معرفت کی منتہا عشق و محبت ہے اور محبت کی علامت بندگی ہے۔ آپ نے واضح فرمایا کہ ملحدین کا یہ قول کہ عبادات اور اعمال کی تکلیف تو اسی وقت تک ہے جب تک تو نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا جب پہچان لیا تو عبادت جسم سے اُٹھ گئی۔ یہ فاش خطا ہے۔ چونکہ جب اس نے پہچان لیا تو چاہیے کہ دل شوق کا محل ہو جائے اور اس کے حکم کی تعظیم اور زیادہ ہو جائے اور اس امر الٰہی کی تعمیل میں تکلیف نہ ہو۔ لیکن یہ حالت سوائے بے قرار کرنے والے شوق کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ اعتقاد و دعویٰ اور عمل کے مابین موافقت کا نام ایمان ہے۔ ایمان حقیقت میں بندے کے کل اوصاف کا طلبِ حق میں مستغرق ہو جانا ہے۔ اس حال میں استقرار سے ہی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ "معرفت کے سلطان کا غلبہ ناشناسی کے اوصاف کو مغلوب کرنے والا ہوتا ہے۔۔۔۔ جب معرفت کی حقیقت عارف کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو ناشناسی کے ظن اور شک کی حکومت فانی ہو جاتی ہے۔ اور معرفت کی سلطنت حواس اور اس کی خواہش کو اپنا مطیع کر لیتی ہے۔ صاحبانِ معرفت، صاحبانِ توکل ہوتے ہیں اور حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ کی طرح حضرت خضر علیہ السلام کی ہمنشینی بھی قبول نہیں کرتے۔ اس ڈر کے باعث کہ کہیں ان کی صحبت میں حق تعالیٰ کو چھوڑ کر ان پر بھروسہ کرنے لگیں اور ان کا توکل برباد ہو جائے۔

چوتھا پردہ: طہارت:

آپ نے ارشاد فرمایا "ایمان لانے کے بعد پہلی چیز جو بندہ پر فرض ہے وہ نماز ادا کرنے کے لئے طہارت ہے" طہارت دو قسم کی ہوتی ہے ایک جسم کی طہارت اور دوسری دل کی طہارت۔ بدنی طہارت کے بغیر نماز درست نہیں اسی طرح دلی طہارت کے بغیر معرفت حق درست نہیں ہوتی۔ اس لئے صوفیاء ہمیشہ بدنی طہارت کے ساتھ رہتے ہیں اور باطن میں دل کی طہارت یعنی توحید خالص کے ساتھ۔ اس ضمن میں آپ نے یہ فرمانِ الٰہی درج کیا کہ اللہ تعالیٰ "توبہ کرنے والوں اور خوب پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے" آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ کا حوالہ دیا "تو ہمیشہ باوضو رہ تاکہ تجھے دونوں محافظ فرشتے دوست رکھیں" حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ "ظاہر کی طہارت باطن کی طہارت کے موافق ہو یعنی جب ہاتھ کو دھوئے تو چاہیے کہ دل کو بھی دنیا کی محبت سے دھو دے اور اپنی تمام لذاتِ دنیاوی سے ہاتھ اُٹھالے اور جب استنجا کرے تو چاہیے کہ جس طرح اس نے ظاہری نجاست سے نجات ڈھونڈی ہے اسی طرح باطن میں غیر کی محبت سے نجات ڈھونڈے اور جب منہ میں پانی ڈالے تو چاہیے کہ اپنے منہ کو غیر کے ذکر سے خالی کر دے اور جب ناک میں پانی ڈالے تو چاہیے کہ ناجائز چیزوں کے سونگھنے کو اپنے اُوپر حرام کر دے اور جب منہ دھوئے تو چاہیے کہ تمام مرغوباتِ نفس سے یک لخت اعراض کرے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرے اور جب سر کا مسح کرے تو چاہیے کہ اپنے تمام اُمور کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے اور جب پاؤں دھوئے تو چاہیے کہ سوائے موافق حکم الٰہی کے کھڑا نہ ہو تاکہ دونوں طہارتیں اس کو حاصل ہو جائیں۔ کیونکہ شریعت کے تمام ظاہری کام باطن کے اُمور سے وابستہ ہیں۔۔۔۔" آپ نے ارشاد فرمایا: "جب کوئی شخص ظاہر میں عمل کا قصد کرے تو اسے چاہیے کہ ظاہر میں وضو کرے اور جب باطن میں قربِ حق کا قصد کرے تو چاہیے کہ باطن کی طہارت کرے۔ ظاہر کی طہارت پانی سے ہوتی ہے اور باطن کی طہارت توبہ کرنے اور خدا تعالیٰ کی جناب میں رجوع کرنے سے۔" اس کے بعد آپ نے اُنیسویں باب میں توبہ کی حقیقت بیان فرمائی۔ اس ضمن میں آپ نے یہ فرامین الٰہی درج کیے "اے ایمان والو اللہ کی جناب میں سچی توبہ کرو"۔ "اے ایمان والو سب اللہ کی جناب میں توبہ

کروتا کہ تم فلاح پاؤ" پھر آپ نے دو احادیث مبارکہ کا حوالہ دیا۔ پہلی حدیث مبارکہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے جوان سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ محبوب نہیں" اور دوسری حدیث مبارکہ میں فرمایا "کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس پر کوئی گناہ نہیں"۔ توبہ کی تین شرائط ہیں: اول، فعل بد سے پشیمانی۔ دوم، ترکِ گناہ یا لغزش۔ تیسری، اصلاح یعنی آئندہ معصیت کی طرف نہ لوٹنے کا قصد کرنا۔ بعد ازاں توبہ میں فتور اور گناہ کی طرف رجوع ہو تو پھر سچے دل سے توبہ کرے یہاں تک کہ اسے استقامت نصیب ہو جائے اور آئندہ وہ حیا کرے اور گناہ سے بچے یا خشیتِ الٰہی سے گناہ سے دور رہے۔

پانچواں پردہ: حقیقتِ نماز:

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ پانچ وقتوں میں پانچ نمازیں روزانہ ادا کرو۔ نماز کے معانی لغت کی رو سے ذکر۔ دعا اور فرمانبرداری کے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں وہ ایک مخصوص عبادت ہے جو روزمرہ چند مخصوص احکام کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ اور نماز میں داخل ہونے سے پہلے کچھ شرائط ہیں۔ پہلی شرط ان میں سے جسم کی طہارت، ظاہر میں نجاست سے اور باطن میں خواہش نفسانی سے (نیند۔ کھیل، کود وغیرہ)۔ دوسری شرط، لباس کی طہارت ہے ظاہر میں نجاست سے اور باطن میں مالِ حرام سے بچنا۔ تیسری مکان (جگہ) کی طہارت ہے ظاہر میں نجاست اور گندگیوں سے اور باطن میں فساد اور گناہ سے بچنا۔ چوتھی قبلہ کی طرف رخ کرنا، اور قبلہ ظاہر کا کعبہ شریف ہے اور باطن کا عرشِ معلیٰ اور سرّ کا مشاہدہ مقصود ہے۔ پانچویں قیامِ ظاہر طاقت کی حالت میں کرنا اور قیام باطن قرب حق کے باغیچے میں اور قیام ظاہر کی شرط یہ ہے کہ اس کا وقت درست ہو اور قیام باطن کی شرط یہ ہے کہ حقیقت کے درجے میں اس کا وقت ہمیشہ رہے۔ چھٹی شرط، حضرت حق کی طرف توجہ کر کے خالص نیت کرنا۔ ساتویں، ہیبتِ الٰہی اور فنائے صفت کے مقام میں تکبیر پڑھنا اور وصل کے محل میں قیام کرنا اور نہایت ترتیل۔ صحت تلفظ و مخارج و عظمت کے ساتھ قرأت کرنا۔ اور گڑگڑا کر رکوع اور عاجزی سے سجود اور دل جمعی کے ساتھ تشہد اور صفت کے فنا ہونے کے ساتھ سلام دینا۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے تو آپ کے دل میں ایسا جوش ہوتا تھا جیسے کانسی کی اس دیگ میں جس کے نیچے آگ جلتی ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نما

زکا قصد کیا کرتے تو ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی اور فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے جس کے اٹھانے سے آسمان اور زمین عاجز آ گئے تھے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نماز کس طرح ادا فرماتے ہیں۔ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت آ جاتا ہے تو ایک وضو ظاہر کا کرتا ہوں اور دوسرا وضو باطن کا۔ ظاہری وضو پانی سے اور باطنی وضو توبہ سے کرتا ہوں۔ پھر مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور مسجد بیت الحرام کا مشاہدہ کرتا ہوں اور مقامِ ابراہیم کو اپنے دونوں ابروؤں کے سامنے رکھتا ہوں اور بہشت کو اپنے دائیں طرف اور دوزخ کو بائیں جانب رکھتا ہوں اور پل صراط اپنے قدموں کے نیچے رکھتا ہوں اور فرشتہ ملک الموت کو اپنی پیٹھ کے پیچھے خیال کرتا ہوں۔ اور نہایت عظمت واحترام کے ساتھ تکبیر پڑھتا ہوں اور حرمت کے ساتھ قیام اور بڑی ہیبت کے ساتھ قرأت اور خاکساری کے ساتھ رکوع اور عاجزی سے سجود اور بڑے حلم ووقار کے ساتھ قعود اور پھر آخر میں شکر حق کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں، اور توفیق قبضۂ الٰہی میں ہے۔

چھٹا پردہ: زکوٰۃ:

بائیسویں باب میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ کی فرضیت کو بیان فرمایا۔ آپ نے واضح کیا کہ مال کی زکوٰۃ صاحبِ نصاب پر ایک سال گزرنے پر ڈھائی فی صد ادا کرنا فرض ہے جس پر واجب ہو اسے اس سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن زکوٰۃ صرف مال پر نہیں بلکہ جاہ و مرتبہ۔ گھر۔ صحت و تندرستی اور علم و حکومت کی بھی زکوٰۃ ہے۔ آپ نے فرمایا: کسی نعمت پر زکوٰۃ ادا کرنے کی حقیقت اس نعمت پر خدا کا شکر ادا کرنا ہے۔ اگر بندہ حاکم ہے تو اللہ کا شکر ادا کرے اور انصاف کرے۔ اگر عالم و مفتی ہے تو اخلاص سے مسائل حق بیان کرے۔ اگر مالک مکان ہے تو مہمان نوازی کرے۔ گھر کی زکوٰۃ مہمان خانہ ہے۔ صحت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو عبادت الٰہی میں مشغول رکھے اور ان کو محض کھیل کود میں نہ لگائے رکھے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت اس پر بے شمار ہے تو بے شمار شکر ادا کرتا ہے اور وہ بے شمار شکر بے اندازہ نعمت کی زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ ایسا سخی جو سب کچھ راہِ خدا میں دینے والا ہو۔ تو وہ

صاحب نصاب نہیں رہتا۔ پھر اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمائی کہ مجھ پر مال کی زکوٰۃ واجب نہیں اور کیا سخی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ یعنی جو تسلسل سے سب کچھ راہِ خدا میں دینے والا ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ کیسی۔ یہی سوچ فقراء کی ہے جو مال جمع نہیں کرتے تو زکوٰۃ بھی نہیں دینی پڑتی۔ آپ نے فرمایا کہ بعض صوفیاء وہ ہیں جنہوں نے زکوٰۃ لی ہے۔ زکوٰۃ لینے والوں کا ہاتھ بلند ہے پست نہیں ہے کیونکہ وہ اہل دنیا (صاحبان نصاب) کی گردن سے ایک فرض کا بوجھ اُتارتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "یقیناً بلند ہاتھ فقیروں کا ہاتھ ہی ہوتا ہے جو شریعت کے حکم کے مطابق اپنا حق لینے والے ہوتے ہیں"۔

ساتواں پردہ: روزے کی حقیقت:

چوبیسویں باب میں آپ نے روزے کی حقیقت کتاب وسنت کی روشنی میں بیان فرمائی اور مشائخ کے اقوال بھی درج کیے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ روزہ کی حقیقت نفس کو روکنا ہے۔ اس مختصر تعریف میں پوری طریقت کے اسرار و رموز پوشیدہ ہیں۔ سب سے کم درجے کا روزہ بھوکا رہنا ہے۔ نفس کو روکنے کی بہت سی شرطیں ہیں مثلاً پیٹ کو کھانے اور پینے سے بچائے رکھے۔ آنکھ کو نظرِ شہوت سے۔ کان کو غیبت سننے۔ زبان کو لغو اور بے ہودہ باتوں سے اور جسم کو دنیا کی متابعت اور شریعت کی مخالفت سے محفوظ رکھے۔ اس وقت وہ حقیقی طور پر روزہ دار ہوگا۔ اور یہی حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانِ عالی میں پنہاں ہے کہ "جب تو روزہ رکھے تو چاہیے کہ تیرے کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور تیرا ہر عضو بھی روزہ رکھے"۔ اس لئے روزہ دار کو چاہیے کہ وہ اپنے پانچ حواس کو اپنے قابو میں رکھے۔ یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی مخالفت چھوڑ کر شریعت کی پوری طرح پیروی اختیار کرے۔

آٹھواں پردہ: حج کی حقیقت:

چھبیسویں باب میں حج کی فرضیت کو بیان کرنے کے بعد آپ نے واضح فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو مقام ہیں۔ ایک جسم کا اور دوسرا دل کا۔ آپ کے جسم کا مقام یعنی قیام گاہ مکہ مکرمہ ہے۔ دل کا مقام خلت سے خالص محبت الٰہی ہے جو شخص آپ کے جسم کے مقام

کا قصد کرے اسے تمام شہوات اور لذات نفسانی سے اعراض کرنا چاہیے یعنی احرام باندھ کر گویا کفن پہن لینا۔ حلال شکار سے ہاتھ اُٹھا لینا۔ تمام حواس کو بند کر لینا۔ عرفات میں حاضر ہو اور وہاں سے مزدلفہ اور مشعر الحرام میں جانا اور کنکریاں اُٹھا کر مکہ میں کعبہ کا طواف کر کے پھر منیٰ میں آنا اور وہاں تین روز تک ٹھہرنا اور کنکریاں مقرر شرط کے ساتھ جمروں پر مارنا اور وہاں سر کے بال منڈوانا اور قربانی کے بعد اصلی لباس پہن لینا چاہیے۔ لیکن جو شخص آپ کے مقامِ قلب کا قصد کرے اسے اپنی مرغوبات سے اعراض کرنا اور دنیاوی لذتوں اور راحتوں کو ترک کرنا اور اغیار کے ذکر سے روگردانی کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ عالم کون وفساد کی طرف اس کا التفات کرنا ممنوع ہے۔ تب معرفت کے عرفات میں قیام کرنا اور وہاں سے اُلفت کے مزدلفہ کا قصد کرنا اور وہاں سے اپنے باطن کو تنزیہہ حق تعالیٰ کے حرم کے طواف کے لئے بھیجنا اور خواہش نفسانی اور فاسد خیالات کی کنکریاں ایمان کی امان کی منیٰ میں پھینکنا اور نفس کو مجاہدہ کی قربان گاہ میں قربان کرنا چاہیے۔ تاکہ خلت کے مقام تک پہنچ جائے۔

حج کے حوالے سے آپ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے چند اقوال درج کیے ہیں جو ایک حاجی سے آپ کے بعض سوالات، اس کے جوابات اور آپ کے بیان کردہ صوفیانہ رموز کی صورت میں سامنے آئے۔ آپ نے اس سے پوچھا تو کہاں سے آتا ہے؟ اس نے کہا، میں حج پر گیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: تو نے حج کیا ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ آپ نے پوچھا شروع میں جو تو اپنے گھر سے باہر نکلا اور وطن کو چھوڑا تو کیا سب گناہوں کو بھی چھوڑا؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو نے وطن سے سفر نہیں کیا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ جب تو گھر سے نکلا اور ہر منزل پر رات کے وقت قیام کیا تو کیا تو نے اس مکان میں طریق حق میں سے بھی کچھ قطع کیا؟ اس نے کہا نہیں۔ تب آپ نے فرمایا کہ تو نے منزلیں طے نہیں کیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ جب تو نے میقات پر احرام باندھا تو کیا تو اپنی صفات بشری سے ایسا ہی جدا ہوا جیسا کہ اپنے کپڑوں اور عادتوں سے؟ اس نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا: تو نے احرام نہیں باندھا۔ پھر پوچھا کہ جب تو عرفات کے میدان میں کھڑا ہوا تو کیا کشف ومشاہدہ حق میں بھی تجھے کھڑا ہونا حاصل ہوا؟ تو اس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا تو عرفات میں بھی کھڑا نہیں ہوا۔ پھر پوچھا کہ جب تو مزدلفہ میں گیا اور تیری مراد حاصل ہوگئی تو

کیا تو نے سب نفسانی مرادوں کو ترک کر دیا؟ اس نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا کہ تو مزدلفہ بھی نہیں گیا۔ پھر پوچھا کہ جب تو نے بیت اللہ کا طواف کیا تو کیا تو نے باطن کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے منزہ اور پاک سمجھتے ہوئے حق سبحانہ کے جمال کے لطائف کو بھی دیکھا؟ اس نے کہا نہیں ۔تو آپ نے فرمایا کہ تو نے طواف بھی نہیں کیا۔ پھر فرمایا جب تو نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا تو نے صفا کا اور مروہ کا درجہ معلوم کیا؟ اس نے کہا نہیں ۔تو آپ نے فرمایا کہ تو نے ابھی سعی بھی نہیں کی ۔ پھر پوچھا کہ جب منیٰ میں آیا تو کیا تیری آرزوئیں تجھ سے ساقط ہو گئیں؟ اس نے کہا نہیں ۔تو آپ نے فرمایا کہ تو ابھی منیٰ میں نہیں گیا ۔پھر پوچھا کہ جب تو قربان گاہ میں آیا اور قربانی کی تو کیا تو نے اپنی نفسانی خواہشات کی بھی قربانی کی؟ اس نے کہا نہیں ۔تو آپ نے فرمایا کہ تو نے قربانی بھی نہیں کی۔ پھر پوچھا کہ جب تو نے کنکریاں پھینکیں تو کیا جو کچھ تیرے ساتھ نفسانی امور تھے ان سب کو تو نے پھینک دیا؟ اس نے کہا نہیں ۔تو آپ نے فرمایا: تو نے ابھی کنکریاں بھی نہیں پھینکیں اور حج بھی نہیں کیا۔ واپس لوٹ جا اور اس طرح حج کرتا کہ تو بھی مقام ابراہیم پر پہنچ جائے ۔حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چند اور اولیاءِ کرام کے اقوال اور اعمال درج کر کے فرمایا کہ" حج دو قسم کا ہوتا ہے ۔ایک غَیبت میں اور دوسرا حضوری میں ۔جو شخص حرم مکہ میں پہنچ کر بھی غَیبت کے اندر ہو وہ اس جیسا ہے کہ جو اپنے گھر میں بھی غَیبت کے اندر ہو ۔اس لئے کہ کوئی غَیبت دوسری غَیبت سے بہتر نہیں ہوتی ۔(غَیبت سے مراد غائب یا دور ہونا ہے)اور وہ شخص جو اپنے گھر میں ہوتے ہوئے حاضر بحق ہو وہ ایسا ہی ہے گویا کہ حاضر دربارِ الٰہی ہے چونکہ دربارِ الٰہی کی کوئی حاضری دوسری حاضری سے بہتر نہیں ہوتی ۔پس حج ظہورِ مشاہدۂ حق کے لئے مجاہدہ ہے ۔اور مجاہدہ، مشاہدۂ حق کی علت نہیں بلکہ اس کا سبب ہے ......" آپ نے حتمی نتیجہ آخر میں ان الفاظ میں درج فرمایا: حج سے مقصود (صرف) خانہ کعبہ کا دیدار نہیں بلکہ اس سے مقصد ظہورِ مشاہدۂ حق ہے اور اس مقصد کے لئے حج کے مناسک مجاہدہ کی مختلف صورتیں ہیں ۔اس کے بعد آپ نے مشاہدۂ حق اور کشف و مجاہدہ کی حقیقت بیان فرمائی ۔(نوٹ: ۔حج کے مناسک ادا کرتے ہوئے ان اسرار و رموز سے راہنمائی حاصل کرنا جو حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائے ہیں یقیناً ارفع

واعلیٰ طریق ہے۔ایسا حج ہی حضوری والا حج کہلاتا ہے لیکن عامۃ المسلمین کا حج تو غیبت یعنی باطنی یا روحانی حقائق سے دوری کی حالت میں ہی ہوتا ہے اس کا درجہ صاحبان مشاہدہ کے برابر نہ سہی لیکن مناسکِ حج مکمل ادا کرنے سے شرعی فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔اس کی قبولیت اور عطائے اجروثواب اللہ کریم کے ہاتھ میں ہے۔راقم)

نواں پردہ:

محبت اور اس کے آداب واحکام کے بارے میں ہے۔ابتدا میں ہی آپ نے ادب کے حوالے سے خوبصورت نکات بیان فرمائے۔آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو احادیث مبارکہ درج فرمائیں۔پہلی یہ کہ"اچھا ادب ایمان میں سے ہے"اور دوسری یہ "میرے پروردگار نے مجھے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا"۔حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:"پس جاننا چاہیے کہ دنیا اور دین کے تمام امور کی زیب وزینت ادب سے وابستہ ہے۔۔۔ادب لوگوں میں مروّت کی حفاظت ہے۔لوگوں میں مروّت کی حفاظت دین میں سنّت کی حفاظت اور محبت میں حرمت کی حفاظت کا نام ادب ہے۔اور یہ تینوں باتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔اس لئے جس کو مروّت حاصل نہیں اس کو سنت کی متابعت بھی حاصل نہیں اور جس کو سنّت کی حفاظت حاصل نہیں اس کو حرمت کی رعایت بھی حاصل نہیں"۔آپ نے واضح فرمایا کہ تمام معاملات میں آداب کی حفاظت دل میں مطلوب کی تعظیم سے حاصل ہوتی ہے۔اور حق تعالیٰ اور اس کے شعائر کی تعظیم تقویٰ میں سے ہے۔اور جو شخص بے ادبی سے حق تعالیٰ کی تجلیات کی تعظیم کو پامال کر دے اس کا تصوف کے طریق میں کوئی حصہ نہیں۔ولی کسی صورت میں بھی تارک آداب نہیں ہوتا۔ترکِ ادب عدم محبت کی دلیل ہے۔اسی لئے اہل دانش کہتے ہیں:

ع ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

آپ نے ادب کی تین اقسام بیان فرمائیں:اول توحید کے اندر حق تعالیٰ کے ساتھ ادب۔بندہ خلوت اور جلوت میں بے ادبی سے محفوظ رہے۔دوم:عمل میں اپنے ساتھ ادب کرنا۔یعنی تمام احوال میں اپنے نفس کے ساتھ مروّت کی رعایت رکھے۔سچ کے سوا کچھ نہ

بولے۔ خود جس بات کے خلاف ہو اس کو زبان پر نہ لائے کیونکہ ایسا کرنا خود سے بے مروتی ہے۔ سوم: لوگوں سے ادب کے ساتھ پیش آنا۔ مخلوق کی صحبت کے آداب میں سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ سفر و حضر میں ان کے ساتھ سنّت کی متابعت میں عمدہ برتاؤ کرے۔ اس کے بعد آپ نے صحبت کے حقوق، ان کی رعایت اور آداب کی حقیقت بیان فرمائی۔ آپ نے اقامت اور حالتِ سفر میں آداب کو الگ الگ بیان فرمایا علاوہ ازیں کھانے، چلنے پھرنے، سونے کے آداب بیان فرمائے حتیٰ کہ آدابِ کلام و خاموشی اور سوال کرنے اور اس کے ترک کے آداب بھی بیان فرمائے۔

دسواں پردہ:

صوفیائے کرام کی اصطلاحات اور ان کی تشریح، علم و معرفت، شریعت و حقیقت وغیرہ۔ آپ نے حال و وقت۔ مکان و تمکن۔ محاضرہ و مکاشفہ۔ قبض اور بسط۔ اُنس و ہیبت۔ قہر و لطف۔ نفی اثبات۔ مسامرہ و محادثہ۔ علم الیقین۔ حق الیقین اور عین الیقین کی وضاحت فرمائی۔ ان سب کی تفہیم انتہائی توجہ کے ساتھ مطالعہ سے ہی نصیب ہو سکتی ہے۔ مسامرہ و محادثہ نسبتاً غیر معروف اصطلاحات ہیں۔ مسامرہ سے مراد بندے پر باطنی اسرار کے ظاہر ہونے کی کیفیت اور اس کو چھپانے کی دائمی خوشی ہے۔ مسامرہ رات کے اوقات میں سے ایک خاص وقت ہے جب بندے کو خدا تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز کی کیفیت نصیب ہوتی ہے۔ محادثہ دن کے اوقات میں خدا تعالیٰ سے ظاہری و باطنی سوال اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے باطن کے بھید پانے کا نام ہے۔ مختصراً رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات کو مسامرہ اور دن کی دعاؤں کو محادثہ کہتے ہیں۔ محبت الٰہی میں مسامرہ، محادثہ سے زیادہ کامل ہے۔ اس کے بعد آپ نے بارہویں فصل میں اصطلاحات صوفیاء کی دوسری قسم تیرہویں فصل میں تیسری قسم اور چودھویں فصل میں چوتھی قسم بیان کی ہے۔ یہ اقسام بہت دقیق اور توجہ طلب ہیں۔ ہر سالک کو ان کا کامل توجہ سے مطالعہ کرنا چاہیے۔

گیارہواں پردہ:

سماع، اس کا ثبوت، متعلقہ احکام، اس ضمن میں صوفیاء کا اختلاف اور سماع کے

آداب بیان کیے گئے ہیں۔ آپ نے بیان فرمایا کہ حصولِ علم کے پانچ اسباب ہیں، سننا، دیکھنا، چکھنا، سونگھنا اور چھونا۔ سننے کے قابل چیزوں میں سے دل کے فوائد کے لحاظ اور باطن کے لئے زوائد کے اعتبار سے اور کان کے لئے لذت کی رو سے بہترین چیز اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کے پڑھنے اور سننے سے طبیعت پر رقت طاری ہوتی ہے۔ کفارِ قریش بھی راتوں کو چھپ کر آتے اور حالتِ نماز میں جب حضور نبی اکرم ﷺ اپنی شیریں زبان سے قرآن شریف کی تلاوت فرماتے۔ تو وہ لوگ اس کو شوق سے سنتے اور تعجب کرتے۔ کفار میں عتبہ بن ربیع فصاحت و بلاغت میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور اپنے کلام سے سننے والوں پر سحر طاری کر دیتا تھا۔ اس نے ایک بار سرکار ﷺ کی زبانِ اقدس سے قرآنِ پاک سنا تو بے ہوش ہوگیا۔ اس نے ابو جہل سے کہا کہ مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت داتا صاحب نے جنات کے ایک گروہ کا کلام الٰہی سننے کا حوالہ دیا۔ جنات بھی قرآنِ پاک کی آیات سن کر متاثر ہوئے اور اس کلام کو حیران کن کہا۔ ان سب کو قرآن پاک سننے کے بعد ایمان کی دولت نصیب ہوگئی۔ ان حوالہ جات سے مراد یہ ہے کہ قرآن پاک کی اپنی ایک موسیقیت اور تاثیر ہے جو اور کسی کلام میں نہیں۔ اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شعر کے سماع کے حوالے سے لکھا کہ شعر کا سننا مباح ہے۔ پیغمبر ﷺ نے بھی سنا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اشعار کہے اور سنے ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمانِ عالی ہے۔ بلاشبہ بعض شعر ایسے ہیں جن میں حکمت ہے اور حکمت ہی مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے۔ جہاں پائے وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

خوش آوازی کے حوالے سے حضرت داتا صاحب نے حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان درج کیا کہ قرآن پاک پڑھنے میں اپنی آوازوں کو سنوارو۔ مفسرین فرماتے ہیں: اس سے مراد عمدہ آواز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بہشت میں بہشتیوں کو بھی سماع حاصل ہوگا وہ اس طور پر کہ جنت کے ہر درخت سے مختلف قسم کی دلکش اور سریلی آوازیں نکلیں گی جب وہ مختلف آوازیں باہم مل جاتی ہیں تو طبیعتوں کو ان کے سننے سے بڑی لذت حاصل ہوتی ہے۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ خوش اور سریلی آوازوں کی ترکیب اور تالیف سے تمام جانداروں کی طبیعتیں خوش ہوتی ہیں۔ اہل عرب خوش الحانی کو بہت پسند کرتے ہیں۔ قدیم دور میں حدی خوان قافلے کے آگے چلتے ہوئے خوش الحانی سے اشعار پڑھتے تو سننے والوں کی سفر کی کلفت دور ہوتی۔ آپ نے

فرمایا: "غرضیکہ سریلی آواز اور الحان کی تاثیر عقلمندوں کے نزدیک اتنی مسلم اور واضح ہے جس کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ سرود اور سریلی آوازیں اور ساز کوئی اچھی چیزیں نہیں وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے یا نفاق رکھتا ہے یا پھر حس نہیں رکھتا اور انسانوں اور صوفیاء کے طبقہ سے باہر ہے"۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فرمایا کہ اگر سرود سننے سے دل میں بدکاری کا کوئی خیال پیدا نہ ہوتا ہو یا یہ صرف کھیل کود کے لئے نہ ہو تو اس کا سننا مباح ہے۔ اگر سماع کی تاثیر حلال ہے تو اس کا سماع بھی حلال ہے اور اگر حرام ہے تو سماع بھی حرام ہے۔ اگر تاثیر مباح ہے تو سماع بھی مباح ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچویں فصل میں مزید واضح فرمایا کہ سریلی آوازوں کا سننا اس معانی کے غلبہ کی رو سے ہوتا ہے جو انسانوں کی طبیعتوں میں ودیعت کیا گیا ہے پس اگر وہ معانی حق ہے تو سماع بھی حق ہے اور اگر باطل ہے تو سماع بھی باطل ہے۔ آپ نے حضرت ذوالنون مصری کا یہ فرمان درج کیا کہ سماع حق کا فیضان ہے جو دلوں کو حق کی طرف اُبھارتا ہے پس جس نے اس کو حقیقی معنوں کے ساتھ سنا۔ اس نے حق کی طرف راستہ پالیا اور جس نے اس کو خواہش نفس کے ساتھ سنا وہ بے دین ہو گیا۔ آپ نے اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول درج فرمایا کہ سماع (راہِ سلوک میں) مضطر یا عاجز لوگوں کا سفر خرچ ہے پس جو منزل پر پہنچ گئے انہیں سماعت کی حاجت نہیں۔ آپ نے محض عشقیہ اور ہوس انگیز اشعار سننے کو ناجائز اور مکروہ قرار دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فرمایا کہ اہل سماع دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو لہو میں مشغول ہونے والے ہیں اور دوسرا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ لاہی (لہو ولعب میں پڑنے والے) تو عین فتنے میں ہوتے ہیں اور الٰہی فتنے سے بچے رہتے ہیں۔

آخر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کے آداب بیان فرمائے۔ اس ضمن میں آپ نے لکھا کہ سماع کو اپنی عادت نہ بنایا جائے۔ قوال شریعت کا احترام کرنے والا متدین ہو۔ سماع کے وقت دل دنیا کے دھندوں سے خالی اور طبیعت لہو ولعب سے متنفر ہو۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ مبتدیوں کو سماع نہ سننے دیں تا کہ ان کی طبیعت پریشان نہ ہو جائے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا کہ سماع کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ وہ

تمام چیزوں پر چمکتا ہے لیکن ہر چیز کو اپنی صلاحیت اور مرتبے کے مطابق سورج سے روشنی، حرارت اور ذوق حاصل ہوتا ہے۔ ایک کو تو وہ جلا دیتا ہے اور دوسرے کو روشن کرتا ہے۔ کسی کو پگھلاتا ہے اور کسی کو نوازتا ہے۔ لہٰذا سماع سننے والوں میں مبتدی اوسط درجے والے اور کاملین پر الگ الگ نوع کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ سماع سے مبتدیوں میں اضطراب اور پریشانی پیدا ہوتی ہے لیکن منتہی سکون واطمینان پاتے ہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا جو سماع کے دوران بہت مضطرب ہوتا یہاں تک کہ دوسرے درویشوں کو اسے سنبھالنا پڑتا۔ لوگوں نے اس کی حضرت شیخ کے پاس شکایت کی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مرید سے فرمایا کہ اگر اس کے بعد تو نے سماع میں بے قراری ظاہر کی تو میں تمہیں اپنا مرید نہیں رکھوں گا۔ اس سے واضح ہے کہ سماع کے دوران ادب واحترام کو قائم رکھنا چاہیے اور نعرہ زنی، جعلی وجد اور اچھل کود سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔

ان گیارہ پردوں کی تفصیل کتاب میں پڑھ کر یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں شریعتِ مطہرہ ہی دین کی حقیقی بنیاد ہے اور تصوف راہِ شریعت پر خلوصِ دل سے عمل کرنے، زیادہ عبادات، مجاہدات کرنے، باطنی حجابات کو دور کر کے باطنی صفائی حاصل کرنے اور عرفانِ الٰہی کا نام ہے۔ ملک کے معروف نعت گو شاعر راجہ رشید محمود نے داتا صاحب کی منقبت میں کیا خوب ارشاد فرمایا:

کشفِ محجوب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی، کرتی ہے اسرار آشکار
جس کا ارشاداتِ محبوبِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا پر ہے مدار
دوستو، گر چاہتے ہو دین ودنیا میں وقار
فکر وتعلیماتِ ہجویری کو کرنا اختیار
دیکھنا، تم کو عطا کرتے ہیں کیا کیا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
فیضِ عالم، سیدِ ہجویر داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

داتا صاحب کی کتاب "کشف المحجوب" کی عظمت کو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا:

"اگر کسے را پیر نہ باشد چوں ایں را مطالعہ کند اورا پیدا شود" یعنی اگر کسی شخص کا کوئی پیر نہ ہو تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے تو اسے مرشد کامل مل جائے گا۔

داراشکوہ نے بھی لکھا "یہ کتاب مرشد کامل کا حکم رکھتی ہے تصوف پر فارسی میں اس سے زیادہ بہتر کوئی تصنیف نہیں ہے"۔ اس کتاب کے نادر قلمی نسخوں اور مطبوعہ اڈیشنوں کی ایک فہرست ایل ایس ڈگن نے مرتب کی۔ قلمی نسخے وی آنا، پیرس، برٹش میوزیم، انڈیا آفس لائبریری لندن، تاشقند پبلک لائبریری، لینن گراڈ یونیورسٹی، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ برلن (جرمنی) اور لاہور کے متعدد اہم کتب خانوں میں موجود ہیں۔ سب سے قدیم نسخہ نو سو سال پرانا ہے۔ دو قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہیں۔ جن پر سال ۱۲۶۵ھ درج ہے۔ اورنگزیب عالمگیر عہد کا ایک قلمی نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ہے۔ کشف المحجوب کا انگریزی زبان میں ترجمہ برطانوی دانشور آراے نکلسن نے کیا تھا جسے ۱۹۱۱ء میں سٹیفن آئی سن اینڈ سنز لندن نے شائع کیا تھا۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان سے بے شمار غیر مسلموں کو دولت ایمان نصیب ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ خوشدلی سے روحانیت کے خزانے لٹاتے۔ اور مالی اعتبار سے بے حد سخاوت کرتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر سے تمام مہمان اور مسافر فیضیاب ہوتے۔ اسی وجہ سے آپ کو لوگوں نے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کہنا شروع کیا۔ یہی لقب "گنج بخش" حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس معروف شعر کا حصہ ہے:

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آپ کو بھی اس بات کا علم تھا اور آپ نے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اے علی! خلق خدا تجھے گنج بخش کہتی ہے حالانکہ تیرے پاس ایک دانہ تک نہیں تو اس لقب کا خیال اپنے دل میں پیدا نہ کر اور یہ نہ سوچ کہ تجھے لوگوں میں کس قدر مقبولیت حاصل ہے اگر تو نے ایسا خیال کر لیا تو گنہ گار ہو گا"۔ یہ حوالہ کتاب "کشف الاسرار" کا ہے یہ تو آپ کی طرف سے اظہارِ عجز ہے اور اس سے اپنے نفس کی تادیب مقصود ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت اور روحانی فیضان کی وجہ سے آپ کو داتا یا گنج بخش کہنا ناجائز یا موجب شرک ہے۔ اگر

کہنے والے کا ذہن مندرجہ بالا مفہوم کی روشنی میں واضح ہے اور کوئی شرکیہ مفہوم اس کے ذہن میں نہیں تو پھر مجرد داتا، گنج بخش اور دستگیر کے الفاظ بولنا قابل گرفت نہیں۔ جلال الدین ڈیروی نے اپنی کتاب "سیرت بعد وصال حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ" میں لکھا ہے "علمائے دیوبند بھی حضرت علی ہجویری کو "داتا گنج بخش" کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ ان میں مجلس احرار کے معروف راہنما جانباز صاحب، دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم قاری محمد طیب صاحب، مولوی عبدالماجد دریابادی خلیفہ مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی اشتیاق احمد دیوبندی، مفتی ولی حسن ٹونکی، پروفیسر سید محمد عبدالرشید اور قاضی محمد زاہد الحسینی وغیرھم شامل ہیں۔

آیئے اس بات کا تجزیہ کریں کہ آیا داتا یا گنج بخش کہنے میں شرک کا کوئی شائبہ ہے یا نہیں؟ ہندی لفظ "داتا" کا مطلب ہے عطا کرنے والا، دینے والا اور "گنج بخش" کا معنی خزانے بخشنے والا۔ ظاہر ہے کہ آپ کے پاس دنیاوی دولت کے خزانے تو نہیں تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ تو رشد و ہدایت اور رحمت کے خزانے لٹانے والے تھے۔ مال و دولت کے حوالے سے بھی حد درجہ سخی تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرحلے پر آپ اپنی سخاوت کے باعث مقروض ہو گئے لیکن کچھ عرصہ بعد آپ نے سارا قرض ادا کر دیا۔ یاد رہے کہ آپ کا اصل نام تو "علی" ہے۔ علی، اللہ کریم کا صفاتی نام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام انبیاءِ کرام، اولیاءِ کرام، علماءِ کرام اور عامۃ المسلمین کے ہو سکتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہی کریم اور رؤف الرحیم کہا ہے۔ یہ صفاتی نام اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ "مولانا" ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُمت کے والی ہونے کے ناطے مولانا (ہمارے والی و آقا) ہیں۔ یہاں تک کہ عام علماء کے نام کے ساتھ بھی لفظ مولانا لکھا جاتا ہے۔ ان صفاتی ناموں کے استعمال کی بنا پر شرک کا کوئی احتمال نہیں چونکہ بشری سطح اور حیثیت کے مطابق بندوں کے لئے اللہ کریم کے صفاتی ناموں کا استعمال جائز ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق اور مالک ہونے کے ناطے سمیع و بصیر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں عام بندوں کی پیدائش کے کچھ درجات بیان کر کے آخر میں فرمایا کہ پھر ہم نے اسے سمیع و بصیر بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ اللہ کریم کے سمیع و بصیر ہونے کی حیثیت و درجہ بلند ترین اور ہمارے فہم و ادراک سے بالا ہے۔ لیکن بشری سطح پر سمیع و بصیر ہونا بہت کم تر اور محدود خوبی یا صفت

ہے ۔اللہ کریم کی صفت سماعت و بصارت میں لامحدود وسعت ،دوام اور ہمیشگی ہے ۔عام بندے کی سماعت و بصارت محدود ،عارضی اور زائل ہونے والی ہے ۔اس فرق کو ذہن میں رکھ کر عام بندوں کو سمیع و بصیر کہنا متوجب شرک نہیں ۔جہاں تک لفظ داتا کا تعلق ہے یہ تو اللہ کریم کا صفاتی نام بھی نہیں ،ہاں اللہ تعالیٰ کا ایک نام "معطی" یعنی عطا کرنے والا ہے، یہ لفظ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پاک میں آیا ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ مُعطی (عطا کرنے والا) ہے اور میں "قاسم" یعنی تقسیم کرنے والا ہوں ۔اس مفہوم کا کسی زبان میں کوئی دوسرا صفاتی نام یا لقب عام انسانوں کا ہو سکتا ہے ۔اس صفاتی نام کے استعمال سے شرک کا کوئی احتمال نہیں ۔جلال الدین ڈیروی نے بھی اپنی کتاب "سیرت بعد وصال حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ" میں اس نکتے کی وضاحت ان الفاظ میں کی کہ نجدی، وہابی، گنج بخش و داتا کی نفی کرتے ہیں اور اسے شرک سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اسماء الٰہی میں درج نہیں جبکہ "علی" اللہ تعالیٰ کا قرآنی نام ہے مگر نجدی ،وہابی "علی ہجویری" کہنا جائز سمجھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا نام ہے مگر داتا گنج بخش کہنے سے روکتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں ہے ۔۔۔۔۔"۔(ص:۱۶۵)

حضرت مجدد الف ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت داتا صاحب کے روحانی فیوض و برکات کے حوالے سے ارشاد فرمایا: "فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب الارشاد کی طرح ہے ،اس شہر کی خیر و برکت تمام بلادِ ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے"۔

(تذکرہ حضرت داتا گنج بخش از حکیم محمد موسیٰ امرتسری: صفحہ ۵۶)

حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ نے بجا ارشاد فرمایا:۔

اے آبروئے ملتِ بیضا کے پاسباں
لاہور تیرے دم سے عروس البلاد ہے

معروف نعت گو شاعر رفیع الدین ذکی قریشی نے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایک خوبصورت منقبت لکھی ہے جس کا آخری شعر مندرجہ ذیل ہے:۔

سچ کہا ہے ان کے حق میں خواجۂ اجمیر نے
"گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا"

حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

کشف المحجوب کی روشنی میں

کنور سلطان احمد

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت عین ایمان ہے، جس کے بغیر ایمان کامل نصیب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبتِ الٰہی کا مرکز ومحور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔(۱)

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ بندے اور خالق کے درمیان وسیلۂ عظمیٰ ہے، جہاں سے ملتِ اسلامیہ کو دین و ایمان نصیب ہوتا ہے، معرفتِ الٰہی کا سبق ملتا ہے اور خالق و بندوں کے درمیان رشتہ مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کی جان اور ایمان کی روح ہیں۔ شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

روحِ ایمان، مغزِ قرآں، جانِ دیں ہست حُبِّ رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نہ صرف یہ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجہِ وجودِ کائنات اور جانِ کائنات ہیں اور وجہِ بقائے وجودِ کائنات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت تمام عالمین میں جاری وساری ہے اور تاابدالآباد جاری رہے گی۔ اس حقیقت کا اظہار و بیان خالقِ کائنات نے اس آیتِ مبارکہ میں فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞(۲)

جب یہ امر واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کائنات کے ذرے ذرے میں جاری وساری ہے۔ لہٰذا یہ کائنات اور جمیع مخلوقاتِ کائنات بشمول جملہ انسان، جنات، حیوانات، نباتات اور جمادات وغیرہم کا وجود سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ باجود اور رحمتِ کاملہ کا رہین

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج، ملتان

احسان ہے، تو یہ فطری تقاضا ہے کہ کائنات کی ہر شے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرے، کیونکہ محتاج اپنے وجود کی بقاء اور حصولِ کمالات میں محتاج الیہ کا رہین منت ہوتا ہے اور:

کل شی یر جع الی اصلہ — ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔

کے مصداق ہر چیز اپنی اصل سے کامل نسبت رکھتی ہے اور اس نسبت کو قائم رکھنا اس کی مجبوری بھی ہے اور ضرورت بھی ہے۔ اِلّایہ کہ وہ مخلوق فطری نظام اور اس کے تقاضوں سے باغی ہو جائے، جیسے کفار، ملحدین اور منکرین وغیرہ۔ اسی فطری تقاضے کے پیشِ نظر ہر مخلوق انقیاد و محبت کا تعلق بھی قائم رکھتی ہے۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے عقل و بصیرت اور نطق کلام جیسی صفاتِ حسنہ سے نوازا ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی محبت بھی ایسی بے مثال ہونی چاہیے جو ایک طرف تو شعوری ہو اور دوسری طرف وجدانی ہو۔ جس میں انسان اپنے مال و اولاد، والدین، بیوی، دنیاوی جاہ و چشم حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت اور قلبی تعلق رکھتا ہو، تاکہ اسے ایمانِ کامل کی صورت نصیب ہو اور اسی جذبے کے تحت وہ حرمت و عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی کے لیے کسی بھی جانی و مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ اسی محبت و قلبی تعلق کی طرف خود آنحضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہنمائی فرمائی ہے، ارشاد فرمایا:

لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔ (۳)

حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ مثلاً اطاعت اتباعِ رسول، ادب و احترامِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جذبہ تشکر و عقیدت، وغیرہ اور محبت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان جس ہستی سے محبت کرتا ہے اکثر اس کا ذکر کرتا ہے۔:

"من احبَّ شیئًا اکثر ذکرہ۔" (۴)

انسان محبوب ہستی کا ذکر کرتا ہے، تو اس کے ساتھ ساتھ اس کی متعلقہ شخصیات اور اس کی محبوب و دل پسند اشیاء کا ذکر بھی کرتا ہے تاکہ محبوب خوش ہو جائے۔ اس اصول کے پیشِ نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس خاندان اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے بھی محبت و عقیدت رکھتا ہے اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے محبت کی ضرورت پر اللہ تعالیٰ نے یوں

زور دیا ہے، ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ (۵)

(اے محبوب!) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما دیں کہ لوگو! مَیں تم سے اس (تبلیغِ دین) پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ مگر قرابت کی محبت۔

مندرجہ بالا آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس خاندان سے محبت کو امتِ مسلمہ پر لازم قرار دیا گیا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم سے محبت وعقیدت کو لازم قرار دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا، كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ۔ (۶)

اے لوگو! میں تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم انہیں پکڑے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔

درج بالا حدیث مبارکہ میں اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو ذریعۂ ہدایت اور گمراہی سے بچنے کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ان سے قلبی تعلق ہدایت وکامیابی کا ضامن ہے۔ نیز ارشاد فرمایا:

مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ، مَنْ رَكِبَ فِيْهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ۔ (۷)

میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح (علیہ السلام) کی کشتی کی طرح ہے، جو اس میں سوار ہوگیا، وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ غرق ہوگیا۔

مندرجہ بالا آیتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ میں آلِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مقام ومرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ اسی مرتبہ اور نسبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشِ نظر امتِ مسلمہ پر اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی محبت بھی لازم ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم قرآن مجید کے اولین مخاطب ہیں اور انہوں نے ہی اس خطاب کو آگے پوری اُمت تک پہنچایا ہے۔

انہیں اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم میں سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہیں جن کا ذکر حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف المحجوب" میں نہایت محبت سے کیا ہے۔

نام و نسب:

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی علی بن حسین بن علی بن ابی طالب اور خاندانی نسبت قریشی ہاشمی ہے۔(۸)

کنیت:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابوالحسن" لکھی ہے۔(۹) امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابوالحسین" لکھی ہے (۱۰) جبکہ علماء کرام رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو محمد، ابوالحسن اور ابوبکر بھی لکھی ہے۔(۱۱)

القاب:

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کرتے ہوئے زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وارثِ نبوت و چراغِ امت، سیدِ مظلوم و امامِ مرحوم، زین عباد و شمع الاوتاد ابوالحسن علی بن حسین بن علی ابی طالب کرم اللہ وجہہ الاکرام۔" (۱۲)

آپ رضی اللہ عنہ کے القاب میں "سجاد" اور "زین العابدین" بھی ہیں۔(۱۳) آپ رضی اللہ عنہ کو "علی اصغر" بھی کہا جاتا ہے۔امام حسین علیہ السلام بھی آپ رضی اللہ عنہ کو "علی اصغر" کہتے تھے۔(۱۴)

یہ القاب جہاں ایک طرف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی آپ رضی اللہ عنہ سے عقیدت و محبت کے آئینہ دار ہیں، وہاں امام مذکور رضی اللہ عنہ کے ہمہ جہت کمالات و اوصاف اور ان کی علمی، عملی اور روحانی عظمت کے بھی عکس ہائے جمیل ہیں۔

اساتذہ کرام:

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوتِ مقدسہ کے فیض کے وارث ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فیضانِ نبوت سے کسبِ فیض کیا۔قرآن مجید کو سمجھا اور اس پر بطریق

احسن عمل بھی کیا جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ نے علم حدیث بھی حاصل کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ حدیث میں سیدنا امام حسن، سیدنا امام حسین، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت مسور بن مخرمہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت شامل ہے۔ اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدہ اُم سلمہ اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہن سے بھی روایت حدیث کی ہے۔ (۱۵)

ان شخصیات نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تعلم میں یقیناً کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، اسی سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت و رفعت کا پتہ بھی چلتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ رحمۃ اللہ علیہ حدیث کو کم روایت کرتے ہیں۔

مشہور تلامذہ:

ویسے تو آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے، کیونکہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے کسب فیض کیا اور آپ رضی اللہ عنہ خاندانِ نبوت کا میدانِ کربلا سے بچا ہوا مقدس ورثہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ایک ایک لفظ سننا اور اسے سمجھنا لوگوں کے لیے بہت بڑی سعادت تھا۔ لہٰذا ہر کسی نے اپنی استطاعت کے مطابق اسے حاصل کیا۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ کے چند معروف تلامذہ میں آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوجعفر، زید، محمد، عمر اور عبداللہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ اس کے علاوہ زید بن اسلم، عاصم بن عمر، زہری، یحییٰ بن سعید، ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر شامل ہیں۔ (۱۶) ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ سے ایک کثیر جماعت نے روایات بیان کی ہیں۔ (۱۷) لہٰذا علم حاصل کر کے پھر اس کی نشر و اشاعت کا فریضہ بھی آپ رضی اللہ عنہ نے بطریق احسن سرانجام دیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں سے ہر شخص ایک ادارہ ثابت ہوا۔ انہوں نے اپنے علیحدہ علیحدہ حلقہ ہائے درس قائم کیے اور اپنے تلامذہ کے سامنے تعلیم حدیث اور روایتِ حدیث کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔

علم حدیث میں رفعت:

تعلیم و روایتِ حدیث میں آپ رضی اللہ عنہ بلند مقام کے حامل تھے اور عظیم حاملین حدیث

کے سرخیل تھے، محمد بن سعد نے آپ رضی اللہ عنہ کی علم حدیث میں عظمت و رفعت کو بطورِ خاص بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ ثقہ و مامون تھے، آپ رضی اللہ عنہ بہت بڑے صاحب حدیث اور متقی تھے۔(۱۸)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ فقیہ کوئی نہیں دیکھا لیکن وہ حدیث کم روایت کرتے ہیں، افضل ہیں اور اطاعتِ الٰہی میں سب سے زیادہ ہیں۔(۱۹)

عبادت و ریاضت:

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بہت بڑے عابد و زاہد تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کی عبادت و ریاضت کے بارے میں حضرت سید علی ہجویری رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں:

اکرم و اعبد اهل زمانه خود بود۔(۲۰)

مندرجہ بالا فقرے میں "أکرم" اور "أعبد" تفصیل کل کے صیغے ہیں۔یعنی آپ رضی اللہ عنہ اتنے بڑے عابد کہ آپ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اس وقت زمانے بھر میں کوئی عبادت گزار نہ تھا۔ معتبر و مستند روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں ابونعیم اصفہانی لکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ عابد و زاہد، صوفیاء کے سردار اور اتقیاء کے علمبردار تھے۔(۲۱) آپ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں سب لوگوں سے زیادہ عزت و تکریم والے اور سب سے بڑھ کے۔عبادت کرنے والے تھے۔ابوحازم اعرج کہتے ہیں میں نے کوئی ہاشمی ان سے افضل نہیں دیکھا۔(۲۲)

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ اس بات کو پسند کرتے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو وضو کرانے میں کوئی مدد نہ کرے، اپنے وضو کے لیے خود پانی بھرتے، اور آرام کرنے سے پہلے اپنے پاس رکھ لیتے، آپ رضی اللہ عنہ سفر و حضر میں رات کا قیام ترک نہیں فرماتے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہ ہر روز و شب میں ایک ہزار نفل ادا کرتے تھے۔(۲۳)

اس کی شہادت امام مالک کی روایت بھی ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دن رات میں ایک ہزار نفل ادا کرتے تھے، اور وفات تک یہی

معمول رہا۔ واقدی کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ بڑے متقی اور عابد تھے۔ (۲۵) اسی طرح سعید بن مسیب کہتے ہیں میں نے ان سے بڑا متقی نہ دیکھا۔ (۲۶)

امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے کسی قریشی کو آپ رضی اللہ عنہ سے بڑا متقی اور خوبیوں والا نہیں دیکھا۔ (۲۷) اس سلسلے میں حضور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرزدق کا یہ شعر بھی نقل فرماتے ہیں:

هذا ابن خير عباد الله كلهم   هذا التقی النقی الطاهر والعلم

"یہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں میں سے بہتر بندے کی اولاد ہے، پاک باطن اور پاکیزہ بدن ہیں۔"

نیز لکھتے ہیں:

اِن عُدًّا اهل التقى كانوا ائمتهم   اَو قيل من خير اهل الارض قيل هم (۲۸)

"دنیا کے تمام اہل تقویٰ کو شمار کیا جائے تو یہ ان کے مقتدای ہیں، اور اگر پوچھا جائے کہ اہل زمین میں بہتر کون ہے۔"

"زین العابدین" کا لقب:

آپ رضی اللہ عنہ "زین العابدین" یوں مشہور ہوئے کہ ایک رات آپ رضی اللہ عنہ نمازِ تہجد میں مشغول تھے کہ شیطان ایک سانپ کی شکل میں ظاہر ہوا تا کہ اس ڈراؤنی صورت سے وہ آپ رضی اللہ عنہ کو عبادت سے باز رکھ کر لہو ولعب میں مشغول کر دے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس پر اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے انگوٹھے کو منہ میں لے کر کاٹا، آپ رضی اللہ عنہ کو بڑی تکلیف ہوئی مگر نماز نہ توڑی، اور آپ رضی اللہ عنہ کو پتہ چل گیا کہ وہ شیطان ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے مار کر بھگا دیا۔ دریں اثناء ایک آواز آپ رضی اللہ عنہ نے سنی مگر بولنے والا نظر نہ آیا، وہ کہتا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ زین العابدین ہیں!۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ زین العابدین ہیں!۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ زین العابدین ہیں! (۲۹) امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جب بھی آپ رضی اللہ عنہ کو یاد کرتے تو رو دیتے اور کہتے کہ آپ رضی اللہ عنہ واقعی "زین العابدین" ہیں جو یزدگرد کی بیٹی سے ہیں۔ (۳۰)

سرزمین کربلا میں:

آپ رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا کے میدان میں تھے۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر تیئس (۲۳) سال تھی اور بیماری کی حالت میں سو رہے تھے، جب امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور یزیدی لشکر، اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے خیموں تک آیا، تو شمر بن ذی الجوشن نے کہا کہ انہیں بھی قتل کر دو، لیکن اس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم ایسے نوخیز جوان مریض کو قتل کر دیں جس نے قتال میں بالکل حصہ نہیں لیا؟ ۔۔۔ پھر وہاں عمر بن سعد آیا تو اس نے کہا کہ ان عورتوں اور اس مریض سے بالکل تعرض نہ کرو۔ (۳۱)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے، میدانِ کربلا میں قربان شدہ خاندان کے آپ رضی اللہ عنہ آخری چشم و چراغ اور خانوادۂ نبوت کے اکیلے گل سرسبد ہیں، جن سے "حسینی سادات" کی نسل بڑھی۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حسینی سادات کی ساری نسل امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ہی آگے چلی اور آپ رضی اللہ عنہ ہی تمام حسینی سادات کے باپ ہیں۔ (۳۲)

حق گوئی و بے باکی:

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھجوا دیا گیا۔ اس نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا نام کیا ہے؟ ۔۔۔ مَیں نے کہا علی بن حسین رضی اللہ عنہ ۔۔۔ اس نے کہا کہ کیا علی کو اللہ نے قتل نہیں کر دیا؟ ۔۔۔ مَیں کہا کہ میرے ایک بڑے بھائی تھے، جن کا نام بھی "علی" تھا، انہیں لوگوں نے قتل کر دیا۔ اس نے کیا کہ نہیں بلکہ اسے اللہ نے قتل کیا ہے ۔۔۔ مَیں نے کہا کہ:

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا — اللہ تعالیٰ ان کی موت کے وقت جانوں کو لے لیتا ہے۔

اس پر زیاد نے میرے قتل کا حکم دیا۔ حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہ نے چلا کر کہا کہ اے ابن زیاد! تجھے ہم لوگوں کے خون (جو تو کر چکا) کافی ہیں، مَیں تجھے کہتی ہوں کہ لِلّٰہ مجھے ان کے ساتھ قتل کیے بغیر انہیں قتل نہ کرنا۔ (۳۳)

خشیتِ الٰہی:

حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ خوفِ الٰہی سے ہر وقت لرزہ بر اندام رہتے تھے۔ چنانچہ وضو کرتے وقت آپ رضی اللہ عنہ کا چہرۂ مبارک زرد ہو جاتا تھا، اور جب آپ رضی اللہ عنہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو خشیتِ الٰہی سے کانپ اٹھتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا:

اتدرون بین یدی من ارید اَنْ اَقِفُ (۳۴) "کیا تم جانتے ہو کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہو رہا ہوں۔"

ایک دفعہ حج کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کی زبان پر لرزہ طاری ہو گیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں میرے تلبیہ کا جواب "لالبیک" سے نہ دیا جائے۔ لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو اطمینان دلایا، اس پر جب آپ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ تلبیہ کہا تو پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (۳۵)

ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ گھر میں نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک گھر میں آگ لگ گئی، آپ رضی اللہ عنہ سجدہ ہی میں پڑے رہے، لوگوں نے ہر چند شور مچایا کہ اے ابن رسول اللہ! اے ابن رسول اللہ! آگ بھڑک اٹھی، آگ بھڑک اٹھی!!۔۔۔ مگر آپ رضی اللہ عنہ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ جب آگ بجھ گئی تو آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ آگ سے غافل کیوں رہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آخرت کی آگ کے ڈر سے۔" (۳۶)

تسلیم و رضا:

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تسلیم و رضا کے پیکرِ رعنا تھے، ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کا ذکر و شکر کرنے والے تھے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی پیش نظر رکھتے تھے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب یزیدی لشکر نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو مع اعزہ و اقرباء کے شہید کر دیا اور حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی باقی نہ رہا، جو عورتوں کی نگرانی کرتا۔ آپ رضی اللہ عنہ بیمار بھی تھے، جب انہیں اونٹوں کی

برہنہ پیٹھ پر سوار کر کے دمشق میں یزید بن معاویہ کے سامنے لایا گیا، تو ایک شخص نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا:

كيف اصبحتم يا علی و يا اهل بيت الرحمة!!

"اے علی رضی اللہ عنہ اور اے اہلِ بیت رحمت! آپ لوگوں نے صبح کس حال میں کی؟"

تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

اصبحنا من قومنا بمنزلة قوم موسیٰ من اٰلِ فرعون يذبحون ابناء هم ويستحيون نسآء هم فلا تدری صباحنا من مسآءِنا وهذا من حقيقة بلاءِنا (۳۸)

ہم نے اپنی قوم کی طرف سے ویسی ہی صبح کی جیسی کہ قومِ موسیٰ نے آلِ فرعون کے ساتھ کی تھی، کہ وہ فرعونی ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، پس ہم نہ صبح کو پہچانتے ہیں، نہ شام کو، پس یہی ہماری مصیبت کی حقیقت ہے۔

ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ کے اردگرد لوگ بیٹھے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے گھر میں شور کی آواز سنی تو اُٹھ کر گھر گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد واپس آ گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا کوئی وفات ہوئی ہے؟ فرمایا ہاں!! لوگوں کو ان کے صبر پر تعجب ہوا، تعزیت بھی کی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اہل بیت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں جب خوشگوار بات ہو، اور ناپسندیدہ چیز پر اس کی حمد کرتے ہیں۔ (۳۹)

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی آزمائش پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ (۳۸)

بلاشبہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ہمت و جرأت اور صبر و رضا کے کوہِ گراں ثابت ہوتے ہیں۔ ورنہ اتنے دلگیر اور اندوہناک حالات میں پایۂ استقلال میں لغزش آ جاتی ہے اور عام انسان مصائب سے بلبلا اٹھتا ہے۔ لیکن یہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو رہتی دنیا تک کے انسانوں کو تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا درس اپنے عملی نمونہ بھی دیا۔ درحقیقت یہ مقام انہی اولوالعزم ہستیوں کا خاصہ ہے اور یہ صبر و شکر اور تسلیم و رضا کے جذبات فیضانِ نبوت ہی کی تنویر ہیں اور تاریخِ انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہیں۔

لباس:

اسلام دین فطرت ہے، اور فطرت کے ہر مظہر میں سادگی ہے، اسی طرح اسلام نے ہمیں سادہ لباس پہننے، سادہ خوراک کھانے اور سادہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر سادگی اختیار کرنا ایک سچے مسلمان کی شان ہے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی زندگی بھی سادگی کا حسین نمونہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے زندگی کے ہر شعبے میں سادگی اختیار کی۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی زرخز کی چادر تھی جسے وہ جمعہ کے دن اوڑھتے تھے، نیز آپ رضی اللہ عنہ کے پاس خز کا ایک جبہ بھی تھا۔ (۴۰) نیز آپ رضی اللہ عنہ مصر کے شہر "شجون" کی بنی ہوئی دو چادریں بھی استعمال کرتے تھے، جن کی قیمت ایک دینار ہوتی تھی، ان دو چادروں ہی میں آپ رضی اللہ عنہ گرمی گزار دیتے۔ (۴۱)

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ گرمیوں میں آپ رحمۃ اللہ علیہ پیوند لگے ہوئے معمولی کپڑے پہن لیتے تھے۔ (۴۲)

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اور ہشام بن عبد الملک:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ہشام بن عبد الملک ایک سال حج کے لیے آیا، اس نے دورانِ طواف حجر اسود کا بوسہ لینا چاہا لیکن لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے کوئی راستہ نہ ملا، تو وہ منبر پر چڑھ کر خطبہ دینے لگا۔ اسی دوران حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ مسجدِ حرام میں تشریف لائے، چاند سے چہرے، روشن رخساروں اور خوشبودار لباس کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کا طواف شروع کیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ حجر اسود کے قریب پہنچے، تو آپ رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے لیے لوگوں نے حجر اسود کے آس پاس کی جگہ خالی کر دی۔ ہشام نے کہا یہ نوجوان کون ہے؟ میں اسے نہیں پہچانتا!!۔۔۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اہلِ شام اسے نہ پہچانیں اور نہ ہی اس کی خلافت کی خواہش کریں۔

عرب کا مشہور شاعر "فرزدق" وہاں کھڑا تھا، اس نے کہا میں ان کو خوب پہچانتا ہوں، لوگوں نے کہا: اے ابو فراس! ہمیں بتاؤ وہ کون ہے، کہ ہم نے اسے بڑا بارعب نوجوان دیکھا

ہے۔۔۔فرزدق نے آپ رضی اللہ عنہ کے تعارف میں ایک قصیدہ پڑھا، چند اشعار یہ ہیں۔

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْاَتَهٗ وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

"یہ وہ ہستی ہیں جن کے قدموں کو وادیٔ بطحاء پہچانتی ہے، اور بیت اللہ
اور حل وحرم بھی اسے خوب جانتے ہیں۔"

هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ اِنْ کُنْتَ جَاهِلَهٗ وَبِجَدِّهٖ اَنْبِیَآءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمَ

"یہ فاطمہ الزہراء (رضی اللہ عنہا) کا صاحبزادہ ہے، اگر تو اس سے ناواقف ہے،
اور اس کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انبیاء کرام کا سلسلہ ختم کیا گیا۔"

یُنْمٰی اِلٰی ذَرْوَةِ الْعِزِّ الَّتِیْ قَصُرَتْ عَنْ نَیْلِهَا عَرَبُ الْاَسْلَامُ وَالْعَجَمُ

"وہ عزت کی اس بلندی پر پہنچا ہوا ہے، جہاں تک عرب وعجم کے تمام
مسلمان پہنچنے سے قاصر ہیں۔"

مَنْ جَدُّهٗ دَانَ فَضْلُ الْاَنْبِیَآءِ لَهٗ وَفَضْلُ اُمَّتِهٖ دَانَتْ لَهُ الْاُمَمُ

"اس کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تمام انبیاء کرام (علیہم السلام) سے افضل ہے، اور
ان کی اُمت کو تمام اُمتوں پر فضیلت حاصل ہے۔"

مشتقة عن رسول الله بنعته طابت عناصره والخِیَمُ وَالشِّیَمُ

"اس کی صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات سے مشتق ہیں، اور ان کے
عناصر انتہائی عمدہ اور پاکیزہ ہیں۔" (۴۳)

فرزدق شاعر نے کس شاندار انداز سے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا تعارف کرایا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کی خاندانی رفعت ومنزلت کو بیان کیا ہے۔ نیز ان اشعار سے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت بھی واضح ہوتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس قصیدے کے تئیس اشعار اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔

شدتِ گریہ:

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ اکثر گریہ وزاری کرتے اور مغموم رہتے تھے، کسی نے آپ رضی اللہ عنہ کو قہقہہ لگا کر ہنستے نہ دیکھا۔ لوگوں نے جب آپ رضی اللہ عنہ سے اس شدتِ گریہ وزاری کی

وجہ پوچھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ملامت نہ کرو، اس لیے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے ایک بیٹے کو گم پایا، تو اتنا روئے کہ شدتِ گریہ وغم سے ان کی بینائی جاتی رہی اور آنکھیں سفید ہو گئیں، یہ ایک بیٹے کی جدائی کے غم میں ہوا، اور مَیں نے تو اپنی ان آنکھوں سے اپنے خانوادے کے چودہ افراد کو ایک ہی جنگ میں شہید ہوتے ہوئے دیکھا ہے، تم لوگ کیا سمجھتے ہو کہ ان کا غم میرے دل سے زائل ہو جائے گا۔۔۔!! (۴۴)

جود وسخا:

شریعتِ اسلامیہ نے انفاق فی سبیل اللہ کی بڑی ترغیب دی ہے۔ لاتعداد آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ مبارکہ میں مومنین کی ایک صفت سخاوت بھی بتلائی گئی ہے اور مسلمانوں کو صدقاتِ واجبہ، صدقاتِ نافلہ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ تھے۔ وہ بھلا اس میدان میں بھی کیوں نہ سرخیل ہوتے۔۔۔!! آپ رضی اللہ عنہ جود و سخا کا پیکر تھے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ درجِ ذیل واقعات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ روٹیوں کا تھیلا اپنی کمر پر اٹھاتے اور صدقہ کرتے، ساتھ ہی فرماتے:

"اور مخفی طور پر صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔" (۴۵)

شیبہ بن نعامہ کہتے ہیں جب آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ اہلِ مدینہ میں سے سو گھروں کی کفالت کیا کرتے تھے۔ (۴۶)

حضرت جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد لوگوں نے ان کی کمر پر وہ نشانات دیکھے، جو ان تھیلوں کی وجہ سے پڑ گئے تھے، جنہیں راتوں کو وہ مساکین کے پاس لے جاتے تھے۔ (۴۷)

جب علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، اور لوگ انہیں غسل دینے لگے، تو ان کی کمر پر نشانات دیکھے، لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو انہیں بتلایا گیا کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ آٹے کے تھیلے کمر پر اُٹھا لیتے اور مدینہ منورہ کے فقراء میں تقسیم کرتے تھے۔ (۴۸)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ معتبر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بکثرت صدقہ کیا کرتے تھے۔(۴۹) ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ رات کے وقت خوب صدقہ دیا کرتے تھے۔(۵۰)

محمد بن اسحق کا قول ہے کہ مدینہ منورہ میں کچھ لوگ رہ رہے تھے اور انہیں معلوم تک نہ تھا کہ ان کا گزر بسر کیسے ہو رہا ہے؟ جب علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، تو انہوں نے اس جوان کو مفقود پایا، جو اُن کے پاس رات کو سامانِ خورد و نوش لایا کرتا تھا۔ (۵۱)

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ غریب و نادار لوگوں کی امداد و اعانت کرتے تھے لیکن کبھی بھی اپنا نام ظاہر نہ کرتے تھے، نہ ہی کبھی اپنا تعارف کراتے تھے، جب آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور یہ امداد بند ہوگئی تب لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ تو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تھے۔

اس اندازِ غریب پروری سے آپ رضی اللہ عنہ کے جذبۂ خلوص وللہیت کا پتہ چلتا ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نے مخفی صدقہ برابر موجود پایا، یہاں تک کہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوگیا۔(۵۲)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ شیخ مستقیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہم علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے پاس رہتے تھے، ان کے پاس سائل آتا، تو وہ کھڑے ہو جاتے، اسے عطا کرتے اور کہتے کہ صدقہ سائل کے ہاتھ میں پڑنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں پڑتا ہے اور ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔(۵۳)

اسی طرح ایک دفعہ محمد بن اسامہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے، آپ رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو وہ رونے لگے، امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو؟ انہوں نے پریشان ہو کر جواب دیا کہ مجھ پر پندرہ ہزار دینار قرض ہے۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ بے فکر رہیں، وہ مجھ پر ہے۔(۵۴) آپ رضی اللہ عنہ نہایت کریم النفس اور مخلوقِ خدا سے حد درجہ محبت کرنے والے تھے، اس سلسلہ میں ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ علی بن حسین رضی اللہ عنہ جب صدقہ کرتے تو پہلے اس مسکین کو بوسہ دیتے، پھر اس پر صدقہ کرتے۔(۵۵)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے اس پہلو کو اُجاگر کیا ہے

اور فرزدق شاعر کے کئی اشعار اس سلسلے میں کشف المحجوب میں درج کیے ہیں:

إِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهَا إِلَى مَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِي الْكَرَمُ

"قبیلہ قریش انہیں دیکھ کر اعتراف کرتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ پر جود و کرم کی انتہا ہو چکی ہے۔"

كلتا يَدَيْهِ غِيَاثٌ عَمَّ نَفْعُهُمَا تستوكفانِ ولا يصر وهما العَدَمُ

"ان کے دونوں ہاتھ سخاوت میں گویا موسلا دھار بارش کی طرح ہیں، اور مال و دولت کا عدم ان کے ہاتھ خالی نہیں کرتا۔"

لَا يَسْتَطِيْعُ جَوَّادٌ بُعْدَ غَايَتِهِم لَا يُدَانِيهِم قومٌ وَإِن كَرُمُ

"کوئی شخص سخاوت میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور کوئی قوم ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتی۔"

هم الغيوث اذ ما ازمة ازمت والاسد اسد الشرى والسباس مختدم

"جب قحط سالی ہو تو ان کے ہاتھ موسلا دھار بارش ہیں، اور جب جنگ ہو رہی ہو تو وہ ایک شیر کی طرح ہیں۔"

سيان ذلك ان اثروا وان عدموا لاينقص الحسر يسعًا من اكفهم (۵۶)

"مالدار ہونا یا نہ ہونا ان کے لیے دونوں برابر ہیں۔ تنگدستی ان کے ہاتھوں کی کشادگی کو کم نہیں کرتی۔"

ان اشعار میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی سخاوت و وسیع القلبی اور ان کے جود و کرم کو نہایت حسین انداز میں بیان کیا ہے۔

تواضع:

حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، بات ہمیشہ دھیمے لہجے میں کرتے۔ شور و شغب طبیعت کو اچھا نہ لگتا تھا اور ظاہری نمود و نمائش کے بالکل خلاف تھے، ہر وقت عاجزی و انکساری کا انداز اپنائے رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ایک جماعت آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ کس قدر جھوٹے ہو، کس

قدر اللہ تعالیٰ پر جرأت کرنے والے ہو، ہم اپنی قوم کے صالحین میں سے ہیں اور ہمیں یہی کافی ہے۔ (۵۷) امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنی تعریف کو اچھا نہ سمجھتے تھے اور نگاہِ بصیرت سے یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ آنے والی جماعت کے لوگ منافقین کی طرح جھوٹ بول رہے ہیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے تواضع کا اظہار فرماتے ہوئے انہیں ملامت کر کے چپ کرا دیا۔

طاؤس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ کو حجر اسود کے پاس سجدہ میں یہ دعا کرتے سنا کہ: "تیرا فقیر بندہ تیری چوکھٹ پر پیشانی رکھے ہوئے ہے۔" طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے جب بھی ان الفاظ سے دعا کی تو فوراً قبول ہوگئی۔ (۵۸)

عفو و درگزر:

قصور وار کو معاف کر دینا اور اس سے انتقام نہ لینا صالحین و مقربین بارگاہِ الٰہی کا شیوہ رہا ہے۔ حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بھی ساری زندگی اسی روش کو اپنایا۔ ہر ہر قدم پر عفو درگزر اور حلم و بردباری سے کام لیا اور اُمت مسلمہ کے لیے اسوۂ محبت و الفت کا اعلیٰ نمونہ مہیا فرمایا۔ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس خصوصیت کا اظہار درج ذیل شعر نقل کر کے کیا ہے، جو آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے اس پہلو کو بطورِ خاص بیان کرتا ہے:

سَهْلُ الْخَلِيْقَةِ لَا يَخْفٰى بِوَادِرِهٖ   يَزِيْنُهٗ اِثْنَانِ حُسْنُ الْخُلْقِ وَالشِّيَم

"وہ ایسا نرم مزاج ہے کہ اس کا غصہ بے خطر ہے، حسنِ صورت اور حسنِ سیرت اس کی زینت ہے۔" (۵۹)

ایک کنیز آپ رضی اللہ عنہ کو وضو کرا رہی تھی، لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر آپ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر گرا، جس سے آپ رضی اللہ عنہ کا چہرہ زخمی ہوگیا، آپ رضی اللہ عنہ نے غصہ سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے قرآن پاک کی آیت پڑھی:

والکاظمین الغیظ   اور غصہ کو ضبط کرنے والے۔

اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كَظَمْتُ غَيْظِيْ   میں نے غصہ ضبط کرلیا۔

پھر کنیز نے دوسری آیت پڑھی:

والعافین عن الناس — اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔

اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عفوتُ عنکِ — میں نے تمہیں معاف کیا۔

اس پر کنیز نے تیسری آیت پڑھی:

واللہ یحب المحسنین — اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اتتِ حرۃ لوجہ اللہ — جا میں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے آزاد کیا)۔(۶۰)

یہ اس عرب معاشرے کا واقعہ ہے جہاں غلاموں سے اُن کی طاقت سے بڑھ کر کام لیا جاتا تھا۔ ہر طرح کا ظلم وستم اور غیر انسانی سلوک ان سے روا رکھا جاتا۔ نہ صرف یہ بلکہ اگر غلام سے کوئی غلطی ہو جاتی تو معافی تو درکنار، ان کی جان تک بھی لے لی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا اور غلاموں کی دستگیری فرمائی۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر بطورِ خاص غلاموں اور کنیزوں سے حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا:

ارقاء کم ارقاء کم، اطعموھم مما تکلون واکسوھم مما تلبسون۔ (۶۱) — تمہارے غلام، تمہارے غلام، جو خود کھاتے ہو انہیں کھلاؤ جو تم خود پہنتے ہو، انہیں پہناؤ۔

اس ارشادِ مبارک کی تعمیل میں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اس کنیز کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اسے آزاد بھی کر دیا۔

اسی طرح علی بن حسین رضی اللہ عنہما اور حسن بن حسن رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی بات پر نزاع ہو گیا۔ حسن بن حسن رضی اللہ عنہما سبقت لے جا رہے تھے اور علی بن حسین رضی اللہ عنہما خاموش تھے، جب رات ہو گئی تو علی بن حسین رضی اللہ عنہما، حسن بن حسن رضی اللہ عنہما کے گھر گئے اور ان سے فرمایا، اے میرے عم زاد! اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے، اور اگر آپ رضی اللہ عنہ جھوٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ یہ کہہ کر واپس آ گئے، اس کے بعد ابن حسن رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور جا کر صلح

کرلی۔(۶۲)

مندرجہ بالا واقعہ میں جہاں ایک طرف امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے جذبہ عفو و درگزر کا پتہ چلتا ہے، وہاں صلہ رحمی کی اہمیت بھی سامنے آتی ہے کہ کس طرح اعلیٰ ظرفی سے آپ رضی اللہ عنہ قرابت داریوں کو قائم رکھا۔

ایک روز ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے نظریں پھیر لیں۔اس نے نازیبا الفاظ کہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم ہی سے چشم پوشی کر رہا ہوں، ہمارے عیوب بہت ہیں، کیا واقعی تمہیں کوئی ضرورت ہے؟۔۔۔وہ نادم ہوگیا، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے ایک ہزار درہم اور ایک جوڑا کپڑوں کا دینے کا حکم دیا۔اس کے بعد جب بھی وہ آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تو کہتا کہ واقعی تم نبی کی اولاد ہو۔(۶۳)

علم کی قدر:

علم انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت ہے اور علماء کرام اور اہلِ علم ورثۂ نبوت کے حامل ہیں۔اسی لیے اہل اللہ نے ہمیشہ علم کی قدر کی اور خود کو اس سے مزین و آراستہ کیا۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بھی اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورثہ کی قدر کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے بھی تعلیم و تعلم کو اپنا وظیفہ بنایا۔آپ رضی اللہ عنہ اہلِ علم کی دل سے قدر کرتے تھے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ جب مسجد میں داخل ہوئے، تو لوگوں کو پھلانگتے ہوئے حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں پہنچ جاتے تھے، نافع بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ تو سید الناس ہیں۔اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ اہلِ علم کے حلقہ کو پھلانگ کر اور قریش کو نظرانداز کر کے اس حبشی غلام کے حلقہ میں پہنچ جاتے ہیں۔اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان کو جہاں سے نفع حاصل ہو، اور علم، علم کی جگہ ہی سے حاصل کیا جاتا ہے۔(۶۴)

اس سلسلے میں دوسرا واقعہ ملاحظہ کیجیے:

اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے مسعود بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم مجھے اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو اکٹھا کرو گے؟ میں نے کہا: کس لیے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان سے نفع بخش چیزیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ہمارے پاس

ان سے ملاقات کا کوئی ذریعہ نہیں ۔اور ساتھ ہی آپ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے عراق کی جانب اشارہ کیا۔(٦٥)

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ:

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی محبت کرتے تھے، اور ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کچھ عراقی لوگ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے ۔اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا۔ پھر وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں چہ میگوئیاں کرنے لگے ۔امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم لوگ ان مہاجرین اولین میں سے ہو، جن کے متعلق قرآن مجید نے فرمایا ہے:

أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ

انہوں نے نفی میں جواب دیا۔

پھر فرمایا کہ کیا تم ان لوگوں میں سے ہو، جن کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ (٦٧)

انہوں نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تمہارا تعلق ان دونوں گروہوں سے نہیں تو پھر تمہارا تعلق ان لوگوں سے بھی نہیں جن کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (٦٨)

اس لیے تم میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں کسی چیز میں بھی برکت عطا نہ کرے۔ تم اسلام کا مذاق اڑانے والے ہو، تمہارا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ (۶۹)

امام باقر علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں ایک شخص آیا۔ اور آکے سوال کیا:

اخبرنی عن ابی بکر — مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتلاؤ۔

اس پر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

عن الصدیق رضی اللہ عنہ تسلسالُ؟ — کیا تم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟

اس سائل نے پھر کہا:

تُسَمِّیْهِ الصدیق رضی اللہ عنہ؟ — کیا آپ رضی اللہ عنہ انہیں "صدیق" کہتے ہیں؟

اس پر امام صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ثَقِلَتْکَ اُمُّکَ؟ — تجھے تیری ماں روئے۔

قد سمّاہُ صِدِّیقًا مَن ھُو خَیْرٌ مِّنِی — انہیں تو صدیق کا لقب اس عظیم ہستی نے دیا ہے، جو مجھ سے بہتر ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مزید فرماتے ہیں:

مَن لم یُسَمِّہٖ صِدِّیقًا فلا صَدَّق اللّٰہُ لہٗ قولاً فی الدنیا ولا فی الاخرۃ۔ — "جس نے انہیں صدیق نہ مانا، اللہ تعالیٰ دین میں اور نہ ہی دنیا میں اس کی کوئی بات معتبر مانے گا۔"

پھر اسے فرمایا کہ جاؤ، اب چلے جاؤ۔

اِذْھَبْ فَاَحِبَّ ابا بکرٍ و عُمَرَ (رضی اللہ عنہما) وَتَوَلَّھُمَا۔ — پس جا اور حضرات ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے محبت کر اور ان دونوں سے دوستی رکھ۔

پھر فرماتے ہیں:

فما کان من اکرٍ ففی عُنُقِیْ — پس تمہارے ساتھ جو بھی معاملہ ہوگا وہ میری گردن پر ہے۔

یعنی میری ضمانت ہے کہ تم سے کل قیامت کے دن کوئی باز پرس نہ ہوگی اور ان دونوں کی محبت تجھے سیدھا جنت میں لے جائے گی۔ (۷۰)

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے اور ان کے لیے رحمت کی دعا فرماتے۔ (۷۱)

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ کا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں کتنا نفیس اور محبت بھرا عقیدہ تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ہستیاں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین بھی ہیں اور محبوب صحابی ہیں۔ ان سے بغض دراصل خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنا ہے۔

شانِ استغناء:

حضرت سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما حبِ دنیا اور حبِ جاہ و ملال سے بالکل دور رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کبھی ایک درہم تک بھی حاصل نہ کیا۔ (۷۲)

مختار ثقفی نے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک لاکھ درہم ہدیہ کے طور پر بھیجے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نہ انہیں قبول کرنا مناسب سمجھا اور نہ لوٹانا مناسب جانا۔ یہ رقم آپ رضی اللہ عنہ کے پاس امانت رکھی تھی کہ مختار قتل ہوگیا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ساری صورتِ حال عبدالملک کو لکھ بھیجی۔ عبدالملک نے لکھا کہ میری طرف سے بھی یہ رقم آپ رضی اللہ عنہ کے لیے ہدیہ ہے، لہٰذا اسے بلاتامل قبول فرمالیجیے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر وہ رقم قبول فرمائی۔ (۷۳)

فرزدق نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی مدح میں قصیدہ کہا تو ہشام نے ناراض ہو کر فرزدق کو مدینہ شریف اور مکہ شریف کے درمیان مقامِ عسفان پر قید کر دیا۔ جب یہ خبر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ملی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو بھجوائے اور کہلوایا کہ ہم مجبور

ہیں، اس سے زیادہ ہمارے پاس نہیں، فرزدق نے وہ رقم یہ کہہ کر واپس کر دی کہ اے فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں ساری عمر مال و زر کے لیے بادشاہوں اور امراء کے قصائد لکھتا رہا ہوں اور مبالغہ آمیز جھوٹ بولتا رہا ہوں، یہ اشعار میں نے اہلبیت کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں از راہِ کفارہ کہے ہیں، جب یہ پیغام آپ رضی اللہ عنہ کو ملا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ رقم واپس بھجوادی، اور فرمایا: اے فرزدق! اگر تمہیں واقعی ہمارے ساتھ ارادت ہے تو خیال نہ کرو کہ ہم جو دے چکے۔ اسے واپس لے لیں، ہم اس کی ملکیت سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ (۷۴) امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے مالِ دنیا سے بے رغبتی اور استغناء ظاہر فرما کر اور امت کے لیے ایک معیار اور مثال قائم فرمائی۔

جرأتِ کردار:

سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ کی رگوں میں امام عالی مقام علیہ السلام کا خون گردش کر رہا تھا، لہٰذا انہوں نے ہمیشہ حق بات کا علی الاعلان اظہار کیا اور کسی باطل قوت کو خاطر میں کبھی نہ لائے۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اور مال و اسباب جب یزید بن معاویہ کے پاس لائے گئے تو اہلِ شام میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ ان لوگوں کے قیدی ہمارے لیے حلال ہیں۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے خوفی سے کہا کہ تو جھوٹا اور ذلیل ہے، یہ تیرے لیے نہیں ہے، جب تک تو ہماری ملت سے باہر نہ ہو جائے اور ہمارے خلاف دین اختیار نہ کرے۔ (۷۵)

فقہ میں مرتبہ و مقام:

اللہ تعالیٰ نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو دین میں تفقہ کی صفت سے بھی بھرپور انداز میں نوازا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ مرجع علماء و فقہاء و محدثین تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے بطورِ خاص فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ فقیہ کوئی نہ دیکھا۔ (۷۶)

ابن قیم جوزی نے لکھا ہے کہ مدینۃ المنورہ کے فقہاءِ سبعہ کے بعد مفتیانِ مدینہ میں سیدنا علی بن حسین علیہ السلام کا نام نامی آتا ہے۔ (۷۷) جس سال آپ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، فقہاء کرام

کے کثرتِ انتقال کی وجہ سے اسے "سنتہ الفقہاء" کہتے ہیں۔(۷۸) آپ رضی اللہ عنہ کے عہد میں بنو ہاشم میں سے آپ رضی اللہ عنہ سے آگے کوئی نہ تھا۔(۷۹)

حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کر کے آخر میں لکھتے ہیں: "اس سید عالی وقار کے مناقب و فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ انہیں پورے طور پر احاطۂ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔"(۸۰)

آپ رضی اللہ عنہ نے ۹۵ھ میں وفات پائی۔عمر مبارک ۵۷ سال تھی اور جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں دفن ہوئے۔(۸۱) ابن سعد نے عمر ۵۸ سال لکھی ہے اور انتقال ۹۴ھ میں کیا ہے۔(۸۲)

درجِ بالا سطور میں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے احوال و کوائف، آپ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ اور سیرت و کردار کی ایک طائرانہ جھلک پیش کی گئی ہے۔آپ رضی اللہ عنہ کے محامد و کمالات بے حد و بے حساب ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو سیرت و کردار کی ہر خوبی سے نوازا تھا، آپ رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار کا احاطہ کرنا بے حد مشکل ہے۔راقم السطور درجِ ذیل اشعار کے ذریعے اظہارِ عجز کرتا ہے:

تھکی ہے فکرِ رسا اور مدح باقی ہے　　قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے　　ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

حوالہ جات:

۱۔ سورہ آل عمران:۳۱　　۲۔ سورہ الانبیاء:۱۰۷۔

۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل: (م۔۲۵۶ھ): الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب حُبُّ الرسول من الایمان، دارالقلم، بیروت، لبنان، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۴۔ بن موسیٰ، عیاض، قاضی: (م۔۵۴۴ھ): الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، س۔ن، ص ۵۰۰۔

۵۔ سورہ الشوریٰ:۲۳۔

۶۔ ترمذی، بن عیسیٰ، محمد، ابوعیسیٰ: (م۲۷۹ھ): سنن ترمذی، نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب، کراچی، س۔ن۔کتاب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب فی مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۷۔ طبرانی، بن احمد، سلیمان: (م۔ ۳۶۰ھ): المعجم الکبیر، مطبوعہ عراق، س ن۔ ج ۱۲، ص ۳۴۔

۸۔ ابن کثیر، عماد الدین، ابوالفداد: (م۔ ۷۷۴ھ): البدایہ والنہایہ، مترجم: محمد اصغر مغل، مولانا محمد اسلم، دارالاشاعت کراچی، نومبر ۲۰۰۸ء، ج ۵، ص ۱۰۷۔

۹۔ ہجویری، علی رحمۃ اللہ علیہ، ابوالحسن، سید: (م ۴۶۵ھ): کشف المحجوب، تصوف فاؤنڈیشن لاہور، باب ذکر ائمتھم من اھل بیت

۱۰۔ ذھبی، محمد، شمس الدین: (م۔ ۷۵۴ھ): تذکرۃ الحافظ مترجم: حافظ محمد اسحاق، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ط سوم، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۷۸۔

۱۱۔ جامی، عبدالرحمن، نورالدین: شواہد النبوۃ، مترجم: بشیر حسین ناظم، مکتبہ نبویہ، لاہور، ط چہارم، ۱۹۸۹ء، ص ۳۰۹

۱۲۔ کشف المحجوب۔ ۱۳۔ جامی: کتاب مذکور۔

۱۴۔ کشف المحجوب۔

۱۵۔ ذھبی: کتاب مذکور۔ (ii) ابن کثیر: کتاب مذکورہ، ص ۱۰۷۔

۱۶۔ حوالہ سابق۔ ۱۷۔ ابن کثیر: کتاب مذکور، ص ۸

۱۸۔ ابن کثیر: کتاب مذکور، ص ۱۰۷۔ ۱۹۔ ذھبی: کتاب مذکور۔

۲۰۔ کشف المحجوب۔

۲۱۔ اصفہانی، ابن عبداللہ، احمد، ابونعیم: حلیۃ الاولیاء، مترجم: منیب الرحمن، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۶ء، ج ۲، ص ۱۴۵۔

۲۲۔ ذھبی: کتاب مذکور۔

۲۳۔ شعرانی، عبدالوہاب: (م۔ ۹۷۳ھ): طبقاتِ شعرانی، مترجم: سید محفوظ الحق شاہ، نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء، ص ۱۰۰۔

۲۴۔ ذھبی، کتاب مذکور۔ ۲۵۔ ابن کثیر: کتاب مذکور۔

۲۶۔ ذھبی: کتاب مذکور۔ ۲۷۔ ابن کثیر: کتاب مذکور۔

۲۸۔ کشف المحجوب۔ ۲۹۔ جامی: کتاب مذکور، ص ۳۱۱۔ ۳۱۰۔

۳۰۔ حوالہ سابق۔

۳۱۔ ابن سعد، محمد، ابوعبیداللہ: (م۔ ۲۳۰ھ): طبقات، مترجم: عبداللہ العمادی، محمد اصغر مغل، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۳ء، ج ۳، ص ۲۱۵۔

۳۲۔ شعرانی: کتاب مذکورہ، ص ۹۹۔ ۳۳۔ ابن سعد: کتاب مذکور، ص ۲۱۶۔

۳۴۔ حوالہ سابق: ص ۲۱۹۔ ۳۵۔ ابن کثیر: کتاب مذکور، ص ۱۰۸۔

۳۶۔ حوالہ سابق۔ ۳۷۔ کشف المحجوب۔

۳۸۔ اصفہانی، کتاب مذکور، ص ۱۴۹۔
۳۹۔ کشف المحجوب۔
۴۰۔ ابن سعد: کتاب مذکور، ص ۲۲۰۔
۴۱۔ حوالہ سابق۔
۴۲۔ ابن کثیر: کتاب مذکور: ص ۱۱۰۔
۴۳۔ کشف المحجوب
۴۴۔ اصفہانی: کتاب مذکور، ص ۱۴۹۔
۴۵۔ حوالہ سابق: ص ۱۴۷۔
۴۶۔ حوالہ سابق۔
۴۷۔ حوالہ سابق۔
۴۸۔ حوالہ سابق۔
۴۹۔ ذہبی: کتاب مذکور۔
۵۰۔ ابن کثیر: کتاب مذکور، ص ۱۰۸۔
۵۱۔ اصفہانی: کتاب مذکور: ۱۴۷۔
۵۲۔ حوالہ سابق۔
۵۳۔ ابن سعد: کتاب مذکور، ص ۲۱۹۔
۵۴۔ اصفہانی: کتاب مذکور، ص ۱۵۱۔
۵۵۔ ابن کثیر: کتاب مذکور، ص ۱۱۲۔
۵۶۔ کشف المحجوب
۵۷۔ ابن سعد: کتاب مذکور، ص ۲۱۷۔
۵۸۔ ابن کثیر: ص ۱۰۸۔
۵۹۔ کشف المحجوب۔
۶۰۔ ابن کثیر: کتاب مذکور، ص ۱۱۰۔۱۰۹۔
۶۱۔ الازہری، کرم شاہ، محمد، پیر: ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ط دوم، ۱۴۲۰ھ، ج چہارم، ص ۷۵۷۔۷۵۶۔
۶۲۔ ابن کثیر: کتاب مذکور، ص ۱۰۸۔
۶۳۔ حوالہ سابق۔
۶۴۔ حوالہ سابق: ص ۱۰۹۔
۶۵۔ حوالہ سابق۔
۶۶۔ سورہ الحشر: ۸۔
۶۷۔ ایضاً: ۹۔
۶۸۔ ایضاً: ۱۰۔
۶۹۔ ابن کثیر: کتاب مذکور، ص ۱۱۰۔
۷۰۔ ذہبی: سیر اعلام النبلاء، دار الفکر بیروت، لبنان، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء، ج ۵، ص ۵۴۔
۷۱۔ شعرانی: کتاب مذکور، ص ۱۰۰۔
۷۲۔ ابن کثیر: کتاب مذکور، ص ۱۰۸۔
۷۳۔ حوالہ سابق۔
۷۴۔ کشف المحجوب۔
۷۵۔ ابن سعد: کتاب مذکور، ص ۲۱۶۔
۷۶۔ ذہبی: کتاب مذکور۔
۷۷۔ الجوزی، ابن قیم، شمس الدین: اعلام الموقعین عن رب العالمین، مترجم: محمد جونا گڑھی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۷ء، ج ۱، ص ۳۶۔
۷۸۔ ابن سعد: کتاب مذکور: ص ۲۲۲۔
۷۹۔ نووی، بن شرف، یحییٰ: (م۔۶۷۶ھ): تہذیب الاسماء واللغات، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۰ھ، ج ۱، ص ۳۴۳۔
۸۰۔ کشف المحجوب۔
۸۱۔ ابن کثیر: کتاب مذکور، ص ۱۱۲۔
۸۲۔ ابن سعد: کتاب مذکور، ص ۲۲۲۔

کشف المحجوب کے تناظر میں اسلامی سماج کے فکری معمار

سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ ۔(۵۷ھ۔۱۱۴ھ)

ڈاکٹر عبید مخدوم نوشاہی

اسلامی معاشرے کے اوّلین مفکرین میں ایک بلند نام سیدنا امام ابو جعفر محمد بن علی الباقر رضی اللہ عنہ کا ہے ائمہ اسلام میں آپ رضی اللہ عنہ کا پانچواں نمبر ہے اور آپ کا دور منطقی لحاظ سے مکمل طور پر امام زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہما کے دور کا تسلسل ہے، کربلا، حرہ اور توابین کے خونین واقعات کے آپ چشم دید گواہ اور عینی شاہد ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ خیر القرون اور خلفاء راشدین کے عہد زریں کے بعد جب اسلامی معاشرے میں فکری اور سیاسی انتشار رونما ہوا تو شجر اسلام کو نمو وارتقاء کے لئے پھر وہ قدسی ماحول نصیب نہ ہو سکا۔ بنابریں بجائے بارآور اور تناور ہونے کے اس کے لئے اپنے وجود کو برقرار رکھنا بھی مشکل ہوتا چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد جس عزم و ہمت سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے داخلی انتشار کو ختم کر کے صرف اڑھائی سال کے مختصر عرصے میں سرزمین عرب پر علم اسلام کو اس کی پوری آب و تاب سے لہرایا تھا پھر دس سال کی انتہائی کم مدت میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اسلام کا یہ جھنڈا تقریباً ۲۲ ہزار مربع میل پر لہرا چکا تھا اور اندرونی و بیرونی دشمن انگشت بدنداں تھے کہ دین اسلام کی روز افزوں ترقی کو کیسے روکا جائے۔ محلاتی سازشوں کے ماہر اور نفاق زدہ چہرے موقع کی تلاش میں تھے کہ قصر اسلام میں کب، کیسے اور کہاں سے نقب زنی کی جائے۔

خلافت راشدہ کی مدت ختم ہوتے ہی طاغوتی قوتوں کو ایک بار پھر کھل کر اپنا ناپاک کھیل کھیلنے اور اپنے مکروہ عزائم جو عرصہ سے دل میں چھپائے بیٹھے تھے کو پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ ۶۱ ہجری میں تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کا انتہائی روح فرسا واقعہ سرزمین کربلا میں رونما ہوا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا گیا اور یوں خاندان

نبوت کے ۱۸ افراد اپنے ۵۴ رفقاء سمیت جام شہادت نوش کر گئے اس کے بعد واقعہ حرہ رونما ہوا جس میں حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی حرمت کو پامال کیا گیا اور مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باسیوں کو انتہائی سفاکانہ طریقہ سے تہ تیغ کیا گیا۔ معاشرتی اور فکری لحاظ سے دین اسلام کی بنیادیں مکمل طور پر کھوکھلی کر دی گئیں۔ حکمران علی الاعلان محرمات کا ارتکاب کرتے اور ان کے کارندے اہل فکر ونظر اور سلیم الفطرت لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرتے رہے۔ ان حالات کے پیش نظر اہل حق ایک طرف بالکل خاموشی سے ترویج دین کے لئے کوشاں تھے اور خانہ نشینی کو ترجیح دیتے تھے جس کی بے شمار مثالیں کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ مثلاً امام حسن بصری رضی اللہ عنہ جنھوں نے براہ راست سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے تعلیم وتربیت حاصل کی تھی، وہ بھی اس جابرانہ اور ظالمانہ ماحول سے اس قدر خائف تھے کہ حجاج بن یوسف جیسے شخص کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا! "میری رائے تو یہ ہے کہ اس کو نہ چھیڑا جائے کیونکہ اگر وہ تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلط کردہ عذاب ہے تو تم خدائی عذاب کو اپنی تلواروں کی طاقت سے ہٹانے کی قدرت نہیں رکھتے اور اگر وہ تم پر نازل ہونے والی بلا ہے تو پھر صبر کرو تا کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اس کو ٹال دے کیونکہ وہی بہترین قدرت وحکمت والا ہے۔" (۱)

گویا اموی حکمرانوں کی قدرت طلبی اور ظلم واستبداد کے نتیجے میں اسلامی مملکت کے پریشان حال اور غمزدہ ماحول میں علم وعمل، فہم وفراست، فضیلت وتقویٰ، اخلاقیات اور معنویات کے پودے کی آبیاری کرنا بظاہر ایک مشکل بلکہ ناممکن کام دکھائی دیتا تھا۔ قاضی صاحبان محدثین ومفسرین اور فقہ وکلام، تصوف وعرفان کے نامور علماء جبر کے بادل چھٹنے کا انتظار کر رہے تھے اور جس قدر ان کی بساط میں تھا اپنی مساعی کو بروئے کار لا رہے تھے۔

یہ وہ ماحول تھا جس میں باختلاف روایات رجب یا صفر کے مہینے میں ۵۷ ہجری کو امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ میں ولادت ہوتی ہے (۲)

آپ کا اسم گرامی "محمد" کنیت "ابو جعفر" اور "ابو عبداللہ" جبکہ لقب "باقر" ہے۔ آپ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند، سید الشہداء سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ بنت حسن بن علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس لئے آپ کی ذات بابرکات گویا ریاض نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے حسین پھولوں کا دو آتشہ عطر تھی۔ (۳)

آپ کی ولادت کی بشارت خود نبی کریم ﷺ نے دی تھی بلکہ آپ کا اسم گرامی تک خود منتخب فرما دیا تھا اور اپنے پیارے صحابی سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے ذریعے آپ کو سلام بھی بھیجا تھا جیسا کہ امام باقر رضی اللہ عنہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں سیدنا جابر بن عبداللہ کے پاس آیا اس وقت ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی، میں نے آگے بڑھ کر انھیں سلام کیا تو انھوں نے سلام کا جواب عنایت فرمایا اور استفسار کیا: آپ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا: میں محمد بن علی بن حسین (رضی اللہ عنہم) ہوں۔ یہ سن کر سیدنا جابر بن عبداللہ نے فرمایا: میرے بیٹے! ذرا میرے قریب آؤ جب میں نزدیک ہوا تو انھوں نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا اور اشکبار آنکھوں سے میرے ہاتھ چوم لئے اور فرمایا: نبی کریم ﷺ نے آپ کو سلام بھیجا ہے۔۔۔! میں نے عرض کیا: یہ کیسے ہوا۔۔۔؟ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک دن میں آقا کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ ﷺ کی نگاہ مبارک سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ پر پڑی انھیں دیکھ کر آپ نے فرمایا: میرے اس بیٹے کے ہاں ایک بیٹا علی بن حسین ہوگا جو "سید العابدین" ہوگا اور پھر فرمایا:

يُولَدُ لِعَلِيِّ بن الحُسَيْنَ اِبْنٌ يُقَالَ لَهُ: مُحَمَّدٌ" إذا رَايْتَه' يَا جَابِرُ! فَاَقْرَئه' مِنِّيَ السَّلامِ ۔(۴)

کہ پھر علی بن حسین کے ہاں ایک بیٹا ہوگا جس کا نام "محمد" ہوگا۔ اے جابر! جب تمہاری ملاقات اس سے ہو تو اسے میرا اسلام کہنا۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے انوار و حکمت عطا فرمائے گا(۵) گویا قدرت نے بہت پہلے ہی اپنے حسن انتظام سے سیدنا امام محمد باقر علی رضی اللہ عنہ کو شجر اسلام کی آبیاری کے لئے منتخب فرما لیا تھا کیونکہ قانون فطرت ہے:

واللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه

کہ وہ ذات بہتر جانتی ہے کہ اس نے اپنے مشن کا کام کن ہستیوں سے لینا ہے۔

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ بجا طور پر اس معدن کے گوہر شب چراغ تھے جس کے فیض سے ساری دنیا میں علم و عمل کی روشنی پھیلی تھی اور پھر سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ جیسے "مجمع البحرین" والد کی آغوش میں پرورش پائی تھی ان خاندانی اور موروثی اثرات کے علاوہ آپ کا خود بھی فطرتاً میلان تحصیل علم کی جانب بہت زیادہ تھا۔ کثرت و وسعت علم کی وجہ سے ہی آپ "الباقر" کے لقب سے معروف و مشہور ہوئے تھے گو کہ آپ کے دیگر القابات مثلاً "الھادی"

"الامین" اور "الشاکر" بھی تھے (۶) لیکن لقب "الباقر" تمام القابات پر غالب تھا علماء زبان و ادب نے اس لقب کا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ سیدنا محمد بن علی رضی اللہ عنہ اپنے وفور علم اور علوم وفنون کی لاتعداد جہتیں متعارف کروانے کی وجہ سے "الباقر" کے لقب سے مشہور ہوئے (۷)۔

اور علامہ منظور افریقی لکھتے ہیں کہ امام "محمد" کو "الباقر" اس لئے کہتے ہیں:

لِاَنَّہٗ بَقَرَ الْعِلْمَ وعَرَفَ اَصْلَہٗ وَ اسْتَنْبَطَ فَرْعَہ وَتوَسَّعَ فِیہِ۔ (۸)

کہ آپ نے علم کو گہرائی میں جا کر اس کے اسرار و رموز تک معرفت حاصل کی اور پھر اس کی جہتوں کو متعین فرما کر اسے خوب وسعت بخشی۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آپ "الباقر" کے لقب سے اس لیے مشہور ہوئے کہ آپ نے مختلف علوم وفنون کو کھولا اور ظاہر کیا پھر احکام مستنبط فرمائے بے شک آپ رفیع النسب اور عالی الحسب تھے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: میرے والد ماجد اپنے دور میں تمام روئے زمین پر سب لوگوں سے بہتر تھے۔ (۹)

بہر حال مختصراً ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا محمد الباقر رضی اللہ عنہ اپنے تمام فضائل و کمالات میں دعا و بشارت نبوی کا کامل پرتو تھے۔ اپنی گوناگوں خصوصیات و مناقب کی بنا پر اپنے وقت کے فرد فرید تھے۔ امام محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت بھی آپ کے حوالے سے یہ کہتی ہوئی نظر آتی ہے کہ "میری نظر ورائے میں کوئی ایسا صاحب علم نہ تھا جسے علی بن حسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین) پر ترجیح دی جا سکتی یہاں تک کہ میں نے ان کے لخت جگر "محمد" کو دیکھا" (۱۰)۔

امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ کی خوش بختی تھی کہ انھیں اپنی حیات مستعار میں چار سال تک اپنے دادا جان سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھرپور استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ ان کی شہادت کے بعد تقریباً ۳۴ سال تک اپنے والد ماجد سیدنا امام زین العابدین علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر اپنے دامن میں علم کے موتی سمیٹنے کا شرف نصیب ہوا اور پھر جن حالات و واقعات کا انھیں بحیثیت خاندان نبوت کا فرد ہونے کے سامنا کرنا پڑا یقیناً اس ماحول نے ان کے قلب و ذہن پر انمٹ نقوش ثبت کئے اور انہیں اس شجر اسلام کی آبیاری اور وہ علم دین جس کی سربلندی کی خاطر ان کے خانوادے نے اپنی جوانیاں لٹا دی تھیں ایک نئے حکیمانہ انداز سے اس کی

نشاتِ ثانیہ اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے اپنی تمام تر فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لانا تھا اور بلا شک و شبہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے اس مقصد جلیل میں کامیاب رہے اور آپ رضی اللہ عنہ کی ہی ترتیب دی ہوئی علمی، عملی، فکری، سیاسی، نظریاتی، تہذیبی اور سماجی جہتوں کو اپنا کر بعد میں آنے والے اصحاب خرد و دانش نے اسلامی معاشرے و سماج کی نہ صرف فکری معماری کا فریضہ انجام دیا بلکہ نسل نو کو ذہنی طور پر اس قدر تیار کر دیا کہ وہ ہر طرح کے حالات اور ماحول میں قصر اسلام کی فکری بنیادوں کو استوار رکھ سکیں جیسے (۱) سیدنا امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ، ۲() سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، (۳) سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور (۴) سیدنا امام داود طائی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ دین جنھوں نے پھر ہر طرح کے بھیانک انجام سے بے خوف ہو کر دین کی ترویج اور فکر اسلامی کی ترسیخ کے لئے خوب سعی کی۔ گویا امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ کی حیات عزم و استقلال ان کے لئے ایک مینارہ نور تھی جس کی رہبری میں وہ قوم کی صحیح رہنمائی کرتے رہے اور آنے والوں کو انھی کے اسوہ سے اکتساب کرنے کی طرف توجہ دلاتے رہے۔

حضور فیض عالم علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی چنیدہ ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کے کندھوں پر فکر اسلامی کی ترویج و اشاعت کا بارِ گراں تھا اور پھر جب قدرت اپنے حسن انتظام سے انھیں سرزمین ہند میں رہبری کا فریضہ انجام دینے کے لئے منتخب فرما چکی، تو ضروری تھا کہ پہلے انھیں ان ذوات قدسیہ سے پوری طرح روشناس کروایا جائے جنھوں نے اپنی زندگیوں کو اسلامی مشنری سرگرمیوں کے لئے وقف کر دیا تھا اور ہر طرح کے خوف و رجاء سے بالاتر ہو کر کلمہ حق "لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" سے وابستہ ہو چکے تھے

اسی لئے قدرت نے اپنی حکمت بالغہ و کاملہ کے تحت سیدنا علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے سرزمین خراسان کبریٰ کے ۳۰۰ سے زائد کاملین وقت سے اکتساب فیض کروایا اور پھر سرزمین عرب، کوفہ، شام اور حجاز مقدس کی ظاہری و باطنی سیر کروائی تاکہ خاک مدینہ و نجف کا سرمہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بصارت و بصیرت کو اور تازگی بخشے، حضور فیض عالم داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو جس سرزمین میں دین کا نمائندہ منتخب کر کے بھیجا جا رہا تھا وہ علاقہ اپنی تہذیب و ثقافت، سماج و رواج، رہن سہن، ذوق و شوق، فکر و دانش اور طرز بود و باش میں اپنے اندر بہت زیادہ تنوع رکھتا تھا یعنی وہ ایک "Multi Cultural Society" تھی جہاں اسلامی

فکر کی ترویج کے لئے حقیقتاً ایک متنوع تہذیبی ورثہ سے کامل واقفیت رکھنے والا شخص ہی کامیاب ہو سکتا تھا ایک ایسا فرد جس کے شب و روز قرآن و سنت کی تعلیمات اور اسوہ سلف صالحین سے منور ہوں اور جس نے اسلامی معاشرتی اقدار کو بڑی وسعت و گہرائی سے لاکھوں میل سفر طے کر کے اپنی چشم بینا سے ملاحظہ کیا ہو اور اس کا اسلاف سے رشتہ اتنا گہرا ہو کہ قدم بہ قدم اُنھی کے نقوش پا پر وہ جبین سعی کرتا ہو اور اس کا شبنمی انداز تکلم اپنے تو اپنے غیروں اور اجنبیوں کے دلوں میں بھی مہر و محبت کے زمزمے الاپتا ہو اور وہ شخصیت یقیناً حضور سید ہجویر داتا گنج بخش کی تھی جس نے سرزمین ہند میں اسلامی سماج کی فکری معماری کا فریضہ سر انجام دیا اور یہ اتنا بڑا مشن اس خوبصورت انداز سے نبھایا کہ دور جدید کے فکری آہوؤں کو عقل کے صحراؤں میں بھٹکنے کی بجائے سوئے حرم جانے کا راستہ دکھایا۔ حضور فیض عالم داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی فکری وسعتوں کا اندازہ ہمیں ان کی مشہور زمانہ تالیف کشف المحجوب سے ہوتا ہے۔

بلاشبہ کشف المحجوب تصوف کی امہات الکتب میں اہم ترین تصنیف ہے اور فارسی زبان میں دنیائے تصوف کی پہلی کتاب ہونے کا شرف بھی اسی کو حاصل ہے۔ حضور سید ہجویر داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں نہ صرف اصطلاحات تصوف کی توضیح و تشریح کی ہے بلکہ اخلاقی تہذیب و تربیت کے لئے مختلف موضوعات پر بھی جامع انداز میں کلام فرمایا ہے اور دوسری جانب اسلاف امت یعنی خلفاء راشدین، ائمہ بیت نبوت و رسالت، اصحاب صفہ، تابعین و تبع تابعین اور متقدمین صوفیاء عظام کے حالات و واقعات کا مختصر تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

حضور مخدوم امم داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر کشف المحجوب میں "ذکر ائمہ اہل بیت" کے ضمن میں کیا ہے اور اس باب میں مجموعی طور پر پانچ ائمہ کرام رضی اللہ عنہم یعنی امام حسن، امام حسین، امام زین العابدین، امام محمد الباقر اور امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہم کا ذکر جمیل ہے۔

اگر دیکھا جائے تو کشف المحجوب کوئی تاریخ، تذکرہ یا سیرت کی کتاب نہیں ہے کہ اس میں شخصیات کے تذکرے ہوں بلکہ یہ تو تصوف اور تعلیمات تصوف کی بنیادی کتاب ہے اس میں شخصیات کا ذکر آخر کیوں۔۔۔؟ ذہن میں اٹھنے والے اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ حضور مخدوم امم داتا گنج بخش "دین و ایمان، تعلیم و تربیت اور فہم و فراست کے رسوخ کے لئے اپنے قارئین کو یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کا چلتا

پھر تا نمونہ ہیں لہٰذا اپنے تمام تر اعمال و افعال بلکہ افکار و نظریات میں بھی انھی ذوات قدسیہ کی پیروی کرو تا کہ دینوی و اخروی کامیابی نصیب ہو مثلاً ائمہ اہل بیت کا تذکرہ کرنے سے قبل ان کا تعارف کرواتے ہوئے یوں رقمطراز ہوتے ہیں: "اہل بیت پیغمبر آنان کہ بطہارت اصلی مخصوند، ہر یکے را اندر ایں معانی قدمی تمام است، وجملہ قدوہ این طائفہ بودہ اند، خاص و عام ایشاں" (۱۱) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت وہ پاکیزہ ذوات ہیں کہ جو ازل سے ہی طہارت و پاکیزگی سے مختص ہیں اور ان میں سے ہر ایک طہارت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہے بے شک یہ حضرات طریقت و شریعت میں نہ صرف کامل ہیں بلکہ دیگر مشائخ کے امام ہیں۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — تو ہے عین نور، تیرا سب گھرانا نور کا (۱۲)

حضور سید ہجویر داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہمیں یہ سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ دراصل یہی ہستیاں اسلامی سماج کی فکری معمار ہیں جب تک ان سے وابستہ رہو گے تم فکر مستقیم پر قائم رہو گے گویا آپ کا ارشاد حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! (یاد رکھو) میں تم میں دو اہم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم لوگ ان دونوں کا دامن تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ دو چیزیں کتاب اللہ یعنی قرآن مجید اور میری عترت ہے۔(۱۳)

حضور مخدوم امم داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ کا تعارف اس خوبصورت انداز میں کرواتے ہیں:

وفیهم نیز حجت بر اہل معاملت و برهان ارباب مشاہدت امام اولاد نبی صلی الله علیه وسلم و گزیده نسل علی کرم الله وجهه الکریم ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی الله عنهم (۱۴)"

یعنی انہی ائمہ اہلِ بیت اطہار میں سے "اہل معاملہ پر حجت و دلیل" اور اصحاب مشاہدہ کے لئے "برحان"، "امام" نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل اولاد اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی باشرف و برگزیدہ نسل، جناب سیدنا ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہم ہیں۔

حضور فیض عالم داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے لاتعداد خصائص و فضائل میں سے نمایاں ترین اوصاف، "اہل معاملہ پر حجت" اور اصحاب مشاہدہ کے لئے "برھان اور امام" کا تذکرہ کیا ہے اور یہی دو اوصاف امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ کی رفعت شان اور علو منزلت کو ظاہر کرتے ہیں کیونکہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی تربیت جن مقدس ہستیوں نے اپنی آغوش میں کی تھی انھوں نے حالات اور وقت کے تقاضوں کو نہ صرف جانا و سمجھا تھا بلکہ اسلامی سماج میں دھرآنے والے باطل اور فاسد افکار و نظریات کے تدارک کے لئے ایک فرد کو تیار بھی کیا تھا اسی سبب سے امت مسلمہ کو درپیش ہر مشکل مرحلے میں اس کی رہبری امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ نے ہی کی، خواہ وہ فکری موشگافیاں ہوں یا سیاسی حربے، علمی مباحث ہوں یا فقر و زہد کی مہمات ہر محاذ پر آپ امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ کو ایک کامل ترین راہنما پائیں گے علمی مجالس کا انعقاد ہوتا ہے تو تمام عالم اسلام سے تشنگان علم آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور ایک اندازے کے مطابق ۴۰۰۰ سے زائد افراد آپ رضی اللہ عنہ کے خوان علم سے سیراب ہوئے ہیں اور اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ مثلاً امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام زہری، امام سفیان ثوری، امام طاؤس، امام عمر بن دینار، امام زید بن علی، امام عطاء بن رباح، امام محمد بن اسحاق صاحب المغازی رضی اللہ عنہم اور دیگر ائمہ سمیت ہزاروں محدثین و علماء آپ سے مستفید ہوئے بلکہ محقق ابوزہرہ نے تو یہاں تک لکھا کہ: "کوئی بھی ایسا فرد نہ تھا جو مدینہ منورہ آئے اور امام محمد الباقر کی زیارت سے مشرف ہوئے بغیر واپس چلا جائے"(۱۵) جبکہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا: "بے شک امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کے کلام کے مشابہ ہے"۔(۱۶)

ایسے ہی اگر سیاسی معاملات میں آپ کی فکری گہرائی و گیرائی کو دیکھا جائے تو وہ بھی اپنے اوج کمال پر نظر آتی ہے۔ اہل حکومت کا طرز عمل گو کہ آپ سے مناسب نہیں تھا پھر بھی جب کہیں امت محمدیہ کو آپ سے فکری رہنمائی لینے کی ضرورت پڑی آپ نے ہمیشہ کرم فرمائی کی۔ آپ نے اپنی ولادت ۵۷ ہجری سے اپنی شہادت ۱۱۴ ہجری تک حضرت معاویہ سے لے کر ہشام بن عبدالملک تک دس اموی حکمرانوں کا عہد دیکھا اور آپ رضی اللہ عنہ کا زمانہ امامت ۹۶ ہجری سے ۱۱۴ ہجری تک تقریباً ۱۹ سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس دور میں آپ نے اموی حکمرانوں مثلاً ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، یزید بن

عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک کا عہد حکومت دیکھا اور ان میں سے سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے باقی تمام حکمران اپنے سے قبل اموی حکمرانوں کی طرح اپنی حکومت کی بقاء کے لئے ہر مخالف طاقت کو کچل دیا کرتے تھے۔اموی حکمران اپنی تمام تر رعونت اور فرعونیت کے باوجود جب کسی ایسے مسئلے میں پھنستے جہاں ان کی عقل کے گھوڑے دوڑنے سے جواب دے دیتے تو پھر بڑی لجاجت اور منت سماجت کے ساتھ خاندان نبوت کے افراد کی جانب ہی رجوع کرتے کہ ہمیں اس مشکل سے نکالیے بالکل ایسا ہی ایک واقعہ اس وقت رونما ہوا جب عبدالملک بن مروان نے اپنے عہد میں اسلامی کرنسی رائج کرنے کا فیصلہ کیا۔۔۔اور رائج الوقت رومی کرنسی کو یکسر موقوف کر دیا۔۔۔اس پورے واقعہ کی تفصیل علامہ کمال الدین دمیری نے اپنی شہرہ آفاق کتاب حیات الحیوان میں نقل کی ہے جس کا لب لباب یہ ہے: (۱۷)

جب قیصر روم کو عبدالملک بن مروان کے اس فیصلے کا پتہ چلا تو اس نے نہ صرف عبدالملک کو خطوط لکھے بلکہ تحفے تحائف بھی بھجوائے اور ساتھ ہی گذارش بھی کی کہ جو ٹریڈ مارک پہلے چل رہا تھا اسی کو چلنے دو۔۔۔لیکن بارہا کی کوششوں کے باوجود جب عبدالملک بن مروان کو وہ قائل نہ کر سکا تو اس نے دھمکی آمیز انداز سے پیغام بھجوایا کہ اگر تم نے ہمارے ٹریڈ مارک کو بحال نہ کیا تو میں پورے عالم اسلام میں درہم و دینار پر تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں نقش کروا کر پھیلا دوں گا۔۔۔جب یہ پیغام پہنچا تو عبدالملک کے ہاتھ پاؤں پھول گئے کہ اب اس معاملے کو کیسے حل کیا جائے اور اس مشکل سے کیسے نکلا جائے۔جب کوئی راہ نظر نہ آئی تو عبدالملک کے وزیر اعظم روح بن زنباع نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ عَلَيْكَ بِالْبَاقِرِ مِنْ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم کہ اس مشکل سے تمہیں صرف خاندان نبوت کے فرد فرید جناب امام باقر رضی اللہ عنہ ہی نکال سکتے ہیں ان کو بلواؤ اور مشورہ کرو۔۔۔چنانچہ جب مدینہ منورہ میں امام باقر رضی اللہ عنہ کے پاس بادشاہ کا پیغام پہنچا تو آپ فوراً عازم سفر ہوئے اور اہل مدینہ سے فرمایا: چونکہ معاملہ دین اور ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے لہٰذا میں اپنے تمام امور پر اس سفر کو ترجیح دیتا ہوں۔۔۔اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کی رائے و مشورہ کے مطابق درہم و دینار ڈھلوائے گئے اور ان کی ایک طرف "لاالہ الااللہ" اور دوسری جانب "محمد رسول اللہ" کا ٹریڈ نقش کروایا اور ساتھ ہی سکے کا سن بھی کندہ کر دیا گیا۔۔۔امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے سکوں کا حجم اور وزن تک متعین فرمایا اور بادشاہ کو

حکم دیا اب اس کرنسی کو پورے عالم اسلام میں رائج کر دو اور ساتھ حکم نامہ جاری کر دو آئندہ کے لئے باقی ہر طرح کی کرنسی موقوف ہے۔ قیصر روم کے پاس اس کا سفیر جب یہ ساری داستان لے کر پہنچا اور تفصیل بتائی تو وہ حیران رہ گیا اور دیر تک خاموش بیٹھا سوچتا رہا جب لوگوں نے پوچھا: اب تم اپنے اس گالیاں کندہ کروانے والے فیصلے پر عمل کیوں نہیں کر رہے؟ تو اس نے جواب دیا: اب تو ان ممالک میں میرا سکہ چل ہی نہیں رہا اور نہ لین دین ہو رہا ہے۔(۸)

یہ تھی سیدنا امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ کی سیاسی و انتظامی بصیرت اور فراست کہ جو معاملہ بادشاہ کے گلے کی ہڈی بنا تھا چند لمحوں میں حل کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ امت کی یہ فکری تربیت کر دی کہ جب تک تمہارا تعلق درہم و دینار کی بجائے اس پر کندہ ٹریڈ "لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ" کے ساتھ جڑا رہے گا تب تک دنیا کی کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آ سکتی۔

اس دور کے اسلامی معاشرے میں فکری انحطاط کا ایک اور پہلو یہ بھی تھا کہ ہر کس ناکس بلا فہم و تدبر اور بنا فراست و بصیرت کتاب و سنت کی تشریح و توضیح اپنی مرضی کے مطابق کرتا تھا کہیں خوارج اپنے نعرہ اِنِ الْحُکْمُ اِلاّ لِلّٰہ سے مطالب و معانی قرآن کی غلط تعبیر کرتے تھے تو کہیں ناصبی اور نصیری فکر کی ترویج کی جا رہی تھی اور بعض ناعاقبت اندیش گروہ اہل بیت اطہار کی ردائے محبت کی آڑ میں دین کے مسلمہ اصولوں سے منحرف ہو رہے تھے۔ ان حالات و واقعات میں ائمہ دین بالخصوص امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ کے عملی اقدامات سے ایک ایسا مکتب فکر پیدا ہوا جس نے نہ صرف قرآن و سنت کے معانی و مطالب سے معنوی تحریف کو ختم کیا بلکہ اسلاف امت کی ناموس کی پاسبانی کا فریضہ بھی نبھایا۔

حضور مخدوم امم داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں اس پہلو کی بھی مختصراً وضاحت فرمائی ہے۔ آپ نے امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ سے منقول بعض آیات قرآنیہ کی تفسیر نقل کی ہے جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۵۲ فَمَنْ یَکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ ۔۔۔ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کُلّ مَنْ شَغَلَکَ مَنْ مُطَالَعَۃِ الْحَقِّ فَھُوَ طَاغُوْتُکَ

یعنی ہر وہ عمل / شئ / سوچ / فکر، جو تمہیں حق بات تک رسائی سے باز رکھے وہ تمہارے لئے طاغوت ہے۔(۱۹)

ابن عساکر نے تاریخ دمشق آپ سے منقول کئی آیات کی توضیح وتشریح نقل ہے۔(۲۰)

امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ کی اسلافِ امت کے ساتھ وابستگی بھی کمال درجہ کی تھی اور ان کا ادب واحترام بھی خوب کرتے تھے، حالانکہ کچھ لوگ آپ کی محبت کے پس پردہ دین کی مقتدر ہستیوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے تھے ان لوگوں کی فکری درستگی کے لئے آپ نے بارہا فرمایا: میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے (بلندئ درجات کے) لئے دعا کرتا ہوں۔(۲۱)

ایسے ہی بعض گروہوں نے بہت سے ایسے عقائد ونظریات اپنے لوگوں سے منسوب کردیے تھے جو سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف تھے۔امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف ان عقائد باطلہ کی پُرزور تردید فرمائی بلکہ اصلاح کے لئے بھرپور سعی کی۔جابر جعفی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد بن علی سے پوچھا: کیا اہل بیت کرام میں سے کوئی یہ نظریہ رکھتا ہے کہ "بعض گناہ شرک ہیں"۔۔۔؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، بالکل نہیں۔میں نے دوسرا سوال کیا: کیا آپ میں سے کوئی شخص رجعت کا قائل ہے یا تھا۔۔۔؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں ہرگز نہیں۔(۲۲)

حضور مخدوم امم داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ کے ایک اور زریں گوشہ سے بھی نقاب کشائی کی ہے اور وہ ہے آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق باللہ یعنی کثرت عبادت وریاضت اور خوف خدا۔

حضور فیض عالم داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام محمد باقر رضی اللہ عنہ رات کا ایک حصہ بیت جانے کے بعد اپنے معمولات کے اوراد ووظائف سے فارغ ہو کر آواز بلند بر گرفتی بمناجات کہ بلند آواز سے اللہ کے حضور مناجات وگریہ زاری کرتے تھے۔(۲۳) آپ نے کشف المحجوب میں امام باقر رضی اللہ عنہ کے ان مناجات کو عربی کی بجائے فارسی زبان میں ترجمہ کرکے تحریر فرمایا ہے جس کا لب لباب یہ ہے:

اے میرے اللہ! اے میرے مالک! اب رات ہو چکی، (دنیاوی) بادشاہوں کی حکومت وتصرف اپنے اختتام کو پہنچی، اب آسمان پر ستارے نمودار ہو چکے ہیں اور تمام مخلوقات عالم اس طرح محوخواب ہے جیسے ان کا وجود ہی نہیں رہا، لوگوں کی گفتگو ہو چکی اور آنکھیں نیند کی

وادی میں اتر چکی ہیں، شاہان بنو امیہ آرام کر رہے ہیں اور ان کے پاسبان دروازوں پر بدستور موجود ہیں ان کے دربار بند ہیں جبکہ کارندے حفاظت پر اسی طرح معمور ہیں پس جن لوگوں کی امیدیں ان حکمرانوں سے وابستہ تھیں وہ اس وقت انھیں تنہا چھوڑ کے جا چکے ہیں۔۔۔اے میرے اللہ! تو زندہ و قائم ہے، تو بصیر و علیم ہے بے شک تو نیند و اونگھ سے بالکل پاک ہے مولا تیری ذات وہ ہے جسے کوئی شے اس کے ارادے سے روک نہیں سکتی۔۔۔تیری رحمت کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں۔۔۔تو کسی بھی سائل کو سوال کرنے سے منع نہیں کرتا۔۔۔مولا! جب مجھے موت اور قبر کا خیال آتا ہے اور روز حساب کا سوچتا ہوں تو ایک دم فکر لاحق ہوتی ہے کہ تیری حضوری کے مقابلے میں دنیا کی کس چیز سے سکون حاصل کروں اور موت کے فرشتے کا خیال آتا ہے تو سوچتا ہوں: دنیا کی کس شے سے تعلق رکھوں۔۔۔پس میں صرف تجھے ہی چاہتا ہوں کیونکہ میں صرف تجھ سے ہی واقف ہوں اور جب تجھے یاد کرتا ہوں، دل کو سکون و طمانیت نصیب ہوتی ہے۔۔۔اے اللہ! مجھے بوقت موت راحت نصیب فرما اور بغیر حساب کے مجھے عزت عطا فرما! (۲۴)

آپ کی یہ مناجات امت مسلمہ اور اسلامی سماج کی فکری تعمیر کے لئے نسخہ کیمیاء کی حیثیت رکھتی ہیں کہ آپ کس انداز سے اہل معاشرہ کی فکری و ذہنی تربیت فرما رہے ہیں کہ اپنی سوچ، فکر، خیال، ارادہ، علم، عمل، نظریہ غرض یہ کہ زندگی کا عمل و امر سپرد خدا کر دو اور دنیاوی نعمتوں میں کھو کر اخروی حیات جاوداں کو مت بھولو۔ امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ بلاشبہ انھی اقدار و روایات کے امین تھے جو انھیں اپنے آباء و اجداد سے ورثہ میں ملی تھیں۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ آپ روزانہ ڈیڑھ سو رکعات نماز نفل ادا فرماتے تھے۔ (۲۵) جبکہ ذہبی نے لکھا: کثرت سجود کی وجہ سے آپ کی پیشانی مبارک پر نشان سجدہ بہت نمایاں تھا۔ (۲۶)

ان معروضات کے بعد اگر ہم نتیجہ کلام کی طرف آئیں تو مختصر انداز میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ بلاشبہ امام محمد الباقر کی ذات بابرکات اسلامی معاشرے کے خام فولاد کے لئے ایک پارس کی حیثیت رکھتی تھی اور رکھتی ہے جس کے ساتھ لگنے والا معمولی سے معمولی لوہا بھی کندن بن جاتا ہے اور آپ کی فکر سے رہنمائی حاصل کر کے انسان نہ صرف جادہ حق کا راہی بنتا ہے بلکہ بعد میں آنے والوں کے لئے حق نما گردانا جاتا ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ دین حق کے نمائندہ ہیں علامہ محمد اقبال نے بجا طور پر فرمایا تھا:

زندہ حق از قوت شبیری است　　باطل آخر داغ حسرت میری است (۲۷)

بلاشبہ امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ جیسی عظیم ذوات قدسیہ کے دم قدم سے حق کی قوت زندہ و پائندہ ہے اور باطل قوتیں حسرت و یاس کی وادیوں میں اپنی موت آپ مرتی ہیں اور مرتی رہیں گی اور یہی وہ قدرت کی منتخب ہستیاں ہیں جن کے وجود سے معاشرہ اور معاشرتی اقدار اپنی راہیں متعین کرتی ہیں۔ یہی وہ پاکانِ خدا ہیں جن کی برکت سے سماج کی فکری تعمیر ممکن ہوتی ہے۔

تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

حوالہ جات:

۱۔ طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۱۱۹، نظریہ الامامۃ، محمود صُبحی، ص ۲۳۔

۲۔ وفیات الاعیان، ابن خلکان، جلد ۱، ص ۴۵۰۔ شواہد النبوۃ، ملا عبدالرحمن جامی، ص ۳۱۷۔

۳۔ ریحان عترت۔ مولانا شاہ معین الدین ندوی۔ تذکرہ سیدنا امام محمد الباقر ص ۷۷۔

۴۔ مجمع الزوائد، جلد ۱۰ ص ۲۲/ لسان المیزان، جلد ۵، ص ۱۵۰۔

۵۔ شواہد النبوۃ، ص ۳۱۷۔　　۶۔ تذکرہ امام محمد الباقر علیہ السلام، ص ۱۲۹

۷۔ تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۱۱۱/ تہذیب الأسماء نووی، جلد ۱، ق ۱، ص ۸۷۔

۸۔ لسان العرب/ شذرات الذھب، ابن عماد حنبلی، ص ۱۴۹۔

۹۔ البدایہ والنہاد، جلد ۹، ص ۳۰۹۔　　۱۰۔ تہذیب التہذیب، جلد ۵، ص ۳۵۰۔

۱۱۔ کشف المحجوب (فارسی)، ص ۶۱۔　　۱۲۔ حدائق بخشش، قصیدہ نوریہ۔ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۳۔ مسند امام احمد بن حنبل، ص ۴۲۱۔　　۱۴۔ کشف المحجوب (فارسی)، ص ۶۶۔

۱۵۔ امام جعفر صادق، ص ۶۰/ تہذیب التہذیب، جلد ۹، ص ۳۵۰۔

۱۶۔ الامام جعفر الصادق، علامہ جندی، ص ۱۴۱۔

۱۷۔ حیات الحیوان، کمال الدین دمیری، جلد ۱، ص ۱۴۶۔　　۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ کشف المحجوب (فارسی)، ص ۶۶۔　　۲۰۔ تاریخ دمشق، جلد ۲۹، ص ۲۰۹ تا ۲۳۲۔

۲۱۔ طبقات ابن سعد، جلد ۵، ص ۲۳۶۔　　۲۲۔ ایضاً۔

۲۳۔ کشف المحجوب (فارسی)، ص ۶۶۔　　۲۴۔ ایضاً ص ۶۶، ۶۷۔

۲۵۔ تہذیب الاسماء، جلد ۱، ۸۷۔　　۲۶۔ تذکرہ الحفاظ، جلد ۱، ص ۱۱۰۔

۲۷۔ کلیات اقبال (فارسی)، رموز بیخودی، سر حادثہ کربلاء۔

افکارِ سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

اولیائے کرام کی زندگی بہ ظاہر کتنی ہی سادہ کیوں نہ ہو لیکن درحقیقت عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہے۔ عام آدمی کی زندگی اسباب معاش کے حصول کے لیے وقف ہو کر رہ جاتی ہے جب کہ بندگان خدا وسائل حیات سے صرف اس قدر تعلق رکھتے ہیں کہ وہ اطاعت الٰہی میں محدود معاون بن سکیں، وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی اہل دنیا کی دہلیز پر جبہ سائی کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ بڑے بڑے جاہ وحشم کے مالک ان کی بارگاہ میں حاضر ہونے کو سعادت سمجھتے ہیں، چونکہ وہ صحیح معنوں میں خدا کے ہو جاتے ہیں اس لیے خلق خدا ان کے تابع ہو جاتی ہے۔ وہ مخلوق خداوندی کے دل پر حکمرانی کرتے ہیں۔ ان کی حکومت حیات ظاہری تک محدود نہیں ہوتی۔ وصال کے بعد بھی ان کا اقتدار برقرار رہتا ہے اور ان کی رحلت کے بعد بھی روحانی فیض اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز ان قدسی صفات بزرگوں میں سے ہوئے ہیں جنہوں نے کفر زار ہندوستان میں اسلام کا فانوس روشن کیا اور کفر وضلات میں ڈوبے ہوئے ان گنت افراد کو ہدایت و راستی کی راہ پر گامزن کر کے سعادت ابدی کا مستحق بنا دیا۔ آپ کے مرقد انور پر اگر ایک طرف سلاطین زمانہ نے حاضر ہو کر عقیدت کیشی کا ثبوت دیا ہے تو دوسری طرف خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے معتکف ہو کر اکتساب فیض کیا اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ہی کے مزار منبع انوار کی وجہ سے لاہور کو بلاد ہند میں "قطب الارشاد" قرار دیا۔ شاید ہی کوئی ایسا بزرگ ہو جس نے لاہور آ کر آپ کے مزار اقدس پر حاضری نہ دی ہو۔ موجودہ دور میں جب کہ امور دینیہ سے غفلت اور بے راہ روی عروج پر ہے دن رات کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کی بارگاہ میں حاضری دینے والے ذکر و فکر، قرآن پاک کی تلاوت اور یاد الٰہی میں مصروف نہ ہوں، انسان آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر

واضح طور پر اپنے اندر تغیر محسوس کرتا ہے اور اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل بجا کہا تھا۔

سید ہجویر مخدوم امم　　مرقد او پیر سنجر را حرم
بند ہائے کوہسار آسان گسیخت　　در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروقؓ از جمالش تازہ گشت　　حق ز حرفِ او بلند آوازہ گشت
پاسبان عزت ام الکتاب　　از نگاہش خانہ باطل خراب

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد کتابیں سپرد قلم فرمائیں۔لیکن کشف المحجوب کے علاوہ کوئی کتاب بھی دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکی۔کتاب کیا ہے مثلاً شیانِ حق و ہدایت کے رہبر کامل، علم و عرفان کا بحر بے کراں اور تحقیق و تدقیق کا بے نظیر نمونہ ہے۔اہل علم کے لیے افزونی علم کا ذریعہ ہے تو اہل دل کے لیے سکون قلب کا سامان ہے۔قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں عقائد، اعمال، احوال اور اخلاق کی اصلاح کا پیغام اس دل نشین انداز میں دیا ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔آج کل عام طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ تصوف اور شریعت سے مختلف کسی چیز کا نام ہے۔حالانکہ مشائخ صوفیائے کرام نہ صرف خود اتباع شریعت کا پیکر جمیل ہوتے ہیں بلکہ اپنے حلقہ ارادت سے وابستہ ہونے والوں کو بھی اس بات کا درس دیتے ہیں کہ معراج انسانیت یہ ہے کہ بندہ خدا اور رسول (جل و علا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی اطاعت کے سانچے میں ڈھل جائے، حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشائخ کرام رحمہم اللہ کا معمول ہے کہ جب کوئی شخص ان کا مرید ہوتا ہے تو اسے خاص طور پر تدریجاً تین چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں۔

۱۔　خدمت خلق یعنی ہر چھوٹے بڑے کو اپنے آپ سے بہتر سمجھتے ہوئے اس کی خدمت و تعظیم کرے۔

۲۔　اطاعتِ حق، یعنی دنیا و آخرت کے خیال سے بے نیاز ہو کر عبادت الٰہی بجالائے، ورنہ اگر دنیا یا آخرت کے لالچ میں عبادت کی گئی تو وہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی پرستش نہیں ہو گی۔بلکہ اپنی خواہشات کی پرستش ہو گی۔

۳۔ مراعات قلب یعنی دنیا و مافیہا کے خیالات سے دل کو پاک کر کے یاد الہٰی میں محو ہو جائے۔ (کشف المحجوب، ص ۱۴۷)

جب مرید ان مراحل میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اسے خرقہ پوشی کے لائق قرار دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر شریعت مطہرہ کی پیروی کیا ہوگی اور اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ صوفیائے کرام صرف ظاہر شریعت پر ہی عمل پیرا نہیں ہوتے بلکہ روح شریعت کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض علم و عرفان کے دعویدار ایسے ہوتے ہیں جن کے قول و عمل میں تضاد ہوتا ہے اور محض عوام الناس کو فریب دینے کے لیے جبہ علماء یا خرقہ صوفیاء پہن لیتے ہیں ایسے لوگوں کو نہ تو علم شریعت سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی وہ تصوف سے کوئی علاقہ رکھتے ہیں۔ حضرت داتا صاحب حضرت ابن معاذ رازی قدس سرہٗ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ تین قسم کے لوگوں سے اجتناب کر (۱) غافل علماء (۲) مداہنت کرنے والے فقراء (۳) جاہل صوفیاء۔

پھر خود غافل علماء کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"غافل علماء وہ ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنا قبلۂ دلی بنا لیا ہے اور شریعت مطہرہ سے حیلے بہانے تراش کر آسانیاں گھڑ رکھی ہیں اور اہل حکومت کے پجاری بن گئے ہیں۔ ظالموں کی چاپلوسی کرنا اپنا روزمرہ اور ان کی چوکھٹوں کے طواف کو کعبۂ مقصود بنا چکے ہیں اور عوام میں عزت حاصل کرنا ان کی محراب مسجد ہو چکی ہے۔

فقیر مداہن وہ ہے کہ اگر اس کی خواہش ہائے نفسانی کے مطابق کوئی کتنا ہی غلط کام کرے وہ اس کا مداح ہوگا اور اگر اس کی مرضی کے خلاف کچھ کرے، خواہ کتنا ہی صحیح کام کیوں نہ ہو اس کی برائی میں وہ کبھی کمی نہ رکھے۔

اور متصوفہ جاہل وہ ہیں جو کبھی کسی پیر کامل کی صحبت سے مستفید نہ ہوں اور کسی پیر کامل کی صحبت سے مستفید نہ ہوں اور کسی مرشد سے تعلیم نہ لیں، لیکن عوام میں اپنے کو باکمال کہلانے کی آرزو رکھیں، انہوں نے مصائب زمانہ اور نشیب و فراز علم کا ذائقہ تک نہ چکھا ہو۔ مگر اندھے جاہلوں میں بہکی بہکی باتیں بنا کر اپنے کو کامل کہلوائیں۔"

(کشف المحجوب: ص ۹۳)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں زندگی کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو فرمائی ہے۔ فقر و تصوف، جود و سخا، آداب اقامت و سفر، کھانے پینے، چلنے پھرنے کے آداب، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اہل بیت رضی اللہ عنہم عظام، آئمہ تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے حالات مبارکہ اور مقالات طیبہ اس دل آویز طریقے سے بیان کیے ہیں کہ ان کے پڑھنے سے از خود عمل کی جانب میلان پیدا ہوتا تھا۔ اتباعِ شریعت کا جذبہ دل میں موجزن ہو جاتا ہے اور دنیا و اہل دنیا سے دل سرد ہو جاتا ہے۔ صحبتِ سفر کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مسافر کو چاہئے کہ ہمیشہ حافظ سنت رہے، جب کسی مقیم کے پاس جائے تو ادب سے اس کے پاس آئے اور سلام کہے، پہلے بایاں پاؤں دروازے سے باہر نکالے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے، جب جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے پھر بائیں میں اور جب پاؤں دھووے تو پہلے دایاں پاؤں دھووے پھر بایاں پاؤں، پھر دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھے، پھر رعایت حقوق درویشاں میں مشغول ہو اور مقیموں کے حال پر اعتراض نہ کرے اور نہ کسی سے زیادتی کرے، نہ اپنے سفر کی سختیاں بیان کرے اور لوگوں میں جب بات کرے بزرگوں کی حکایتیں، روایتیں اور علم کی باتیں کرے اور چاہئے کہ جاہلوں سے تکلیف برداشت کرے اور بنام خداوندان کا بوجھ اٹھائے کیونکہ اس میں بہت سی برکتیں ہیں اگر مقیم یعنی میزبان یا اس کے نوکر اس پر حکم کریں اور اس کو اہل کوچہ کے اسلام یا کسی کی زیارت کے واسطے بلائیں تو اگر ہو سکے تو خلاف نہ کرے، لیکن دل سے دنیاداروں کی رعایت سے منکر ہونا چاہئے، یہ بھی لازم ہے کہ اپنی غرض حاصل ہونے کے لیے میزبانوں کو تکلیف نہ دے اور ان کو اپنے آرام و خواہشات کے لئے اور ملازمان شاہی کے حضور میں نہ لے جائے غرضیکہ مقیم اور مسافر کو صحبت میں رضائے الٰہی کا طالب رہنا چاہئے۔" (کشف المحجوب ص ۵۴۹۔۵۵۰)

حدیث شریف میں آیا ہے:

نیۃ المؤمن خیر من عملہ — مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ایک شخص روزہ رکھنے کی نیت کے بغیر بھوکا رہے تو اس کو کچھ ثواب نہیں اور جب روزہ کی نیت سے بھوکا رہے تو اس بھوکا رہنے سے اسے اتنا ثواب ہوتا ہے باوجودیکہ روزہ رکھنے

سے ظاہر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ تو حاصل مقصود یہ ہوا کہ کام کے ابتداء میں نیک نیت کرنی اس کام کا حق ادا کرنے کے مترادف ہے۔" (ایضاً: ص ۶۹)

نیت کی اہمیت کے پیش نظر علماء و مشائخ اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ آدمی جو بھی نیک کام کرے اچھی نیت سے کرنا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ کشف المحجوب حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ زندہ جاوید یادگار ہے جو شریعت و طریقت کے کامل راہبر کا کام دیتی ہے اس کے ہوتے ہوئے جادۂ شریعت پر گامزن ہونے کے لیے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ مولائے کریم ہمیں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

(بشکریہ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، اپریل ۱۹۷۵ء)

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر صوفیائے کرام

انتخاب: حاجی احمد الباروی

جیسا کہ پیشتر ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا کافی حصہ سیر و سیاحت میں گزارا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ خود بھی سیر و سیاحت کے بڑے شوقین تھے اور اپنے مریدین اور معتقدین کو بھی اس امر کی تاکید اور ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ "سیرو فی الارض" کے حکم الٰہی کے تحت درویش بننے کے واسطے سیر و سیاحت بڑی ضروری ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وطن عزیز، غزنی میں جو مشائخ اور صوفیائے کرام تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں تشریف لے گئے اور ان سے اکتساب فیض کیا۔ اس کے علاوہ شام، فارس، عراق، آذربائیجان، خراسان اور ماوراالنہر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جن جن اولیائے کرام سے ملاقاتیں کیں اور ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے اور ان سے مل کر جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تاثر لیا اس کا تذکرہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے۔ جس کو ہم مختصراً بیان کرتے ہیں۔

ابو جعفر محمد صیدلانی رحمۃ اللہ علیہ: شام کے بہت بڑے بزرگوں میں سے تھے۔

ابو القاسم مسدی رحمۃ اللہ علیہ: شام کے اولیائے کرام میں ان کا بلند درجہ تھا۔

فارس کے اولیائے کرام:

ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ: سالبہ کے بیٹے اور شیخ الشیوخ تھے۔ شیراز میں رہتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۴۷۳ھ میں ہوئی۔

ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ: شہریار کے بیٹے اور طریقت کے شیخ تھے۔ صوفیوں کے بزرگوں میں ان کا بڑا درجہ تھا۔

شیخ ابو الفتح رابعہ رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ ابو طالب مروی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فارس کے مندرجہ عنوان صوفیاء میں سے صرف شیخ الشیوخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ مرشد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں دیکھا۔

صوفیائے آذر بائیجان، کوہستان اور طبرستان:

شیخ شفق فرخ رحمۃ اللہ علیہ: معروف باخیث زنجانی، نیک خُو اور ستودہ طریقت گزرے ہیں۔

شیخ اندرین رحمۃ اللہ علیہ: گروہ صوفیا کے بزرگوں میں سے ہیں۔

مادشاد طائب رحمۃ اللہ علیہ: خدا کے راستے میں بڑے ہوشیار تھے۔

شیخ عبداللہ جنیدی رحمۃ اللہ علیہ: ان کے متعلق لکھتے ہیں میرے رفیق تھے اور (خلق اللہ کے) محترم پیر۔

شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ: بہت بڑے بزرگوں میں سے تھے۔

خواجہ حسن سمنانی رحمۃ اللہ علیہ: خدا کے عشق میں گرفتار اور مرد آدمی تھے۔

شیخ سہلکی رحمۃ اللہ علیہ: بہت شفقت کرنے والے درویشوں میں سے تھے۔

احمدؒ: شیخ خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے بڑے نیک لڑکے تھے۔ (معلوم ہوتا ہے جوانی ہی میں انتقال ہو گیا ہوگا)۔

ادیب کندی رحمۃ اللہ علیہ: زمانے کے سرداروں میں سے تھے۔ بیس سال تک کھڑے رہے تھے۔

خراسان کے صوفیائے کرام:

ابوالعباس سرتائی رحمۃ اللہ علیہ: مجتہد شیخ تھے۔

خواجہ ابوجعفر محمد رحمۃ اللہ علیہ: علی حواری کے بیٹے تھے۔ اس گروہ کے بزرگوں اور محققوں سے گزرے ہیں۔

خواجہ ابوجعفر طرشیری رحمۃ اللہ علیہ: وقت کے عزیزوں میں سے گزرے ہیں۔

خواجہ محمود نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ: پیشوائے وقت تھے۔

شیخ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ: زندگانی نیک رکھتے تھے۔

حمزۃ المحب رحمۃ اللہ علیہ: نیک باطن اور محترم تھے۔

خواجہ رشید مظفر رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ ابوسعید: قوم کے مقتدا اور دلوں کا قبلہ تھے۔

خواجہ شیخ احمد عمادی سرخسی رحمۃ اللہ علیہ: وقت کے بہادر اور ایک مدت تک شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق تھے۔ فرماتے ہیں میں نے ان کے کاموں سے بہت سے عجائبات دیکھے ہیں۔ جوانمرد صوفیوں میں سے تھے۔

شیخ احمد نجار سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ: مرو میں ان سے ملاقات ہوئی۔ وہیں ان کا قیام رہا کرتا تھا۔ اپنے زمانے کے باطنی سلطان تھے۔

شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ: ابوعلی کے بیٹے تھے۔ ہمت کی بلندی اور فراست کے صدق میں اپنے زمانے میں عدیم النظیر تھے۔

سرزمین خراسان کو اپنے طریقت کا اقبال اور حجت کا آفتاب لکھا ہے اور فرماتے ہیں۔ میں نے خراسان میں تین سو بزرگوں کو دیکھا ہے، طوالت کے خوف سے صرف چند کا ذکر کیا ہے۔

ماوراء النہر کے اولیائے عظام:

ابوجعفر محمد رحمۃ اللہ علیہ: حسن حرمی کے بیٹے اور مقبول امام تھے۔

خواجہ محمد ابقری رحمۃ اللہ علیہ: فقیہہ تھے اور قوی معاملہ۔

احمد ایلاقی رحمۃ اللہ علیہ: وقت کے شیخ اور زمانے کے بزرگ اور رسموں اور عادتوں کے تارک۔

خواجہ حارث رحمۃ اللہ علیہ: اپنے زمانے کے سرتاج تھے۔

علی رحمۃ اللہ علیہ: ابواسحاق کے بیٹے تھے۔ زمانے کے خواجہ اور محتشم تھے۔

حضرت شیخ ہجویری کے ہمراہیوں کا بیان:

جب حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر طریقت کے حکم کے مطابق غزنی سے لاہور

کے لئے روانہ ہوئے تو دو اور بزرگ بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تھے۔ جن میں ایک حضرت ابوسعید غزنوی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تھے اور جن کے استفسارات کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لاجواب کتاب کشف المحجوب تصنیف فرمائی اور اکثر جگہ پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں ان کو مخاطب فرمایا ہے۔ لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے ان کے حالات زندگی پر روشنی نہیں پڑتی اور نہ ان کے واقعات کا پتہ چلتا ہے۔

دوسرے بزرگ غزنی سے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ لاہور کے لئے روانہ ہوئے وہ حضرت خواجہ احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ تمہاری توبہ کی ابتدا کس طریقے پر ہوئی۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں سرخس سے روانہ ہو کر بہت عرصہ دراز تک ایک جنگل میں رہتا رہا اور میرے اونٹ بھی میرے ساتھ رہتے تھے۔ جس دن میں خود بھوکا رہ کر اپنے حصے کا کھانا کسی مسافر یا راہ گیر کو دے دیتا تھا اس دن مجھ کو بڑی مسرت اور خوشی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شیر نے آ کر میرے اونٹ کو مارا اور اوپر بلندی پر چڑھ کر ڈھارنے لگا۔ اس کے ڈھارنے کی آواز سن کر چاروں طرف سے تمام درندے اور جانور، گیدڑ، لومڑی اور بھیڑیئے وغیرہ آ گئے۔ جب وہ سب جمع ہو گئے تو شیر نے نیچے اتر کر اونٹ کو پھاڑ ڈالا۔ اور پھر بلندی پر چڑھ گیا۔ جب وہ چلا گیا تو تمام جانوروں نے بڑے مزے سے اونٹ کا گوشت کھایا۔ جب سب جانور کھا کر چلے گئے تو شیر نے خود کھانے کے خیال سے نیچے اترنا چاہا۔ مگر اسی وقت اس نے ایک لنگڑی لومڑی کو اس طرف آتے ہوئے دیکھا، شیر رک گیا۔ جب لومڑی بھی کھا کر چلی گئی تو پھر بعد میں شیر نیچے اترا۔ اور اس نے گوشت جو باقی رہ گیا تھا وہ کھالیا۔ خواجہ احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں دور کھڑا یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد شیر میرے پاس آیا اور حکم خداوندی سے گویا ہو کر کہنے لگا۔ اے احمد اگر تو مرد ہے تو تجھ کو اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ لقموں کا ایثار کوئی فخر کی بات نہیں۔ یہ ایثار تو جانور بھی کر سکتے ہیں۔ احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شیر کی باتیں سن کر اللہ تعالیٰ نے ایثار کے اسرار و رموز مجھ پر کھول دیئے اور اس دن میں نے دنیا کی تمام مصروفیتوں اور مشاغل سے توبہ کر لی اور فرمایا یہی میری توبہ کا پہلا روز تھا۔

اولیائے کرام جنہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک پر چلہ کشی کی:

خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ ان نامور اور اکابر اولیاء میں سے ہیں جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے بانی ہیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کوششوں سے ہندوستان میں اسلام پھیلا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۶ھ سیستان کے قصبہ سنجر میں پیدا ہوئے۔ اسی لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو سنجری بھی کہتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب بارہ واسطوں سے حضرت علی ابن ابی طالب سے ملتا ہے۔ حضرت خواجہ معین بن غیاث الدین بن سید کمال بن سید احمد حسین بن سید ظاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن سید امام علی رضا بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سید الکونین امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

بارہ برس کی عمر میں والد کے سائے سے محروم ہو گئے۔ ترکہ میں ایک باغ اور ایک چکی ملی۔ اسی کو روزی کا ذریعہ بنایا۔ اس اثناء میں ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کھلی کا ایک ٹکڑا دانتوں سے چبا کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کھلایا جس کی تاثیر سے زندگی ہی بدل گئی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ طلب خدا میں چل کھڑے ہوئے۔ سمرقند پہنچے، کلام پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

سمرقند سے عراق کا رخ کیا۔ نیشاپور کی حدود میں ایک قصبہ ہارون سے گزر ہوا، جہاں اس زمانے میں حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سکونت پذیر تھے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے شرف بیعت حاصل کیا۔ پیر و مرشد نے کلاہ چارترکی اور گلیم خاص مرحمت فرمایا اور ان کی صحبت میں رہ کر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چند دنوں میں اپنے قلب کو منور کیا۔

خواجہ صاحب ڈھائی سال تک پیر و مرشد کی خدمت میں رہے اور بہت ریاضت و مجاہدہ کیا۔ بعض بیانات کے مطابق آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سال تک پیر و مرشد کی خدمت کی۔ اور انہیں کے ساتھ سیاحت بھی کی۔ سفر میں مرشد کا بستر اور دوسری اشیاء اٹھاتے پھرتے تھے۔

خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ رحمۃ اللہ علیہ سیوستان گئے۔ پھر خواجہ بہاؤ الدین اوشی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ مرشد کے ہمراہ خواجہ صاحب مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھی گئے اور پیر و مرشد نے ان کے لئے وہاں دعا بھی کی۔ مدینہ منورہ ہی میں خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان جانے کا حکم دیا۔

مرشد سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بغداد آئے۔ پھر سنجان پہنچ کر شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ڈھائی سال گزارے۔ پھر غوث اعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف نیاز حاصل کیا اور انہیں کے ہمراہ بغداد آئے۔ جہاں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ یہیں پر احد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی اور ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے ہمدان تشریف لائے اور خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ پھر تبریز پہنچے اور شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد ابوسعید تبریزی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ وہاں سے اصفہان آئے اور شیخ محمود اصفہانی سے کسب فیض کیا۔ بعد ازاں ہندوستان کا رخ کیا۔

جب خواجہ صاحب ہندوستان تشریف لائے تو حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ وفات پا چکے تھے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور پہنچ کر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ مبارک کے برابر ایک کوٹھری میں چالیس دن تک معتکف رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی چلہ گاہ مزار کی پائنتی موجود ہے۔ چلہ پورا ہونے کے بعد جب خواجہ سنجری رحمۃ اللہ علیہ الوداعی حاضری دے رہے تھے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک پر یہ شعر جاری ہوا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

عام لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گنج بخش کا خطاب اس شعر سے شروع ہوا ہے۔ حالانکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف کشف الاسرار میں تحریر فرماتے ہیں اے علی رضی اللہ عنہ! خلقت تجھے گنج گنج کہتی ہے۔ اور تو ایک دانہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اس بات کا خیال کہ مخلوق تجھے گنج بخش کہتی ہے، ہرگز دل میں نہ لاو رنہ محض دعویٰ اور غرور ہوگا۔ گنج بخش یعنی خزانہ بخشنے پر قادر تو وہی

ذات پاک ہے۔ اس کے ساتھ شرک نہ کرنا، ورنہ تیری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ بے شک وہ اکیلا خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت کے عوام آپ کی زندگی میں آپ کو اس لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور سے ملتان تشریف لے گئے وہاں پانچ سال تک رہے اور سنسکرت اور پراکرت زبانیں سیکھیں پھر دہلی ہوتے ہوئے اجمیر شریف گئے اور محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر شریف پہنچے۔

اس زمانے میں چوہان خاندان کا مشہور راجہ رائے پتھورا اجمیر اور دہلی کا حکمران تھا۔ رائے پتھورا تاریخ میں پرتھوی راج کے نام سے مشہور ہے۔ راجہ کے آدمیوں نے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قیام میں بڑی مزاحمت کی۔ خود راجہ بھی خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اچھی طرح پیش نہ آیا۔ بالآخر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم سے وہ لوگ متاثر ہونے لگے۔ راجہ کے کئی ملازم خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔

حضرت کے اقوال:

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک کا ایک ایک لفظ گنجینۂ حکمت و معرفت ہے اور مسلمانوں کی روحانی و باطنی فروغ کے لئے انہوں نے کلمات طیبات کا ایک لازوال درس اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ طالبان حق و صداقت اور تشنگان چشمۂ معرفت کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات اور اقوال درج ذیل ہیں:

فقیر کے لئے لازم ہے کہ بادشاہوں یا حاکموں کی جان پہچان اور ان کے میل جول کو اژدہا اور سانپ کی ہم نشینی اور درستی خیال کرے۔ کیونکہ جب فقیر کو بادشاہ کا لقب حاصل ہوتا ہے۔ اس کا سامان سفر اور توشہ برباد ہو جاتا ہے۔

ترکی کلاہ سر پر رکھ لینے سے فقیری حاصل نہیں ہوتی۔ تم خواہ کافرانہ کلاہ سر پر رکھ لو، لیکن فقیر بنے رہو اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر کاربند رہو۔ اگر فقیر اس نیت سے فقیرانہ لباس پہنتا ہے کہ اس کو دولت مند کی ہم نشینی حاصل ہو جائے تو یقین جانو کہ وہ فقیر نہیں آتش پرست ہے۔ جو غرور

تکبر سے پُر ہے۔

فقیر کے لئے مرشد کی حضوری سے بڑھ کر اور کوئی چیز درکار نہیں۔ سچا مرشد وہ ہے جو دریائے معرفت کا غوطہ خور ہو۔

جب تو دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی کاری گری کو دیکھ۔ تو اپنی شمع کا پروانہ بن جا اور اس بات کا غم نہ کر کہ جان کو غم ہوگا، ہونے دو اس کا ہونا ہی بہتر ہے۔

غرور کو اپنے دل سے نکال۔

اے طالب! تو اپنے حبیب اور لطیف کا غم اپنے وجود میں پیدا کر، راہِ خدا کا مرد بن۔

رات کو اٹھ کر عبادت کر، اپنے وجود کے سوراخ کشادہ کر۔ بہت بہت رو، خوش کم ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قلیلاً و لیبکوا کثیراً۔ پس چاہئے کہ ہنسیں کم اور روئیں بہت۔

صبح کے وقت دریا پر جا اور حضرت خضر علیہ السلام سے محبت کر اور اسم مذکور کا ذکر تا کہ تو منزل پر پہنچ جائے۔

تجھے لازم ہے کہ نفسانی خواہشات کی طرف مائل نہ ہو۔

خلقت کا میل جول ترک کر دے اور تنہائی اختیار کر۔

خلقت کی طرف سے جو بطور تحفہ پیش کش، نذر نیاز ملے فقرا میں تقسیم کر دے اس میں سے کوئی چیز بھی اپنے پاس نہ رکھ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز میں مشغول نہ ہووے۔

اگر کسی قبر یا مزار پر تیرا گزر ہو تو اسے پڑھ کر بخشش تا کہ اسے آرام نصیب ہو اور وہ تیرے حق میں دعا کرے۔

اگر کسی کی کھجور کی گٹھلی ہو تو اس کے حوالے کر دے اور اپنے پاس نہ رکھ۔

جب دوست کا کوئی بھید تجھے حاصل ہو اسے باہر نہ پھینک اور اس سے بیزار نہ ہو کیونکہ اس سے تیرا بھلا ہوگا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے دوست کے بھید کا ایک ذرہ ظاہر کیا جس کے بدلے اسے سر دینا پڑا اور اس کی معرفت خاک میں مل گئی۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام اولیاء اللہ کے دوست ہیں اور بقا اور مشاہدہ ربانی اولیاء اللہ کے وسیلے سے حاصل ہوتا ہے۔

صلہ رحم کی دوستی تجھ پر فرض ہے۔

تجھے لازم ہے کہ اپنے ماں باپ کو اپنا قبلہ سمجھے۔اگر کوئی مشکل پیش آئے تو والدین کی قبر پر جا کر دعا کرے تو اس کی مشکل حل ہو جاتی ہے۔

نفس کافر ہے حسب ذیل باتوں کے سوا نہیں مرتا۔حق کی مدد، خاموشی، بھوک، تنہائی، میل جول کا ترک اور اکیلے بیٹھ کر ہر دم خدا کی یاد کرنا۔

تجھے لازم ہے کہ سچا عاشق بنے اور اپنے پیر و مرشد کے قدموں میں جان دے دے۔مرشد کے قریب ہی رہے ہر وقت مرشد کا دیدار کرتا رہے تاکہ تو حقیقت اور طریقت حاصل کرے۔

سنو اور گوش ہوش سے سنو۔ یہ باتیں تمہارے کام آئیں گی۔یہ اچھی طرح یاد رکھ کہ خواہ تم ہفت ہزاری بھی ہو جاؤ تو کیا ہو جائے گا۔آخر میں تم مٹھی بھر مٹی ہو اور مٹی ہو جاؤ گے۔تم منی کا ایک قطرہ ہو، کیوں اس قدر غرور کرتے ہو۔آخر کار جو کچھ تمہیں دنیا میں نصیب ہے وہ لے دے کے چار گز کفن ہے۔وہ بھی خدا جانے نصیب ہو یا نہ ہو۔

اے طالبو! غور کرو اور سمجھو، غرور و تکبر چھوڑ دو۔

راہ حق کے مرد بنو۔

بیگانے کو اپنے پاس نہ آنے دو۔

دولت کو عذاب سمجھو، دولت اہل فاقہ کو دے دیا۔قربان کر دو۔اگر نہ دو گے تو قبر میں کیڑے بن کر کھائے گی اگر دے دو گے تو وہ تمہاری دوست بن جائے گی۔

تمہارے ہاتھ پاؤں بھی تمہارے دشمن ہیں۔جب تم مر جاؤ گے تو تمہارے پاؤں کہیں گے کہ تم بری جگہ کیوں گئے تھے، ہاتھ کہیں گے تم نے غیر کی چیز کو کیوں چھوا، آنکھیں کہیں گی کہ تم نے کیوں بری نگاہ سے دیکھا۔

اپنے گناہوں کے لئے دن رات استغفار کرتے رہو۔

استاد کا حق بجا لاؤ۔

کمزور خلقت پر رحم کرو۔

حرام لقمہ نہ کھاؤ۔

بے عزتی یک جگہ پر قدم نہ رکھو۔ جو عزت کرے اس کے پاس نہ بیٹھو۔

دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں۔ (۱) توبہ گناہوں کو (۲) جھوٹ رزق کو (۳) چغلی عمل کو (۴) غم عمر کو (۵) صدقہ بلا کو (۶) غصہ عقل کو (۷) پچھتانا سخاوت کو (۸) تکبر علم کو (۹) نیکی بدی کو اور (۱۰) ظلم عدل کو۔ فرمایا ان باتوں پر عمل کرے اور میرے حق میں دعائے خیر کرے، مجھے یاد رکھے اور خدائے تعالیٰ کو پہچانے، غیر پر بالکل نگاہ نہ کرے۔

طالب کے لئے ضروری ہے کہ غرور و تکبر اور خود پسندی کو چھوڑ دے۔

مندرجہ ذیل آٹھ کلمات پر عمل کرنے سے خدا شناسی حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۔ جب نماز ادا کر رہے ہو تو اپنے دل کو قابو میں رکھو۔

۲۔ جماعت کے یار بنے رہو۔

۳۔ جب کسی کے گھر جاؤ تو اپنی آنکھ کو محفوظ رکھو۔

۴۔ جب خلقت کے پاس آؤ تو زبان کی نگہداشت کرو۔

۵۔ اللہ تعالیٰ بزرگ و بلند کو فراموش نہ کرو۔

۶۔ موت کو نہ بھلا دو۔

۷۔ جو نیکی کسی کے حق میں کرو اسے بھول جاؤ۔

۸۔ بدی جو تم سے کی جائے اسے فراموش کر دو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، یا اللہ! میرے دل کو روشن چراغ بنا اور مجھے اپنی یاد کا شوق بخش اور میرے دل کو غیر سے خالی کر۔ میرے مرشد کو مجھ پر مہربان کر، پہلے مجھے شکر بخش، بعد ازاں دولت دے۔ پہلے مجھے کدورت سے پاک کر، بعد ازاں اپنی طرف سے عنایت کر، پہلے مجھے صبر و صبوری عنایت کر، بعد ازاں مجھے بیماری دے۔ یا اللہ! مجھے وہ عنایت کر جو بہت نیک اور عمدہ ہو۔ مجھے اس بات کی توفیق دے جو پسندیدہ ہو۔

گوشہ گیری اختیار نہ کر بلکہ اللہ تعالیٰ سے مرشدِ کامل کی صحبت طلب کر، اس کی محبت میں مجنوں بن جا۔

دنیا پانی پر کشتی کی طرح ہے اور بے آب ملک ہے تو غوطہ لگانے والا غوطہ خور بن، نہ کہ ڈوبنے والا۔

ایسا کام کر کہ تجھ سے کسی کو فیض پہنچے۔ کسیک ادل ناراض نہ کر۔

محبت ایک کیفیت حال ہے اور حال کبھی قال نہیں ہوتا۔ یعنی محبت اگر زبردستی پیدا کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے کیونکہ یہ سراسر عطائے الٰہی ہے، یہاں زور و زر کا کام نہیں۔

دنیا کو کمینہ اور ادنیٰ سمجھ، عقبیٰ کا بھی طالب نہ بن، عقبیٰ کو عذاب ہی خیال کر۔

مولیٰ کا طالب بن تاکہ تو مذکر اور نر ہو جائے۔

طمع اور خواری کو اچھی طرح سمجھ لے۔

دنیا و مکر و عقل کو اپنے سے دور کر۔ ایمانی عقل کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کر۔

مرشد کو اپنا قبلہ جان، اس کے سامنے حاضر رہ اور نفس کو موٹا تازہ نہ بنا۔

یادِ حق میں عمر بسر کر، اپنے آپ کو سختی میں رکھ اور محنت کر کہ تو مرد بن جائے۔

اکیلے رہنا نہایت بے بہا چیز ہے اور بیش قیمت اسباب ہے۔ مرشد کی حضوری ہر وقت اور ہر لحظہ رکھنی چاہیئے۔

مزاروں پر جا کر فاتحہ پڑھنی چاہیے، تاکہ اہل مزار بھی دعا کریں۔

یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ ایک بہترین فرض ہے۔

نماز باجماعت ادا کرنی چاہیے، دل سے وضو کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ہر دم بیان کرنی چاہیئے کیونکہ اس کے سوا نہ ہمارا کوئی پشت و پناہ ہے نہ فریاد رس۔

اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد مانگو۔

اگر تم میں اکیلے رہ کر سلامت رہنے کی قوت ہے تو بیوی نہ کرو کیونکہ یہ بڑی مصیبت ہے اور دردناک عذاب ہے۔

دنیا خوشی کا مقام نہیں، سراسر درد ہے۔

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، دم مارنے کی جگہ نہیں وہ آقا ہے ہم اس کے بندے ہیں۔

اے طالب! حق کا طالب بن، تکلیف سے نہ ڈر، فقیری مشکل ہے۔ علم پڑھ، علم سیکھ اور عمل کر۔

والدین کو بلاشک وشبہ قبلہ جان، کیونکہ ایسا کرنے سے تو منزل الٰہی پر پہنچ جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ تو صدر ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تیرے شامل حال ہو جائے گا۔

اے طالب! جو کچھ اللہ تعالیٰ عنایت کرے اس پر راضی رہ اگر جنگل بخشے تو اس میں رہ، اگر آبادی بخشے تو اس میں خوش رہ۔ اگر وطن نصیب کرے تو وطن میں رہ۔ اگر پردیس دے تو پردیس میں رہ غرض کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ بخشے اس پر راضی رہ، اگر گدڑی دے تو پہن لے، اگر قاقم دے تو اسے اوڑھ لے، اگر گدھا دے تو اس پر سوار ہو جا۔ اگر گھوڑا دے تو اسے بھی نہ چھوڑ، جو کچھ دے لے لے جو نہ دے اس پر صبر کر، تا کہ تو مرد راہ بن جائے۔

طالب حق کو چاہئے کو سب اعمال ایسے طور پر کرے گویا خدا اس کو اور اس کے افعال کو دیکھ رہا ہے، جیسا کہ وہ جانتا ہے کہ خدا سے افعال پوشیدہ نہیں۔

جب انسان یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے تو وہ کوئی ایسا کام نہ کرے کہ قیامت کے دن اس کے سامنے اسے شرمسار ہونا پڑے۔

انسان کو امور الٰہی اور خدا کی معرفت کا علم ہونا ضروری ہے۔

حقیقت ظاہر و باطن کے بغیر منافقت ہے اور باطن ظاہر کے بغیر بے دینی ہے۔

شریعت کا ظاہر، باطن کے بغیر نقصان اور باطن بغیر ظاہر کے ہوس ہے۔

علم حقیقت کے تین ارکان ہیں:

۱۔ ذات الٰہی اور اس کی وحدانیت اور اس سے تشبیہ کی نفی کا علم۔

۲۔ صفات الٰہی اور اس کے احکام کا علم۔

۳۔ افعال الٰہی اور ان کی حکمت کا علم۔

اور علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں:

۱۔ علم کتاب الٰہی

۲۔ علم سنت نبوی ﷺ

۳۔ علم اجماع امت

علم ذات الٰہی کی شرط یہ ہے کہ عاقل، بالغ انسان یہ اچھی طرح جان لے کہ حق تعالیٰ بذات خود ہمیشہ سے تھا، ہمیشہ سے رہے گا، نہ اس کی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ وہ کسی خاص مکان اور جہت میں نہیں اور اس کی ذات آفت (نقص) سے پاک ہے۔ مخلوق میں اس کی مانند کوئی نہیں اور نہ اس کے بیوی بچے ہیں۔ اور جو کچھ تمہارے وہم و عقل میں متصور ہوتا ہے اور ان سب کا پیدا کرنے والا ہے اور ان کا قائم رکھنے والا اور مالک ہے۔

فقیر کی رسم ہے اور ایک حقیقت اور اس کی رسم مفلسی اور بے کسی ہے اور حقیقت ذات حق کی طرف توجہ اور اس کی معرفت ہے۔

فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور نہ کسی چیز سے اس کا نقصان ہو، تو اسباب دنیاوی کے موجود ہونے سے وہ غنی ہوتا ہے اور نہ ہونے سے اس کا محتاج رہتا ہے۔ اسباب کا ہونا نہ ہونا، اس کے فقر کے نزدیک برابر ہے۔

اولیاء اللہ کی زندگی مخفی عنایات و اسرار الٰہی کے ساتھ قرب حق میں بہتر ہے نہ کہ دنیا کے اسباب کے ساتھ جو بے وفا اور بدکاروں کا گھر ہے۔ غرض دنیاوی ساز و سامان رضائے الٰہی کے راستے میں روکنے والے ہیں۔

نام غنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لائق ہے اور مخلوق اس نام کی مستحق نہیں اور فقر کا نام خلقت کے ہی سزاوار ہے۔ اور حق تعالیٰ پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔

جو شخص محبت الٰہی کی وجہ سے نفسانی خواہشات سے پاک صاف ہو جاتا ہے وہ صاف باطن ہوتا ہے اور جو شخص ذاتِ محبوبِ حقیقی میں مستغرق اور ماسوا اللہ سے بیزار (فنافی اللہ اور باقی باللہ) ہو جاتا ہے، وہ صوفی ہے۔

تصوف کا دعویٰ کم کرنا اور اہل تصوف کے ساتھ نیک اعتقاد رکھنا۔

صوفی لوگوں کا ظاہری نشان گدڑی پہننا ہے اور گدڑی پہننا سنت ہے۔

تم پر لازم ہے کہ جو کچھ تمہارے اختیار میں نہ ہو، اس کو لینے کا قصد نہ کرو، کیونکہ اگر تم ہزار بار بھی طریقت کے قبول کرنے کے لئے کہو گے تو ایسا نہیں ہوگا کہ ایک لحظہ کے لئے بھی طریقت تمہیں قبول کرے اس لئے کہ یہ کام گدڑی پہننے سے نہیں ہوتا، بلکہ عشق الٰہی کی سوزش سے ہوتا ہے۔

اہل معرفت الٰہی اس بات سے بالاتر ہے کہ لباس سے شہرت حاصل کریں۔

گدڑی ہلکا پن اور فقط آسانی کے پیش نظر پہنی جائے اور جب تک گدڑی کا کچھ حصہ اصل موجود ہو (یعنی استعمال کے قابل ہو) اسے ہی کام میں لایا جائے اور جہاں سے پھٹ جائے وہاں ٹکڑا لگا دیا جائے۔

گدڑی کا پہننا دو گروہوں کے لئے درست ہے۔ ایک تو دنیا سے قطع تعلق کرنے والوں کے لئے دوسرے مشتاقانِ مولیٰ کے لئے۔

رضا کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ اس بات پر یقین رکھے کہ کسی چیز کا دینا اور نہ دینا اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے سے ہے اور اس بات کا بھی اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ سب احوال میں اس کو دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کے لئے رضا خسارہ ہے اس لئے کہ غیر سے راضی ہونا بڑی ہلاکت ہے اور حق تعالیٰ پر راضی ہونا صریح سعادت ہے جس سے آخرت کی عاقبت ملتی ہے اور رضا باعث رضوان الٰہی ہے۔

تصوف کے مقامات میں سب سے پہلا مقام توبہ ہے دوسرا انابت تیسرا زہد اور چوتھا توکل ہے۔

صوفی کو جائز نہیں کہ سچی توبہ کئے بغیر انابت کا دعویٰ کرے اور سچی انابت کے بغیر زہد کا اور زہد کے بغیر توکل کا۔

حال وہ کیفیت ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے دل پر طاری ہوتی ہے۔ جب وہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو اپنی کوشش سے اسے ہٹا نہیں سکتے اور جب وہ چلی جاتی ہے تو تکلف اور کوشش سے اسے حاصل نہیں کر سکتے۔

مقام بندہ کے اعمال سے متعلق ہے اور حال اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعلق رکھتا ہے۔

سکر غلبہ مدہوشی اور جذب مستی کو کہتے ہیں، جس سے مراد ارباب معانی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے اور صحو د ہوشیاری سے مراد مقصود کا حاصل کرنا ہے۔

سکر سرتا سر گمان فنا ہے بقائے صفت کے ساتھ اور یہ حجاب ہے اور صحو سرتا سر دیدار بقا ہے۔ صفت کے فنا ہونے کی حالت میں اور یہ عین کشف و مجاہدہ ہے۔

انسان کے لئے سب سے مشکل چیز خدا کی پہچان ہے۔

پیغمبر ولیوں سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں اس لئے ولایت کی انتہا نبوت کی ابتدا ہے۔

اولیاء اللہ منزلِ مقصود کے طالب ہوتے ہیں اور اس راستے پر چلتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام منزل مقصود پر پہنچے ہوئے اور مقصد حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں۔

جو ولیوں کے لئے مقام ہے وہ نبیوں علیہم السلام کے لئے آغاز ہے۔

پیغمبروں کی زندگی اور رتبہ صرف معجزوں سے ہی نہیں بلکہ عصمت کی صفائی پر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت دل کی زندگی ہے اور ماسوا اللہ سے روگردانی۔



سید ہجویر امام

ایک جامع کمالات شخصیت

محبوب الرسول قادری

حضرت داتا گنج بخش کا اسم گرامی علی بن عثمان بن علی ہے۔ غزنی کے مشہور محلہ ہجویر میں ایک خدا رسیدہ بزرگ کے ہاں ولادت ہوئی۔ سن ولادت مختلف بیان کئے جاتے ہیں لیکن لکھا ہے کہ آپ کی ولادت 400ھ میں ہوئی۔ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کے بعد نویں پشت میں شجرہ نسب امیر المومنین سیدنا حیدر کرار علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ملتا ہے۔ والد گرامی سیدنا امام حسن مجتبیٰؓ اور والدہ محترمہ سیدنا امام حسین شہید کربلاؓ کی اولاد سے تھیں۔ سرزمین غزنی کے دو عظیم سپوت پورے عالم اسلام کی توجہ کا مرکز ہے۔ ایک داتا علی ہجویری اور دوسرے سلطان محمود غزنوی۔ آج برصغیر ایشیا میں کروڑوں مسلمانوں کے موجود ہونے میں ان دونوں عظیم ہستیوں کا بھی خاصا حصہ ہے۔ داتا گنج بخش علی ہجویری نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ بعد ازاں حصول علم کیلئے دنیا بھر کی سیاحت فرمائی۔ آپ نے فارس، مدائن، خراسان، بخارا، طبرستان، آذربائیجان، کوہستان، بغداد، شام، عراق، خوزستان اور



[illegible] وغیرہ کے علاقوں میں نامور علماء و فضلاء سے اکتساب علم کیا۔ حضرت ایک سیرت کے حامل بھی تھے اور حسن اعمال کے مرقع بھی تھے۔ آپ کی سخاوت اور خوش خلقی بہت مشہور تھی۔ آپ نے سلسلہ جاری رکھا طالب علمی میں خدا کے مقرب اور محبوب بندوں کی زیارت کرنا بھی اپنا معمول بنا رکھا تھا۔ خراسان میں حضرت [illegible] کندری اور بخارا میں حضرت شیخ احمد سمرقندی کی زیارت کی۔ شام میں مؤذن مصطفیٰ ﷺ کے امام حضرت سیدنا بلال حبشیؓ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے تو عالم رویا میں دیکھا حضور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک عمر رسیدہ ضعیف شخص بھی تھے۔ حضور علیہ السلام کے قدموں میں گر پڑے اور قدم بوسی کی سعادت بھی حاصل کی۔ اس کے بعد آقا علیہ السلام سے یہ پوچھا یہ آپ کے ہمراہ عمر رسیدہ شخصیت کون ہیں؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا اور تمہارے دیار والوں کا امام ابوحنیفہ ہے۔ حضرت بلالؓ کے مزار پاک پر حاضری سے اتنی عظیم سعادت ملی کہ زیارت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرفراز ہو گئے۔ اس کے بعد آپ کے دل میں حضرت سراج الامت امام الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی محبت پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی۔ حضرت ابوالعباس احمد بن محمد الاشقانی اور ابو القاسم علی بن عبداللہ الگرگانی جیسے کامل اکمل اولیاء آپ کے اساتذہ میں شامل تھے۔ آپ نے حضرت ابوالفضل محمد بن حسن الختلی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ وہ متبحر عالم دین، تفسیر اور حدیث کے جید عالم تھے۔ تصوف میں حضرت جنید بغدادی کے مسلک پر تھے۔ [illegible] انہوں نے فرمایا کہ ہم بہت دنوں سے آپ کے منتظر تھے۔ طریقت میں آپ شیخ کے پیشوا شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی، شیخ حصری، شیخ ابوبکر شبلی، حضرت جنید بغدادی، حضرت سری سقطی، شیخ معروف کرخی، شیخ داؤد طائی، شیخ حبیب عجمی اور خواجہ حسن بصری کی وساطت سے اسی ترتیب کے ساتھ امیر المومنین باب مدینۃ العلم حضرت علی المرتضیٰ تک پہنچتے ہیں۔ آپ اجتہاد [illegible] کے

حق اور پرہیزگار تھے۔ اکثر فرماتے تھے کہ دنیا ایک دولت ہے اور ہم مسافر ہیں۔ اللہ اکبر۔ آپ کو ظاہری طہارت اور توکل کا یہ عظیم مرتبہ اپنے مرشد کریم ہی کی بارگاہ سے حاصل ہوا تھا۔ جنہوں نے آپ کو نصیحت فرمائی تھی کہ بیٹا دل میں سچے اعتقادی مسئلے ہوں، جس پر کاربند ہو کر تم ہر رنج و تکلیف سے محفوظ رہ سکتے ہو اور ہر حال اور ہر مقام پر نیک و بد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کے کسی کام سے [illegible] کبیدہ و رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے۔ کشف المحجوب اور کشف الاسرار آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ کشف المحجوب کے اس وقت 25 زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور کئی مختلف ایڈیشن شائع ہوتے ہیں اور کتاب کی مقبولیت ہے کہ اس میں آئے روز اضافہ ہو رہا ہے۔ کشف المحجوب شریف اپنی جگہ پر مرشد کامل کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے یہاں تک فرما دیا کہ اگر کسی کا مرشد نہ ہو تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے اسے مرشد کامل مل جائے گا۔ نفحات الانس میں مولانا عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں کہ کشف المحجوب مرشد کامل ہے اور تصوف کی کتابوں میں اس کی مثل کوئی

تصنیف ہی نہیں ہوئی۔ ہندوستان کے مشہور دیوبندی عالم مولانا عبدالماجد دریا آبادی، تصوف اسلام میں رقمطراز ہیں کہ کشف المحجوب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات و حکایات کی نہیں بلکہ یہ ایک مستقل تصنیف ہے۔ جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل محمد نے کشف المحجوب کا خود اردو ترجمہ کیا ہے۔ اس کے دیباچہ میں بانی جماعت اسلامی پاکستان کے حوالے سے لکھا ہے کہ مولانا مودودی صاحب ہی سے سن رکھا تھا کہ اہل طریقت میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش ایک صحیح الخیال اور بہت بلند پایہ بزرگ تھے۔ انہیں اس کوچہ کے سبھی لوگ مستند مانتے تھے اور ان کی تصنیف کشف المحجوب اس فن میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخش نے ایک شادی کی اس کے متعلق ملک کے نامور ادیب حضرت شمس بریلوی کشف المحجوب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "آپ نے ایک شادی کی اور جب کچھ ماہ کی مدت کے بعد ان سے مفارقت ہو گئی تو تا زیست آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔"

حضرت داتا گنج بخش کے مرشد کریم شیخ ابوالفضل محمد بن حسن الختلی کے وصال کے بعد انہی کے ارشاد کی تعمیل میں آپ 431ھ میں لاہور تشریف لائے۔ لاہور آنے سے پہلے آپ نے والد گرامی اور والدہ محترمہ کے مزارات پر حاضری دی۔ آپ کے ہمراہ آپ کے مخلص احباب میں سے شیخ احمد سرخسی اور شیخ ابوسعید ہجویری بھی تھے۔ تبلیغ دین آپ کا مشن تھا۔ جہاں رہتے تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیتے۔ جب آپ لاہور آئے تو یہاں ایک جادوگر کا چرچا تھا۔ جو رائے راجو کے نام سے مشہور تھا۔ نہایت ظالم اور بے رحم تھا۔ یہ دودھ بیچتا تھا اور جو اسے دودھ نہ پہنچاتے یہ ظالم جادو کے ذریعے انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتا۔ آپ نے ایک دن دیکھا کہ ایک بڑھیا ایک مٹکا سر پر اٹھائے جا رہی تھی۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ دودھ ہے۔ فرمایا کہاں لے جا رہی ہو؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا کہ اگر ہم رائے راجو کو دودھ نہ دیں تو ہمارے جانوروں کے تھنوں میں دودھ کی بجائے خون بھر جاتا ہے۔ داتا علی ہجویری نے فرمایا کہ یہ دودھ ہمیں دے دو، تمہارے جانور [illegible]

دودھ بھی زیادہ دیں گے۔ اس نے دودھ دے دیا اور واقعی دوسری صبح اس کے جانوروں کے دودھ میں اضافہ ہو گیا۔ اس کے جانوروں کے دودھ سے اس کے برتن بھر جاتے۔ بات تاحال جلد مشہور ہو گئی اور جوگی رائے راجو کو بھی خبر ہو گئی۔ آپ کی اس کرامت کا سن کر وہ غضبناک ہوا اور آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ کرامت تو میں نے سنی ہے مگر کوئی اور کرامت دکھائیں تو دیکھوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے پاس کچھ ہے تو ظاہر کر۔ اس نے منتر پڑھا اور ہوا میں پرواز شروع کر دی۔ حضور گنج بخش ہجویری نے اپنی لکڑی کی جوتی (کھڑاؤں) کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس کو واپس لاؤ۔ اب داتا علی ہجویری کے جوتے پرواز کرنے لگے اور فضا میں جا کر رائے راجو کے سر میں برسنے لگے اور اس کو واپس آپ کے قدموں میں لے آئے۔ وہ آتے ہی آپ کے قدموں میں گر پڑا، توبہ کی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ آپ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور اس کی روحانی و فکری تربیت فرمائی۔ آگے چل کر یہی عبداللہ شیخ ہندی کے نام سے مشہور ہوئے اور داتا علی ہجویری کے وصال کے بعد ان کے سجادہ نشین بنے۔ اسی رائے راجو کے راہ راست پر آنے کے واقعہ سے لاہور میں لوگ دودھ داتا صاحب کی خدمت اقدس میں پیش کرنے لگے اور آج تک یہ معمول چلا آرہا ہے کہ ملک بھر کے گوالے عرس مبارک کے موقع پر دودھ کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور آپ کے ایصال ثواب کیلئے دودھ کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔

آپ کا وصال 9 محرم الحرام 465ھ کو ہوا۔ نماز جنازہ شیخ ہندی نے پڑھائی۔ آپ کا سالانہ عرس مبارک آپ کے چہلم کی مناسبت سے ہر سال 19 صفر المظفر کو منعقد ہوتا ہے۔ اکابر اولیاء کرام نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ چالیس روز تک چلہ کشی کرنے کے بعد گوہر مراد پا کر چشتیوں کے پیشوا اور امام خواجہ معین الدین چشتی اجمیری پکار اٹھے:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آپ کی تعلیم صبح قیامت تک مشعل راہ ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ کوئی بھی شخص علم سے بے نیاز رہ کر وادی عرفان و سلوک میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ علم اور عمل لازم و ملزوم ہے۔ آپ سمجھو کہ محبت الٰہی کے حق میں اور بندہ کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کتاب و سنت سے ثابت ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو دوست ہیں انہیں اللہ تعالیٰ بھی دوست رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو جانتے ہیں ان پر ان کے علم کے کمال نے سچی حقیقت ظاہر کر دی ہے اور وہ لوگ جو جانتے تو نہیں اور اپنے جہل پر ہٹے ہیں وہ منکر طریقت ہیں۔ جو جانتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رنج وہ ہوتا ہے جو [illegible] میں اور عطا میں [illegible] کرے۔ کشف المحجوب میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے دور میں پیدا فرمایا جس میں لوگوں نے ہوا و ہوس کا نام شریعت، طلب منصب و جاہ و تکبر کا نام عزت و علم اور خلق خدا سے ریاکاری کا نام خشیت الٰہی، کینہ پروری کا نام علم و بردباری، فضول بحث کا نام مناظرہ، منافقت کا نام زہد، [illegible] کا نام معرفت، [illegible] کا نام ذکر، [illegible] کا نام طریقت، آفت کا نام معاملات، [illegible] کا نام حکمت، نفس کی خواہشات کا نام محبت اور ہوس کو سلوک کا نام دے رکھا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر آپ نے ان تمام رسومات بد کے خلاف عملاً جہاد فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ مجدد الف ثانی، خواجہ اجمیری اور علامہ اقبال جیسے شاعر امت ان کی تعلیمات سے فیوض و برکات حاصل کرتے رہے۔ مجدد الف ثانی نے تو ارشاد فرمایا کہ لاہور کو بلاد ہند میں قطب الارشاد کا مقام حاصل ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا بزرگ ہو گا جس نے لاہور پہنچ کر سید علی ہجویری کے آستانہ عالیہ پر جبین نیاز کو نہ جھکایا ہو۔ آپ کا مشن تبلیغ و اشاعت دین متین تھا۔ آپ کی فکر کی بنیاد شریعت اور طریقت کی ہم آہنگی تھی۔

تصوف کو بدنام کرنے والوں کے خلاف آپ نے بھرپور جہاد فرمایا۔ داتا علی ہجویری کی تعلیمات سادگی اور عمل کی دعوت دیتی ہیں۔ انہوں نے امت کو متحد رہنے کا درس دیا۔ آپ اسلامی قوت کی وحدت کے خواہش مند تھے۔ قرآن کے [illegible] کو وحدت کی بندگی، اطاعت اور حضور محبوب رب العالمین کی محبت سے روشن دیکھنا چاہتے تھے۔ ہزاروں ہندوؤں، سکھوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ آپ کے وصال کے بعد سلطان محمود غزنوی کے پوتے ظہیر الدولہ نے آپ کے مزار مبارک کو تعمیر کروایا۔ جبکہ شاندار خانقاہ اور ڈیوڑھی مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے تعمیر کروائی۔ جبکہ ملک کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے مزار مبارک کے صدر دروازے کو سونے کے پانی سے منقش کرایا اور مرحوم صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

میری دعا ہے کہ رب کریم داتا علی ہجویری کی فکر رسا سے پوری قوم کو اکتساب فیض کی توفیق بخشے اور علم و عمل کی دولت سے [illegible]

۷

کشف المحجوب۔ مرشدِ کامل

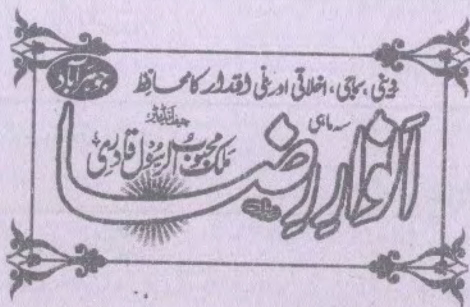
خدا سے پائے گا بارانِ رحمت کی فراوانی
بشرطیکہ ترے دل میں ہو چاہت میرے داتاؒ کی

مری فرطِ عقیدت سے ہوئی جاتی ہے خم گردن
کوئی کرتا ہے جب بھی بات بابت میرے داتاؒ کی

اسے مل جائے گی داتاؒ کے نانا جان ﷺ کی قربت
وہ بندہ جس کو حاصل ہوگی قربت میرے داتاؒ کی

کسی کو جاگتے میں بھی زیارت ان کی ہوتی ہے
کسی کو خواب میں ہوتی ہے رویت میرے داتاؒ کی

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)



حسن ترتیب

فرمودات گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ پر عمل کی اہمیت

راجا رشید محمود

اولیاء اللہ (رحمۃ اللہ علیہم) کی شان قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ انھیں ہر خوف اور حزن سے بری قرار دیا گیا ہے۔ آخر دوست جو خالق و مالک کے ٹھہرے۔ انھیں دنیا و آخرت میں کسی قسم کا ڈر نہیں ہوتا۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ خدا کی دوستی اتنی آسان بات نہیں کہ ہر کس و ناکس اس کا دم بھرتا رہے۔ ایک شخص اگر رب لم یزل جل وعلا کے احکام پر عمل کرتا ہے، حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عامل ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ارشادات پر عمل پیرا ہے تو وہ اچھا انسان ہے، نیک بندہ ہے۔۔۔ مگر اتقا کی منازل اس سے بہت آگے ہیں۔ جو چیزیں عام آدمی کے لیے مکروہ یا مباح ہیں، ان کے متعلق پرہیزگاروں کا رویہ مختلف ہوتا ہے۔ خدا کی دوستی کا اعزاز حاصل کرنے کے لیے تو بہت ریاضت کرنی پڑتی ہے۔

اولیاء کرام خود خدا کے قُرب کے لیے ریاضت کرتے ہیں اور لوگوں کو حسن اخلاق اور فیضانِ نظر کے ذریعے حق اور دین حق کے قریب لاتے ہیں۔ دنیا میں انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی ترویج کرتے ہیں۔ انسانوں کو اپنے معبودِ حقیقی کے در پر جھکاتے ہیں اور اشاعتِ اسلام اور قرآن و سنت کی تبلیغ کی روشنی میں دنیا کو بقعۂ نور بناتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "ہمعات" میں فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ میں جو بزرگ صفتِ احسان کا مظہر بنتا ہے، اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں اس کی رفعت شان کا عام چرچا ہو جاتا ہے، خلقت اس کی طرف کھنچی چلی آتی ہے اور اس بزرگ کی صحبت اور باتوں میں جذب و تاثیر کی غیر معمولی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سید ہجویر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے نو سو سڑسٹھ سال بعد بھی خلق ان کی طرف کھنچی چلی آتی ہے اور ان کا آستانہ چوبیس گھنٹے اور تین سو پینسٹھ دن

☆ ایڈیٹر ماہنامہ "نعت"، لاہور۔

عقیدت کیشوں کو فیض بانٹتا ہے۔اب ہم ان کی باتوں سے تو مستفید نہیں ہو سکتے لیکن انھوں نے "کشف المحجوب" کی صورت میں اپنی جو لازوال تحریر چھوڑی ہے، اپنے اندر جذب وتاثیر کی غیر معمولی قوت رکھتی ہے۔

اہل محبت دربار گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ پر شبانہ روز حاضر ہوتے اور دلی مرادیں حاصل کرتے ہیں۔داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی فیض تو قیامت تک جاری وساری رہے گا لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس جلیل القدر ولیٔ کامل کی توصیف وتعریف کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات پر بھی غور کریں۔انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، ہماری بہتری ہی کے لیے لکھا ہے۔

حضرت علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی "کشف المحجوب" حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی "فصوص الحکم" اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی "عوارف المعارف" سے پہلے کی تصنیف ہے۔"کشف المحجوب" میں تصوف کے متعلق ایسی معلومات دی گئی ہیں کہ بقول داراشکوہ (سفینۃ الاولیاء) کشف المحجوب مرشدِ کامل کا درجہ رکھتی ہے اور دررِ نظامی مرتبہ شیخ علی محمود میں ہے: سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کسی کا مرشد نہ ہو تو اس کتاب کے مطالعے کی برکت سے مل جائے گا۔

حضرت ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ حضور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ غزنی سے لاہور آئے تھے۔ان کے جن سوالات کے جواب میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب تحریر فرمائی، وہ یہ تھے: تحقیقات طریقت تصوف۔صوفیہ کے مقامات کی کیفیت۔صوفیہ کے مذاہب، صوفیہ کے اقوال، ان کے رموز واشارات، محبت الٰہی کی کیفیت اور دلوں میں اس کے اظہار کی کیفیت۔کُنہ سے حجابِ عقول کا سبب اور اس کی ماہیت اور اس کی حقیقت سے عزتِ نفس، آرام روح اور اس کی صفات اور متعلقہ معاملات۔

کشف المحجوب کے بعض ابواب طویل اور بعض مختصر ہیں لیکن ہر باب میں علم معرفت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔اس میں تصوف کے بارے میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کی تردید کی گئی ہے۔قرآن پاک، احادیث رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کی روایات وحکایات اور اقوال کی روشنی میں ہر بیان کی وضاحت کی گئی ہے۔اس عظیم تصنیف کی خوبی یہ ہے کہ اسے جتنی مرتبہ پڑھیں، شریعت وطریقت کے حوالے سے نئے حجابات

اٹھتے ہیں، نئے اسرار کھلتے ہیں۔

کتاب کا پہلا باب ہی علم کے بارے میں ہے جس میں رب کریم (جل شانہ العظیم) کے اس حکم کی تشریح کی گئی ہے کہ علم والے اور بے علم ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ علم کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کی اہمیت کے بارے میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان کمال ہے کہ انسان کو علم اتنا ہی حاصل کرنا چاہیے جس پر وہ عمل کر سکے۔ پھر، کیا ہم داتا رحمۃ اللہ علیہ کے محبوں کے لیے ضروری نہیں کہ ہم علم کو دل پر استعمال کریں اور محض بدن پر برت کر، بقول رومیؒ، اپنے لیے سانپ نہ بنا لیں۔ فقرا کے مقام کی رفعت کا ذکر کرتے ہوئے محرم اسرار فقر سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فقر کا ایک ظاہری طریق ہے اور اس طریق کی اساس مفلسی اور بے چارگی ہے۔ دوسرا پہلو حقیقت کا ہے جو اقبال و اختیار پر مبنی ہے۔ جس نے ظاہری طریق پر اکتفا کیا، اسے کوئی نفع نہ ملا اور جس نے حقیقت حاصل کر لی، وہ موجودات سے روگردان ہوا، اور تمام ماسوا کی نفی کرتا ہوا دیدارِ کلی سے سرفراز ہوا"۔۔۔ پھر، ہم ایسے فقرا کی تلاش میں کیوں نہیں سرگرداں ہوتے جو ماسوا کی نفی کرتے ہوئے دیدارِ کلی سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

ایک جگہ صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں:

"اگر خدا کسی کو دولت عطا کرے اور وہ اس کی حفاظت کا ارادہ کرے تو وہ غنی ہے اور اگر وہ اس دولت کو ترک کرنے کا ارادہ کرے تو بھی غنی ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک ملکِ غیر میں تصرف ہے اور فقر ترکِ حفاظت اور ترکِ تصرف کا نام ہے"۔۔۔ پھر، کیا ترکِ حفاظت اور ترکِ تصرف کی اس منزل پر پہنچنا آسان کام ہے کہ ہم ہر گلی محلے میں کئی کئی "فقیر" پا لیں۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے معنیٰ سے انکار کو مکمل شریعت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور تمام اخلاق کے انکار کے مترادف قرار دیا ہے اور ہر کسی کو "صوفی" کہنے کی مناہی کی ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

"صوفی وہ ہے کہ جب گفتگو کرے تو اس کی گفتگو بیانِ حقائق ہو، اور جب خاموش ہو تو اس کا عمل اور فعل شارحِ حال ہو"۔۔۔ پھر، ہم کیوں غور نہیں کرتے کہ جنھیں ہم صوفی کہتے ہیں، وہ صوفی ہیں، متصوف ہیں یا مستصوف"۔

صاحب کشف المحجوب نے تصوف کے طالبوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ اولاً جو یہ امید لے کر بڑھتے ہیں کہ ان کو بھی اہل تصوف کا مقام نصیب ہو۔ ان کی ابتدا کشف احوال، ترکِ خواہشات اور مجاہدۂ نفس سے ہوتی ہے۔ ثانیاً وہ لوگ جن کی درستیِٔ تن، سکون قلب اور صحتِ قلب انھیں اہل تصوف کے حالاتِ ظاہر کو دیکھنے کی توفیق عطا کرے اور وہ یہ دیکھیں کہ صوفیہ پابند شریعت ہیں، آدابِ اسلام سے واقف ہیں اور خوبیٔ معاملات سے آراستہ ہیں۔ ثالثاً وہ جو انسانیت، اخلاقِ حسنہ اور سلامتی طبع کے زیرِ اثر صوفیۂ کرام کے افعال کا مطالعہ کرتے ہیں اور رابعاً وہ جن کی حبِ مرتبہ بغیر استطاعت کے اور خواہش عظمت بغیر علم کے، ان کو مغالطے میں مبتلا کر دیتی ہے کہ صوفیہ کا ظاہر ہی سب کچھ ہے۔ صوفیہ کو علم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حق نا آشنا ہیں" ۔۔۔۔ ایسے میں ہم اپنے گریبان میں جھانکیں تو سہی کہ ہم کون سے گروہ سے ہیں اور یہ بھی دیکھیں کہ تصوف کے طالبوں میں سے ہیں بھی ۔۔۔۔ کہیں اس کے مخالفوں میں سے تو نہیں۔

سلطان الاصفیا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفی وہ ہے جو ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں سنت لے۔ مگر ہم میں سے اکثر قرآن وسنت کے احکام پر عامل ہونا صوفی کے لیے ضروری نہیں سمجھتے۔ اسی طرح حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے رقم فرمایا ہے کہ عارف عالم ضرور ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ عالم بھی عارف ہو۔۔۔ مگر ہمارے عمل سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہم ایسے لوگوں کو بھی عارف قرار دے دیتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں جن کا علم سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے تین قسم کے لوگوں سے دور رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ غافل علما سے جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ، شریعت کو اپنے گھر کی لونڈی اور ظالم امرا کی بارگاہ کو محض جاہ وثروت کی خاطر سجدہ گاہ بنا لیا ہے۔ ریاکار فقرا سے جو فقط اغراضِ نفسانی کے لیے لوگوں سے جاہ وعزت کی طمع رکھتے ہیں اور جاہل متصوف سے، جس نے نہ تو کسی مرشد کی صحبت میں رہ کر تربیت پائی ہو، نہ کسی استاد سے ادب سیکھا۔۔۔ اب یہ سوچ لیجئے کہ یہ پیراہن کس کس کو پورا آتا ہے اور ان تینوں قسموں کے لوگوں سے ہم کس حد تک دور رہتے ہیں، یا صرف اسی قسم کے لوگوں سے ربط رکھتے ہیں۔

شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مشائخ طریقت کی ایک جماعت نے راہِ ملامت

اختیار کی۔ ملامت خلوصِ محبت میں بہت تاثیر رکھتی ہے اور ذوقِ کامل کی نشان دہی کرتی ہے۔۔۔۔ پھر، کیا ہم اس سمت بھی توجہ دیتے ہیں کہ کون صوفی ملامتِ سلامت روی کے عالم میں ہے، کون ملامتِ قصد کے حال میں ہے اور کس کو ملامتِ ترک نے گھیر رکھا ہے۔ اور، اگر ہمیں ان جزئیات کا علم نہیں ہے تو ہم تصوف کے موضوع پر گفتگو کی جسارت کیوں کرتے ہیں۔

ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا ہوگا کہ کیا ہم نے کبھی اپنے ممدوح حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر توجہ دی ہے اور ان کو اپنے دل و دماغ میں بسانے کی اہمیت سمجھی ہے؟ کیا ہمیں علم ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے ذکر میں انھوں نے لکھا ہے کہ حضور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نمازِ شب میں قرآن آہستہ کیوں پڑھتے ہیں تو انھوں نے عرض کیا، میں جس کے سامنے مناجات کرتا ہوں، وہ بہت اچھا سننے والا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہو تو انھوں نے کہا، میں سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو دور کرتا ہوں، داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اشارہ مشاہدہ کی طرف تھا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مجاہدہ کی طرف۔ اور، فرمایا کہ مجاہدہ کا مقام مشاہدہ کے مقابل ایسا ہے جیسا قطرہ سمندر کے مقابلے میں۔

ارشادِ سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ ہے کہ نفس کی موافقت باعث ہلاکت اور اس کی مخالفت وجہ نجات ہے۔ پھر۔۔۔ ہم نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رکھا ہے یا نجات کے طالب ہیں۔ ایک فرمانِ داتا رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ جب تک بندہ دنیا میں نفس اور خواہشات نفسانی کے چنگل سے نہیں نکلتا، وہ حقیقی ارادت کے قابل نہیں ہوتا اور قربت اور حقیقتِ معرفت سے سرفراز نہیں ہوتا۔۔۔۔ پھر، ہم جن لوگوں کو عرفان کی منزلوں سے شناسا اور رہنما سمجھتے ہیں، کبھی ان کے متعلق سوچتے بھی ہیں کہ وہ نفس اور خواہشات کے چنگل میں گرفتار تو نہیں ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایمان کی اصل تصدیق بالقلب ہے اور اس کی فرع احکاماتِ حق کی پیروی۔۔۔۔ پھر کیا ہم عبادت کرتے بھی ہیں تو کیا "تصدیق بالقلب" کی عظمت کو چھوتے ہیں؟ جب تک ہم دل سے خدا کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوں گے، جب تک ہمارا قلب توحیدِ خداوندی کی گواہی نہیں دے گا، ہم اس کے احکام کے پوری طرح پابند کیسے

ہو سکتے ہیں۔

اگر ہم "کشف المحجوب" کو بنظر غائر پڑھیں تو قرآن پاک کی تلاوت سے لے کر شعر پڑھنے تک کے آداب اور سماع کے بارے میں احکام سے بھی آگاہی حاصل کر سکتے ہیں اور، کشف المحجوب وہ نادر کتاب ہے جس کے مطالعے کے شائق اجل صوفیہ اور باعظمت مشائخِ طریقت رہے ہیں۔

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت کو حقیقت کے بغیر محض ریاکاری کہا ہے اور طریقت کو شریعت کے بغیر منافقت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ اس مرشدِ کامل کے فرمان پر عمل کریں، شریعت و طریقت کو لازم و ملزوم سمجھیں اور شرعی احکام سے روگردانی کرنے والوں پر یہ گمان ہی کیوں کریں کہ وہ خدا کے دوست ہو سکتے ہیں۔

تعلیمات حضرت علی گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی محمد تصدق حسین رضوی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کو جو ذمہ داری سونپی انہوں نے اسے بخوبی نبھایا اور دین اسلام کی روشن کرنیں دنیا کے وسیع حصے تک پھیلا دیں۔ بعد میں آنے والے علماء و مشائخ نے بھی اس طریقے کو جاری رکھا اور لوگوں کو تعلیم اسلام سے روشناس کرتے رہے۔ اسلام کی روشنی کو پھیلانے کے لیے ان جلیل القدر افراد نے دور دراز کا سفر کیا، صعوبتیں برداشت کیں اور تکالیف و مصائب کا سامنا کر کے دنیا تک پیغام حق پہنچایا۔ سرزمین ہندوستان میں جن لوگوں نے اسلام کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دیں اور لوگوں کو بت پرستی سے ہٹا کر معرفت توحید سے آشنا کیا ان میں حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے۔ حضرت داتا صاحب ۴۰۰ ہجری میں غزنی میں پیدا ہوئے۔ غزنی کے محلے یا قریے جن کا نام ہجویر اور جلاب تھے ان دونوں جگہوں پر حضرت داتا صاحب کی سکونت رہی۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تحصیل علم اور سیر و سیاحت کے لئے دور دراز کا سفر اختیار کیا۔ سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کے دور حکومت میں داتا گنج بخش لاہور تشریف لائے۔ لاہور آنے کے بعد بھی حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا تمام وقت تبلیغ اسلام اور تصنیف و تالیف میں صرف کیا۔ جہالت و گمراہی میں گھرے ہوئے لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائی۔ جو لوگ پتھر کی مورتیوں کو دیوتا سمجھ کر ان کی پوجا کر رہے تھے اور ان کے قلوب لق و دق صحرا کی مانند پیاس سے بلبلا رہے تھے حضرت داتا گنج بخش کی بدولت وہ چشمہ توحید سے سیراب ہو گئے۔ نور اسلام سے ان کے زنگ آلود سینے روشن و منور ہو گئے، خشیت الٰہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضاؤں سے دلوں کے گلستان آباد ہو گئے۔

حضرت داتا گنج رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کے بلند پایہ مقالات اور علمی مباحث سے اندازہ ہوتا

ہے کہ آپ نے اپنے دور جید اور نامور صاحبان علم وفضل سے اکتساب علم کیا۔علوم اسلامیہ قرآن وحدیث اور فقہ پر آپ کو کامل دستگاہ تھی۔آپ اپنے دور کے بلند پایہ عارف وصوفی کامل ہی نہیں بہت بڑے عالم اور محقق بھی تھے۔شریعت وطریقت کے مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے جس طرح قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اقوال علماء واولیاء بطور سند پیش کرتے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علوم متداولہ پر آپ کی مکمل دسترس تھی۔قرآن وحدیث، فقہ اور علوم تفسیر وحدیث پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔حضرت ابوالعباس محمد بن احمد اشقانی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی آپ کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ان کے متعلق حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں "اپنے دور کے امام اور بہت بڑے صوفی تھے۔مجھ پر بڑی مہربانی اور شفقت فرماتے۔بعض علوم میں وہ میرے استاذ تھے۔

طریقت میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ارادت حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی آپ نے شیخ کا تذکرہ بھی بڑی محبت سے فرمایا۔

از ائمہ متاخیر، زین اوتاد، شیخ عباد حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی طریقت میں میری ارادت انہی سے ہے آپ علم تفسیر وروایات (حدیث) کے عالم،تصوف میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مشرب اور حضرت حصری کے مرید تھے۔آپ کا ارشاد ہے:

الدنیا یوم ولنا فیھا صوم　　　دنیا ایک دن کی ہے اور ہم اس میں روزہ دار ہیں۔

شیخ ومرید کی محبت والفت اس قدر تھی کہ وقت وصال حضرت ختلی کا سر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں تھا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں کئی کتب تصنیف فرمائیں۔

۱۔ اسرار الخرق والمونات　۲۔ الرعایۃ بحقوق اللہ تعالیٰ
۳۔ نحو القلوب　۴۔ منہاج الدین
۵۔ فنا وبقا　۶۔ دیوان (مجموعہ اشعار)

موخر الذکر دونوں کتابیں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی جعلی صوفیوں نے آپ کا نام ختم کر کے اپنے نام سے مشتہر کر دیں۔کشف المحجوب کے مقدمہ میں آپ نے خود

اس کا تذکرہ کیا۔ باقی کتب بھی حوادثات زمانہ کا شکار ہو گئیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا تصنیف "کشف المحجوب" آج بھی دستیاب ہے جس سے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی علمی ثقاہت اور افکار و تعلیمات کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے مسلک اہلسنت کی ترجمانی کی اور راہ صواب و اعتدال کی نشاندہی کی۔ درج ذیل سطور میں کشف المحجوب کے کچھ اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں جو آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

جدت پسندی اور روشن خیالی کی گرد سے کئی اذہان متاثر ہوئے۔ تجدید کے شوق میں اپنے اسلاف کے راستے سے ہٹ کر نئے موقف کو اپنانا اس دور کا فیشن بنتا جا رہا ہے۔ آوارگی خیال اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ مقدس ہستیوں کے مقام و مرتبہ کا تعین بھی اپنا حق سمجھا جانے لگا ہے۔ عداوت و دشمنی کو محبت کا نام دیا جا رہا ہے۔ بعض لوگ محبت اہل بیت کا نام لے کر معاشرے میں نفرت صحابہ رضی اللہ عنہم کا زہر گھولنے کے درپے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ولد ہونے کا دعویٰ کر کے ہتک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا حق گردانا جا رہا ہے۔ انانیت کی تسکین اور علمی دھاک بٹھانے کی خاطر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید روا رکھی جا رہی ہے۔ حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت و الفت جزو ایمان ہے لیکن جنہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خود اپنا مقتدا و پیشوا کہا ان کی کردار کشی بھی غیر اخلاقی فعل و بے ایمانی ہے۔ آج سے ہزار سال قبل قدوۃ الاولیاء حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ مسلک اہلسنت کی ترجمانی یوں کرتے ہیں:

منہم شیخ الاسلام و بعد از انبیاء بہترین انام کہ خلیفہ پیغمبر بود، امام و سید اہل تجرید و پیشوائے ارباب تفرید، و از آفات نفسانی بعید ابوبکر عبداللہ الصدیق رضی اللہ عنہ کہ وی را کرامات مشہور است و آیات و دلائل ظاہر اندر معاملات و حقائق...... و صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقدم ہمہ خلائق است از پس انبیاء، و روا باشد کہ کس قدم پیش وی نہا مقدم گردانید

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے شیخ الاسلام، بعد از انبیاء خیر الانام، خلیفہ پیغمبر، تارکین دنیا کے امام سردار، صاحبان خلوت کے شہنشاہ آفات دنیا سے پاک صاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی کرامتیں اور بزرگی مشہور ہے۔ معاملات و حقائق میں آپ کے نشانات و دلائل واضح ہیں...... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام بعد از

فقر بہ اختیار را بر فقر بہ اضطرار و جملہ مشائخ متصوف بدیں اند۔

(کشف المحجوب صفحہ 85)

انبیاء علیہم السلام ساری مخلوق سے بلند ہے۔ یہ جائز نہیں کہ کوئی آپ سے آگے قدم رکھے اور (معنوی طور) پر آپ سے مقدم ہو جائے۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے فقر اختیاری کو فقر اضطراری پر مقدم رکھا۔ یہی تمام مشائخ طریقت کا مذہب ہے۔

آج کے سائنسی دور میں ہر شے کو عقل کی کسوٹی پر دیکھا جاتا ہے۔ جو چیز اس معیار پر پورا نہ اترے اسے رد کرنے میں بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا کیا جاتا ہے۔ انگریزی تہذیب کے دیئے گئے فتنوں میں سے ایک فتنہ آزادی اظہار رائے بھی ہے۔ آزادی اظہار اور تحقیق کے نام پر بعض لوگوں نے اپنے اسلاف کی کردارکشی کر ڈالی۔ اپنے محقق کے ہونے کے زعم میں مبتلا یہ اشخاص ہتم آئمہ کے مرتکب ہو گئے جن لوگوں نے ہزار ہا مسائل قرآن و سنت سے اخذ کر کے امت مسلمہ پر احسان کیا، انہی لوگوں کو ہدف تنقید بنا کر کچھ لوگوں نے اپنے بونے پن کا ثبوت دیا۔ ایک خاص مکتب فکر کے لوگوں نے بالخصوص حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو بہت زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا۔ شریعت و طریقت کے شناور معرفت توحید سے آشنا حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ اور علمی فوقیت ملاحظہ فرمائیے۔

ومنھم امام جہان، ومقتدای خلقاں، شرف فقہاء وعز علماء ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الخزاز رضی اللہ عنہ وی را اندر عبادت و مجاہدات قدمی درست بودہ است و اندر اصول این طریقت شانی عظیم داشت......... یحیی بن معاذ الرازی گوید پیغمبر را صلی اللہ علیہ وسلم بہ خواب دیدم گفتمش "این اطلبک؟" قال "عند علم ابی حنیفہ" گفت مرا بہ درد علم ابی حنیفہ جوی۔ و وی

تبع تابعین میں سے امام جہاں، مخلوق کے پیشوا، شرف فقہاء، عز علماء ابو حنیفہ نعمان بن ثابت خزازی ہیں عبادات و مجاہدات اور طریقت میں عظیم الشان مرتبہ پر فائز ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا علم

را اندر ورع طرف بسیار است و مناقب مشہور بیش از آں کہ ایں کتاب حمل آں کند۔ (کشف المحجوب صفحہ ۱۲۹)

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس۔

امام اعظم کا تقویٰ اور فضائل و مناقب مشہور اور کثیر ہیں۔ سب کے بیان کی کتاب متحمل نہیں۔ آج کے دور میں سستی، کاہلی اپنے عروج پر ہے۔ ہر شخص بغیر کام کیے راتوں رات مال و زر کے انبار کا مالک بننا چاہتا ہے۔ ہوس زر اور خواہشات نفس کے لالچ کے ساتھ ساتھ مرنے کے بعد جنت کے محلات اور تصور حور و قصور بھی دامن گیر ہے۔ ایسے حالات میں موقع کی مناسبت سے دکاندار اپنی دکانیں سجائے بیٹھے ہیں۔ علم و عمل سے عاری افراد شیخ طریقت کا لبادہ اوڑھ کر سہانے خواب دکھا رہے ہیں، تقدیریں بدلنے کے دعوے بام عروج ہیں۔ شریعت مصطفوی کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ڈھول کی تھاپ پر ناچنے گانے والے اسے دھمال کا نام دے کر بزرگوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ دین اسلام کے احکام کو یہ کہہ کر پہلو بدل لیا جاتا ہے کہ ہمارے حضرت ایسے نہیں کرتے۔ حضرت کی خوشنودی کا کہہ کر نوجوان عورتیں پردے کا قتل کر کے آستانے پر حاضری دینا ضروری سمجھتی ہیں۔ ایسے جعلی دکانداروں سے بچنے کے لئے اولیاء کے امام، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ راہ عمل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

و از ابویزید بسطامی پرسند کہ ولی کہ باشد گفت الولی ھو الصابر تحت الامر والنہی از آنچہ ہر چند دوستی حق اندر دل زیادت تر امر وی بر دلش معظم تر و از نہی وی تنش دور تر دشنیدم کہ یکی بہ نزدیک شیخ ابوسعید اندر آمد و نخست بای چپ در مسجد نہاد گفت وی را باز گردانید کہ ہر کہ اندر خانہ دوست اندر آمدن نداند مارا نشاید و گروہی از ملاحدہ لعنھم اللہ تعلق بدیں طریقت خطیر کردند و گفتند خدمت چنداں باید کہ بندہ ولی شود چوں ولی شد خدمت بر

حضرت بایزید بسطامی سے کسی نے پوچھا ولی کون ہے فرمایا ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے تحت صبر کرے، کیونکہ جس دل میں محبت زیادہ ہو گی وہ اس کے حکم کی دل سے تعظیم کرے گا اور اس کی مخالفت سے دور رہے گا میں نے سنا کہ حضرت ابو سعید کے پاس ایک شخص آیا اس نے اندر داخل ہوتے وقت مسجد میں بایاں پاؤں پہلے رکھا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اسے نکال دو جو شخص دوست کے گھر میں داخل

خدمت و ایں ضلالت است و ہیچ مقام نیست اندر راحق پیدا و ہیچ رکن از ارکان خدمت بر نخیز د۔ (کشف المحجوب صفحہ ۳۲۰)

ہونے کا سلیقہ نہیں رکھتا وہ ہماری مجلس کے لائق نہیں۔ ملحدین کی ایک جماعت اس شخص سے تعلق کا اظہار کرتی ہے۔ ملحدین کہتے ہیں کہ عبادت اتنی ہی کرنی چاہیے جس سے بندہ ولی بن جائے اس کے بعد عبادت و خدمت کی ضرورت نہیں، یہ کھلی گمراہی ہے کیونکہ راہ حق میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں عبادت کے ارکان میں سے کوئی رکن ساقط ہو جائے شریعت کی پاسداری اور نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت عبارت کی ہر سطر سے عیاں ہے۔ اس کے علاوہ دعویٰ ولایت محض سراب و فریب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے توسل سے اپنے دین اسلام پر ثابت قدم رکھے اور خاتمہ بالایمان ہو۔" آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس

تراجم "کشف المحجوب"

جسٹس ڈاکٹر منیر احمد مغل

لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پڑھتے ہی ایک انسان دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ اس کے اقرار اور تصدیق کا مظاہرہ جب ایک یہ کلمہ گو اپنے اعضاء و جوارح سے کرنے لگتا ہے تو ایمان وتقوی شعاری اپنا رنگ دکھانے لگتے ہیں۔

ایسے ہی لوگ اولیاء اللہ کا مبارک قرآنی لقب پاتے ہیں اور ایسے ہی لوگ دونوں جہانوں کی بہاروں کو پانے والے بن جاتے ہیں۔ ان کا فیض جاری ہو جاتا ہے اور خلق خدا اس سے مستفیض ہوتی رہتی ہے۔ ان کا ایمان اور ان کی تقویٰ شعاری ایک نور بن کر ہر اندھیرے کو اجالا بخشتی چلی جاتی ہے۔ اس میں دوام کا سبب ان کا اخلاص ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے ہو جاتے ہیں اللہ ان کا ہو جاتا ہے۔ اور جس کا اللہ ہو جائے اس پر اللہ کی نوازشات پھر اللہ ہی کی نوازشات ہوتی ہیں جو دنیا کے پیمانے ماپنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اہل اللہ نہ خدا ہوتے ہیں نہ کسی اہل اللہ نے کبھی خود کو خدا کہا ہے نہ کہلوایا ہے وہ اللہ کے سچے اور مخلص بندے ہوتے ہیں ہواء وہوس کے بندے نہیں ہوتے۔ ان کا خالق ان کا مالک ان کو وہ کچھ عطا فرما دیتا ہے کہ ساری دنیا ان کے در پر آ جائے تو نہ دینے میں کمی کرتے ہیں نہ ان کو کوئی بات دینے سے روکتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ مانگنے والے اسی کی مخلوق ہیں جو سب کا خالق و مالک ہے، گویا خدمت انسانیت دراصل خالق کی مخلوق ہی کی خدمت ہے۔ اہل اللہ ہر آنے والے کے دل پر نگاہ رکھتے ہیں ہر ایک سے حسن سلوک کرتے ہیں دلوں کے اندھیرے دور کر کے ان میں ایمان کا نور بھرتے ہیں۔ بھولے بھٹکوں کو ان کے خالق و مالک حقیقی کی پسندیدہ راہ دکھلاتے ہیں۔ حق کی طرف بلاتے ہیں۔

حق تلفیوں سے روکتے ہیں۔ ادائیگی حق پر زور دیتے ہیں۔ ذکر اللہ نے ان کی

زبان میں چاشنی کا نور بھر دی ہوتا ہے۔ ان کی باتیں دل سے نکلتی ہیں اور دلوں کو موہ لیتی ہیں۔ ہر شخص جو ان سے ملاقات کیلئے آتا ہے یہ محسوس کرتا جاتا ہے جیسے ساری بات اسی سے کی ہو۔ حالانکہ وہاں تو ہزاروں لوگ موجود ہوتے ہیں۔ محبت و الفت کے باب کی باتیں اہل محبت اور الفت ہی کو سمجھ آتی ہیں۔ اس دنیا میں جو آیا ہے اس نے اپنے خالق و مالک کے حضور واپس بھی جانا ہے۔ وہ بھی جاتے ہیں ان کا جانا بھی نورانی ہوتا ہے۔ وہ سدا بہار ہوتے ہیں اور سدا بہار رہتے ہیں۔ یہ سارا فیض اس بات کا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود نہیں مانتے اور حضرت محمد (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتے ہیں۔ ہر بات کی سند کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ﷺ) سے لیتے ہیں۔ اتباع رسول (ﷺ) نے ان کو اللہ کا پیارا بنا دیا ہوتا ہے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ جو رب کا پیارا بن جائے اس کا مقام کیا ہوگا۔ اب تا قیامت اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) اللہ کے آخری رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ ہر ولی نبی اکرم (ﷺ) کا امتی ہے اور ہر اعطاء حضور اکرم ﷺ کی سچی اطاعت اور اتباع ہی کے صدقے ہر ایک کو ملی ہے اور تا قیامت ملتی رہے گی۔ ایسے ہی برگزیدہ فرد فرید اور گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا سیدنا حضرت علی ہجویری (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔ جن کے فیض سے کفرستان ہند اسلام کے نور سے منور ہوا اور یہ نور بڑھتا ہی گیا۔ شہر لاہور کو بلاد العروس ہونے کا لقب کچھ یوں ہی تو نہیں مل گیا۔ دس صدیاں بیتنے کو ہیں نور اسلام کی زندہ و تابندہ شعائیں آج بھی اسی طرح کفر و شرک و بدعت و الحاد کے اندھیروں کو مٹاتی چلی جا رہی ہیں۔ دن رات کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جب خلق خدا آپ کے مزار پر انوار اور فیض رسان عالم اور منبع روحانیت و طمانیت پر حاضر نہ ہو۔

نام فقیر تنہا دا باہو قبر جنہاں دی جیوے ہو

خوب یاد رہے کہ وقت نماز تمام حاضرین و زائرین قبلہ رو ہو کر پانچوں وقت کی نمازیں خالص اللہ کی بندگی کرتے ہوئے سنت محمدیہ کے عین مطابق با جماعت ادا کرتے ہیں۔ جمعۃ المبارک عیدین اور عرس مبارک کے موقع پر تو خلق خدا کا ہجوم قابل دیدنی ہوتا ہے۔ ہر مہمان کی ضیافت دودھ سے کی جاتی ہے۔ سخاوت کا یہ منظر اولیاء اللہ کے مزاروں پر ہی نظر آتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

ہر آنے والا مزار پر آ کر ایک مرتبہ سورۃ الفاتحہ تین مرتبہ سورۃ الاخلاص اور ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے پھر اللھم اغفر لحینا و میتنا۔۔۔ آخر تک پڑھتا ہے اور اس کا ثواب ہدیۂ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وسیلہ جلیلہ سے سب کو بخش دیتا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت تو صبح وشام جاری رہتی ہے۔ اس کے علاوہ کلمہ طیبہ اور دوسرے ذکر اذکار کی اکثرت کہ بندہ حیران ہو جاتا ہے۔ یہ برکت۔ یہ سعادت۔ یہ فیض۔ یہ عطائے بے بہا۔ اللہ اللہ۔ یہ بھی تو ایک زندہ کرامت ہے۔

کشف المحجوب خود ایک کرامت ہے۔ اس کے تراجم اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اس کی مقبولیت دن رات بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ ایک وہی یہ ہے کہ اس کی ہر بات کے پیچھے قرآن وسنت سے لی گئی مضبوط دلیل ہے۔ اسی نے اس کتاب کو سرمدی رنگ بخشا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ دل کے حجاب دور کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ مرشد کی تلاش سے قبل خود مرشد کا کام دیتی ہے۔ مرشد پالینے پر ادب آداب کے اعلیٰ انداز سکھاتی ہے۔ جس ولی یا بزرگ یا درویش کا ذکر بھی حضرت داتا گنج بخش ہجویری (رحمۃ اللہ علیہ) نے کیا ہے بڑے ہی ادب واحترام اور القابات سے کیا ہے۔ گویا یہ سبق دیا گیا ہے کہ علم کی کنجی ادب ہے۔ بے ادب خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ خوشامد اور چاپلوسی کو ادب نہیں کہتے۔ ادب کے سوتے سچی اور خالص محبت سے پھوٹتے ہیں۔ ادب کا اپنا قرینہ ہے۔ ادب احترام انسانیت تو ہے ہی احترام خودی بھی ہے۔ ادب کرنے والا خود بھی تو انسانیت میں سے ایک فرد ہے گویا یہ ایسا انداز ہے جو ہر پہلو سے نفع بخش ہے۔ باادب کبھی محروم نہیں ہوا کرتا۔ اسلام نے آداب زندگی ہی تو سکھلائے ہیں۔ امت محمدیہ کی ایک شان یہ ہے کہ وہ اللہ پر، تمام فرشتوں پر، تمام اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر، تمام انبیاء ورسل پر ایمان لاتا ہے۔ ایمان لانا ادب کا سب سے اوپر کا زینہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت زبان کی ہے۔ ان گنت زبانیں اور باہم معاملات کا ذریعہ ہونا اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔

کشف المحجوب کے بیسویں باب کے آخر میں حضرت داتا گنج بخش (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں:

"اس کتاب میں میرا مقصد یہ ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے دوسری کتابوں کی حاجت نہ رہے ۔۔۔ بہر حال یہ کتاب طالب طریقت کو کافی ہے۔ انشاء اللہ العزیز"

آج تک کشف المحجوب کے جو تراجم مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں ان کی مختصر تفصیل پیش خدمت ہے۔

یہ صرف میری رسائی کی حد تک ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی ترجمہ اور بھی ہوا ہو اور مجھے اس کا علم نہ ہوسکا ہو۔ علمائے کرام اور محققین ہی کی رائے صائب ہوسکتی ہے میں تو ایک ادنیٰ اور حقیر سا طالب علم ہوں۔

خشخش جناں مول نا میرا تے مالک نوں وڈیایاں
میں گلیاں دا روڑا کوڑا تے محل چڑھایا سائیاں

کشف المحجوب کا ترجمہ جو انگریزی زبان میں ہوا:

۱۔ پروفیسر نکلسن، لندن، ۱۹۱۱ء

کشف المحجوب فارسی کا مقدمہ جو روسی زبان میں تحریر کیا گیا:

۱۔ پروفیسر زوکوفسکی، لننن گراڈ، ۱۹۲۶ء۔

کشف المحجوب کے ترجمے جو سندھی زبان میں ہوئے:

۱۔ حاجی علی محمد (ڈپلو)، حیدر آباد: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۸ء

کشف المحجوب کے ترجمے جو اردو زبان میں ہوئے:

۱۔ ظہیر احمد بدایونی، (ظہیر المطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب) لاہور: ۱۹۰۹ء
مولوی فیروز الدین، (بیان المطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب) لاہور: فیروز سنز پبلیکیشنز، ۱۹۷۷ء

۲۔ علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، حزب الاحناف لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۳ء

۳۔ میاں طفیل محمد، امیر جماعت اسلامی پاکستان، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز۔

۴۔ مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران، ۱۹۹۵ء۔

۵۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز۔

۶۔ سید محمد فاروق القادری ایم اے۔ ۱۹۸۹ء۔

۷۔ حضرت مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، لاہور: زاویہ پبلشرز، ۲۰۰۵ء

۸۔ محمد الطاف نیروی، لاہور: ناشر مترجم خود، نائب خطیب داتا دربار، ۱۹۹۲ء

۹۔ علامہ فضل الدین گوہر، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء۔

۱۰۔ عبدالعزیز نوری

۱۱۔ عبدالستار سعیدی

۱۲۔ خادم حسین رضوی

کشف المحجوب کا ترجمہ جو پنجابی زبان میں ہوا:

۱۔ محمد شریف صابر، لاہور: قاضی پبلیشنز ۱۹۹۶ء

کشف المحجوب میں آمدہ قرآن کی آیات اور احادیث کی اردو زبان میں تخریج:

۱۔ ڈاکٹر خالقداد ملک اور ڈاکٹر طاہر رضا بخاری، لاہور، محکمہ مذہبی امور پنجاب، ۲۰۰۶۔

ترجمہ بعض اوقات تو لفظی ہوتا ہے اور بعض اوقات بامحاورہ۔ بعض اوقات بڑا پیچیدہ اور بعض اوقات بڑا آسان فہم۔ بعض اوقات مترجم مصنف کی بات سمجھ ہی نہیں پاتا اور کچھ کا کچھ کہہ جاتا ہے۔ بعض اوقات ترجمہ اصل سے بھی زیادہ آسان لگتا ہے۔

بہرحال ترجمہ کرنے والے کے خلوص کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بندے تو ظاہر عبارت ہی پر کچھ کہہ سکتے ہیں۔ حسن ظن لازمی ہے کہ مترجم کی محنت بہر حال ان لوگوں پر احسان ہوتا ہے جو اصل زبان کو نہیں جانتے۔ ہر مترجم کا ثواب عنداللہ محفوظ ہے جو دلوں کے حال جاننے والا ہے۔

نمونے کے طور پر اصل متن فارسی اور اسکے چند تراجم ہدیہء قارئین ہیں وہ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کون سا ترجمہ ان کے دل کو آسان فہم لگتا ہے اور ان کے دل کو نور بخشتا ہے اور ان کو مزید احسن عمل کی طرف گامزن کرتا ہے۔ اصل توفیق تو اللہ ہی بخشنے والا ہے:

اولین کتب تصوف میں "کشف المحجوب" کا مقام

حضرت شیخ الحدیث محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تصوف کے بارے میں گفتگو کی جائے کہ تصوف کیا ہے؟ اور اس کا مقصد کیا ہے؟ اور صوفیاء کرام کے اصول و قواعد کیا ہیں؟ پھر یہ معلوم کیا جائے کہ تصوف پر لکھی جانے والی ابتدائی اور بنیادی تصانیف کون سی ہیں؟ اس کے بعد دیکھا جائے کہ سید الاولیاء، سند الاصفیاء حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سید علی بن عثمان ہجویری قدس سرہ العزیز (م ۴۶۵ھ) کی زندہ جاوید تصنیف لطیف کشف المحجوب کا تصوف کی ان اولین تصانیف میں کیا مقام ہے؟

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تصوف اچھے اخلاق کا نام ہے۔ اور اچھے اخلاق کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں کسی قسم کی ریاکاری اور دکھلاوا نہ ہو اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے فرائض اور حقوق ادا کئے جائیں۔

۲۔ مخلوق خدا سے اچھی طرح پیش آئے، بڑوں کی عزت کرے، چھوٹوں پر رحم کرے، ہر معاملہ میں انصاف پسند ہو اور ان معاملات میں کسی قسم کا معاوضہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔

۳۔ اپنے آپ کو ہر قسم کی شیطانی اور نفسانی خواہشات اور حرص سے پاک رکھے۔(۱)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر حضرت ابوالعاص احمد بن محمد الادمی (م ۳۰۹ھ) فرماتے ہیں۔

جس نے اپنے اوپر آداب شریعت لازم کر لئے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو معرفت

کے نور سے منور فرما دے گا، اور حبیب کریم ﷺ کے احکام، افعال اور اخلاق کی پیروی سے کوئی مقام افضل نہیں ہے۔ (۲)

حضرت محبوب سبحانی شیخ القادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں: "تو اپنے رب کے غیر کا وجود نہ دیکھ، شریعت کی حدوں کو لازم پکڑ، اور امر و نواہی کی حفاظت کر، اگر تیرے اندر شریعت کی حدود میں سے کسی کی حد میں خلل واقع ہوا تو جان لے کہ تو فتنے میں واقع ہو چکا ہے، تو شیطان کا کھلونا بن چکا ہے، تو شریعت کے حکم کی طرف لوٹ آ، اسے لازم پکڑ لے اور اپنی خواہشات کو ترک کر دے کیونکہ ہر وہ حقیقت باطل ہے جس کے حق میں شریعت گواہی نہ دے۔" (۳)

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"آدمی کے دائمی نجات حاصل کرنے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔"

علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم وہ ہے جس کا مقصد عمل ہے، اس کی تفصیل علم فقہ ہے، دوسرا علم وہ ہے جس کا مقصد صرف اعتقاد اور دلی یقین ہے، اس کی تفصیلات نجات پانے والی جماعت اہلسنت و جماعت کی درست آراء کے مطابق علم کلام، (وعقائد) میں بیان کی گئی ہیں، ان بزرگوں کی پیروی کے بغیر نجات کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اگر بال برابر بھی مخالفت ہو تو خطرہ ہی خطرہ ہے، یہ بات صحیح کشف اور صریح الہام کے ساتھ حد یقین تک پہنچ چکی ہے، اس میں غلطی کا احتمال تک نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ علم و عمل شریعت سے حاصل ہے اور علم و عمل کی روح یعنی اخلاص کا حاصل کرنا صوفیاء کرام کے راستے کو طے کرنے سے وابستہ ہے، جب تک سیر الی اللہ مکمل نہ ہو، اور سیر فی اللہ نہ پائی جائے اس وقت تک انسان اخلاص کی حقیقت سے دور ہے۔ (۴)

ایک دوسرے مکتوب میں شریعت، طریقت اور حقیقت کا باہمی تعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"باطن، ظاہر کو مکمل کرنے والا ہے، ان میں بال برابر آپس میں مخالفت نہیں ہے، مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے، اور دل سے جھوٹ کے تصور کی نفی کرنا طریقت اور

حقیقت ہے، یہ نفی اگر تکلف اور کوشش سے ہے تو یہ طریقت ہے اور اگر تکلف کے بغیر ہے تو یہ حقیقت ہے، اس سے واضح ہو گیا کہ باطن یعنی طریقت اور حقیقت، ظاہر یعنی شریعت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والا ہے۔(۵)

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ طریقت کو شریعت سے جدا قرار دینے والوں کا شدید محاسبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے، شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے، ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سنا سیوں کو ہوتے ہیں، پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں؟ اسی نارِ جحیم و عذاب الیم تک پہنچاتے ہیں......

شریعت وہ منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی احتیاج ہے، اس کا تعلق ٹوٹے تو ہی نہیں کہ صرف آئندہ کے لئے مدد موقوف ہو جائے، فی الحال جتنا پانی آ چکا ہے چند روز تک پینے، نہانے، کھیتیاں، باغات سینچنے کا کام دے، نہیں نہیں! منبع سے تعلق ٹوٹتے ہی یہ دریا فوراً فنا ہو جائے گا، بوند تو بوند نم کا نام نظر نہ آئے گا، نہیں نہیں میں نے غلطی کی، کاش اتنا ہی ہوتا کہ دریا سوکھ گیا، پانی معدوم ہوا، باغ سوکھے، کھیت مرجھائے، آدمی پیاسے تڑپ رہے ہیں، ہرگز نہیں! بلکہ یہاں اس مبارک منبع سے تعلق چھوٹتے ہی یہ تمام دریا والبحر المسجور (سلگائے ہوئے سمندر) ہو کر شعلہ فشاں آگ ہو جاتا ہے جس کے شعلوں سے کہیں پناہ نہیں، پھر کاش وہ شعلے ظاہری آنکھوں سے سوجھتے تو جو تعلق توڑنے والے جلے، خاک سیاہ ہوئے تھے، اتنے ہی جل کر باقی بچ جاتے کہ ان کا یہ بد انجام دیکھ کر عبرت پاتے، مگر نہیں وہ تو نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ ہے اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ کہ دلوں پر چڑھتی ہے، اندر سے دل جل گئے، ایمان خاک سیاہ ہوا، اور ظاہر میں وہی پانی نظر آ رہا ہے، دیکھنے میں دریا اور باطن میں آگ کا دھرا، آہ، آہ، آہ! کہ اس پردے نے لاکھوں کو ہلاک کیا۔"(۶)

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ تصوف کا مقصد صحیح عقائد اور اعمال کے حامل افراد کو اخلاق، اخلاص اور للہیت میں اسلام کے مثالی انسان بنانا ہے، ظاہر ہے کہ دین کا معمولی شعور اور درد رکھنے والا کوئی بھی انسان اس مقصد سے اختلاف نہیں کر سکتا۔

تصوف کی بنیادی کتابیں:

تصوف کا اصل منبع و ماخذ قرآن پاک اور حدیث شریف ہے، اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم اور اہل سنت بزرگان دین ہیں جن کے اقوال، اعمال صالحہ، اخلاق عالیہ اور اخلاص سے صوفیاء کرام نے راہنمائی حاصل کی، سب سے پہلے بزرگ جنہیں صوفی کا لقب دیا گیا ابو ہاشم کوفی (م ۱۶۰ھ) ہیں، صوفیاء کرام نے وقت کی ضرورت کا ادراک کرتے ہوئے تعلیمات تصوف پر مبنی تصانیف کا سلسلہ شروع کر دیا، سب سے پہلے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) نے کتاب الزہد لکھی جس میں زہد کی فضیلت کی احادیث کا ذخیرہ جمع کر دیا، ان کے بعد امام ابو عبداللہ حارث بن اسد محاربی (م ۲۴۳ھ) نے کتاب الخلوۃ اور التنفل فی العبادۃ، اور الرعایۃ لحقوق اللہ لکھی، لیکن یہ کتابیں خاص موضوعات پر لکھی گئی تھیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا اور تصوف پر ان گنت کتابیں لکھی گئیں۔

۱۔ کتاب اللمع فی التصوف: تصنیف ابو نصر عبداللہ بن علی سراج طوسی (م ۳۷۸ھ)

۲۔ التعرف لمذہب اہل التصوف: ابو بکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلاباذی (م ۳۸۰ھ)

۳۔ قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب و وصف طریق المرید الی مقام التوحید از امام ابو طالب محمد بن علی بن عطیہ مکی حارثیؒ (م ۳۸۶ھ)

۴۔ الرسالۃ القشیریہ: از امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری (م ۴۶۵ھ) (۷)

تصوف کی یہ چاروں بنیادی کتابیں عربی میں لکھی گئیں اور ان میں احکام شرعیہ اور مسلک اہلسنت کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا۔ پہلی تین کتابوں کے مصنف آپس میں ہم عصر اور ہم خیال ہیں۔

اولین کتب تصوف میں کشف المحجوب کا مقام:

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف علوم دینیہ کے متبحر فاضل تھے بلکہ شریعت و طریقت کے امام بھی تھے، وہ صاحب حال بھی تھے اور صاحب قال اور صاحب قلم بھی

تھے، لاہور میں ان کا مزار شریف، منبع انوار اور مرجع خلائق ہے، آپ کے زمانہ مبارک کے بعد شاید ہی کوئی صاحب کمال ولی ایسا ہو جو لاہور آیا ہو اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوا ہو۔

آپ ہی کے حوالے سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور کو قطب ارشاد کی مثل قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

"فقیر کے نزدیک یہ شہر ہندوستان کے دوسرے شہروں کی نسبت قطب ارشاد کی طرح ہے، اس شہر کی خیر و برکت ہندوستان کے تمام شہروں میں جاری و ساری ہے۔" (8)

ہونا تو یہ چاہئے کہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے جہاں دوسری حاجتوں کی دعائیں کی جاتی ہیں وہاں یہ دعا بھی مانگی جائے کہ یااللہ! ہمیں اپنی، اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے دین کی محبت عطا فرما، ہمیں اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، پاکستان اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے حال زار پر رحم فرما، لیکن دیکھنے میں آتا ہے کہ کچھ لوگ مزار شریف کی طرف رخ کر کے سجدہ کرتے ہیں، کچھ رکوع کی حد تک جھک کر سلام کرتے ہیں، اس طرز عمل سے نہ تو اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور نہ ہی داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ علماء و اہلسنت کے نزدیک یہ طرز عمل ناجائز ہے۔ محکمہ اوقاف کو چاہئے کہ ایسے لوگوں کا سختی کے ساتھ محاسبہ کرے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف عالیہ میں سے صرف کشف المحجوب دستیاب ہے، یہ فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے، اس لافانی کتاب میں اسلامی تعلیمات بڑے دلکش انداز میں پیش کی گئی ہیں، جن سے عوام و خواص اپنی اپنی استطاعت کے مطابق فیض یاب ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کشف المحجوب حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، اگر کسی کا مرشد نہ ہو تو اسے اس کتاب کے مطالعہ سے مل جائے گا۔" (۹)

اس سے پہلے تصوف کی بنیادی چار کتابوں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، اس میں شک نہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے موضوع پر جامع اور شاندار کتاب ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ انہیں سبقت زمانی حاصل ہے۔ تاہم کشف المحجوب کی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں جو اسی کا حصہ ہیں، سطور ذیل میں انہی خصوصیات کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

کتاب اللمع اور کشف المحجوب:

۱۔ کتاب اللمع اس دور کی تصنیف ہے جس علماء ظاہر اور علماء باطن میں کشمکش اپنے عروج پر تھی، اس لئے حضرت سراج طوسی نے زیادہ توجہ ان امور کے بیان کرنے پر صرف کی جو حضرات صوفیاء اور علماء ظاہر کے درمیان مشترک تھے، اس لئے وہ فن تصوف کے مسائل کی طرف اتنی توجہ نہ دے سکے جس قدر کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے دی۔

۲۔ حضرت سراج قدس سرہ نے صوفیاء کرام کے احوال و مقامات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، جب کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ ان مں اضافہ کیا بلکہ مشائخ طریقت کے ارشادات اور ان کی حکایات بیان کر کے مسائل تصوف کو عام فہم بنا دیا ہے۔ پھر ذاتی واردات اور آپ بیتی کو اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری کی دلچسپی نقطۂ عروج کو چھونے لگتی ہے۔

۳۔ کتاب اللمع حضرت داتا صاحب کے سامنے تھی، اس کے علاوہ دوسری بہت سی کتابیں ان کی نظر سے گزر چکی تھیں، سینکڑوں مشائخ سے براہ راست اکتساب فیض کیا تھا، لازمی بات ہے کہ مطالعہ اور مشاہدہ کی وسعت کا تصنیف پر بھی اثر پڑے گا۔ حضرت سراج نے مقام فقر پر گفتگو کرتے ہوئے ایک آیت اور آٹھ مشائخ کے اقوال پیش کئے جب کہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے نو آیات، تین احادیث اور مشائخ کے تیرہ اقوال پیش کئے، حضرت سراج نے یہ مضمون دو صفحوں میں سمیٹ دیا جب کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ صفحات پر پھیلا دیا۔

۴۔ حضرت سراج کے مخاطب علماء اور صوفیاء تھے اس لئے انہوں نے اختصار سے کام لیا، حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا روئے سخن عوام کی طرف ہے، اس لئے آپ نے تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔

۵۔ کتاب اللمع فن تصوف کی درسی کتاب معلوم ہوتی ہے، جس سے اہل علم ہی پوری طرح مستفید ہو سکتے ہیں، کشف المحجوب ایک فنی کتاب ہونے کے ساتھ وعظ و اصلاح کا رنگ بھی لئے ہوئے ہے، اس لئے اس سے علماء اور عوام پوری دلچسپی کے ساتھ مستفید ہو سکتے ہیں۔

التعرف اور کشف المحجوب:

تصوف کی بنیادی کتابوں میں دوسری کتاب التعریف لمذہب اہل تصوف ہے جس

کے بارے میں اولیاء کرام فرماتے ہیں:

ولا التعرف لما عرف التصوف   اگر کتاب تعرف نہ ہوتی تو کسی کو تصوف کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

یہ کتاب پچھتر (۷۵) ابواب پر مشتمل ہے، کتاب اللمع اور التعرف کی تصنیف کا دور چونکہ ایک ہی ہے اس لئے دونوں کا پس منظر اور مقصد ایک جیسا ہے، صورت حال یہ تھی کہ صاحب علم اور صاحب حال صوفیاء کرام رحلت فرما گئے، ان کے بعد تصوف برائے نام رہ گیا، صوفیاء کی مسندوں پر وہ لوگ مسلط ہو گئے جو علم اور اخلاص سے عاری تھے، بقول اقبال یہ حال ہوگیا کہ ؎

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن

نتیجہ یہ نکلا کہ عوام اور علماء ظاہر، تصوف اور صوفیاء سے متنفر ہو گئے، ان حالات میں حضرت کلاباذی نے التعرف لکھ کر حقیقی تصوف کی ترجمانی کی، صوفیاء کرام کے افکار و کردار کا صحیح آئینہ پیش کیا اور بے شمار افراد کو راہ راست سے روشناس کرایا اور باور کرایا کہ تصوف شریعت مبارکہ کے کڑے معیار پر پورا اترتا ہے۔ بے شک امت مسلمہ پر ان کا بہت بڑا احسان ہے۔

کشف المحجوب اور التعرف کے انداز میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے، تاہم التعرف میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے، لیکن کشف المحجوب میں ہر مسئلے کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، مثلاً دوسرے باب میں حضرت کلاباذی نے چند اکابر مشائخ کے نام گنوا دینے پر اکتفا کیا ہے، حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت حد تک ان حضرات کے تفصیلی حالات تحریر کئے ہیں۔

التعرف میں مشاہیر صوفیاء کرام کے اقوال بیان کر دینے پر اکتفاء کیا گیا ہے، جب کہ کشف المحجوب میں بزرگان دین کے ارشادات کے ساتھ ذاتی تجربات اور مشاہدات بھی قلم بند کئے ہیں، بعض لوگوں کے نظریات بیان کر کے ان پر نقد و جرح بھی کرتے ہیں، پھر اپنا فیصلہ اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ قاری کے لئے سوائے تسلیم کے چارہ نہیں رہ جاتا۔

التعرف میں مصنف کا مطمع نظر صوفیاء کرام اور علماء وظاہر کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو کم کرنا، حقائق تصوف اور شریعت مبارکہ کی باہمی مطابقت کو اجاگر کرنا ہے، اس لئے حضرت کلاباذی نے پورا زور انہی مقاصد پر صرف کر دیا ہے، نتیجتاً یہ کتاب تصوف کی ایک فنی اور بنیادی کتاب بن گئی اور اس نے صدیوں تک اہل علم کی فکر و نظر میں انقلاب برپا کیا، کشف المحجوب میں تبلیغی اور اصلاحی

رنگ غالب ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرشد کامل تمام تر شفقت اور محبت سے اسرار شریعت اور معارف تصوف اپنے مخلص مرید کے دل و دماغ میں نقش کر رہا ہے اور مرید اپنے شیخ کے الطاف کریمانہ کے سحر میں اس طرح کھو جاتا ہے کہ اس میں سرتابی کی ہمت ہی نہیں رہ جاتی۔

قوت القلوب اور کشف المحجوب:

تصوف کے بنیادی ماخذ میں قوت القلوب تیسری کتاب ہے، یہ اڑتالیس فصلوں پر مشتمل ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف حضرت ابوطالب مکی بیک وقت فقیہ بھی ہیں اور صوفی بھی، لیکن فقاہت کا ان پر غلبہ ہے، یہی رنگ ان کی تصنیف میں بھی پایا جاتا ہے۔ کتاب کی ترتیب میں بھی فقہا کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔

قوت القلوب کا دارومدار روایت پر ہے، کشف المحجوب روایت و درایت کا حسین مجموعہ ہے اس لئے اس میں اپیل زیادہ ہے۔

قوت القلوب میں بزرگان دین کے اقوال نقل کر دینے پر اکتفا کیا گیا ہے، جب کہ کشف المحجوب میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد ان پر محاکمہ بھی کیا جاتا ہے، اس طرح قاری آسانی سے فیصلہ کن نتیجے تک پہنچ جاتا ہے۔ قوت القلوب میں کئی جگہ انتہائی اختصار سے کام لیا گیا ہے، کشف المحجوب میں نہ صرف ہر جگہ تفصیلی گفتگو کی گئی ہے بلکہ قاری ذہنی طور پر مصنف کو اتنا قریب محسوس کرتا ہے جیسے مصنف اس کے سامنے بیٹھ کر نہایت حکیمانہ انداز میں ایک ایک مسئلہ اس کے دل و دماغ میں اتار رہے ہوں۔ (۱۰)

رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب:

تصوف کی بنیادی کتابوں میں سے چوتھی کتاب رسالہ قشیریہ ہے، اس کے مصنف حضرت امام ابو القاسم عبدالکریم قشیری رحمۃ اللہ علیہ (م 465ھ) حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں، امام قشیری اگرچہ سیدنا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد نہیں ہیں، تاہم داتا صاحب نے ان سے ملاقات کی تھی اور کشف المحجوب میں ان کی علمی اور روحانی فضیلت کا اعتراف بھی کیا ہے، کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت رسالہ قشیریہ بھی ان کے پیش نظر تھا۔

تصوف کے موضوع پر یہ دونوں کتابیں اپنی اپنی جگہ انتہائی اہم ہیں، ان میں فرق معلوم کرنے کے لئے چند آراء لائق توجہ ہیں۔

بزرگ محقق ڈاکٹر پیر محمد حسن، رسالہ قشیریہ کے ترجمہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں ہجویری نے اس کتاب (کشف المحجوب) میں پیشری کے رسالہ کا تتبع کیا ہے اور بعض ایسے امور سے بحث کی ہے جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ (۱۱)

جب وہ کتابیں ایک ہی موضوع پر لکھی گئی ہوں اور متاخر مصنف کے سامنے پہلے لکھی ہوئی تصنیف بھی موجود ہو تو مواد اور مسائل کا مشترکہ ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں ہے، لیکن کشف المحجوب کا مصحح اور مقدمہ نگار روسی محقق ژوکوفکی اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ کشف المحجوب میں رسالہ قشیریہ کی پیروی کی گئی ہے۔

ژوکوفسکی لکھتا ہے: "رسالہ قشیریہ فی علم التصوف امام عالم ابو القاسم عبد الکریم ہوازن قشیری اور ہجویری جلابی غزنوی کی کشف المحجوب، پہلی عربی میں اور دوسری فارسی میں ہے، یہ دونوں کتابیں تصوف کی ابتدائی کتب میں سے ہیں، اور دونوں پانچویں صدی ہجری کے وسط میں لکھی گئی ہیں، موضوع ایک ہونے کے باوجود ان دو بہترین تصانیف میں نہ تو مسائل کی کیفیت اور تعداد میں اشتراک ہے اور نہ ہی بیان کردہ مطالب کی تفسیر وتعبیر میں یکسانیت ہے، ہاں البتہ بعض فنی اصطلاحات میں کبھی کبھی کسی حد تک مشابہت دیکھنے میں آتی ہے۔" (۱۲) (ترجمہ از فارسی)

عبد الماجد دریابادی ان دونوں کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابو القاسم قشیری کا عربی رسالہ القشیریہ ہے، موضوع اس کا بھی تصوف ہے، دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال وحکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے، بہ خلاف اس کے مخدوم ہجویری ایک محققانہ مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، مکاشفات، واردات، مجاہدات وغیرہ بھی قلم بند کرتے جاتے ہیں، اور مباحث سلوک پر رد وقدح کرنے میں تامل نہیں کرتے، اس لئے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ، روایات وحکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے۔ (۱۳)

خیال رہے کہ کتاب اللمع، التعرف، قوت القلوب اور رسالہ قشیریہ کی نسبت کشف المحجوب

کے امتیازی مقام کا ذکر کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اول الذکر کتابوں کی اہمیت کا انکار کیا جائے یا انہیں کمتر دکھایا جائے کیونکہ یہ چاروں کتابیں نہ صرف تصوف کی بنیادی کتابیں ہیں بلکہ کشف المحجوب سے پہلے لکھی گئی ہیں۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر ان کے علاوہ دوسری بہت سی کتابیں تھیں، ظاہر ہے ان جیسے عارف کامل اور وسیع النظر کے قلم سے نکلی ہوئی شاہکار کتاب ضرور امتیازی شان اور خصوصیات کی حامل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے علمی، ایمانی اور روحانی فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے۔

حواشی:

۱۔ علی ہجویری، سید امام الاولیائ، کشف المحجوب ترجمہ علامہ ابو الحسنات ص ۱۳۶

۲۔ عبد الکریم قشیری، امام ابو القاسم: رسالہ قشیریہ (طبع مصر) ص ۲۵

۳۔ عبد الوہاب، شعرانی امام: لواقع الانوار (طبع مصر) ج ۱، ص ۱۳۱

۴۔ احمد سرہندی، امام ربانی شیخ: مکتوبات امام ربانی فارسی، دفتر اول حصہ دوم، ص ۳۸۔۴۱

۵۔ احمد سرہندی، امام ربانی شیخ: مکتوبات فارسی دفتر اول حصہ دوم ص ۳

۶۔ احمد رضا بریلوی، امام: مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء (طبع کراچی) ص ۱۸۔۱۹

۷۔ محمد حسن، ڈاکٹر پیر: حقیقت تصوف، ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور (مئی ۱۹۹۵ء) ص ۵۹۔ ۶۳

۸۔ احمد سرہندی، امام ربانی شیخ: مکتوبات فارسی دفتر اول حصہ دوم ص ۷۴

۹۔ صباح الدین عبد الرحمن، سید: بزم صوفیہ (طبع اعظم گڑھ) ص ۱۰

۱۰۔ کتاب اللمع، قوت القلوب اور کشف المحجوب کی باہمی مناسبت پر گفتگو علامہ سید محمد متین ہاشمی کی تالیف سید ہجویر سے مستفاد ہے۔ (شرف قادری نقشبندی)

۱۱۔ محمد حسن، ڈاکٹر پیر: مقدمہ اردو ترجمہ رسالہ قشیریہ (طبع اسلام آباد) ص ۳۹

۱۲۔ ژوکوفسکی: مقدمہ کشف المحجوب، طبع تہران ص ۵۷

۱۳۔ عبد الماجد دریابادی: تصوف اسلام طبع سوم ص ۵۳۔ ۵۴

نوٹ: رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب میں باہمی نسبت کیا ہے؟ اس عنوان پر گفتگو حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے مقدمہ اردو ترجمہ کشف المحجوب سے مستفاد ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، جولائی 1995ئ)

کشف المحجوب کی اہمیت

ڈاکٹر نفیس اقبال

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" فارسی زبان میں تصوف پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب کاملین کے لیے رہنما اور عوام کے لیے "پیر کامل" کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب نے نہ صرف تصوف کے خیالات کو عوام تک پہنچایا بلکہ تصوف کو عوامی تحریک بنانے اور صوفیانہ سلاسل کو منظم کرنے میں مدد دی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:

"تصوف کی کتابیں اب تک عربی میں تھیں۔ اس لئے عوام کو استفادہ کا موقع بہت کم تھا۔ یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی اس لیے حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں اس کتاب کا بڑا ہاتھ ہے۔ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب نے ایک طرف تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دُور کیا اور دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں"۔(۱)

"کشف المحجوب" حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے جو اُنہوں نے حضرت ابو سعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر لکھی۔ اُنہوں نے درخواست میں تصوف کے مقامات، اشارات، رموز اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے بارے میں سوالات کیے تھے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے سوالات میں پوشیدہ اخلاص اور سچی طلبِ حق کی خوشبو محسوس کر کے ان سوالات کو پیشِ نظر رکھ کر یہ کتاب تالیف کی جس میں اہلِ علم کا راستہ تحقیق بتایا۔ "کشف المحجوب" کے علمی مرتبہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صوفیاء کرام رحمہم اللہ نے اس کی تعریف کی ہے۔ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں جگہ جگہ کشف المحجوب کا ذکر کرتے ہیں اور حضرت جہانگیر اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں کئی جگہ اس کتاب سے حوالے دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ اور دارا شکوہ نے اس کتاب کی تعریف کی ہے۔ مارٹن لنگر، اے جی آربری اور ای جی براؤن نے "کشف

المحجوب" کو دنیا کے سامنے بطورِ سند پیش کیا ہے۔ پروفیسر نکلسن نے "کشف المحجوب" کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور کتاب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ اس کتاب نے برصغیر پاک و ہند میں اسلامی تصوف کو پہلی مرتبہ متعارف کرایا۔

کشف المحجوب کی افادیت کے پیش نظر اس کے خطی نسخے بہت جلد اطراف واکناف میں پھیل گئے تھے۔ اس کے قلمی نسخے دنیا کی تمام بڑی بڑی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ایل ایس ڈگن کی فہرست کے مطابق کشف المحجوب کے قلمی نسخے وی آنا، پیرس، برٹش میوزیم، لیننگراڈ یونیورسٹی، انڈیا آفس لائبریری لندن، تاشقند پبلک لائبریری، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، برلن اور لاہور کے کتب خانوں میں موجود ہیں، ان میں کشف المحجوب کا نو سو سال پرانا نسخہ بھی شامل ہے۔

کشف المحجوب کے قدیم ترین قلمی نسخوں کے سلسلے میں لاہور میں بھی بعض نادر نسخے موجود ہیں۔ دو منقش قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہیں جن میں سے ایک پر ۱۲۶۵ھ درج ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کا ایک قلمی نسخہ بھی پبلک لائبریری لاہور میں ہے۔ بعض لوگوں کے ذاتی کتب خانوں میں بھی اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔

ایک قلمی نسخہ میاں محمد صدیق (مرحوم) یکے از سجادہ نشین درگاہ حضرت داتا گنج کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے، یہ وہ قدیم ترین فارسی نسخہ ہے جس کی سب سے پہلے نول کشور لکھنوی نے نقل کروائی اور طباعت کے بعد شائع کیا۔

ایک قدیم قلمی نسخہ شیخ محمد نبی بخش (مرحوم) یکے از سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھا جو رضا پبلی کیشنز لاہور نے طبع کروا کر شائع کیا ہے۔ (۲)

کشف المحجوب کی ایک حیثیت تصوف کی کتب کی مآخذ کی بھی ہے۔ یہ کتاب صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے مشہور و مستند تذکروں اور تصوف کی معتبر کتابوں کا مآخذ ہے۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرۃ الاولیاء" میں "کشف المحجوب" سے صوفیائے متقدمین رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات اور ان کے اقوال معمولی سی تبدیلیِ الفاظ کے ساتھ نقل کیے ہیں۔ ملک الشعراء بہار نے "سبک شناسی" (ص: ۲۰۶، ۲۰۹) میں اس کی واضح مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ مولانا جامی نے جہاں کشف المحجوب سے استفادہ کیا وہاں حضرت مخدوم سید اشرف سمنانی نے بھی "لطائف

اشرفی" میں کشف المحجوب کے حوالے دیے ہیں۔ حضرت خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری نے مکاتیب میں کشف المحجوب کی عبارات بطورِ سند نقل کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا اعتراف بھی کیا ہے۔ حضرت خواجہ پارسا نے اپنی تصنیف "فصل الخطاب" کی متعدد فصول اور مختلف مقامات پر "کشف المحجوب" کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے اپنی تصانیف میں کشف المحجوب کے حوالے دیے ہیں۔

قاضی جاوید کے مطابق حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے فکری نظام کی بنیادی خصوصیت شریعت اور طریقت میں ہم آہنگی پیدا کرنا ہے (۳) اور "کشف المحجوب" شریعت اور طریقت کے قواعد و ضوابط، اسرار و رموز اور صوفیانہ فکر و نظر کے متعلق ہر دور میں عظیم تخلیق قرار دی گئی ہے (۴)۔

"کشف المحجوب" طریقت و شریعت میں توازن اور ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لیے اور صوفیانہ عمل کی راہیں متعین کرنے کے لیے لاثانی اور بے بہا روحانی خزینہ ہے۔ اس کتاب کا روحانیت کے فروغ میں بڑا حصہ ہے۔ "کشف المحجوب" کو تصوف کے آئین کا درجہ حاصل ہے۔ شریعت اور طریقت کی ہم آہنگی، صوفیانہ اعتدال پسندی کا تقاضا کرتی ہے۔ سید علی ہجویری بنیادی طور پر اعتدال پسند مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے تھے جو "حلاجی" (منصور بن حلاج کے پھانسی پر لٹکانے کا واقعہ) المیے کے بعد ہونے والی صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ظہور پذیر ہوا تھا۔ حلاجی المیہ کے بعد تصوف میں درمیانی راہ اور اعتدالی رویہ اختیار کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ اس رویے کی تاویل یوں کی گئی کہ داخلی صداقت اور مذہبی سچائی ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں۔ اس رویے کی پُر جوش وکالت امام غزالی نے کی۔ امام غزالی، سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ چنانچہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انحراف اور روایت کے بیچ کی راہ اختیار کی ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ اس زمانے میں اعتدال پسندی کا رجحان مقبول تھا اور محفوظ بھی سمجھا جاتا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سید علی ہجویری کے زمانے کی پنجاب کی صورتحال بھی انحراف پسندی سے دامن بچانے کا تقاضا کرتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے طریقت کو شریعت کے دائرے میں رکھنے پر زور دیا تھا۔ (۵)

کشف المحجوب انسانی رویوں کو سماجی و معاشرتی سطح پر متوازن بنانے میں رہنمائی

کرتی ہے۔ حضرت داتا صاحب کی نگاہِ دوررس معاشرتی زندگی کو کس قدر اہمیت دیتی تھی، اس کی وضاحت کشف المحجوب کے موضوعات سے ہوتی ہے۔ جیسے معاشرتی زندگی کے آداب واحکام، آداب اور آدابِ سفر وغیرہ۔ آداب معاشرت کے سلسلے میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیغام جو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت داتا علی ہجویری کے نو سو سال بعد مسلم قوم کو دیا، اس پیغام سے وہ عوام کو کئی سو سال پہلے آگاہ کر چکے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر بزرگ نے معاشرہ کو صالح بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اسلام کے عین مطابق نہ صرف خود عمل کیا بلکہ اپنے متوسلین کو بھی اس راہ پر چلنے کا حکم دیا۔(۶)

کشف المحجوب کے موضوعات ہی اس کی اہمیت کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔ پہلے باب میں "علم کی اہمیت" پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے باب میں "فقر" پر بحث ہے۔ صوفی کی اصلیت پر محققانہ بحث ملتی ہے تو تصوف پر بحث بھی ہے۔ آئمہ اہل بیت وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم، آئمہ اہل سنت، اہل صفہ، آئمہ طریقت، تبع تابعین، آئمہ متاخرین، اہلِ طریقت کے مختلف مکاتب کے صوفیانہ عقائد، افکار ونظریات کے علاوہ حقیقتِ نفس، ولایت کے اسرار و رموز، صبر و رضا، مدہوشی اور ہوش، فنا وبقا، معرفتِ الٰہی، آدابِ محبت، جود وسخا، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، ازدواجی زندگی، حقیقتِ سماع، بھوک، صوفیانہ اصطلاحیں الغرض کشف المحجوب حقیقت کی تلاش کا ذوق رکھنے والے باہمت لوگوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ موضوع اور متن کے اعتبار سے یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں دعوت وتبلیغ کے لیے جو دستور العمل عوام کے سامنے پیش کیا، اس سے جہاں عبد ومعبود کے باہمی تعلق کو استحکام حاصل ہوتا ہے، وہاں دعوت وتبلیغ کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کی افادیت آج بھی مسلم ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان ائمہ تصوف میں ہوتا ہے جنہوں نے تزکیۂ نفس کی اس طرح تعلیم دی کہ برصغیر میں مسلم تخلیقی فکر کی داغ بیل پڑی۔ وہ ایک ایسے صوفی ہیں جو انسان کی زندگی میں اجتماعی انقلاب کے نقیب ہیں۔ ان کی تعلیمات جو یقیناً ان کی روحانی قوت وتاثیر پر دلالت کرتی ہیں، انسانی زندگی کی ہر سطح پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہی وجہ

ہے کہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک ہزار سال گزرنے کے باوجود نہ صرف اپنی تعلیمات میں زندہ ہیں بلکہ عوام کے قلوب کو بھی مسلسل مسخر کیے ہوئے ہیں۔(۷)

"کشف المحجوب" حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے سفرنامہ کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ غزنی (افغانستان) سے سفر اختیار کر کے پاک وہند کے متعدد شہروں میں گئے۔ انہوں نے وہاں کی تہذیب وتمدن، رسم ورواج، عقائد، ادب اور زبان سے گہری واقفیت حاصل کی اور پھر لاہور کو اپنا مستقل مستقر قرار دے دیا۔ صوفیاء کے نزدیک سفر کی صعوبتیں ایک مجاہدہ ہوتی ہیں جو مشاہدہ کو فروغ دیتی ہیں۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجاہدہ کو حدِ کمال تک پہنچا کر جہاں ایک طرف اپنے مشاہدہ کو فروغ دیا، وہاں مشائخ وصوفیاء کی قربت میں روحانی فیوض وبرکات کی ایک ایسی دولت جمع کی جو نہ صرف آپ کے کردار میں تصویر ہوگئی بلکہ قلم کی نوک پر آ کر "کشف المحجوب" کی صورت اختیار کرگئی۔(۸)

کشف المحجوب کے مندرجات اپنی معنویت وتاثیر میں کاملین کے لیے پیرِ کامل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے دلوں کو عرفان وایقان کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ یہ کتاب تشکیک کے دروازہ کو بند کرتی ہے، شبہات کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کی دستگیری کرتی ہے اور گمانِ ناقص کو دل سے نکال کر یقین کی دنیا آباد کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے زمان ومکان کے حجابات اٹھتے ہیں اور راہِ حق کا متلاشی اپنے نفس کو پہچان کر اپنے رب سے قرب اختیار کرتا ہے۔ اس کے دل میں باطنی نفسانی خواہشات سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور وہ ایک ایسے انسان کے طور پر اپنے باطن سے ظہور کرتا ہے کہ وہ خلق خدا کے لیے نافع اور خدا کے سامنے سرخرو ہوجاتا ہے۔(۹)

دورِ حاضر میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے افکاروتعلیمات کی اہمیت، راسخ الاعتقادی اور صوفیانہ روشن خیالی کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششوں پر انحصار رکھتی ہے۔ اس ہم آہنگی کو پیدا کرنے کی خاطر آپ نے شریعت اور طریقت میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قربان نہیں کیا بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک جدلیاتی اضافت کے موجود ہونے کے قائل ہیں۔ آپ کے نزدیک شریعت اور طریقت دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت اور طریقت کے

باہمی امتزاج کو روحانی ذات کی تکمیل کے لیے ناگزیر قرار دیا ہے۔ گویا شریعت اور طریقت کو اگر جدا کر دیا جائے تو فرد کی روحانی ذات اپنے حتمی امکانات کے حصول میں ناکام رہتی ہے۔ (۱۰)

کشف المحجوب میں انسان کو درپیش نفسی مسائل کا حل بھی موجود ہے، کیونکہ اس کتاب میں ایسا نظامِ حقائق وضع کیا گیا ہے جو بنیادی مباحث کی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو ایک ایسے راستے پر ڈال دیتا ہے جہاں نہ صرف وہ اپنی ذات میں دوام پاتا ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی ایک معیاری اور نافع انسان کے طور پر تاریخ میں زندۂ جاوید ہو جاتا ہے۔ خواجہ رضی حیدر لکھتے ہیں:

"علم اپنی اساس میں معلوم ہوتا ہے اور بتائی گئی حقیقت کا اقرار و اثبات کرتا ہے۔ یہ **Object Oriented** ہوتا ہے جبکہ تصوف انسان کی اندرونی کلیت کو گرفت میں لے کر ایک ایسی یکجائی برآمد کرتا ہے جو معرفتِ نفس کہلاتی ہے اور ارتفاعِ ذات میں معاون اور نافع ہوتی ہے۔ معرفتِ حقائق جو تعقل اور تخیل کی یکجائی میں مضمر ہے، دراصل ولایت کا اوّلین زینہ ہے اور داتا صاحب اپنی تعلیمات کے آئینہ میں ولایت کے صورت گر ہیں۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے اپنی کتاب "سوانح حیات داتا گنج بخش لاہوری" میں علم اور معرفت کو کشف المحجوب کے مندرجات کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عالم اپنے عمل کو اپنی زبان وقلم سے بیان کرتا ہے۔ جبکہ عارف اپنی معرفت کو اپنے حال اور عمل سے ظاہر کرتا ہے اور حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں علم اور معرفت کی یکجائی نے آپ کی زبان اور آپ کے حال کی مقبولیت کو ارفع منزل عطا کر دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ سے مل کر اور آپ سے کلام کر کے لوگوں کے قلوب کا قبلہ درست ہو جاتا تھا۔" (۱۱)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے صوفیانہ فکری نظام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ پہلے صوفی تھے جنہوں نے غور و فکر کو بنیاد بنا کر بذریعہ کشف انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں ایک ایسی نافع صورتحال دریافت کی ہے جو اس وقت بھی اپنے اندر جدت رکھتی تھی اور آج بھی جدید ترین اذہان کو اپنا اسیر کیے ہوئے ہیں۔ (۱۲)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں عجز و انکساری کو بنیادی اہمیت حاصل

ہے۔ وہ عجز و انکساری کی ترویج میں بسا اوقات اخفائے ذات وصفات کو بھی روا تصور کرتے ہیں۔ آپ نے "کشف المحجوب" میں "ملامت" کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے۔ جس میں فکر وتکبر کو آفت اور حجاب قرار دیا ہے۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ صوفیاء کو ایک مثالی انسان کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ بیسویں صدی کے مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل کہتا ہے کہ "بہترین انسانی خوبیوں کا اظہار صرف تصوف ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے" کشف المحجوب میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات ایک انسان کو مثالی مسلمان بنانے کا دستور العمل بھی فراہم کرتی ہیں۔

کشف المحجوب کا سارا انداز اور اسلوب ایک وضاحتی کتاب جیسا ہے جو ہر مسئلے پر جملہ تمام پہلوؤں اور افکار و مطالبِ فکر سے بھی روشنی ڈالتی ہے۔ (۱۳)

کشف المحجوب کا رویہ تنقیدی اور محاسباتی ہے۔ مصنف نے جا بجا موقع محل کی مطابقت سے کڑی تنقید سے کام لیا ہے بلکہ اسی تنقیدی حوالے سے انہوں نے کئی غلط فہمیوں کا بھی ازالہ کر دیا ہے۔ (۱۴)

"کشف المحجوب" لسانی لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل ہے۔ کتاب کے آخری ابواب اپنی علمی اور لسانی حیثیت سے بڑے اہم ہیں۔ بقول ملک الشعراء بہار "کشف المحجوب" فارسی کے سبکِ قدیم کا ایک نادر نمونہ ہے اور سامانی دَور کی نثر کے نزدیک تر ہے، اگرچہ اس سے بدرجہا بالاتر اور اصل تر ہے۔ کشف المحجوب کی زبان سعدی اور حافظ کی قدیم فارسی زبان سے ہٹ کر ملک خراسان کی زبان ہے جس کا محاورہ سمجھنے میں کافی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ مصنف نے اس زمانے کے فن تحریر کے مطابق قافیہ سنجی سے کام لیا ہے جس کی وجہ سے کتاب کی عبارات بڑی حد تک منظوم نثر کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ فارسی دان طبقہ کے لیے یہ کتاب فصاحت وبلاغت کا بیش بہا مرقعہ ہے۔ (۱۵)

کتاب کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ تصوف کے ہر مضمون کو، یہاں تک کہ وحدت الوجود اور قضا و قدر جیسے مشکل مضامین کو بھی قرآن وسنت سے ثابت کیا گیا ہے اور شریعت کے خلاف جتنے مکاتبِ فکر اور نظریات اس زمانے میں مروج تھے، سب کی تردید کر کے حقیقی اسلامی تصوف کو پیش کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلامی دنیا میں بعض باطل فرقے مثل معتزلہ

وقرامطہ، وجود میں آ چکے تھے جن کی وجہ سے چند نام نہاد صوفیوں نے غیر شرع عقائد اختیار کر رکھے تھے لیکن بقول واحد بخش سیال حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ "ایسا کلہاڑہ لے کر آئے کہ تمام باطل فرقوں کا قلع قمع کر کے تصوف کو حقیقی اسلامی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت شیخ نے اسلام کی ہر بات اور ہر رکن کے حقیقی باطنی معانی ومطالب بیان فرمائے ہیں"۔(۱۶)

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ علم الکلام کے بہت بڑے ماہر تھے۔اگرچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں جا بجا علم الکلام اور منطقی استدلال سے کام لیا ہے، تاہم آپ کے تمام فیصلے آپ کی باطنی قوت اور خداداد بصیرت کا نتیجہ ہیں۔(۱۷)

کپتان واحد بخش سیال لکھتے ہیں کہ:

"اگرچہ آپ کا ذخیرۂ کتب غزنی میں رہ گیا تھا، آپ نے اپنی بے پناہ قوتِ حافظہ اور مسائل تصوف پر عبور کی بدولت ایسی مکمل اور جامع کتاب لکھی ہے کہ جس کی برابری فن ثقافت کے ایک ہزار سالہ دورِ ارتقاء کے بعد بھی کوئی کتاب نہیں کر سکی۔حالانکہ فارسی زبان میں تصوف پر یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ماہرین فن کا قول ہے کہ پہلی کوشش کرنے والا ہمیشہ پُر خار راستے سے گزر کر، آنے والی نسلوں کے لیے راہ ہموار کرتا ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ حضرت مصنف کی یہ پہلی کتاب ایک ہزار سال کے فنی ارتقاء کے باوجود بھی اب تک آخری کتاب یا حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے"۔(۱۸)

"کشف المحجوب" ایک جامع تصنیف ہے اور اس کے مضامین کی تازگی اور موضوعات کی جامعیت آج بھی برقرار ہے۔روسی مستشرق ژوکوفسکی نے کشف المحجوب کو حضرت سید علی ہجویری کا شاہکار قرار دیا ہے اور مشہور مستشرق نکلسن نے تصوف کو بطورِ نظام مدوّن کرنے کا سہرا اس کتاب کے سر باندھا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی "تاریخ مشائخ چشت" دہلی، بارِ اول ۱۹۵۳ء، ص ۹۸۔۹۹

۲۔ صاحبزادہ میاں سلیم حماد "دیباچہ کشف المحجوب" مشمولہ مجلہ معارفِ اولیاء، جلد ۵، شمارہ ۱، لاہور، مرکز

معارف اولیاء، مارچ ۲۰۰۷ء۔

۳۔ قاضی جاوید "سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں چند باتیں" مشمولہ، معاصر انٹرنیشنل (لاہور) جولائی ۲۰۰۵ء، ص ۵۷ تا ۷۳

"داتا صاحب" (حیات و افکار) ترتیب و تدوین: محمد اکرام چغتائی، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷، ص ۴۰۱۔

۴۔ صوفی سکندر شیخ، مضمون "حضرت مخدوم سید ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ۔۔۔ رشد و ہدایت اور علم وحلم کے پیر" مشمولہ "داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ" محمد اکرام چغتائی، ص ۴۴۵۔

۵۔ قاضی جاوید "سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں چند باتیں" مشمولہ "داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ"، ص ۳۹۰، ۳۹۱۔

۶۔ صوفی سکندر شیخ، مضمون "حضرت مخدوم سید ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رشد و ہدایت اور علم وحلم کے پیر"، ص ۴۳۵ تا ۴۳۷۔

۷۔ خواجہ رضی حیدر، مضمون "داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ" مشمولہ "داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ"، ص ۴۵۱۔

۸۔ ایضاً، ص ۴۵۴

۹۔ ایضاً، ص ۴۵۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۴۵۶۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۵۷۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۵۷۔

۱۳۔ محمد علی چراغ "کشف المحجوب" مشمولہ "معارف اولیاء"، جلد ۵، شمارہ ۱، ص ۲۰۷۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۰۸۔

۱۵۔ کپتان واحد بخش سیال، "مقدمہ از شارح" مشمولہ "معارف اولیا"، جلد ۵، شمارہ ۱، ص ۱۴۳۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۴۳۔ ۱۴۴۔

۱۷۔ حضرت شہید اللہ فریدی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ کپتان واحد بخش سیال "مقدمہ از شارح" مشمولہ "مجلہ معارف اولیا"۔ جلد ۵، شمارہ ۱، ص ۱۴۷۔

۱۸۔ کپتان واحد بخش سیال، "مقدمہ از شارح" مشمولہ "معارف اولیا"، ص ۱۴۳۔

کشف المحجوب اور ردِّ بدعات

علامہ محمد صدیق ہزاروی

اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کیلئے اپنے فضل و کرم سے انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اس سلسلے کی آخری کڑی امام الانبیائ، سید المرسلین، حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والاصفات کو قرار دے کر آپ کو ختمِ نبوت کے تاج سے سرفراز فرمایا۔ بنابریں آپ کے منصب جلیل کی تمام ذمہ داریوں کو امت کے صلحاء کی طرف منتقل فرمادیا۔ یہ صلحاء وہ علمائے دین ہیں جو علم و فضل کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ کے زیور سے مرصّع ہوتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ لوگ ان زاہدین امّت پر مشتمل جماعت ہے جو علم کی دولت سے بھی مالا مال ہوتے ہیں۔ خواہ وہ علم وہبی ہو یا کسبی۔

منصب نبوت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں تین امور کا ذکر فرمایا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ (۱)

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں، انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنِ مجید کی تلاوت فرما کر اسے پڑھنے کا طریقہ بھی بتایا، ان لوگوں کے دلوں کو بُرے اخلاق کی آلائشوں، جاہ پرستی اور محبتِ دنیا کی نجاست سے پاک بھی فرمایا اور کتاب و حکمت کی تعلیم بھی مرحمت فرمائی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال اور ظاہری دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہ اہم ذمہ

داری ان نفوسِ قدسیہ کو سونپ دی گئی جو ایک طرف علمی دنیا کے چراغ ہیں تو دوسری جانب زہد و تقویٰ کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ نہ وہ جہالت کی وادیوں میں بھٹکتے ہیں اور نہ ہی بد عملی کے دلدل کے قریب جاتے ہیں۔ گویا یہ لوگ اعمالِ صالحہ کے مرقع علمائے دین ہیں۔

البتہ فرق یہ ہے کہ جہاں تزکیہ وتطہیر کا عمل غالب ہوا اور علمی گتھیاں سلجھانے کی طرف توجہ زیادہ نہ ہوئی وہاں یہ لوگ اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اور صوفیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم کے عظیم لقب سے ملقب ومعروف ہوئے اور جہاں کتاب وسنت کی روشنی میں علومِ دینیہ کے بحرِ بے کنار کی شناوری اور صحرانوردی غالب آئی وہاں وہ علمائے کرام کے نام سے زبانِ زدِ خلق ہوئے۔

اسی بنیاد پر سید الاولیاء مخدومِ امم سیدِ ہجویر حضرت علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ علومِ دینیہ میں ایک ارفع و اعلیٰ مقام کے حامل ہونے کے باوجود صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کی صفوں میں شامل ہوئے پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ علمِ دین کی اشاعت وتبلیغ کو بھی اپنا فرضِ منصبی سمجھا لیکن زیادہ تر توجہ تزکیہ وتطہیر قلوب کی طرف رہی۔

صلحائے امت چاہے صوفیاء کے زمرے میں شامل ہوں یا علمائے دین کے گروہ میں شمار ہوں، ان کا عمل اور وعظ وتبلیغ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے اور وہ اس سے سرِ مُو انحراف نہیں کرتے اس لیے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اسی اندازِ تربیت وتبلیغ کو اپنایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو واضح الفاظ میں اپنی اور اپنے مقربین صحابہ کرام کی سنت اپنانے اور بدعات سے اجتناب کی تعلیم دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

او صیکم بتقوی اللہ عزوجل والسمع والطاعة وان کان عبدا حبشیا فانه من یعش منکم بعدی فیریٰ اختلافا کثیراً فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ

میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور (حکمرانوں کی بات) سننے اور ماننے کی نصیحت کرتا ہوں اگرچہ وہ (حکمران) حبشی غلام ہو (بشرطیکہ خلاف شریعت حکم نہ دے) بے شک تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس (اس وقت) تم پر میری سنت اور

وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة۔(۲)

میرے ان خلفاء کی سنت اختیار کرنا لازم ہے جو رشد و ہدایت کے زیور سے آراستہ ہیں اس سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور نئے امور سے بچنا کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر (بری) بدعت گمراہی ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے اس حدیث میں جہاں دیگر باتوں کا حکم دیا وہاں تقویٰ کی راہ اختیار کرنے، سنت پر عمل پیرا ہونے اور بدعات سے اجتناب کا خاص طور پر حکم دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر تقویٰ حاصل ہو جائے تو انسان سنتِ رسول ﷺ کو اپنی زندگی کا مطمح نظر بناتا ہے اور بدعات سے اجتناب کی راہ اختیار کرتا ہے، سنت اور بدعت کا صحیح مفہوم تلاش کرنے اور اسی کو پیش نظر رکھنے کی کوشش بھی کرتا ہے ورنہ تقویٰ سے خالی انسان اللہ تعالیٰ کے خوف سے بے نیازی کی وجہ سے ہر اصطلاح کی من مانی تاویل کرتا ہے اور یوں اس کی یہ ہوس اور خواہشات کی اتباع بے شمار خرابیوں کو جنم دیتی ہیں۔

چونکہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک ولی کامل ہیں اور ولی کے لئے ایمان و تقویٰ دونوں باتیں ضروری ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝(3)

"سنو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے دوست (اولیاء کرام) ہر خوف و غم سے بے نیاز ہیں اور یہ لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔"

لہٰذا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے سنتِ رسول اور بدعات کی صحیح تعبیر و مفہوم کو سامنے رکھا اور خلق خدا کو رسول اکرم ﷺ کا یہ پیغام سنایا آپ کا وعظ و تبلیغ بالخصوص آپ کی معروفِ زمانہ تصنیف "کشف المحجوب" اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ چنانچہ آپ پیوند لگے کپڑوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ پیوند لگے کپڑے پہننا صوفیا کا شعار اور سنت نبوی ﷺ ہے، حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بلباس الصوف تجدون حلاوۃ الایمان فی قلوبکم — تم پر اونی لباس لازم ہے اس سے تم اپنے دلوں میں ایمان کی مٹھاس پاؤ گے۔ (۴)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اُونی لباس پہننے کی ایک وجہ صوفیاء کا شعار اور دوسری وجہ سنّت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا اور یہ بات واضح ہے کہ صوفیاء کرام بھی سنّت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ کر اونی لباس پہنتے تھے۔"

اس قول میں آپ نے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی طرف توجہ دلائی اور دوسرے مقام پر بدعت کا نہایت شدید الفاظ میں رڈ فرمارہے ہیں جب آپ کے دور میں صوفیائے کرام اونی لباس کم پہننے لگے تو آپ نے اس کی وجوہات ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"اس دور میں پشم کا لباس کم پہننے کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ پشم مشکوک ہوگئی ہے اور وہ اس طرح کہ جانور چوری چکاری اور لوٹ مار میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے رہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بدعتیوں کی ایک جماعت نے بھی اونی لباس پہننا شروع کر دیا اور اہلِ بدعت کی مخالفت ضروری ہے چاہے اس سے خلافِ سنّت کیوں نہ ہو رہا ہے۔" (۵)

آپ نے بدعت کے خلاف اتنا سخت ردِ عمل ظاہر فرمایا کہ اُونی لباس کم پہننے کی ایک وجہ اہلِ بدعت کی مخالفت قرار دیا حالانکہ اُونی لباس پہننا بدعت نہ تھا لیکن آپ نے اہلِ بدعت کے اعمال (جو فرض یا سنّت مؤکدہ کے درجہ میں نہ ہوں) سے بھی اجتناب کرنے کی تلقین کی حتٰی کہ فرمایا اگرچہ اس صورت میں خلافِ سنّت بھی ہو رہا ہو لیکن اہلِ بدعت کی مخالفت ضروری ہے ورنہ اہلِ بدعت کی حوصلہ افزائی ہو گی اور بدعات کا دروازہ کھل جائے گا۔

اس سے پہلے کہ "کشف المحجوب" کی ورق گردانی کر کے بدعات کے خلاف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے اقوالِ زریں کو منظر عام پر لایا جائے، سنّت و بدعت کا صحیح مفہوم پیش نظر رکھنا ضروری ہے اس لئے اولاً سنت و بدعت کا صحیح مفہوم ہدیۂ قارئین ہے۔

سنت کا لغوی معنیٰ "طریقہ" ہے اور اصطلاح میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ عمل جو امت پر واجب نہ ہو سنت کہلاتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وسنت بمعنی سیرت و طریقهٔ مسلوکه در دین آمده و بمعنی آنچه موا ظبت کرده بر آن حضرت پیغمبر صلی الله علیه وسلم بے وجوب۔ (۶)

سنّت، سیرت اور اس طریقہ کے معنیٰ میں ہے جس پر لوگ دین کے حوالے سے چلتے ہیں اور یہ کہ رسول اکرم ﷺ نے وہ کام ہمیشہ کیا ہو لیکن واجب نہ ہو۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل بھی سنّت ہے جیسا کہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سنت کو آئینی حیثیت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ۔ (۷)

"اور رسول اکرم ﷺ تمہیں جس بات کا حکم دیں اسے بجالاؤ اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔"

گویا رسول اکرم ﷺ کے امر و نہی پر عمل کرنا لازمی ہے لیکن بعض ایسے امور ہیں جن کے بارے میں آپ نے حکم دیا نہ منع فرمایا تو وہ امور اگر آپ کی تعلیمات اور سنّت کے خلاف نہ ہوں تو سنّت کے زمرے میں شمار ہوں گے ورنہ بدعت کہلائیں گے۔

بدعت کے بارے میں امام علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری لکھتے ہیں:

بَدَعَ ...... بدع الشئی یبدعه بدعاً وابتدعه۔ انشأه وبدأه۔

بدع اور ابتدع کا معنیٰ کسی چیز کو وجود میں لانا اور اس کا آغاز کرنا ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

البدع الشئی الذی یکون اولاً۔

وہ چیز جو پہلی مرتبہ وجود میں آئی ہو۔

اس پر وہ قرآن مجید سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی التنزیل "قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ" (۸)

آپ فرمادیں میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔

اى ما كنت اول من المرسل قد ارسل قبلى رسل كثير۔

"میں پہلا رسول نہیں ہوں مجھ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے گئے ہیں۔"

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

البدعة ۔۔۔۔ الحدث وما ابتدع من الدين بعد الاكمال

بدعت دین میں ایسا نیا کام جو اس کی تکمیل کے بعد پیدا ہوا ہو۔

ابن السکیت نے کہا:

البدعة كل محدثة

بدعت ہر نئے کام کو کہتے ہیں۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان (باجماعت تراویح) کے بارے میں فرمایا:

نعمت البدعة هذه

یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔"(۹)

بدعت کے حوالے سے اب تک جو کچھ کہا گیا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بدعت صرف اور صرف نو پید کام کو کہتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کام اچھا ہے یا برا؟

چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا خلفاء راشدین کے سنہری دور کے بعد جاری ہونے والے کام اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی، اس لیے علمائے کرام نے بدعت کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:۔

چنانچہ ابن الاثیر نے فرمایا:

البدعة بدعتان بدعة هدى وبدعة ضلال فما كان فى خلاف ما امر الله به ورسوله صلى الله عليه وسلم فهو فى حيز الذم والانكار وما كان واقعا تحت عموم ماندب الله اليه وحض عليه او رسوله فهو فى حيز المدح وما لم يكن له مثال موجود كنوع من الجود والسخاء وفعل المعروف

"بدعت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ بدعتِ ہدایت۔ ۲۔ بدعتِ ضلال (گمراہی) پس جو (نیا کام) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو وہ قابلِ مذمت ہے اور جو نیا کام ان امور کے عموم کے تحت ہو جن کی طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دی اور ان کی ترغیب دی وہ (بدعت) قابل تعریف ہے اور جس کیلئے کوئی مثال موجود نہ ہو جس طرح کسی قسم

فهو من الافعال المحمودة ولا يجوز ان يكون ذلك فى خلاف ما ورد به الشرع لان النبى صلى الله عليه وسلم قد جعل له فى ذلك ثواباً۔

کی سخاوت یا اچھا کام تو وہ بھی (نیا ہونے کے باوجود) قابل تعریف افعال میں سے ہے اور یہ عمل خلافِ شریعت نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس پر ثواب کا ذکر فرمایا ہے۔"(۱۰)

اس سلسلے میں انہوں نے معروف حدیث نقل کی ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من سن فى الاسلام سنة حسنة فعمل به بعده كتب له مثل اجر من عمل بها ولا ينقص من اجورهم شئى ومن سن فى الاسلام سنة سيئة فعمل بها بعده كتب عليه مثل وزر من عمل بها ولا ينقص من اوزارهم شئى۔(۱۱)

جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا کام جاری کیا پس اس پر عمل کیا گیا تو اس کیلئے عمل کرنے والے کا اجر ہے اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے، خود ان کے اجر سے بھی کم نہ ہوگا اور جو شخص اسلام میں کوئی برا کام جاری کرے اور اس پر عمل کیا جائے اس پر عمل پیرا ہونے والوں کے گناہ کی مثل گناہ ہے ہے جبکہ خود ان کے گناہ میں بھی کمی نہ ہو گی۔

اس بات کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں سرکار دوعالم ﷺ نے واضح الفاظ میں بدعت کی تقسیم فرمائی ہے آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

ومن ابتدع بدعة ضلالة لا يرضاها الله ورسوله كان عليه من الاثم مثل اثام من عمل بها لا ينقص ذلك من اوزار الناس شيئا۔(۱۲)

جو شخص گمراہی والی بدعت جاری کرے جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ راضی نہ ہوں تو اس شخص پر ان لوگوں کے گناہ کے مثل گناہ ہوگا جو اس (بدعت) پر عمل کریں گے اور لوگوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے جہاں اس بات کو واضح فرمایا کہ ہر بدعت "بدعت ضلالۃ" نہیں ہوتی وہاں "بدعۃ ضلالۃ" کا مفہوم بھی واضح کیا کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کو پسند نہ ہو وہ بدعتِ ضلالہ ہے گویا جو کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہو اگرچہ وہ رسول اکرم ﷺ کی سنت کے طور پر جاری نہ ہوا، وہ اس اعتبار سے تو بدعت ہوگا کہ نیا کام ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہونے کی وجہ سے وہ "بدعت حسنہ" ہے۔

چنانچہ ابن الاثیر اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیامِ رمضان کو بدعت کیوں قرار دیا، فرماتے ہیں۔

ومن هذا النوع قول عمر رضي الله عنه "نعمت البدعة هذه" لما كانت من افعال الخير و داخلة في حيز المدح سماها بدعة ومدحها لان النبي صلى الله عليه وسلم لم يسنها لهم وانما صلاها ليالي ثم تركها ولم يحافظ عليها ولا جمع الناس لها ولا كانت في زمن ابي بكر وانما عمر جمع الناس عليها وندبهم اليها فبهذا هذا سماها بدعة وهي على الحقيقة سنة لقوله عليه السلام عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي۔ (۱۳)

"اس نوع سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے "نعمت البدعة هذه" (یہ کتنی اچھی بدعت ہے) جب یہ اچھے کاموں میں سے ہے اور مدح کے مقام میں داخل ہے تو اس کو بدعت کہہ کر اس کی تعریف بھی فرمائی کیوں کہ حضور ﷺ نے اس کو بطورِ سنت جاری نہیں فرمایا آپ ﷺ نے چند راتیں یہ نماز پڑھی پھر اسے چھوڑ دیا اور اس کی محافظت نہیں کی اور نہ ہی اس کیلئے لوگوں کو جمع کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے لوگوں کو جمع کیا اور ان کو دعوت دی اس بنیاد پر اسے بدعت کہا گیا در حقیقت یہ سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا تم پر میری اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔

یہاں ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلفاء راشدین کے طریقہ کو سنت قرار دیا لہٰذا ان کا جاری کردہ طریقہ بدعت نہیں ہوگا جبکہ دوسرے لوگوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

تو اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود اس عمل کو بدعت سے تعبیر کیا۔ گویا نیا ہونے کی وجہ سے بدعت ہے حقیقت میں سنت ہے اور دوسرا یہ کہ حدیث شریف میں "من سن فی الاسلام (الخ)" فرمایا (حدیث پہلے گذر چکی ہے) تو اس میں لفظ "مَنْ" فرما کر عموم کی طرف اشارہ کیا گویا جو بھی اسلام میں اچھا کام جاری کرے وہ اجر و ثواب کا مستحق ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو اور کسی بھی زمانے سے تعلق رکھتا ہو۔

ایک دوسری حدیث شریف سے بھی بدعت کی اس تقسیم کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رَدٌّ (۱۴)

"جس شخص نے اسلام میں ایسا کام جاری کیا جس کو دین کی سند حاصل نہ ہو وہ مردود ہے۔"

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمعنیٰ ان من احدث فی الاسلام رایا لم یکن له من الکتاب و السنة سند ظاهر اوخفی ملفوظ اور مستنبط فهو مردود۔ (۱۵)

جس نے اسلام میں ایسی رائے ظاہر کی جسے کتاب وسنت سے ظاہری یا خفی، لفظی یا اجتہادی سند حاصل نہ ہو وہ مردود ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

وفی قوله ما لیس منه اشارة الی ان احداث مالا ینازع الکتاب و السنة لیس بمذموم۔ (۱۶)

"اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول ما لیس منه" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس عمل کا جاری کرنا جو کتاب وسنت سے ٹکراتا نہ ہو، مذموم نہیں۔"

یہ بات واضح ہے کہ جب حدیث میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بدعت

مذمومہ کو بدعتِ ضلالہ سے مقید کیا گیا تو جس حدیث میں "کل بدعة ضلالة" فرمایا گیا ہے، وہاں بدعت سیئہ مراد ہے مطلق بدعت کو گمراہی قرار نہیں دیا گیا۔

ابن منظور افریقی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

وعلى هذا التأويل عمل الحديث الآخر "كل محدثة بدعة" انما يريد ما خالف اصول الشريعة ولم يوافق السنة واكثر ما يستعمل المبتدع عرفاً فى الذم۔ (۱۷)

اس تاویل کی بنیاد پر (کہ جو عمل خلافِ سنت ہے وہ بدعتِ مذمومہ ہے) دوسری حدیث جس میں "كل محدثة بدعة" فرمایا گیا کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے مراد وہ نیا عمل ہے جو اصولِ شریعت کے خلاف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو اور عرف میں عام طور پر بدعت کا استعمال قابلِ مذمت امور کیلئے ہوتا ہے۔"

درحقیقت اسلام ایک عالم گیر اور ہر دور کیلئے قابل عمل دین ہے اور جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا اور مادی اعتبار سے ترقی کرتا جائے گا تو اسلامی تہذیب کی روح برقرار رہتے ہوئے طور طریقے بدلتے جائیں گے تو اس صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ دین کے حوالے سے جو نیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ اصولِ شریعت کے خلاف تو نہیں اگر وہ دین کے خلاف ہوگا تو واقعی بدعت اور قابلِ مذمت ہوگا اور اگر خلافِ شریعت نہ ہو، قرآن وسنت سے ٹکراتا نہ ہو تو وہ عمل نیا ہونے کے باوجود سنت کے زمرے میں آئے گا اسی بنیاد پر علمائے کرام نے بدعت کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی کتاب "القواعد البدعة" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بدعت کی درج ذیل اقسام ہیں:۔

۱۔ بدعتِ واجبہ .... جیسے علم نحو کی تعلیم حاصل کرنا تا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام (قرآن و سنت) کو سمجھا جا سکے۔ نیز اصولِ فقہ کی تدوین اور راویوں کی چھان پھٹک کیلئے جرح و تعدیل ے اصول کی تدوین ....

۲۔ بدعتِ محرمہ (حرام بدعت)...... جس طرح جبریہ، مرجیہ، قدریہ، مجسمہ (۱۸) وغیرہ کا

مذہب، جبکہ ان لوگوں کا رد، بدعتِ واجبہ ہے کیونکہ ان بدعات سے شریعت کی حفاظت فرض کفایہ ہے۔

۳۔ بدعتِ مندوبہ (مستحب بدعت)...... سرائے اور مدارس وغیرہ اور ہر وہ اچھا عمل جو پہلے دور میں نہ تھا جیسے تراویح کی جماعت اور صوفیاء کا دقیق کلام میں گفتگو کرنا۔

۴۔ بدعتِ مکروھہ...... جیسے مساجد کی زیب و زینت اور قرآن مجید کی اچھی طباعت وغیرہ۔

نوٹ: یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مباح ہے۔

۵۔ بدعت مباحہ.................صبح اور عصر کی نماز کے بعد نمازیوں کا باہم مصافحہ کرنا، اچھے اچھے کھانے کھانا اور مشروبات نوش کرنا۔(۱۹)

ہم نے بدعت کی بحث کو قدرے تفصیل سے اس لئے ذکر کیا تاکہ بدعت کا صحیح مفہوم پیش نظر رہے اور اس کے پس منظر میں احادیث مبارکہ کو دیکھا جائے۔

بدعت سے متعلق درج بالا گفتگو کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ صوفیاء کرام نے بدعات کا رد کرتے ہوئے اسی ضابطے کو سامنے رکھا اور جو امور قرآن وسنّت کے خلاف پائے ان کا رد بلیغ فرمایا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بدعات کے رد میں درج ذیل دو طریقے اختیار کیے ہیں:

۱۔ مختلف امور میں سنّت طریقہ بیان کرنے پر اکتفا کیا اور اس کی ضد کا ذکر نہیں کیا کیوں کہ "تعرف الاشیاء باضدادھا" کے تحت جب یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کام میں سنّت طریقہ یہ ہے تو خلافِ سنّت (بدعت مذمومہ) کی بھی پہچان خود بخود ہو جاتی ہے۔

۲۔ براہِ راست ان خرابیوں کا ذکر کر کے ان کا رد کیا جو قولاً یا فعلاً بدعات کے زمرے میں آتی ہیں۔ مثلاً جب وہ فرماتے ہیں:

"ذاتِ الٰہی کے علم کا منشا یہ ہے کہ عاقل و بالغ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ازل سے موجود ہے اس کی ذات غیر محدود ہے اس کے لیے کوئی مکان ہے اور نہ جہت"۔(۲۰)

تو اس میں وہ مجسمہ فرقے کا رد کرتے ہیں جن کا عقیدہ اس بدعت کا شکار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے معاذ اللہ جسم اور اس کے تقاضے جہت وغیرہ ثابت ہیں۔

اسی طرح وہ معتزلہ اور دیگر فرقوں کے عقائد میں در آنے والی بدعات کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الف)۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم یہ ہے کہ انسان صدقِ دل سے یہ سمجھے کہ صفاتِ الٰہی جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں نہ وہ عین ذات ہیں نہ اس کی ذات کا جزو ہیں، یہ صفات اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور اس کی ذات خود بخود قائم ہے۔(۲۱)

اس عبارت کے ذریعے انہوں نے نصاریٰ کا رد کیا کیوں کہ جب صفاتِ باری تعالیٰ اس کی ذات کا غیر نہیں تو غیر کا قدیم ہونا لازم نہیں آئے گا اور نہ ہی قدیم کی کثرت لازم آئے گی جبکہ نصاریٰ "اقانیمِ ثلثه" یعنی وجود، علم اور حیات کو ثابت کر کے ان کا نام "اب" (باپ)، "ابن" (بیٹا) اور "روح القدس" (جبریل امین) رکھتے ہیں۔(۲۲)

اسی طرح حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے معتزلہ اور فلاسفہ کا رد کیا کیونکہ کہ معتزلہ اور فلاسفہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرتے ہیں اور فرقہ کرامیہ کا رد کیا (۲۳) کیوں کہ وہ صفات باری تعالیٰ کے قدیم ہونے کی نفی کرتے ہیں۔(۲۴)

ب۔ وہ فرماتے ہیں: "اس (اللہ) کے افعال کے اثبات کا علم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق اور اس کے افعال کا خالق ہے۔"(۲۵)

اس عبارت میں وہ معتزلہ کی اس بدعت کا رد فرماتے ہیں کہ مخلوق اپنے افعال کی خود خالق ہے جبکہ اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ وہ ہے جسے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا اور عقائد کی کتابوں میں ذکر کیا گیا کہ بندہ اپنے افعال کا کاسب ہے اس کا اور اسکے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔(۲۶)

سوفسطائیہ حقائق اشیاء کا انکار کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کے تین گروہ ہیں۔

۱۔ عنادیہ۔ یہ فرقہ حقائق اشیاء کا انکار کرتا اور اسے وہم اور خیالاتِ باطلہ خیال کرتا ہے۔

۲۔ عندیہ۔ یہ فرقہ حقائق اشیاء کو ثابت نہیں مانتا بلکہ ان کو اعتقاد کے تابع خیال کرتا

ہے حتیٰ کہ اگر ہم کسی چیز کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ جوہر ہے تو وہ جوہر ہی ہوگا۔

۳۔ لاادریہ۔ یہ فرقہ شکوک وشبہات کا شکار ہے (۲۷)۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے ان کے بدعات پر مبنی عقائد کا رد فرمایا۔آپ فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ سوفسطائیہ کے نام سے ملحدین کا ایک گروہ ہے اس کا خیال ہے کہ ہمیں چیزوں کا صحیح علم ہونا محال ہے ان کے نزدیک علم بالذات کوئی چیز نہیں۔ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ کسی چیز کا علم حاصل نہیں ہوسکتا یہ بات صحیح ہے یا غلط؟ اگر ان کا جواب ہو کہ صحیح ہے تو علم خود بخود ثابت ہوگیا اور اگر وہ کہیں کہ غلط ہے تو غلط بات کو بحث ومناظرہ کی بنیاد بنانا ہی درست نہیں۔(۲۸)

اہلِ علم جس دولت سے مالامال ہیں وہ تواضع اور عجز کی راہ دکھاتی ہے لیکن جب اہلِ علم میں غرور پیدا ہو جائے تو یہ انداز سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہیں بلکہ بدعت ہے۔حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایسے لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مجھے ایک ایسے علم کے دعویدار سے واسطہ پڑا جس نے غرورِ نفس کا نام عزتِ علم، نفسانی متابعت کا نام سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیطان کی موافقت کا نام سیرت آئمہ رکھ لیا تھا۔ دورانِ گفتگو اس نے کہا کہ ملحدوں کے بارہ گروہ ہیں اور ان میں سے ایک اہلِ تصوف میں ہے۔میں نے اس سے کہا کہ اگر ایک گروہ اہلِ تصوف میں ہے تو باقی گیارہ تم لوگوں میں سے ہیں،صوفیاء اس ایک گروہ سے اپنے آپ کو بچالیں گے تم لوگ اپنی فکر کرو۔"(۲۹) —

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے الزامی جواب دے کر اس مغرور عالم کا سر جھکا دیا۔دراصل آپ نے یہ بتایا کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق علم اور تصوف دو الگ الگ چیزیں نہیں اور صوفی وعالم میں فرق نہیں ہوگا۔طریقت وشریعت میں چولی دامن کا ساتھ ہے لہٰذا یہ فکر کہ تصوف کے نام پر علماء کی مخالفت کی جائے اور علم کے نام پر صوفیاء کا رد کیا جائے بدعت پر مبنی عقیدہ ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے غافل علماء، مکار فقراء اور جاہل صوفیاء کا شدید رد کرکے دراصل ان بدعات کا رد کیا جو اِن لوگوں کے عمل میں داخل ہوئیں۔آپ فرماتے ہیں:

"غافل علماء وہ ہیں جنہوں نے اپنے دل کا قبلہ دنیا کو بنا رکھا ہے،شریعت میں

رخصتوں اور آسانیوں کی تلاش میں رہتے ہیں، بادشاہوں کے حواری و پجاری ہیں اور ان کی سرکار و دربار کے طواف کو وظیفۂ حیات سمجھتے ہیں، مخلوق میں جاہ و مرتبہ ان کے نزدیک معراج ہے، فخر و غرور کی بدولت اپنی چالاکی اور عیاری پر فخر کرتے ہیں، زبان و بیان میں تکلف و بناوٹ سے کام لیتے ہیں۔" (۳۰)

آگے چل کر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ :

"علماء کرام کا یہ طریقہ علم کی عظمت و شان کے منافی ہے۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "الغرض یہ ساری باتیں علم کے دائرے سے باہر ہیں، علم تو ایسی نعمت ہے جس سے اس قسم کی تمام جاہلانہ باتیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔" (۳۱)

گویا آپ نے واضح کیا کہ علماء کا یہ اندازِ فکر اور یہ وطیرہ ایک بدعت ہے۔ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

اسی طرح حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فقیری کے روپ میں منافقت سے کام لینے والے بدعتی پیروں کی مذمت کرتے ہیں اور اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

"مکار فقیر وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کی مرضی کے مطابق کام کرے، چاہے وہ کام غلط ہی کیوں نہ ہو تو وہ اس کی تعریف کرتے ہیں اور اگر وہ کام ان کی منشاء کے خلاف ہو، چاہے وہ اپنی جگہ حق و صداقت پر مبنی کیوں نہ ہو تو اس کی مذمت و برائی کرتے ہیں۔ جاہ و مرتبے کی صورت میں یہ لوگ اپنی کارگزاری کا صلہ چاہتے ہیں اور بڑے کاموں پر بھی منافقت سے کام لیتے ہیں۔" (۳۲)

فقر کے نام پر بدعات کے مرتکبین کا جو نقشہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا، یقیناً یہ طریقہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔ کیونکہ سنت یہ ہے کہ حق بات کہی جائے چاہے وہ انسان کی مرضی کے مطابق ہو یا اس کے خلاف؟ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجات دینے والے تین امور کا ذکر کرتے ہوئے ہر حالت میں حق بات کہنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثلث منجيات و ثلاث مهلكات فاما المنجيات فتقوى الله فى السر والعلانية والقول بالحق فى الرضا والسخط والقصد فى الغنى والفقر واما المهلكات فهوى متبع وشح مطاع واعجاب المرء بنفسه وهى اشد هن (۳۳)

تین کام نجات دینے والے اور تین باتیں ہلاکت خیز ہیں۔ نجات دینے والے کام یہ ہیں: خلوت وجلوت (ہر حال) میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، خوشی اور ناخوشی (دونوں صورتوں) میں سچی بات کہنا، مالداری اور فقر میں اعتدال کی راہ اختیار کرنا۔ ہلاکت خیز باتیں یہ ہیں: ایسی خواہش جو انسان کو اپنے پیچھے لگا لے، ایسا لالچ جس کی اطاعت کی جائے اور انسان کا اپنی ذات پر تکبر کرنا اور یہ سب سے زیادہ سخت ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف میں داخل ہونے والی بدعات کی نشاندہی کی طرف خاص توجہ دی ہے۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جاہل صوفی وہ ہے جس نے کسی شیخ کی صحبت حاصل نہ کی ہو اور اسے کسی پیر سے ادب سیکھنے کا موقعہ نہ ملا ہو نہ اس زمانے کے نشیب وفراز کا تجربہ حاصل کیا ہو، یونہی سبز لباس پہن کر اپنے آپ کو صوفیاء میں گنوانے لگا ہو۔ (۳۴)

اسی طرح آپ نے اہلِ تصوف کی تین اقسام (صوفی، متصوف، مستصوف) بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کی مذمت کی جو سنت طریقے پر راہِ صفا اختیار نہیں کرتے بلکہ انہوں نے اس عظیم منصب کو بدعات کی گندگی سے ملوث کر رکھا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مستصوف (خود ساختہ صوفی) وہ ہے جو دنیوی مال ومتاع کے حصول اور جاہ و مرتبہ کے لالچ میں صوفیاء کی نقالی کر رہا ہو اسے نہ تو مندرجہ بالا دو گروہوں (صوفی اور متصوف) سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی اسے طریقت کے بارے میں کوئی ادنیٰ سی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

المستصوف عند الصوفية كالذباب وعند غيرهم كالذئب۔

" مستصوف، صوفیاء کے نزدیک مکھی کی مثل ہے اور غیر صوفیا (عوام) کیلئے بھیڑیا ہے۔"

صوفیاء متصوف کو مکھی سے اس لئے تشبیہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ صوفیاء کی نقالی ہوا وہوس کی خاطر کرتے ہیں اور عوام کے لیے اس لئے بھیڑئیے ہیں کہ بھیڑئیے کا کام بھی چیرنا پھاڑنا اور مردار کھانا ہے۔" (۳۵)

درج بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے علماء، فقراء اور صوفیاء کی اصلاح کی طرف زیادہ توجہ دی اور ان کی فکر اور عمل میں پائے جانے والی بدعات کا ردّ بلیغ فرمایا۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہی وہ طبقات ہیں جو قوم کے مقتداء اور پیشوا ہیں اور ان کا عمل عوام النّاس کے لیے دلیل و حجت بنتا ہے۔

جب علماء علم کے حوالے سے، فقراء فقر کی نسبت سے اور صوفیاء تصوف کے نام پر تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر انداز کر کے جاہ طلبی اور زر پرستی کا شکار ہو جائیں تو یقیناً یہ طریقہ بدعت ہی نہیں بدترین بدعت ہے کیونکہ اس سے عوام النّاس کے بھٹکنے کی راہیں کھلتی ہیں۔

تصوف کا بنیادی مقصد قلب و نظر کی تطہیر و تزکیہ ہے اور خرقہ خلافت کے حصول کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت پر عمل پیرا ہو کر خلق خدا کی اصلاح کی جائے لیکن جب مقصد محض مریدین کی تعداد بڑھانا ہو تو ظاہر بات ہے کہ یہ طریقہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت کے زمرے میں آتا ہے اور حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے ایسے لوگوں کی منافقت کا پردہ بھی چاک کیا، تاکہ آنیوالی نسلوں کو بھی علم ہو کہ یہ انداز (جو آج کے دور میں پہلے سے کہیں زیادہ عروج پر ہے) حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نہایت قبیح ہے کیونکہ یہ راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور قرآن و سنت سے ٹکراتا ہے اس سلسلے میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ میں اپنے مرشد کے ہمراہ آذربائیجان کے علاقہ سے گذر رہا تھا کہ میں نے دیکھا دو تین گدڑی پوش فقراء گندم کے ایک کھلیان پر اپنے اپنے خرقے کے دامن پھیلائے کھڑے ہیں تاکہ کاشتکار اس میں گندم ڈال دے مرشد کی نگاہ ان پر پڑی تو پکار اٹھے۔"

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَٰلَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَٰرَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ (۳۶)

"یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خریدا پس ان کو تجارت نے کوئی نفع نہ دیا اور وہ (تجارت کی) راہ ہی نہیں جانتے تھے۔"

میں نے کہا حضور! یہ لوگ اس مصیبت میں کیوں گرفتار ہوئے؟ اور مخلوق کیلئے باعث ذِلت بنے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان کے پیروں کو مرید بڑھانے کا حرص ہے اور انہیں متاعِ دنیا جمع کرنے کی لالچ، اور حرص کوئی بھی ہو دوسری حرص سے بہتر نہیں اور بے حقیقت دعویٰ ہوس پروری نہیں تو اور کیا ہے۔ (۳۷)

آج مخدومِ امم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُر انوار اور اس کے گرد و نواح کا منظر آپ کی تعلیمات کی نفی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ مزارات پر حاضری جو مستحسن عمل تھا، بزرگانِ دین کا تبرک جو اچھی سوچ کے تحت حاصل کیا جاتا تھا، مردوں اور عورتوں کے اختلاط، شکم پروری اور بے شمار خرابیوں کا ذریعہ بن گیا ہے رزق کی بے حرمتی، نماز سے غفلت، روحانی جلا کے حصول سے روگردانی ایسے اخلاقِ بد، زوروں پر ہیں اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فروغ کی آواز دب کر رہ گئی ہے یہ سب بدعات ہیں جن کا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے رد فرمایا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے مزارات پر حاضری کا طریقہ بتا کر اس فکری بدعت کا بھی قلع قمع کیا جو مسلمانوں کے اس معمول کے خلاف ہے اور مزارات پر حاضری کے آداب بھی سکھائے اور یوں اعتدال کی راہ دکھلائی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کے مزار پر حاضری دیتے اور ادب و احترام کے ساتھ بیٹھ کر مراقبہ کرتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ میں اپنی عادت کے مطابق حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر معتکف تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک سفید کبوتر آیا اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے غلاف میں چھپ گیا۔ میں نے سمجھا کہ کسی کا پالتو کبوتر بھاگ کر آیا ہے۔ میں اٹھا اور چادر کے نیچے اِدھر اُدھر دیکھا مگر وہاں کوئی چیز نہ تھی۔ اگلے روز میں نے پھر یہی معاملہ دیکھا۔ اس سے اگلے روز پھر یہی واقعہ ہوا۔ میں حیرت میں ڈوب گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ یہاں تک کہ ایک رات میں نے آپ کو

خواب میں دیکھا تو اس واقعہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا یہ کبوتر ہمارے حال کی صفائی ہے جو اس شکل میں ہر روز ہماری قبر پر ہم نشینی کیلئے آتی ہے۔ (۳۸)

اس واقعہ سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضر ہونا اسلاف کا طریقہ ہے اور یقیناً وہ سنت نبوی ﷺ کے پیروکار لوگ تھے اور اس کے خلاف فکر، بدعت کے زمرے میں آتی ہے، وہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اولیاء کرام کا اپنے مریدین سے رابطہ اور ان کی مشکلات کا حل قرآن وسنت کے خلاف نہیں لہٰذا اس کے خلاف سوچ بدعت ہے اور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس فکری بدعت کا بھی ردّ فرمایا۔

غرضیکہ آپ کی تعلیمات سنت نبوی ﷺ کو اپنانے اور بدعات سے اجتناب کی راہ دکھاتی ہیں چاہے وہ بدعت فکری ہو، قولی یا عملی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ذاتِ کریم ہمیں سنت رسولِ کریم ﷺ پر عمل پیرا ہونے اور بدعات کا صحیح مفہوم پیش نظر رکھ کر ان سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے۔ نیز مخدوم الاولیاء حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُر انوار اور اس کے اردگرد کے ماحول کی تطہیر کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حوالہ جات:

۱۔ سورۃ الجمعہ: ۲

۲۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص ۳۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔

۳۔ سورہ یونس: ۶۲

۴۔ علی بن عثمان الہجویری، کشف المحجوب اُردو، ص ۱۴۳، مطبوعہ فرید بک سٹال اُردو بازار لاہور۔

۵۔ ایضاً ص ۱۵۳۔

۶۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات، جلد اول، ص ۱۲۴۔

۷۔ سورۃ الحشر: ۷ ۸۔ سورۃ الاحقاف: ۹

۹۔ ابن منظور افریقی مصری، لسان العرب، جلد ۸، ص ۶ (مادہ ب دع) بیروت۔

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم جلد ۲، باب من سن سنۃ حسنۃ ص ۳۴۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۱۲۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ، ایمن کمپنی دہلی، جلد ۲، ص ۹۲۔

۱۳۔ لسان العرب، جلد ۸، ص ۶، مادہ (ب دع)
۱۴۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام، بالکتاب والسنۃ قدیمی کتب خانہ کراچی، ص ۲۷۔
۱۵۔ ملا علی قاری، مرقات شرح مشکوٰۃ جلد اول، ص ۲۱۵، مکتبہ امدادیہ ملتان۔
۱۶۔ ایضاً۔
۱۷۔ لسان العرب، جلد ۸، ص ۶ (مادہ بَ دع)
۱۸۔ جبریہ فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان جمادات میں سے ہے اور اسے بالکل کوئی قدرت حاصل نہیں۔ مرجیہ ایک فرقہ ہے جس کے خیال میں کلمہ پڑھنے والا کسی قسم کا گناہ کرے جہنم میں نہیں جائے گا۔ قدریہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں۔ مجسمہ یا مشبہ وہ فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو مجسم مانتا ہے۔
۱۹۔ مرقات شرح مشکوٰۃ، المکتبہ الحبیبیہ، کانسی روڈ کوئٹہ، جلد اول، ص ۲۱۶۔
۲۰۔ کشف المحجوب، ص ۴۹۔
۲۱۔ ایضاً۔
۲۲۔ نسفیہ علامہ سعد الدین تفتازانی، شرح عقائد، ص ۷۴، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔
نوٹ: نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جوہر واحد ہے اور اس کیلئے تین اقنوم ہیں اُقنوم رومی لفظ ہے اور اس کا معنی "اصل" ہے۔
۲۳۔ معتزلہ کے رئیس واصل بن عطاء نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے علیحدگی اختیار کی اور کچھ عقائد میں اختلاف کیا۔ مثلاً گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہے نہ کافر وغیرہ وغیرہ۔ اس مناسبت سے یہ فرقہ معتزلہ کہلاتا ہے۔ کرامیہ فرقہ ابوعبداللہ بن کرام کی طرف منسوب ہے ان کے خیال میں زبان سے اقرار کا نام ایمان ہے دل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔
۲۴۔ شرح عقائد نسفیہ، ص ۴۹۔ ۲۵۔ کشف المحجوب، ص ۹۵۔
۲۶۔ شرح عقائد نسفیہ، ص ۹۳۔ ۲۷۔ ایضاً ص ۱۰۔
۲۸۔ کشف المحجوب، ص ۹۷۔ ۲۹۔ ایضاً ص ۹۷۔۹۸
۳۰۔ ایضاً ص ۱۰۰۔ ۳۱۔ ایضاً۔ ۳۲۔ ایضاً۔
۳۳۔ مشکوٰۃ المصابیح باب الغضب والکبر، ص ۴۳۴۔
۳۴۔ کشف المحجوب، ص ۱۰۱۔
۳۵۔ کشف المحجوب، ص ۱۲۸۔ ۳۶۔ سورۃ البقرہ: ۱۶
۳۷۔ کشف المحجوب، ص ۱۶۱۔ ۳۸۔ ایضاً ص ۴۵۶۔

کشف المحجوب اور علم نافع

ڈاکٹر محمد ناصر☆

اللہ باری تعالیٰ نے یہ کائنات حق و باطل کی رزم آرائی ہی کے لیے سجائی ہے، ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہوئے اس کی کم مایگی کا ذکر کیا تھا، فرشتوں نے بھی اللہ کے حضور عرض کی کہ مٹی کا پُتلا کائنات میں فتنہ وفساد کا باعث بنے گا اور اللہ نے فرمایا تھا کہ انہی میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو میرے احکامات کو بجالائیں گے، خود بھی راہِ حق اپنائیں گے اور دوسروں کو بھی صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کریں گے، خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا اور یہ کائنات کبھی بھی اللہ کے نیک بندوں سے خالی نہیں ہوگی کبھی رسول و پیامبر چراغ ہدایت کو منور رکھے رہے اور جب نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا تو یہ ذمہ داری صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین، اولیا، صوفیاء اور علمائے حق نے سنبھال لی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرزمین ہند کی جانب سے آنے والی بادِ خنک کا ذکر فرمایا تھا، تعداد کسی بھی طرح پانچ سو کلومیٹر سے ہرگز کم نہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ اس خطے میں اسلام کی بے مثال ترویج واشاعت کا سہرا اولیاء صوفیا ہی کے سر بندھتا ہے جنہوں نے یہاں اسلام کے سنہرے اصولوں کو متعارف کروایا، وحدانیت کا درس دیا اور اپنے انتہائی اعلیٰ اخلاقی اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے یہاں کے باسیوں کو اس حد تک متاثر کیا کہ وہ اپنی تاریخ، تمدن، تہذیب، ثقافت، دین و مذاہب اور زبان سبھی کو بھلا بیٹھے اور گویا سارے کے سارے دین حق میں داخل ہو گئے۔

برصغیر میں اسلام محمد بن قاسم کی فاتحانہ پیش قدمی ہی کے ساتھ وارد ہوا تھا، اُس عظیم نوجوان فاتح کو قدم جمانے کا موقع نہ ملا اور یوں دیارِ ہند کو منور ہونے کے لیے مزید چند صدیاں انتظار کرنا پڑا، سلطان محمود غزنوی کے پے درپے حملوں نے افغانستان اور وسطی ایشیاء کے

☆ پروفیسر شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

مسلمانوں بالخصوص صوفیا کو برصغیر کا رخ کرنے پر آمادہ کیا، حضرت سید علی ہجویری "اسی غزنوی دور میں لاہور تشریف لائے اور یوں شہر لاہور کو برصغیر میں اسلام ،کے مرکز اولین ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ (خاک پنجاب از دم او زندہ گشت صبح ما از مہر او تابندہ گشت)۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی لازوال تصنیف "کشف المحجوب" فارسی زبان میں تصوف کے موضوع پر اس خطے میں لکھی جانے والی پہلی تصنیف لطیف ہے، ہزار برس ہونے کو آئے لیکن اس کی اہمیت و عظمت گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ فزوں تر ہوتی چلی جارہی ہے۔

بالعموم ادبی آثار کو مذہبی حیثیت حاصل نہیں ہوتی اس طرح ہندو مذہب کے آثار کو ادب کے معیارات پر نہیں پرکھا جاتا، لیکن حیرت انگیز طور پر کشف المحجوب بلاشبہ پانچویں صدی ہجری کی فارسی نثر کا عظیم شاہکار ہے اسی طرح ہزار سالہ قدیم علمی و ادبی اور دینی و مذہبی آثار کو عہد جدید کے منظر نامے میں اپنی اہمیت کو برقرار رکھنا بظاہر دشوار دکھائی دیتا ہے۔ لیکن "کشف المحجوب" اس اعتبار سے پانچویں صدی ہجری کی ایک ایسی بے مثال کتاب ہے، جس کا مطالعہ غالباً جتنا اہم آج ہے، ماضی میں کبھی نہ تھا، اکیسویں صدی ہمارے لیے نئے مسائل و مصائب کا انبار ہمراہ لائی ہے، انتہا پسندی عدم رواداری، منافقت، ریاکاری اور کینہ پروری کا دور دورہ ہے، ایک دوسرے کا نقطہ نظر برداشت کرنا تو دور کی بات ہے، سُننا تک گوارا نہیں کیا جاتا۔ ایسے میں صوفیانہ نظریات کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے جن کی بنیاد ہی اتفاق، باہمی عزت اور مذہبی رواداری پر رکھی گئی ہے، ان اولیاء و صوفیاء نے محبت و خلوص اور اپنے اعلیٰ ترین اخلاق کی بدولت برصغیر کی سرزمین میں دین اسلام کی ترویج و اشاعت کا گراں بہا کارنامہ انجام دیا۔ ان صوفیا و اولیاء کے سرخیل بلاشبہ سید علی ہجویری ہیں۔

اکیسویں صدی کے طالبعلم کے لیے کشف المحجوب کا مطالعہ کئی اعتبار سے غیر معمولی دلچسپی کا حامل ہے، بالخصوص تحقیقی ذہن رکھنے والے قارئین بلاشبہ مسحور ہو جاتے ہیں کہ کشف المحجوب کے فاضل مصنف نے کم و بیش جدید ترین اسلوب تحریر اور روش تحقیق کو اپنایا ہے، جابجا آیات قرآنی، احادیث نبوی، اخبار اولیا اور عقائد صوفیا کے برجستہ اور مستند حوالے متن کو معتبر بناتے چلے جاتے ہیں، فاضل مصنف، اکیسویں صدی کے محققانہ انداز میں، کہیں بھی اپنی رائے ٹھونسنا یا اس پر بے سبب اصرار کرتے دکھائی نہیں دیتے، بلکہ ہمیشہ اختلاف رائے کو سننے، سمجھنے، تجزیہ کرنے اور

پھر کسی نتیجے پر پہنچنے کا درس دیتے ہیں۔

کتاب کا پہلا باب ہی علم، کسب علم، علم حق اور علم نافع کا احاطہ کرتا ہے، جو یقیناً "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ①" ہی کی یاد دلاتا ہے، سید علی ہجویری نہایت مؤثر انداز میں علم نافع کے حصول کا درس دیتے ہیں، لیکن توجہ بھی دلاتے ہیں کہ بعض افراد ایسے علوم سیکھنے میں توجہ دکھاتے ہیں جو ضرر رساں ہیں جو نفع بخش نہیں عوام نے "معرفت سے محض لغوی معنی مراد لے لئے ہیں یہ کام تحقیق کا تھا لیکن اب محض تقلید ہی کا رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب سبھی خود کو "حق شناس وعارف" کہتے ہیں۔ عرفان وتصوف کا نام لینے والے اپنے اپنے دعوے میں اس قدر محو ہو گئے ہیں کہ حقیقت کو بھول بیٹھے ہیں، پیر و مرید دونوں ہی نے مجاہدہ چھوڑ دیا ہے اور محض اپنے وہم وظن کا نام مشاہدہ رکھ لیا ہے۔

بدقسمتی سے ہم ایک ایسے ہی زمانے میں جی رہے ہیں، جب اہل زمانہ حرص وہوا کو شریعت بنا بیٹھے ہیں، جاہ طلبی کو عزت اور غرور وتکبر کو علم وحلم قرار دیتے ہیں اپنے اطراف میں دیکھئے، ریاکاری اور خودستائی اب خشیت الٰہی کہلاتی ہے۔ ان دنوں حسد وکینہ، خلوص وبردباری ہے، مجادلہ کا نام مناظرۂ دین رکھ لیا گیا ہے لڑائی جھگڑا اور کینہ پن غیرت قرار پایا ہے۔ نفاق کا معنی زھد ہے، هذیان ویاوہ گوئی کو معرفت کہتے ہیں۔ اور تو اور حرکت دل کے بڑھ جانے کو "قلب جاری ہونا" کہتے ہیں۔ دل میں پیدا ہونے والے نفسانی احساسات کو الہام وحدیث نفس کہنے لگے ہیں، زندقہ کا نام فنافی اللہ قرار پایا ہے۔ ترک احکام شریعت کو عین طریقت بنا بیٹھے ہیں اور خس وخاشاک افکار دنیا اور آفات زمانہ کا نام معاملہ فہمی رکھ لیا گیا ہے۔

سچ ہے کہ ہم زمانہ ابتلا میں ہیں جس میں نہ آداب اسلامی ہیں اور نہ ہی زمانہ جاہلیت کے اعلیٰ اخلاق اور نہ ہی اہلِ مروّت کے طور طریقے۔

انسان تطہیر باطن کی بجائے حجابات میں الجھ کر رہ گیا ہے، اسرارِ حقیقی اور انوار کشف سے بے خبر ایسے اعمال سے یکسر لاتعلق رہتا ہے جو اس کے لئے باعثِ نجات ہو سکتے ہیں، آج کا انسان بوئے توحید سے ناآشنا، جمال احدیت سے بے خبر اور ذوق وحدانیت سے بے بہرہ ہے، بادِ حرص وہوا اُسے بگولوں کی طرح اڑائے پھرتی ہے، اور وہ سونے جاگنے کھانے پینے اور شہوانی کیفیات کی پیروی کے سوا ہر شے سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔

نفس امارہ ہی سب سے بڑا پردہ، سب سے بڑا حجاب اور برائی کا منبع ہے، حقیقتِ حق، پیروان نَفس سے اوجھل ہے۔ سید علی ہجویریؒ کے بقول علم، جہالت کی نفی ہے اور عالم جہالت سے دور رہتا ہے، پس دنیاوعزت کا آرزومند اور جاہ کے طالب کا علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

علم انسان کو زندگی گزارنے کا طریقہ وسلیقہ عطا کرتا ہے، نورعلم تیرگئ حیات کو دور کرتا ہے، لیکن افسوس عہد حاضر میں علمِ غیر نافع ہی ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اور ہم حدیث نبوی کی رو سے اُس گدھے کی مانند ہیں جو دن بھر مشقت کے بعد بھی خود کو سرِشام وہیں پاتا ہے جہاں اس نے صبح سفر کا آغاز کیا تھا۔

عہدِ حاضر ترقی و پیشرفت کا زمانہ ہے اور تحقیق وجستجو زندگی کے ہر شعبے کا لازمی حصہ ہے۔ علما کا خزانہ معلومات، علم ہے اور جہلا کا خزانہ علم محض روایات کا انتقال ہے۔

یقیناً لائق تامل ہے کہ علماء میں سے علمائے حق اور علمائے غافل کون ہیں! حضرت ابن معاذ نے تین طرح کے افراد کی صحبت سے تحریز کی تلقین کی ہے۔

۱۔ بے عمل اور غافل علماء
۲۔ حق کی بات پر خاموشی اختیار کرنے والے ۳۔ جاہل صوفیاء

سب سے پہلے تو یہ تجزیہ ضروری ہے کہ علمائے غافل کون ہیں، یقیناً یہ وہی طبقہ ہے جن کا مقصد ومدعا دنیاوی ونفسانی خواہشات ہیں، جو احکام شریعت کی بجا آوری کی بجائے بہانے گھڑتے ہیں، آسانیاں ڈھونڈتے ہیں، اہل اقتدار کے حضور جبیں فرسائی کرتے ہیں، اہل ظلم کی مدح سرائی ان کا شیوہ ہے، غرور ونخوت کو زیرکی اور ہشیاری سمجھتے ہیں، دوسروں کو نادان تصور کرتے ہیں، اپنی دانائی پر از خود فریفتہ ہیں، ان میں گفتگو تصنع تکلف اور مکرو ریا کا آمیزہ ہوتی ہے، اہل علم اور خود اُن کے بیچ حسد کی چادر حائل رہتی ہے۔

حق کی بات پر خاموش رہنے والے علماء اپنی نفسانی خواہشات کے اسیر ہیں۔ وہ ہر اس شخص کے مداح ہوتے ہیں جن سے اُن کی غرض کی ڈور بندھی ہو۔

ایسے افراد خود بین وخود پسند ہوتے ہیں، ان کی بینائی محدود ہوتی ہے، اپنی خواہشات کے پار دیکھنا ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا، ہر اس غلط کام کی حمایت کرتے ہیں جس میں ان کی

دنیاوی خواہشات کا حصول ممکن ہو، گویا باطل پرستی ان کا شعار ٹھہرتی ہے، اور حق گوئی ان کے نصیب میں ہرگز نہیں ہوتی۔

جاہل صوفیاء علم اور استاد سے بے نیاز اور رہبر و رہنما کی اہمیت سے بے خبر ہوتے ہیں، کسب علم کو وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں، مصائب زمانہ سے دور رکھتے ہیں، زندگی کے نشیب و فراز کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، لیکن خود کو صاحب کمال اور رفیع الشان کہلوانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، یہ گروہ بھی خود غرضی خود پسندی اور خود شناسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اور آخر کار راہ حق کے دروازے ان پر بند کردیے جاتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی جہالت پر اصرار کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو منکرِ طریقت ہیں۔ آخر میں یہی کہنا چاہوں گا کہ اگر ہم اپنے معاشرے میں محبت، خلوص، رواداری، انصاف اور عدل کو فروغ دینا چاہیں، تو ہمیں دین اسلام کے سنہری اصولوں کی طرف لوٹنا ہوگا، جن کا ایک اہم ذریعہ صوفیاء کے نظریات اور اُن کے آثار ہیں، جنہیں ہم علم نافع کے ذیل میں لا سکتے ہیں۔

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات

خالد محمود طیب

ایک فردوس کی حکایت کیا جنتیں بے حساب دیکھی ہیں
فیضِ عالم کے آستانے پر رحمتیں بے نقاب دیکھی ہیں
(ساغر صدیقی)

فیض عالم کے سبز گنبد پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے
ان کے دل سے سکون ملتا ہے جب کبھی دل ملول ہوتا ہے
تربت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ پر آ کر عبدیت کو فروغ ملتا ہے
اہلِ ایماں کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے در سے لا مکاں کا سراغ ملتا ہے

اشاعتِ اسلام کا فریضہ ابتدا میں خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمایا کہ سب سے پہلے اہل خانہ، رشتہ داروں اور دوستوں کو دعوتِ اسلام دی۔ پھر اپنے شہر مکہ کے مکینوں کو دعوتِ عام کی غرض سے انہیں فاران کی چوٹی پر مدعو کیا اور اس کے بعد اطراف و اکناف میں صحابہ کرامؓ کو مبلغ اسلام بنا کر بھیجا۔ جنہوں نے لوگوں پر اسلام کی روشن تعلیمات پیش کیں اور یوں آفتاب اسلام کی ضیا پاشیوں نے نیل سے لے کر راجکماری تک، بلکہ پوری زمین کو اپنی آغوش امن میں لے لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تبلیغ اسلام کا فریضہ انبیاء علیہم السلام کے ورثاء یعنی علماء اور اولیائے کرام نے بخوبی انجام دیا اور یہ سلسلہ تبلیغ تاقیامت جاری وساری رہے گا۔ خصوصاً پاک و ہند میں اشاعت اسلام تو صوفیائے کرام کا مرہونِ منت ہے۔ حضرت علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ان اولین صوفیاء میں سے ہیں جنہوں نے پاک و ہند اسلام کی شمعیں روشن کیں۔

حصولِ علم:

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ چارسوھ میں غزنی کے محلہ ہجویر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی

تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ والد محترم نے خاندانی روایت کے مطابق آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم میں گہری دلچسپی لی۔ بعد ازاں حصول علم کی تڑپ انہیں دور دراز تک لے گئی جبکہ اس زمانہ میں سفر کرنا آسان نہ تھا۔ آپ نے حوصلہ نہ ہارا اور قافلہ کے ہمراہ پیدل چل کر غزنی سے فرغانہ پہنچ گئے۔ کچھ عرصہ وہاں تعلیم حاصل کی لیکن علمی پیاس نہ بجھی۔ اس دور میں ماوراء النہر، مرو، خراساں، آذر بائیجان کی زمین جلیل القدر علماء کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ آپ نے علمی پیاس بجھانے کی خاطر سواری کے ذرائع ناپید ہونے کے باوجود ایک درویش کی طرح پیدل چل کر ان عظیم شہروں میں پہنچے اور اربابِ فضل و کمال سے استفادہ کیا۔

آپ نے عالم اسلام کے کئی ممالک کی دور دراز تک سیر کی اور عظیم علماء سے فیوض و برکات حاصل کیں جن اکابرین سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہوئیں ان میں مشائخ عظام بھی شامل تھے۔ یعنی شیخ المشائخ گرگانی، حضرت ابو القاسم امام قیشری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابوسعید، ابو الخیر مہنی مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے اولیاء کرام کے مزارات پر چلہ کشی کر کے باطنی جلا پائی۔ صرف خراسان ہی میں تین سو سے زائد اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ علوم اسلامیہ سے فراغت کے بعد آپ نے حج بیت اللہ اور گنبد خضریٰ کی حاضری سے مشرف ہو گئے۔

لاہور میں آمد:

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے علم و عمل اور عبادت و ریاضت میں بہت جلد کمال حاصل کیا۔ سیر و سیاحت سے تجربہ اور مشاہدہ میں اضافہ ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب پیر و مرشد کی خدمت میں انتہا کر دی تو ایک روز پیر و مرشد نے فرمایا "لاہور جاؤ اور پنجاب میں اسلام کی اشاعت کرو۔" حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی "وہاں تو حسین زنجانی" موجود ہیں۔" پھر پیر و مرشد نے فرمایا "تمہیں اس سے کیا مطلب ہے تم جاؤ۔"

اولیائے کرام عبادت و ریاضت میں کس قدر مشقت اٹھاتے ہیں۔ اس کا اندازہ اتنی بات سے کر لیجئے کہ غزنی سے لاہور کا وہ دور دراز کا سفر آپ نے تنہا طے کیا۔ جس کی مشکلات اس وقت فوجوں کے چھکے چھڑا دیتی ہے۔ جنگلوں، پہاڑوں، ندیوں اور دریاؤں کو عبور کر کے تقریباً

۴۲۰ھ کو لاہور میں وارد ہوئے۔

لاہور شام کے قریب پہنچے تھے۔ رات کو شہر سے باہر فصیل کے نیچے قیام فرمایا۔ صبح شہر میں داخل ہونے لگے تو دیکھا کہ ایک جنازہ آرہا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ ہے۔ اب سمجھے کہ پیر روشن ضمیر نے لاہور پہنچنے کا حکم کیوں دیا تھا۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین میں شرکت فرمائی اور پھر لاہور میں اس مقام پر ٹھہرے جہاں اب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس ہے۔

تبلیغی سرگرمیاں:

لاہور میں تشریف لا کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیائے کرام کے اسلوب پر تبلیغ اسلام شروع کی اور اس انداز سے تبلیغ کی کہ اطراف واکناف کے لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کھنچے چلے آئے گویا اس انداز سے اسلام کی دعوت دی گئی کہ جس سے دلوں کی تسخیر ہوتی ہے چنانچہ ہندوؤں میں سب سے پہلا شخص جس نے آپ کے فیض سے بہرہ ور کر اسلام قبول کیا وہ حاکم پنجاب کا نائب "رائے راجو" تھا جسے بعد میں شیخ ہندی کے نام سے پکارا جائے گا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز مسجد خانقاہ کی تعمیر سے کیا۔ آپ پہلے بزرگ صوفی ہیں جنہوں نے نجی حیثیت سے یہاں مسجد تعمیر کروائی ورنہ اس سے قبل تمام مساجد حکمران اور امراء کی سرپرستی میں تعمیر ہوتی تھیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی اقدار کی حفاظت کو مقصد حیات کے طور پر اختیار کیا چنانچہ کشف المحجوب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر فقیہانہ رنگ کس قدر غالب تھا۔ آپ نے ایمان اور نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور طہارت کے متعلق مجتہدانہ بحث کو لازمی قرار دیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات اور روحانی توجہات سے ہزاروں نہیں لاکھوں افراد نے فیوض و برکات حاصل کئے۔ ان میں سرفہرست حضرت خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جنہوں نے آپ کے مزار کے قریب جس حجرہ میں اعتکاف کیا تھا وہ حجرہ اعتکاف اب تک موجود ہے۔ اعتکاف سے فارغ ہو کر حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں یوں فرمایا تھا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی روشن تعلیمات پر مشتمل اقوالِ زریں درج ذیل ہیں۔

۱۔ صوفی وہ ہے جو اپنے وجود سے فانی ہو کر باقی بحق ہو گیا ہو۔ قید مزاج وطبائع سے آزاد ہو کر حقیقت حقائق کے ساتھ مل گیا ہو۔

۲۔ بوڑھوں کو چاہیے کہ نوجوانوں کا پاس خاطر رکھیں ممکن ہے کہ نوجوانوں کے گناہ بوڑھوں کے گناہوں سے کم ہوں تو نوجوانوں کو بھی چاہئے کہ بوڑھوں کا احترام کریں۔ بوڑھوں کی عبادت اور بوڑھوں کا تجربہ عموماً نوجوانوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

۳۔ مجاہدہ کوئی بڑی چیز نہیں ہے۔ مردوں کا میدان تو مشاہدہ ہے۔

۴۔ یہ ضروری نہیں کہ جو مشاہدہ کرے وہ مقرب ہو جائے۔ قرب الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

۵۔ یہ آنکھیں، یہ ہاتھ پاؤں جو اس وقت دوست نظر آ رہے ہیں دراصل دشمن ہیں۔ کل یہی تمہاری بداعمالیوں کے سلسلہ میں تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔

۶۔ معلوم نہیں کہ انسان تکبر ونخوت کیسے کرتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔

۷۔ نفس کی مخالفت سب عبادتوں کی جان ہے اور سب عبادتوں کا مدعا ومقصود ہے۔

۸۔ حال کی نعمت آتی ہے تو دور نہیں کی جا سکتی۔ دور ہو جاتی ہے تو اسے کوئی پکڑ نہیں سکتا۔

۹۔ جو چیزیں دیکھنے کے لائق نہ ہوں انہیں مت دیکھو اور جو باتیں سوچنے کے لائق نہ ہوں انہیں مت سوچو۔

۱۰۔ کھجور کی ایک گٹھلی بھی تمہارے ذمہ ہو تو اسے ادا کرو۔

تصانیف:

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں جن

میں ان کا دیوان بھی شامل ہے اور کشف المحجوب اور کشف الاسرار زیادہ مشہور ہیں ان کے علاوہ دیگر کتابیں تقریباً ناپید ہیں۔ کشف المحجوب تصوف کی انتہائی معتبر اور قدیم کتابوں میں سے ہے اور فارسی زبان کی پہلی تصوف کی کتاب ہے۔ دارا شکوہ نے لکھا ہے تصوف پر فارسی میں کوئی کتاب اس کی خوبی کو نہیں پہنچتی ہے۔ کشف المحجوب میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے اسلام سے اپنے زمانے تک تصوف کی پوری تاریخ بیان کر دی ہے اور عرب وعجم کے کاملان تصوف کے حالات درج کئے ہیں۔ صوفیا کے ۱۱ طبقات کا ذکر کیا ہے۔ پھر کشف حجاب کے ۱۱ باب لکھے ہیں۔ پھر اصطلاحات تصوف اور آخر میں سماع پر بحث کی ہے۔ مزید برآں تاشقند کے کتب خانوں میں آپ کی نو (۹) تصانیف موجود ہیں۔ (۱) دیوان شعر (۲) کتاب فنا و بقا (۳) اسرار العزۃ والمؤلفات (۴) بحر القلوب (۵) ایمان (۶) الرعایہ بحقوق اللہ تعالیٰ (۷) کتاب البیان لاہل العیان (۸) منہاج الدین (۹) فرق فرق۔

وفات:

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا سنہ ولادت ۴۰۰ھ ہے۔ سنہ وصال ۴۶۵ھ یا ۴۷۹ھ ہے۔ رحلت کے بعد ہی سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس ناصر الدین مسعود کے بیٹے ظہیر الدولہ نے تعمیر کروا دیا تھا۔ مزار کا فرش اور ڈیوڑھی جلال الدین اکبر نے بنوائی۔ مزار اقدس کا خصوصی فانوس اور سونے کا دروازہ سابق شہنشاہ ایران نے پاکستان کو پیش کیا۔ موجودہ عالیشان "گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ مسجد" مرحوم صدر شہید جنرل محمد ضیاء الحق کے دور کی یادگار ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، ستمبر ۱۹۸۹ء)

فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

کتاب سے تعلق جوڑیئے

تحریر: محمد ثاقب

انتخاب: محمد عثمان رضوی ☆

کتاب تنہائیوں کا ساتھی ہے، کتاب ایک بہترین دوست ہے، جو اس کے ساتھ دوستی قائم کر لیتا ہے پھر وہ خود کو اس کے بغیر ادھورا سمجھتا ہے۔ یہ بظاہر ایک خاموش ساتھی ہے لیکن اس خاموش گلشن کے اندر ہزاروں بلبل چہچہاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کتاب ظلمتوں کے اندر روشن مینار کی مانند ہے، کتاب ایک ایسا ساتھی ہے جو کبھی کسی سے ناراض نہیں ہوتا بلکہ ہر دفعہ اس سے انسیت میں اضافہ ہوتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ تنہائیوں میں اور رات کے اندھیروں میں جو سرور اور مزہ کتاب کے مطالعے میں ملتا ہے وہ بادشاہوں کے خزینوں میں نہیں ملتا، کتاب آپ کو ماضی کے حالات و واقعات بھی سناتی ہے اور ملکوں کے سفر بھی کراتی ہے اور آپ کو علم کی شمع سے روشنی بھی عطا کرتی ہے۔ کتاب آپ کو اچھے اور برے کی تمیز بھی سکھاتی ہے کتاب آپ کو ذلت اور پستیوں سے نکلنے اور بلندیوں کی منزل تک رسائی کے گر بھی بتلاتی ہے، کتابوں کی خاموش دنیا میں جو بستا ہے اسے اس دار فانی کے افراد سے علیحدگی ہی میں عافیت محسوس ہوتی ہے۔ کتابوں کی دنیا کا راہی تنہائیوں سے کبھی نہیں گھبراتا اور نہ ہی شب ظلمت کے اندھیروں میں وہ اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔ کتاب ہی وہ واحد دوست ہے جو ہزاروں رنگ و روپ بدل بدل کر نئے نئے انداز میں علم کی ہر ہر منزل پر آپ کا استقبال کرتی ہے۔ کتاب صدیوں کے فاصلوں کو مٹا کر رکھ دیتی ہے۔ آج اگر کوئی افلاطون کے مکالمات کا مطالعہ کر کے یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ میں افلاطون سے ملاقات کر کے آیا ہوں تو اس کا یہ دعویٰ بے جا نہیں ہوگا۔

آج اگر کوئی ارسطو سے ملاقات کا خواہاں ہو یا ابن رشد سے گفتگو کا شوقین ہو یا ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کی تمنا رکھتا ہو تو اس کے لئے کتاب کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں۔ کتاب ایک ذہنی تفریح ہے کتاب کا سہارا لیے بغیر بلندیوں کو چھونا تو در کنار اس کا

☆ ایک کتاب شناس صاحب علم اور مدیر "دار العلم" دربار مارکیٹ لاہور

تصور بھی نہیں کرسکتا، ایک علم کے پروانے کے لئے کل کائنات اس کی کتابیں ہی ہوسکتی ہیں، کتاب ہی آپ کو بام عروج تک پہنچا سکتی ہے، کتاب آپ کو بلندیوں کی معراج کرا سکتی ہے۔ قلم و قرطاس کا یہ مقدس رشتہ صدیوں پرانا ہے ابھی کائنات کا کوئی ذرہ بھی وجود میں نہیں آیا تھا کہ قدرت نے انسانیت کی تقدیر لکھنے کے لئے لوح وقلم کا بندوبست کیا۔ کتابوں کے شہر خموشاں سے تعلق رکھنے والے کتاب کے بغیر بے قرار رہتے ہیں۔ وہ کتاب کے مطالعے کو روح کی تازگی کے لئے غذا سمجھتے ہیں۔ کتاب کے ذریعے ذہنی دنیا آباد رہتی ہے، آج اگر برسوں پہلے، واقعات اور کارنامے نیز قوموں کی حیرت انگیز ترقی اور تنزل کی کہانیاں ہماری آنکھوں کے سامنے مچل رہی ہیں تو یہ کتاب ہی کی زندہ کرامت ہے۔ یہی کتاب ہے جس نے اپنے جگر گوشے میں مسلمانوں کے حسین ماضی کو محفوظ کر رکھا ہے۔ اور یہی کتاب اس دور کے غافل مسلمان کو اس کی عظمت رفتہ کے نقوش اور شان وشوکت یاد دلاتی ہے۔

کتاب کی مدح سرائی میں اوپر درج کئے گئے چند مدحیہ کلمات سے کسی بھی عقلمند اور دانا انسان کو انکار نہیں ہوسکتا لیکن افسوس! کہ اس کے باوجود بھی ہمارے اس دور کے طلبہ کتابوں سے جی چراتے ہیں۔ مطالعہ کو محض دفع الوقتی اور امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کی حد تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ لیکن آج کے اس نادان طالب علم (جو بیشتر وقت خوش گپیوں میں صرف کردیتا ہے) کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف طالب علمی کے دور میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، مدرسہ نظامیہ کی لائبریری جس میں تقریباً چھ ہزار کتابیں تھیں ان سب کا مطالعہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا، بغداد کے مشہور کتب خانے جن کی کتابیں ہزاروں سے متجاوز تھیں ان سب کا مطالعہ فرمایا تھا۔ بچپن سے کتاب کی محبت دل پر ایسی غالب آچکی تھی کہ عصر کے وقت ان کے ہم عمر لڑکے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے تھے اور یہ ایک جانب بیٹھ کر مطالعہ کی رنگینیوں کا مزہ لوٹ رہے ہوتے تھے۔ امام جاحظ کتابوں کی دکانیں کرایہ پر لے کر رات بھر مطالعہ کرتے کوئی بھی کتاب جب تک اول تا آخر ختم نہ کر ڈالتے اس وقت تک کتاب بند نہ کرتے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اردگرد کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا، مطالعہ کے شوق نے راتوں کی نیند ہی اڑا کر رکھ دی تھی کسی نے ان کی شب بیداری کی وجہ پوچھی تو اس کے جواب میں وہ تاریخی جملہ قدرت نے آپ کی زبان سے ادا کروایا جو تاریخ نے ارباب علم و

دانش کے واسطے ہمیشہ کے لیے اپنے کشادہ سینے میں نقش کر دیا وہ تاریخی جملہ آپ بھی پڑھئے، آپ نے فرمایا "میں کیسے آرام سے سو جاؤں جبکہ عام مسلمان ہم پر اعتماد کر کے سو رہے ہیں کہ ہم ان کی رہنمائی کریں گے۔"

آج کل طلبہ میں یہ مرض ہے کہ اپنے اساتذہ کی تحقیقات کو حرف آخر سمجھ بیٹھتے ہیں کسی بھی مسئلہ کی تحقیق کے لیے زیر درس کتابوں کے علاوہ اس فن کی متعلقہ کتابوں کی طرف مزید تحقیق کے لئے رجوع نہیں کرتے حالانکہ متعلقہ فن کی دیگر کتابوں کی طرف رجوع کرنے سے تحقیق میں اضافہ ہوتا ہے اور مطالعہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ عالم اسلام کے مشہور اور شہرۂ آفاق سائنس دان حسین بن علی جنہوں نے دنیائے تحقیق میں "ابن سینا" کے نام سے شہرت حاصل کی ہے طالبعلمی کے دوران وہ اپنے اساتذہ کی تحقیق پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ براہ راست فلسفہ اور طب کی کتابوں تک رسائی حاصل کر کے ان کے مطالعہ سے اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے کتب بینی کا مشغلہ انہیں رات کو سونے نہیں دیتا تھا۔

کہتے ہیں کہ انہوں نے علم الطبعیات پر ایک کتاب چالیس بار پڑھ ڈالی جس سے کتاب ذہن میں نقش تو ہوگئی لیکن سمجھ میں نہ آسکی، علم کے اس پروانے کو کسی نے اس موضوع پر فارابی کی کتاب مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا بس اس کتاب کا مطالعو کرتے ہی ان کی مشکل حل ہو گئی جس کی خوشی میں علم کا یہ شیدائی بے اختیار سجدے میں گر پڑا۔ سچ ہے طلب صادق ہی کی بدولت انسان اپنی منزل تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے کون ناواقف ہے کتب بینی کا مشغلہ ان کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ بسا اوقات ایک آیت کے لیے سو سو تفاسیر کا مطالعہ فرماتے جو اصحاب علم تلاش علم میں مگن ہو کر کتاب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں تو پھر شب ظلمت کی تاریکیوں میں ان کے پہلو بستروں سے ناآشنا ہی رہتے ہیں۔

مولانا ابو الکلام آزاد حد درجہ کتابوں سے محبت رکھنے والے اور کتب بینی کے گرویدہ تھے کتابوں کی خریداری میں کسی بھی حالت میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے انہوں نے کتابوں کی فضا میں آنکھ کھولی تھی ان کا واحد شوق کتابوں کا حصول تھا ابھی لڑکپن کی حدود میں داخل نہیں ہوئے تھے ابھی زندگی میں جوانی کی بہاریں رنگ نہیں لائی تھیں کہ مطالعے کا ایسا جنون سوار ہوا کہ اپنی استعداد سے اونچی سطح کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے صرف دس سال کی عمر میں ناشتے کے

جو پیسے ملتے ان کو جمع کرتے کتابیں خریدتے تھے ان کا مطالعہ جوانی سے پہلے جوان ہو چکا تھا کتاب پڑھتے ہی نہیں تھے بلکہ ہضم کر جاتے تھے۔ اخبارات کی ایڈیٹری صرف اس لیے قبول کی تھی کہ اس کی وساطت سے عربی کے رسائل آتے تھے۔ بعض کتب خانے باقاعدہ خرید لئے تھے وہ صرف عربی، اردو، فارسی کی کتابوں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ انہیں انگریزی اور فرانسیسی میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا، اسی طرح الٰہیات، مذہبیات، عمرانیات، تاریخ، فلسفہ، ادبیات اور جدید سائنسی علوم سے جو کتاب بھی یورپ میں چھپ کر ان کے زمانے میں منظر عام پر آتی تو اس کے لیے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ ناشر اس کی پہلی کاپی ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔ ۶۸ برس کی عمر تک پندرہ ہزار کتابوں کا مطالعہ کر چکے تھے۔ مولانا ابو الکلام آزادؒ کی مطالعاتی زندگی کے بارے میں مزید معلومات کے لیے علامہ شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "ابو الکلام آزاد" کا مطالعہ کیجئے۔

کتب بینی کے مشغلے کو عروج بخشنے کے لیے کتابوں کی خریداری ایک مستقل بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اکثر کتابوں کی قیمتیں آسمانوں سے باتیں کرتی ہیں، جس کی وجہ سے اہل علم اور طلبہ کے لیے یہ ایک مستقل مسئلہ بن گیا ہے۔ دراصل کتابوں کا شوق بادشاہوں والا ہے اس کا پورا کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں، لہٰذا ارباب حکومت کو چاہئے کہ وہ اہل علم کی اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملک بھر میں لائبریریاں قائم کریں اس کے لیے باقاعدہ فنڈز جاری کئے جائیں، ہمارے ملک کے بڑے شہروں میں تعلیمی اداروں کے زیر اہتمام تو لائبریریاں موجود ہیں مگر اس کے برعکس دیہی علاقوں میں کوئی اہتمام نہیں حکومت کے علاوہ بعض پرائیوٹ ادارے بھی یہ فرض اچھی طرح نباہ سکتے ہیں ہمارے ملک میں اچھی خاصی رقم فضول کاموں کی نذر ہو جاتی ہے، لیکن علمی کاموں کو ترقی دے کر انہیں پروان چڑھانے کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے، تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں علمی ضرورتوں کے پیش نظر بڑی بڑی لائبریاں قائم کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا، اندلس جس میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی تھی وہاں قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ اور دیگر شہروں میں اہل علم کے لیے بڑے بڑے مکتبے قائم کئے گئے تھے، قرطبہ میں تو علمی شوق اتنے عروج پر تھا کہ گھر گھر میں مستقل لائبریریاں قائم کی گئی تھیں اس وقت کی اسلامی حکومتوں نے نہ صرف یہ کہ بڑی بڑی لائبریریاں قائم کی تھیں بلکہ لوگوں کے ذوق کو جلا بخشنے کے لیے دیگر زبانوں میں لکھی

گئیں کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا بھی خاص اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ لاطینی، فارسی، چینی، سنسکرت میں موجود علمی ذخائر سے استفادے کو یقینی بنانے کے لیے ان کے تراجم خود اس وقت کی اسلامی حکومتوں کے زیر اہتمام ہوئے۔ اسی طرح آٹھویں صدی تک افلاطون، ارسطو اور اقلیدس کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہو چکا تھا اس دور میں بھی دیگر عرب اسلامی ممالک میں اہل علم کے مطالعہ کے لیے بڑی بڑی لائبریریاں وہاں کی زینب ہیں یورپی ممالک میں بھی کتابوں کے مطالعے کا رجحان کچھ زیادہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہاں کی حکومتوں کو بھی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ دیگر زبانوں میں لکھی گئی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرانے کے لیے خاص اہتمام کیا جائے، ہماری قومی زبان چونکہ اردو ہے اس وجہ سے ہمارے ملک میں ایک بڑا طبقہ انگریزی زبان سے کماحقہ استفادہ نہیں کرسکتا۔ اس کمی کو پورا کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ انگریزی زبان میں موجود کتابوں کو اردو کے قالب اور سانچے میں ڈھالا جائے تاکہ ان سے استفادہ ممکن ہو سکے۔

میں نے حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ۱۹۹۰ء میں بینک کی نوکری چھوڑ دی

مدینہ منورہ اور داتا حضور حاضریاں میرا معمول ہیں۔

مہرے ہل گئے تھے سخت تکلیف میں تھا۔ مدینہ طیبہ میں گرا زخمی ہوا مگر مہرے ٹھیک ہو گئے

روشنیوں کے شہر کراچی میں ایک درویش صفت، کتاب دوست ۷۸ سالہ بزرگ

حاجی عبدالرزاق تابانی

سے مکالمہ

ملاقات: ملک محبوب الرسول قادری

حضرت فیض عالم سیدی داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ عالی جناب سے والہانہ محبت رکھنے والے ایک مستقل زائر حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مرحوم کے حلقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کراچی سے لاہور داتا دربار حاضری ان کا معمول ہے۔ اسی مناسبت سے ان کے ساتھ ربط ہوا۔ ایک نشست میں ان سے ہونے والا مکالمہ نذرِ قارئین ہے۔

جب ان سے پوچھا گیا اسم گرامی، ولدیت اور خاندانی پس منظر؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ عبدالرزاق تابانی ولد محمد یوسف میرا نام ہے ۱۹۴۰ء میں محمد علی روڈ پر آبائی گھر بمبئی میں پیدا ہوا۔ میمن خاندان ہے میرے والد گرامی کریانہ سٹور کا کام کرتے تھے میں نے اپنے والد گرامی کے ساتھ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کی اور ہم سکھر آ گئے۔ ہم دو بھائی اور پانچ بہنیں ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی محمد انیس، حبیب بینک لمیٹڈ میں آفیسر ہے۔

مفتی محمد حسین قادری سکھر والے میرے منہ بولے ماموں ہیں۔

۱۹۶۳ء سے ۱۹۹۹ء تک یونائیٹڈ بینک کے ساتھ گریڈ ون آفیسر رہا۔ میں نے

پینشن نہیں لی۔سود کے ڈر کی وجہ سے نہیں لی۔علماء کی اگرچہ آرا مختلف ہیں مگر میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ ۱۹۵۹ء۔ ۶۰ء میں میٹرک اسلامیہ پرائمری سکول سکھر یعنی حیدرآباد سندھ بورڈ سے کیا۔ بی اے اسلامیہ کالج سکھر سے کیا۔اس کے بعد ۱۹۶۳ء۔ ۶۴ء سے یو بی ایل میں ملازمت کی۔یہاں میں بطور آفیسر گریڈ ۳ میں آیا اور ۱۹۹۹ء میں اس نوکری کو چھوڑ دیا۔انہوں نے بتایا کہ میری شادی ۱۹۶۵ء۔ ۶۶ء میں سکھر میں اپنے ماموں محمد اسماعیل کے گھر میں ہوئی۔میرے دو بیٹے ہیں مشتاق احمد اور مقصود احمد جبکہ تین بچیاں ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ بینک چھوڑنے کے بعد میں اپنے بڑے بچے کے ساتھ ہی کام کرتا رہا۔وہ اپنی یادیں تازہ کرتے ہوئے بتا رہے تھے کہ میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں۔جبکہ حضرت مولانا مفتی محمد حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ (سکھر) میرے منہ بولے ماموں تھے۔اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن مفتی محمد ابراہیم قادری اُن کے شاگرد ہیں۔میں ۱۹۶۳ء سے سکھر سے کراچی چلا گیا نوکری کے لئے اور ابھی بہادر آباد کراچی میں رہتا ہوں۔

سن ولادت ۱۹۴۰ء، بمبئی میں پیدا ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں والد کے ساتھ ہجرت کی۔

محترم عبدالرزاق تابانی نے بتایا کہ میں نے ۱۹۸۱ء میں حج کیا اہلیہ کے ساتھ جبکہ میری اہلیہ نے تین حج کیے ہیں میں نے ایک حج ہی کیا ہے۔میں حضرت مفتی محمد حسین قادری (سکھر) کے ساتھ ۱۸ سال تک رہا۔جلسوں، تقریروں وغیرہ میں حاضر ہوتا رہا۔وہ پکے عقیدہ کے مبلغ تھے، اہل سنت تھے، سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، انہوں نے سکھر میں مدرسہ غوثیہ بنایا۔اس زمانہ میں ہمارا اُن کے برابر میں گھر تھا۔

میرے نزدیک "الدولۃ المکیہ" ایک کراماتی کتاب ہے

اپنے ذوق مطالعہ کی بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میں نے کیا کتابیں لکھنا تھیں میں تو کتابیں پڑھنے والا ہوں۔میں نے ہزاروں کتابیں پڑھیں مگر مجھے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الدولۃ المکیہ" بہت پسند ہے۔میں نے اسے بہت

مرتبہ پڑھا۔ بار بار پڑھتا رہتا ہوں میری نظر میں یہ کراماتی کتاب ہے۔

وہ بڑے شوق اور سرشاری سے بتا رہے تھے کہ ۲۰۰۴ء محفل میلاد میں مسعود ملت حضرت ڈاکٹر مسعود احمد نے میرے گھر خطاب کیا۔ میں سید وجاہت رسول صاحب قادری سے بھی انہی دنوں متعارف ہوا۔ بانی ادارہ تحقیقات (امام احمد رضا انٹرنیشنل) سید ریاست رسول صاحب قادری کے ساتھ تقریباً تمام کانفرنسوں میں شریک ہوا۔ انہوں نے کہا میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ مجھے مسلک اہل سنت میں اللہ نے پیدا کیا ہے اب اس میں ہی خاتمہ بالخیر ہو۔

حاجی عبدالرزاق تابانی بڑے مسرور تھے اور کہہ رہے تھے کہ مجھ پر حضور نبی پاک ﷺ کا کرم ہے میرا ہر کام سو فی صد ہو جاتا ہے دیر سویر اور بات ہے۔ میں اس لئے مطمئن ہوں اور میری نسبت بہت اعلیٰ ہے۔ میں نے اپنے روحانی سلسلہ کے ذریعہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک نسبت حاصل کی ہے میرے شیخ طریقت میرا وسیلہ ہیں اور یہ نسبت بہت قوی ہے۔ مجھے اس نسبت سے اطمینانِ قلب حاصل ہوا ہے یہ اللہ کا کرم ہے۔ میں ہر سانس پر اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہوں۔

حاجی عبدالرزاق تابانی کہہ رہے تھے کہ میں نے تو اپنی اولاد کو بھی یہی وصیت کی ہے اور یہ دراصل ہر مسلمان کے لئے ہے کہ کامیابی چاہیے تو عشق رسول ﷺ سے چمٹے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے کاموں میں واسطہ بھی اللہ کے محبوب ﷺ کا دیا کریں۔ اپنے تمام کاموں چاہے دنیوی ہوں یا دینی ہوں نظر سرکارِ مدینہ ﷺ کی طرف اور اپنے مرشد کی (نسبت) کی طرف رکھیں اللہ کی ذات سے جو مانگیں وسیلہ ضرور اُس کے محبوب ﷺ کا دیا کریں کوئی بھی دعا (درود پاک) نام مصطفےٰ ﷺ کے ساتھ ہی اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوتی ہے ورنہ تو آپ کی عرضی زمین اور آسمان کے درمیان معلق (اٹکی) رہتی ہے۔

جب دل میں آرزو اُٹھتی ہے اللہ سے دُعا کرتا ہوں اور مراد پالیتا ہوں۔

یادوں کے جھروکوں سے جھانکتے ہوئے تابانی صاحب نے بتایا کہ ۱۹۶۸ء یا ۱۹۶۹ء میں عمرے کی تڑپ دل میں بہت بڑھی لیکن پلے کچھ نہ تھا دعائیں کرتا تھا اللہ سبب بنا دے کہ

اسی دوران بینک کا ایک سرکلر ملا کہ جس آفیسر نے سال بھر میں P/L نہیں کی وہ عمرے کے لئے درخواست دے۔ میں نے درخواست دی تو میری درخواست اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کے طفیل منظور ہوگئی اور میں کچھ نہ ہوتے ہوئے بینک کی طرف سے عمرہ کے لئے جدہ اور مکہ شریف کے بعد مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ دل بلیوں اُچھلنے لگا، آنکھیں آشکبار ہوئیں۔ بس والوں نے پوچھا

۱۹۶۳ء سے ۱۹۹۹ء تک بینک کی ملازمت اچھی تھی۔ سود کے خوف سے چھوڑی، پنشن وصولی نہیں کی۔

کیوں رو رہے ہو؟ اُن کو کیا معلوم کہ یہ آنسو خود بخود چھلک رہے ہیں۔ میں نے مدینہ پاک پہنچ کر سرکارِ مدینہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دی، جالی کو بوسہ دیا، اُس وقت کوئی رکاوٹ نہیں تھی یک دم خیال آیا کہ اس بھیڑ میں ریاض الجنہ میں کیسے حاضری دوں؟ یک دم کسی نے ایک جھٹکے سے ریاض الجنہ پہنچا دیا۔ بارہا اپنے آپ سے پوچھا کہ تو یہاں کیسے پہنچا؟ نفل نمازیں پڑھیں، در و دیوار، منبر، ستونوں کو سینے سے لگایا خوب بوسے لئے۔ شرطے سب کو بھگاتے رہے لیکن میری طرف وہ بھی نظر نہ اُٹھاتے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ میں اُن کی نظروں سے اُوجھل ہوں۔ سرکار ﷺ کے روضہ مبارک، جہاں امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہیں میں خوش بختی سے وہاں حاضر رہتا۔ سرکار ﷺ کے قدم کی طرف جگہ ملتی، میں گھنٹوں جب تک حاجت نہ ہوتی وہیں بیٹھا رہتا۔ شرطے سب کو طریق طریق کہتے رہتے لیکن میری طرف اُن کی نظر نہ جاتی۔ بس یہ محبوبِ خدا ﷺ کی شفقت ہے میں نے اُٹھنے کا سوچا تو کوئی عربی پاس آیا اور دس یا پچاس ریال کا نوٹ جیب میں ڈال کر

۱۸ برس حضرت مفتی محمد حسین قادری کے ساتھ تقریروں، جلسوں میں حاضر ہوتا رہا۔

چلا گیا اُسی رات سرکار ﷺ کے دیدار کی تڑپ نے جوش مارا اور عشاء کے بعد درود پاک پڑھتے ہوئے آنکھ لگ گئی۔ تہجد کی اذان سے پہلے میری طرف ایک گھوڑے جیسا براق نمودار ہوا اور اُس پر سفید رنگ کی چادر میں لپٹے ہوئے ہیولا جیسا محسوس ہوا۔ چہرۂ مبارک ڈھکا ہوا تھا۔ مشک کی لپٹیں آ رہی تھیں میں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ سرکار (ﷺ) مجھے معلوم ہے آپ ہیں صورت چھپائے ہوئے ہیں؟ میں نے بہت منت سماجت کی۔ آواز آئی کہ تم سود کا کاروبار کرتے ہو تم کو دیدار نہیں ہو سکتا؟ دل نے کہا کہ یہ کافی نہیں ہے کہ سرکار ﷺ تیری زندگی میں

آئے اسی کو غنیمت جان۔ اسی درمیان اسباب نے پلٹا کھایا اور سود سے چھٹکارے کی تدبیر سوچتا رہا اور سوجھی بھی کہ اجمیر شریف کا ویزہ مل گیا۔ یہ غالباً ۱۹۷۸ء کی بات ہے۔ خواجہ کی نگری کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا کہ پھر گناہ گار کو خواجہ کا گھر دکھایا لوگوں سے معلوم کیا کہ اجمیر شریف سے بریلی جانا ہے ایک بندے نے راستہ دکھایا اور اسٹیشن پر پتہ چلا کہ کل صبح بریلی کے لئے ٹرین جائے گی

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستگی ہی کامیابی ہے

ساری رات نیند نہ آئی صبح اُٹھ کر خواجہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر بریلی کا ٹکٹ لے کر ٹرین میں سوار ہو گیا کوئی شناخت مانگتا تو بمبئی کا پتہ بتا دیتا۔ میرے پاس بریلی کا ویزہ نہیں تھا اسٹیشن سے اُتر کر تانگے والے سے آستانہ اعلیٰ حضرت محلہ سوداگراں کا پتہ بتایا اُس نے کہا آپ نے بڑے حضرت کے پاس جانا ہے کہاہاں بیٹھو تانگہ چلتا رہا دل کی دھڑکن تیز ہو گئی واضح رہے کہ اس سے پہلے ہی میں مفتی اعظم نبیرہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ہی سکھر کے مفتی محمد حسین قادری صاحب کے ذریعے بیعت ہو چکا تھا۔ آستانے پر جا کر مولانا شوکت حسن خان اور منانی میاں سے ملا۔ حضرت مفتی اعظم ہند کا پوچھا تو کہا کہ ان کی تشریف آوری کا وقت ہونے والا ہے حضرت نمازِ عصر میں تشریف لائیں گے۔ بعد نمازِ عصر مؤذن سے کہا گیا کون کراچی (پاکستان) سے آیا ہے؟ موذن نے مجھے لا کر سامنے بٹھا دیا میں تھا دم بخود نظریں نیچی کرتے ہوئے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ شجرہ دکھایا آپ نے اس شجرہ پر دستخط کر دیئے اور دعائیں دیں وہیں تین روز بغیر ویزہ کے رہا یوں آخری دن آیا موذن سے کہہ کر ٹائم لیا اور اپنی بپتا بیان کی۔ میں نے کہا حضرت میرے پاس گاڑی نہیں ہے نہ ہی فیکٹری، نہ دوکان، نہ ہی بنگلہ، مکان، کچھ دیر بعد فرمایا جب بھی ٹائم لگے درود کا ورد رکھو اور سود کی نوکری جلد از جلد چھوڑ دینا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا دیں گے

میں نے ایک حج کیا، جب دل چاہتا ہے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا لیتے ہیں عمرے اکثر کرتا ہوں۔

کہ تمہارے دامن میں سما نہ سکے گا۔ میں نے حضرت کے حکم پر ۱۹۹۰ء میں بینک کی نوکری چھوڑ دی اور جو پیسہ ملا ایک دوست نے تین دکانیں دلا دیں۔ قسمت نے پلٹا کھایا اور پراپرٹی کے دام بہت زیادہ چڑھ گئے اور مجھے اُن سے بیس گناہ نفع ہوا اور میں نے اُن کو بیچ کر ایم اے جناح روڈ پر دوکان لی اور کاروبار چمک اُٹھا اور اسی درمیان میرا کاروبار کے

سلسلہ میں لاہور جانا ہوا۔کسی غیبی طاقت نے داتا صاحب حاضری کے لئے کہا میں نے مزارِ پاک پر حاضری دی اور چلہ خواجہ غریب نواز پر عہد کیا کہ میرا کاروبار ترقی کرے گا تو میں ہر ماہ آپ کے ہاں حاضری دوں گا۔تیسرا سال ہوگیا آج میرے پاس وہ کچھ ہیں جو میں نے اپنے پیرو مرشد سے مانگا تھا اور اُس درمیان عمرے کا شوق بھی انتہا کو پہنچا اور میں کئی سالوں سے جارہا ہوں اور جس کی گنتی میرے پاس نہیں ہے۔غالباً میں ۲۰۱۱ء یا ۲۰۱۲ء میں جب مدینہ پاک پہنچا تو فجر کی نماز کے بعد پاؤں پھسلا جس وجہ سے میں سے گر پڑا سخت چوٹیں آئیں مجھے لوگوں نے اُٹھایا میں ہوٹل آیا آرام کیا ویزہ ختم ہونے پر کراچی آگیا اور میری کمر کے کچھ مہرے جو پہلے ملے ہوئے تھے ڈاکٹروں کو دکھایا تو انہوں نے کہا کہ آپ کے مہرے سیٹ ہیں اور پھر آج تک مجھے وہ درد نہ ہوا۔کسی نے کہا کہ جب تم روضہ

روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چت گرنے سے میری کمر کے مہرے ٹھیک ہو گئے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چت گرے اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل، تمہارے مہرے سیٹ کر دیئے اور ڈاکٹروں کو آج تک یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ مہرے کیسے سیٹ ہوئے؟ اصل بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرم کیا اللہ تعالیٰ نے صحت دی۔ انہوں نے بتایا کہ میں اٹلی، امریکہ، سنگاپور، انڈیا، تھائی لینڈ (۳ مرتبہ)، ہانگ کانگ، ملیشیاء، ترکی، مکہ، مدینہ، سعودی عربیہ سمیت بہت دنیا دیکھی۔اب کوئی حسرت باقی نہیں۔حاجی عبدالرزاق تابانی نے بتایا کہ میں ادارہ تحقیقات امام رضا (انٹرنیشنل) کا لائف ٹائم ممبر ہوں اور "معارفِ رضا" کا بھی۔انہوں نے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی سالانہ کانفرنسوں، ماہنامہ "معارفِ رضا" اور دیگر کتابوں کی اشاعتی کوششوں کو ملک و ملت اور امت کے لیے بہترین خدمت قرار دیا اور کہا کہ سید وجاہت رسول قادری کی زیر نگرانی ابلاغ دین کا بہت بڑا کام ہو رہا ہے۔اہل خیر کو ان کا معاون بننا چاہیے۔انہوں نے مجلہ "انوارِ رضا" کو چشمہ فیض قرار دیا اور کہا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے نام کا یہ رسالہ اللہ رب العالمین کی خاص مہربانیوں کا ثمر ہے اور اس پر حضرت شہنشاہِ ولایت کی مہر لگ گئی ہے۔

(۸)

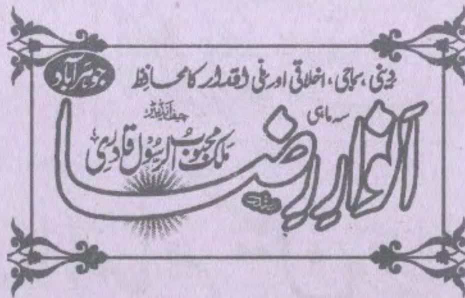
فیض عالم رحمۃ اللہ علیہ کی فیض رسانیاں

عقیدت خوش نصیب افروز کو داتا ؒ کی ملتی ہے
عطا زاہد کو ہوتی ہے الفت میرے داتا ؒ کی

کسی صورت سے کوئی خوش ہو ان کا نام لیوا ہی
مجھے اتنی سی ہی مل جائے نسبت میرے داتا ؒ کی

پکارے تو کوئی محمودؔ داتا ؒ کو تہہ دل سے
پہنچ جاتی ہے ہر حالت میں نصرت میرے داتا ؒ کی

(راجا رشید محمودؔ)



حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر

حسن ترتیب

حضرت سیّد علی ہجویری

رحمۃ اللہ علیہ کا تصورِ جود و سخا اور مشاہدہ

(کشف المحجوب کی روشنی میں)

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی☆

حضرت داتا گنج بخش علی الہجویری علیہ الرحمۃ (م ۴۶۵ھ) اُن برگزیدہ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم میں سے ہیں جو ہر دور اور ہر نسل میں لائقِ احترام رہے۔ صوفیاءِ کبار اپنی سربلندیوں کے باوجود اس بارگاہ میں سرخمیدہ رہے، حضرت سلطان الہند خواجہ بزرگ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے تو قدم بوسی کا نقشِ دوام چھوڑا ہے اور برملا اعلان کیا ہے کہ آپ کی گنج بخشی نہ تو عصری محدودیت کی اسیر ہے اور نہ ہی طبقاتی تنگ ناؤں میں قید ہے، ناقص آئیں گے تو کاملیت مرشد کے فیض سے تکمیل ہدایت کی خیرات پائیں گے۔ اور اگر آسمانِ تصوف کے ماہتاب حاضر ہوں گے تو آفتابِ ولایت کی ضیاء بخشیوں سے راہِ صنعا کو دمکتا ہوا پائیں گے، یہ صرف دعویٰ ہی نہیں اس پر صدیوں کا تعامل شاہد عادل ہے۔ ہر دردمند دل آج بھی حاضری کے لمحات سے خورسند ہوتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ: ع

"قدموں سے پھوٹتی ہے کرن ماہتاب کی۔"

عصرِ حاضر کے عبقری حکیم دانا نے تو صراحت کے ساتھ اس فیض بخشی کا اعتراف کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

☆ صدر مرکز تحقیق، فیصل آباد

خاکِ پنجاب از دمِ اُو زندہ گشت　　　صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت

یقیناً مرقدِ سید ہجویر علیہ الرحمۃ اہلِ نظر کے لیے "مرکزِ معارف" ہے، اس پر مستزاد یہ کہ قافلہ سالارِ تصوف نے ایک ایسا نوشتۂ ہدایت بھی طالبانِ حق کو عنایت فرمایا جس کی سطر سطر بلکہ حرف حرف سے نورِ یقین ہویدا ہوتا ہے۔ اَن گنت متلاشیانِ رشد اس سے بامراد ہوئے اور لاتعداد وارفتگانِ تصوف نے راہِ سلوک میں استقامت پائی۔ "کشف المحجوب" اس درجہ بصیرت افروز تحریر کی حامل کتاب ہے کہ صوفیاء کرام کا ہر سلسلہ اس کی اہمیت اور افادیت کا معترف رہا، بے شمار راہِ حق کے مسافر اس تحریر کی تابناکی سے زندگی کی شب تاریک کو روشن کرتے رہے حتیٰ کہ برصغیر پاک و ہند کے ایک نامور، ممتاز اور لائق احترام و تعظیم بزرگ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک فرمایا کہ:

"اگر کسی کو راہِ حق کا راہنما نصیب نہ ہو تو وہ اس کتاب یعنی کشف المحجوب کا مطالعہ کرے، اس کو مرشدِ کامل مل جائے گا۔" (۱)

حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ نے اس کتاب کا مکمل مطالعہ کیا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر جلیل الشان بزرگ اس تحریر کی عظمتوں کا اعتراف کر رہے ہیں اور یہ بھی کہ حاصل مطالعہ بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ کتاب صرف کلمات و ارشادات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اس میں ہدایت اور راہنمائی کا ایک لامتناہی خروش موجزن ہے، الفاظ بے جان حروف کا مجموعہ ہی نہیں، زندہ حقیقتوں کے مرقع ہیں جو قاری کی سماعتوں کو نوازتے ہیں اور بیدار دلوں کو سوزِ یقیں عطا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے کلمات میں اپنے وجدان کا وہ ذوق امانت رکھا ہے جو پڑھنے والے انسان کے باطن کو مسکن بناتا ہے اور اُسے تب و تابِ جاودانہ عطا کرتا ہے۔ خود حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا احساس تھا، فرماتے ہیں:

"میں نے یہ کتاب اُن لوگوں کا زنگِ کدورت دور کرنے کے لیے لکھی ہے جو حجابِ غینی یعنی پردۂ صفات میں گرفتار ہیں اور اُن کے دلوں میں نورِ حق کا خزانہ موجود ہے، تاکہ اس کتاب کے پڑھنے کی برکت سے وہ حجاب اٹھ جائے اور مقصود و معنیٰ حقیقی کی طرف انہیں راہ مل جائے۔" (۲)

اس سے واضح ہوا کہ کشف المحجوب درحقیقت رفعِ حجاب کا ذریعہ ہے اور اس کا نام اسی مقصود کے اظہار کے لیے رکھا گیا ہے، خود فرماتے ہیں:

"چونکہ یہ کتاب راہِ حق کے بیان، کلماتِ تحقیق کی شرح اور حجابِ بشریت کے کشف میں ہے، لامحالہ اس کتاب کے لیے اس کے سوا کوئی اور نام موزوں و صحیح ہو سکتا ہی نہیں۔" (۳)

کشف المحجوب کا اندازِ تحریر، دورِ تصنیف میں بھی جذاب تھا اور عصرِ حاضر میں بھی پُرکشش ہے بعض احباب نے وقتِ تصنیف مشورہ دیا تھا کہ کشف المحجوب کو ادبی شہ پارہ ہونا چاہیے اس لیے کہ وہ لوگ حضرت داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ کے ادبی مقام و مرتبہ کو جانتے تھے۔ دیوانِ شعر کا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کی ابتداء ہی میں ذکر کیا ہے اور اس کے گم ہونے پر متاعِ عزیز کی گمشدگی کی طرح افسوس کیا ہے۔ آپ چونکہ اس کتاب کو راہِ سلوک کے مسافروں کے لیے مینارۂ نور بنانا چاہتے تھے اس لیے مقصود کے تعین نے اندازِ تحریر کی تحدید کر دی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو شاید یہ بھی احساس تھا کہ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے جو برصغیر پاک و ہند میں غیر عرب قارئین کے سامنے آئے گی۔ اس لیے آپؒ نے اپنی عربیت کے کمال کے باوجود اسے فارسی نثر میں آسان پیرائے میں قلم بند کیا، تحریر کے حوالے سے یہ تمام حد بندیاں واضح کر رہی ہیں کہ آپ تبلیغِ دین میں کس قدر پُرخلوص تھے، پیشکش کی یہ سہولت اس لیے بھی ضروری ہوئی کہ طریقت کے میدان میں بے راہ روی کا چلن ہونے لگا تھا۔ فرماتے ہیں:

"ہمارے زمانے میں خاص کر اس علاقہ کے لوگ درحقیقت علمِ طریقت سے دور ہو کر ہوا و ہوش میں گرفتار ہو چکے ہیں، رضائے الٰہی سے کنارہ کش ہو کر علماءِ حق کے طریقے سے بھٹک چکے ہیں، آج جو لوگ طریقت و تصوف کے مدعی نظر بھی آتے ہیں۔ تو وہ درحقیقت اہل طریقت کے برخلاف عمل کرتے ہیں اور طریقت کو بدنام کرتے ہیں لہٰذا ایسی استعداد و صلاحیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مقام تک رسائی حاصل ہو جائے جہاں تک اہلِ زمانہ کی دسترس ہی نہیں۔" (۴)

یہ تھی وہ احتیاج اور یہ تھا وہ مقصود جو حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے لیے "کشف المحجوب" کی تحریر کا محرک بنا!! آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ مدعیانِ طریقت کو کامیاب راہنمائی

عطا کی بلکہ صاحبانِ شریعت کو بھی شرعِ متین کے حسن و جمال سے آگاہ کیا۔ اس طرح کشف المحجوب شریعت وطریقت کی پاسداری کا روشن نشان قرار پائی۔ قرآن مجید سے کسبِ فیض، احادیثِ رسول اسے عقیدت مندانہ استخراج اور علماء وصوفیاء کی نگارشات و ہدایات سے متعلمانہ وارفتگی نے کشف المحجوب کو دنیائے علم ویقین کا فیض رساں حوالہ بنا دیا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب بظاہر اپنے ہم سفر حضرت ابوسعید غزنوی علیہ الرحمۃ کے ایک استفسار کے جواب میں لکھی مگر درحقیقت یہ اُن تمام سوالوں کا جواب ہے جو اصلاحِ احوال کے حوالے سے مدعیانِ تصور کے ہاں پیدا ہو چکے تھے۔ تاریخِ تصوف کا طالب علم جانتا ہے کہ جن مضامین کی تشریح اور جن اشکال کی اصلاح کشف المحجوب کی تحریر کا مقصود تھا، وہ مضامین و اشکال ہر دور میں نمایاں رہے ہیں۔ آج کا طالب علم ان موضوعات کو عصرِ حاضر کا تقاضا بھی سمجھتا ہے اور اپنے اندر کا اضطراب بھی اسی سے منسوب کرتا ہے۔ اس لیے بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب آج بھی اُسی طرح لائق احترام اور قابلِ توجہ ہے جیسا کہ عصرِ تصنیف میں تھی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوبِ تحریر بھی پُر کیف ہے اور اندازِ پیشکش بھی پُر بہار ہے۔ ابواب وفصول کی ترتیب و جامعیت، مصنف کے ذہن وعلم کی تہہ گیری اور وسعت پر دلالت کرتی ہے، وہ تمام موضوعات جو جادۂ حق کے مسافر کے لیے لائق التفات ہیں، اِس کتاب میں پوری مہارت سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ایک کامل راہنما کی طرح کشف المحجوب راہِ زیست کو آسان اور دلکش بناتی ہے۔ موضوعات کی فہرست واضح کر رہی ہے کہ اس سفر نصیب میں کہیں الجھاؤ نہ آئے گا اور کوئی پڑاؤ رکاوٹ نہ بنے گا۔ کتاب نظریاتی مباحث پر اُسی طرح راہنمائی عطا کرتی ہے جس طرح وہ عملی بے راہ رویوں کا ازالہ کرتی ہے۔ قرآن وحدیث کے حوالے استخراجات کو استحکام اور یقین عطا کرتے ہیں تو راہِ ہدایت کے راہ یاب مسافروں کے نقوشِ قدم اعتماد وحوصلہ عطا کرتے ہیں، متعدد موضوعات اور عناوین سے صرف دو کا حوالہ اس دعویٰ کی تصدیق کے لیے کافی ہوگا۔ آئیے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات سے اپنے اندر کے اضطراب کو سکون عطا کریں۔

ا۔ جود وسخا

"جود" اور "سخا" دو کلمات تقریباً ایک سی حالت اور ایک سے روئیے کے ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔ عطا کرنا، کسی کی ضرورت کو اپنی احتیاج پر ترجیح دینا ایک مستحسن عمل ہے اور ہر دور میں جود وسخا کو محمود جذبوں کا عکاس سمجھا گیا ہے، ہر معاشرے میں ان رؤیوں کو عظمتِ انسانی کا بلند ترین معیار گردانا گیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مومنانہ روشِ تحریر کی پاسداری کرتے ہوئے ابتداء حدیث مبارکہ سے کی ہے۔ یہ روش قاری کو متنبہ کر دیتی ہے کہ ایک صاحب ِایمان کا سلیقۂ تحریر کیا ہونا چاہیے اور یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ کشف حجاب کا قرینہ کیا ہے، احکام کی بجا آوری اور ان پر اعتماد کے لیے یہ اندازِ ابتداء نہایت مؤثر اور پروقار ہے، اگرچہ حدیث کی شرح کی فوری ابتداء نہیں ہوئی کہ قاری کو ابھی ان کلمات کی حدود سے آشنا کرنا تھا۔ جود اور سخا کا فرق اور ان کے استعمال کی حدود پر گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کو کس درجہ زبان کے دقائق پر قدرت حاصل ہے۔ ایک ماہرِ لسانیات کا وقار تشریح الفاظ اور تعیین معنی میں قاری کو مرعوب کرتا ہے اور جب وہ ان اسماء کی تفہیم تک اُترنے لگتا ہے تو تربیتِ باطن کی جولانیوں سے مانوس ہو چکا ہوتا ہے۔ ایک باکمال صوفی صرف عمل ہی میں محتاط نہیں ہوتا، وہ لفظوں کے استعمال کو بھی ہر قدم پابندِ آداب بناتا ہے۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ محبت صفات شماری میں وارفتگی کی وسعتوں کا شکار ہوتی ہے، ذاتی تعلق کی نوعیت الفاظ تراشنے اور اپنے جذبوں کو مناسب نام دینے کی محرک بنتی ہے اس لیے ہر انسان اسماء والقاب میں خود پسندی کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ اس انفرادی میلان کو جانتے تھے اور اس کی بے شمار بے راہ رویوں سے بھی آشنا تھے اس لیے ممکنہ بہکاؤ سے محفوظ رکھنے کے لیے ابتداء ہی میں انتخابِ اسماء کا سلیقہ واضح کر دیا گیا اور ایک مستقل اصول بیان فرما دیا گیا۔ یہ اندازِ بیان اس دردمندی کا غماز ہے جو ایک راہبر کے دل میں ہمیشہ موجزن رہتا ہے۔

سخاوت، محبوب صفت ہے اس لیے ایک عام انسان اسے بھی خالق و مالک کے اسماءِ حسنہ کا حصہ بنانے کی ترغیب پاتا ہے۔ اُسے اس استعمال کی نزاکتوں کا شاید احساس بھی نہ ہو مگر جسے فکر و نظر کی ہمہ تر راہنمائی عطا کرنا ہے وہ اس کی نزاکتوں کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے؟ اس

لیے وضاحتوں کی ابتداء ہی اس طرح ہوئی۔ فرماتے ہیں:

"اہل علم کے نزدیک جود وسخا ایک ہی معنی صفاتِ بشریہ میں ہیں۔" (۵)

یعنی مخلوقات کے حوالے سے جُود اور سخا ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں، دونوں کلمات میں سے کسی ایک کا دوسرے کی جگہ استعمال ممکن ہے اور اکثر ہوتا ہے مگر آپ کی تنبیہ ملاحظہ کیجئے:

"حق تعالیٰ کو "جواد" کہہ سکتے ہیں مگر "سخی" نہیں کہہ سکتے۔" (٦)

اب سوال یہ کہ کیوں نہیں کہہ سکتے؟ تو ایک حد درجہ عامل احکام وشرائع کا ارشاد سنیے:

"حق تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات توفیقی ہیں، حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو جواد تو فرمایا لیکن سخی نہیں کہلوایا ہے اور نہ کسی حدیث میں اللہ کی صفت سخی وارد ہے، اجماعِ امت اور اتفاقِ اہل سنت کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں ہے۔" (۷)

دعویٰ یہ تھا کہ "سخی" نہیں کہہ سکتے، اب اس پر دلیل لائے اور دلائل کی ابتداء فرامین اِلٰہی سے ہوئی، اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی اپنے لیے سخی کا کلمہ استعمال نہیں کیا، ہاں! "جواد" کہا ہے۔ تو ثابت ہوگیا توقیفی عمل "جواد" کہنا ہی ہے۔ قرآن مجید کو استدلال کی اولیت اساس بنا کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طریق استنباط کو واضح کر دیا۔ پھر اس کے لیے کسی حدیث میں کوئی حتمی اشارہ موجود نہیں جو آپ کے نزدیک قرآن مجید کے بعد استدلال کی دوسری اساس ہے۔ اجماعِ امت کی حتمیت بھی تسلیم و رضا کی ایک مضبوط اساس ہے اور وہ بھی موجود نہیں، اجماعِ امّت سے مترشح ہوا کہ امت کا اجماع بھی استخراجِ احکام کے لیے اساسی حیثیت رکھتا ہے، مگر یہاں داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کا میلانِ طبع دیکھئے کہ اجماعِ امت کے ذکر سے متصل ہی اتفاقِ اہل سنت کا ذکر کیا، اس سے آپ کے ایمان و ایقان کی حدود کی بھی خبر ملی اور آپ کے موعودِ ذہنی کا بھی اندازہ ہوا۔ قرآن مجید، حدیث رسول اکرم ا، اجماعِ امت اور اتفاقِ اہل سنت ہی آپ کے نزدیک استدلال کی بنیادیں ہیں۔ بات اسماء کے محل استعمال کی ہو رہی تھی مگر نتیجہ یہ نکل آیا کہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان و ایقان کی حرارت گری کس طرح ہوئی ہے اور تصوف کے دعویداروں پر واضح ہوگیا کہ جو وجود اسماء وکلمات کے استعمال میں اس قدر پابند آداب ہے، وہ اعمال اور روّیوں میں کیسا ہوگا!! مزید فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے۔

"کہ باعتبارِ عقل ولغت، اللہ تعالیٰ کو کسی نام سے پکارا جائے جب تک کہ کتاب وسنت

اس پر ناطق نہ ہو۔"(۸)

اللہ اللہ! کس قدر احتیاط کا عالم ہے، کیا آج کا صوفی شریعت کے احکام کی اس طرح پابندی کر رہا ہے؟ اگر نہیں تو سوچیے! داتا، داتا پکارنے سے کیا حاصل ہوگا؟ متوجہ کرنے کا مطلب تو یہی ہوتا ہے کہ اتباعِ حکم اور تعمیل ارشاد کا شوق فراواں ہے وگرنہ متوجہ کرنا سوءِ ادب ہو گا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ماہر استاذ کی طرح طلبہ کے اذہان کو مزید صیقل کرنے کے لیے ایک مثال بھی تحریر فرمائی، فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں "عالم" ہے، باجماعِ امت اسے "عالم" تو کہہ سکتے ہیں لیکن عاقل و فقیہ نہیں کہہ سکتے، اگرچہ عالم، عاقل اور فقیہ کے معنیٰ ایک ہی ہیں، اسی طرح بر بنائے توقیف، اللہ کو "جواد" تو کہہ سکتے ہیں لیکن عدم توقیف کی بناء پر "سخی" کا استعمال اُس کے لیے درست نہیں۔"(۹)

"جواد" اور "سخی" کے حوالے سے استعمال کی مستحسن صورت کے ذکر کے بعد ذہنوں میں اٹھنے والے اس سوال کا بھی جواب دے دیا گیا کہ آخر ہم معنیٰ کلمات میں اخذ و ترک کا کوئی معنوی سبب بھی ہے یا یہ صرف تقاضائے ادب ہے، تو اس کی مختصر وضاحت بھی تحریر فرما دی گئی اور اہلِ علم کے حوالے سے اس باریک فرق کو واضح کر دیا گیا۔ فرمایا:

"سخی وہ ہوتا ہے جو بخشش و عطا میں احتیاط برتے، یعنی وہ کسی غرض و سبب کو ملحوظ رکھے، یہ جود کا ابتدائی درجہ ہے، لیکن جود کا کامل مرتبہ یہ ہے کہ وہ کسی قسم کا امتیاز نہ برتے اور اُس کا فعل بے سبب و بے غرض ہو۔"(۱۰)

بخشش و عطا جب ہر حیثیت سے بے غرض ہو جائے اور جس میں ذاتی پسند و ناپسند کے بجائے صرف عطا ہی مقصود ہو تو اس کو "جود" کہتے ہیں، اس کی وضاحت اور تطبیق کے لیے حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ مثالیں درج کی ہیں جن سے یہ فرق برہن ہو جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سخا کا مظہر آپ کا مہمان نوازی کا رویّہ ہے، آپ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ آپ ہر کھانے پر کسی مہمان کی موجودگی کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ اُس کے بغیر کھانا نہ کھاتے حتیٰ کہ ایک مرتبہ تین روز اسی انتظار میں گزر گئے، تیسرے روز ایک آتش پرست کا وہاں سے گزر ہوا، آپ نے پوچھا کون ہو؟ اس نے کہا آتش پرست ہوں، آپ نے فرمایا جاؤ تم میری میزبانی کے

حقدار نہیں ہو، اتنا کہا ہی تھا کہ وحی آئی کہ اللہ تعالیٰ نے تو اُسے ستر سال پالا ہے اور آپ نے اُسے ایک روٹی بھی نہ دی، یہ رویہ سخا کا ہے کہ سخاوت میں پسندیدہ عطا ایسے ہی ہوتی ہے مگر اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاتم طائی کا بیٹا آیا تو آپ نے اس کے نیچے اپنی چادر بچھا دی اور فرمایا:

اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ۔ (۱۱) جب تمہارے ہاں کسی قوم کا کوئی معزز، صاحب تکریم انسان آئے تو اس کی تکریم کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مقامِ سخاوت پر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ جُود پر ہیں۔

یہ سوال کہ اس فرقِ مراتب کا شعور کیسے بیدار ہو اور یہ کہ اس امتیاز مراتب کا احساس کیسے ہو!! تو اس پر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عمدہ پیمانہ امتیاز کا ذکر کیا ،وہ یہ کہ جب بھی کسی کو کچھ دینے کا کوئی موقع سامنے آئے تو عطا کے لیے جو خیال پہلے آئے تو اس پر عمل کرلیا جائے، کیونکہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک:

"پہلا خیال حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔" (۱۲)

اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تاجر کا ذکر کیا جو ہمیشہ حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں رہتا تھا، ایک روز اس تاجر سے کسی درویش نے کچھ مانگا، اس کے پاس ایک دینار اور کچھ سکے تھے، پہلا خیال آیا کہ دینار دے دوں، دوسرا خیال یہ آیا کہ سکے دے دوں۔ چنانچہ سکے دے دیئے، حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس کا ذکر ہوا تو فرمایا اس نے ابھی اللہ تعالیٰ سے بحث کی ہے، اسے پروردگار نے تو حکم دیا تھا کہ دینار دے دو، اس نے سکے دے دیئے اور پہلے خیال پر عمل نہ کیا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ ابوعبداللہ رودباری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک واقعہ اسی حوالے سے نقل کیا ہے اور جود وسخا کا فرق واضح کیا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بڑا واضح ہے کہ:

اَلصُّوْفِیُ دَمُہٗ ھَدْیٌ وَ مِلْکُہٗ مُبَاحٌ (۱۳) یعنی صوفی کا خون معاف ہے اور اس کی ملکیت مباح ہے

یعنی اُس کا خون اس کی ملکیت نہیں رہا کہ وہ اُس پر کوئی دعویٰ رکھے اور اُس کا مال اُس کا نہیں سب کا ہے۔ یہ دنیا سے لاتعلقی کی وہ منزل ہے کہ جو اپنا ہے وہ بھی اپنا نہیں رہا۔ اسی کی ایک صورت آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ ابو مسلم فارسی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیش آنے والے ایک واقعہ سے استنباط کی ہے کہ ڈاکوؤں نے سب کچھ لوٹ لیا مگر ان درویشوں کو کوئی ملال نہ ہوا، ایک شخص نے اس پر احتجاج کیا تو وہ کہنے لگے یہ صوفی نہیں کہ مال چھن جانے پر چیخ رہا ہے۔

سخاوت و جود کے حوالے سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کو سرِ آغاز بنایا ہے، حدیثِ مبارکہ ہے:

السَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ وَ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَ الْبَخِیْلُ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ۔ (۱۴)

سخی جنت کے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل دوزخ سے قریب ہے اور جنت سے دور ہے۔

سخاوت کی اہمیت اور دینی حوالوں سے اس کی مداومت پر حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے متعدد روایات نقل کی ہیں تاکہ اس کے بارے میں اسلامی و ایمانی رؤیوں سے آگہی ہو جائے اور قاری کے دل میں بھی اس کی حیثیت راسخ ہو جائے، آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے بھی استشہاد کیا ہے کہ کس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمہ تر سخاوت بلکہ جود کو اپنے اُسوہ سے واضح فرماتے تھے، مثلاً:

"بادشاہِ حبش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو نافے کستوری کے تحفہ میں بھیجے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی بار اُسے پانی میں گھول دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مَل دیا۔" (۱۵)

یعنی اس قدر قیمتی و نایاب تحفہ ایک ہی نشست میں بانٹ دیا گیا۔ یا مثلاً:

"حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضورِ اکرم ا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان کی وادی میں جو بکریاں تھیں، وہ اُسے دے دیں، وہ اپنی قوم میں گیا اور کہنے لگا: تم سب مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا زیادہ عطا کرتے ہیں کہ اپنی تنگ دستی سے بھی نہیں ڈرتے۔" (۱۶)

یا یہ روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے:

"حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اسی ہزار درہم لائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو ایک چادر پر پھیلا دیا اور جب تک ان سب کو تقسیم نہ فرمایا، اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔" (۱۷)

حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"میں دیکھ رہا تھا کہ آپ کے شکم پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔" (۱۸)

سخاوت و عطا کا یہ سلسلہ صحابہ کرام و اہل بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم میں بھی اسی طرح جاری رہا چنانچہ روایت ہے کہ:

"ایک شخص نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھ پر چار سو درہم قرض ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسے چار سو درہم دے دیئے جائیں اور خود روتے ہوئے اندر تشریف لے گئے، لوگوں نے پوچھا: رونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا اس لیے روتا ہوں کہ میں نے اس شخص کے حال کی جستجو میں کوتاہی کی ہے، یہاں تک کہ میں نے اُسے سوال کی ذلت میں ڈال دیا۔" (۱۹)

سائل کو دینا بھی سخاوت ہے، مگر سائل کو سوال کرنے پر مجبور کرنا ایک معاشرتی مسئلہ تو ہے۔ کہتے ہیں کہ سخی وہ نہیں جو کنوئیں کی طرح رسی ڈالنے والے کو سیراب کرے بلکہ اُس میں وہ فیض رساں بادل ہونا چاہیے جو خود گھر گھر جا کر برسے۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے کہ:

"آپ نے ایک سفر میں ایک حبشی غلام کو بکریوں کی رکھوالی کرتے دیکھا، اسی اثناء میں ایک کتا آیا اور غلام کے آگے بیٹھ گیا، اُس نے ایک روٹی نکال کر اُس کے آگے پھینک دی، اس کے بعد دوسری اور پھر تیسری، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا، "تیرا روز کا کھانا کتنا ہے؟" اس نے کہا: "اتنا ہی جتنا آپ نے دیکھا" فرمایا: "سب کیوں کھلا دیا؟" اُس نے کہا "یہ علاقہ وہ ہے جہاں کتے نہیں ہوتے، معلوم ہوتا ہے کہ کہیں دور سے امید کے ساتھ آیا ہے، اس لیے میں نے اچھا نہ جانا کہ اس کی محنت ضائع کر دوں۔" حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ حیرت زدہ ہوئے، آپ نے غلام، چراگاہ اور بکریاں خرید لیں، غلام کو آزاد کر دیا، بکریاں اور چراگاہ اُسے بخش دیں، غلام نے دعا کی اور چراگاہ کو وقف کر دیا بکریاں خیرات کر دیں اور خود وہاں سے چلا گیا۔" (۲۰)

مقصودِ روایت یہ ہے کہ سخاوت کچھ ہونے پر دینے کا ابتدائی مقام ہے، اصل تو

سخاوت سب کچھ لٹانے کا نام ہے، جیسا کہ غلام کے رویئے نے ثابت کر دیا، غلام تھا مگر کس قدر بڑا سخی تھا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے متأخرین میں سے ایک درویش کے بارے میں لکھا کہ اُسے کسی حکمران نے تین ہزار درہم دیئے، وہ لے کر حمام گیا اور سب تقسیم کر کے آ گیا۔ سخاوت کے معیار کی برتری کا ایک فقید المثال حوالہ بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے درج کیا ہے کہ حضرت ابوسہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ خیرات کسی درویش کے ہاتھ پر نہ رکھتے بلکہ زمین پر رکھ دیتے تا کہ وہ اٹھا لے۔ وجہ پوچھنے پر آپ نے بتایا:

"اس طرح دینے میں وہ خطرہ نہیں رہتا جو کسی مسلمان کے ہاتھ میں دینے سے ہوتا ہے کہ اس طرح میرا ہاتھ اونچا ہو اور اس کا نیچا۔" (۲۱)

جود وسخا کے اس عالمانہ تذکرے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ساتویں کشفِ حجاب کے ضمن میں روزہ کا بیان کیا ہے کہ روزہ مال و دولت کے انفاق سے لے کر جسم و روح کی خیرات تک ممتد ہے، اس میں روزے کے احکام، روزے کی حقیقت، حواس کی دراز خواہشات کو پابندِ آداب بنانے میں روزہ کا کردار، صوم وصال کی حقیقت اور اس بارے میں احکام نیز چلّہ کشی کے آداب و حدود کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ روزہ جسم کی خیرات ہی تو ہے جس سے دوسروں کی محرومیوں اور فاقہ مستیوں کا اندازہ ہوتا ہے اور حواس پر شریعت کی حکمرانی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے کی حالت میں رمضان المبارک کے مہینے میں بخشش و عطا میں بادِ صبا کی روانی سے بھی بڑھ کر سخاوت فرماتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود بھی یہی ہے کہ روزہ صرف بھوک و پیاس کی آزمائش ہی نہ بنے بلکہ ایثار و سخاوت کا مظہر قرار پائے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں ایک واقعہ بھی نقل فرمایا ہے:

"حضرت شیخ ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ جن کو "طاؤس الفقراء" بھی کہا جاتا ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں بغداد آئے اور مسجد شونیزیہ میں ٹھہرے، اُن کو ایک حجرہ دیا گیا اور امامت سپرد کی گئی، عید تک آپ نے امامت فرمائی، تراویح میں پانچ دفعہ قرآن مجید ختم کیا، ہر رات خادم آپ کو ایک روٹی دے جاتا، عید کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے، خادم نے حجرے میں دیکھا کہ تیس کی تیس روٹیاں وہیں پڑی تھیں۔" (۲۲)

جود وسخا کا یہ باب ایسی سبق آموز حکایات اور تقویمِ عقیدہ و عمل کی اس قسم کی روایات

پر مشتمل ہے تاکہ جود وسخا کے بارے میں نظری، فکری اور عملی راہنمائی بہم ہو اور ایک مومن کے شانِ استغناء کا اظہار ہو، تاکہ متابعت کا ذوق بیدار رہے۔

۲۔ مشاہدہ:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے حسبِ عادت اس باب کا آغاز بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث مبارک سے کیا ہے۔ ارشادِ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اَجِیْعُوْا بُطُوْنَکُمْ دَعُوا الْحِرْصَ وَ اَعْرُوْا اَجْسَامَکُمْ قَصِّرُوا الْاَمَلَ وَ اظْمَأُوْا اَکْبَادَکُمْ دَعُوا الدُّنْیَا لَعَلَّکُمْ تَرَوْنَ اللّٰہَ بِقُلُوْبِکُمْ۔ (۲۳)

"اپنے شکموں کو بھوکا رکھو، حرص کو چھوڑ دو، اپنے جسموں کو ننگا رکھو، آرزو کو کم کرو، اپنے جگروں کو پیاسا رکھو، دنیا کو چھوڑے رکھو تاکہ تم اپنے دلوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے رہو۔"

دنیا میں محویت اور غرقابی کے یہی محرکات ہیں، پیٹ بھرا ہو تو غنودگی کا غلبہ متوقع ہے، اس کا نتیجہ بے خبری اور بسا اوقات بے بصری ہے۔ قرآن مجید میں شہر رمضان کو نزولِ قرآن کا دورانیہ بتایا گیا کہ ہدایت، روشن دلائل اور فرقانیت کی منزلیں طے کرنا چاہتے ہو تو روزہ رکھو، واضح کر دیا گیا کہ روزہ، تفہیمِ حکمت و احکام کا وسیلہ ہے اور روزہ کھانے پینے سے اجتناب کی اساس پر رکھا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کلام الٰہی تک رسائی کے لیے بھوکے رہنے کو لازم پکڑنا ہے، کلامِ الٰہی کا اگر یہ تقاضا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے لیے کیا کچھ کرنا ہوگا۔ اس لیے شرطِ اوّل شکموں کو بھوک کے امتحان میں گزارنا لازم ٹھہرا۔ بھوک کے بعد ایک اور اجتناب جو روئیوں میں مادی تعفن کو مٹاتا ہے، یہ ہے کہ حرص سے کنارہ کش رہا جائے۔ یہ تو اندر کی احتیاط تھی، ظاہر یہ کہ پوشاک اور لباس کے تفاخر سے بچو، خواہشات کو مختصر کرو تاکہ سچی خواہش پروان چڑھے، جگر بھوکے رکھو کہ ہر قسم کے مادی تعلق سے آزاد رہو، مختصر یہ کہ دنیا چھوڑ دو، دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے الگ رہو۔ یہ مادی حوائج جب انسان سے الگ ہو جائیں گے تو نورانیت روح دمکنے لگے گی، پھر امید کی جا سکتی ہے کہ انسان اپنے اندر کی بصیرتوں سے اپنے خالق و مالک کو دیکھ لے۔ ہم جانتے ہیں کہ رؤیت تو مقام بلند تر ہے، قربِ الٰہی کے لیے طور پر جانے والے جلیل

القدر رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی دنیاوی آلائشوں کے جوتے اُتارنے کا حکم ملا تھا۔

مشاہدہ اسی سر بلندی کا اجر ہے، اس کے لیے وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (۲۴) یعنی اُس کی طرف ہر تعلق سے کٹ کر آنے کا حکم ہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مشاہدہ و رؤیت کے امکان کو ثابت کرنے کے لیے حدیث جبریل علیہ السلام کا حوالہ دیا ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے انسانی لباس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں احسان کے بارے میں سوال کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ۔ (۲۵)

کہ تو اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، پس اگر تو اسے دیکھتا نہیں تو بے شک وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

مشاہدہ کی اس برتری کو مزید ثابت کرنے کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کا حوالہ دیا گیا کہ اُن کی طرف وحی آئی:

یَا دَاوٗدُ اَتَدْرِیْ مَا مَعْرِفَتِیْ قَالَ: لَا قَالَ هِیَ حَیَاةُ الْقَلْبِ فِیْ مُشَاهَدَتِیْ۔ (۲۶)

اے داؤد! (علیہ السلام) کیا تم جانتے ہو میری معرفت کیا ہے؟ عرض کیا، نہیں۔ فرمایا: معرفت میرے مشاہدہ میں دل کی زندگی ہے۔

معرفت نام ہے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں دل کے زندہ رہنے کا۔ معلوم ہوا کہ دل زندہ نہیں ہوتے جبکہ وہ مشاہدہ کے کیف میں نہ رہیں۔ صوفیاءِ کرام کے نزدیک مشاہدہ سے مراد ذاتِ الٰہی کو دل کی آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ بامراد اور با توفیق وہ صوفیاء ہیں جو حق تعالیٰ کا خلوت و جلوت میں دل کی آنکھ سے بے کیف مشاہدہ کرتے ہیں، راہِ تصوف کی معراج یہی ہے کہ صوفی باصفاء کے دل کی آنکھ بیدار ہو جائے، یہ شرف ہر ایک کا مقدر نہیں کہ بقول حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ:

"حقائق اشیاء کے معانی و مطالب اسی پر کھلتے اور منکشف ہوتے ہیں جس کو خاص اسی لیے پیدا کیا گیا ہے۔" (۲۷)

کشف المحجوب کی تصنیف کا مقصد حجابات مٹانا ہی ہے تاکہ مشاہدہ کی قوت بیدار ہو،

اس حقیقت کی وضاحت حضرت ابوالعباس بن عطار رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (۲۸)

یعنی" بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر انہوں نے اس پر استقامت اختیار کی۔

کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ" کا اعلان مجاہدہ کے ساتھ ہو تو پھر اسْتَقَامُوْا کی منزل "عَلٰی بَسَاطِ الْمُشَاهَدَة" حاصل ہوتی ہے۔ صرف یہ کہہ دینا کہ ہم سب کا رب اللہ ہے، ایک دعویٰ ہے جو صرف زبان کا اعلان ہے۔ ہاں! اگر ربوبیت کا اقرار، مجاہدہ نفس کے ساتھ ہو تو یہ اعلان ہمہ تر اعتراف اور دائمی ایقان کا وسیلہ بنتا ہے۔ اس لیے اس منزل کو پالینے والے ہمہ وقت مشاہدہ کے شرف پر قائم رہتے ہیں اور اسی پر قرار پاتے ہیں۔

یہ سوال کہ مشاہدہ کی حقیقت کیا ہے؟ تو حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ صحت یقین حاصل ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایسا یقین کہ کوئی شک راہ نہ کاٹے۔ مکمل یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ سب اقوال کو دیکھتا ہے، التجائیں سنتا ہے، سب کے حالات جانتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔ اس لیے ہر لمحہ اُس کا وجود ہی پیش نظر رہے، اگرچہ یہ مشاہدہ کی پہلی منزل ہے۔

۲۔ دوسری حقیقت یہ کہ صحت یقین کے ساتھ وہ ایسے غلبہ محبت کو پہنچے کہ وہ خود ہمہ تن محبوبِ حقیقی کا کلام بن جائے اور اُسے اُس کے سوا کچھ نظر نہ آئے۔

ایسی ہی کیفیت کا اظہار حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ملتا ہے۔ فرماتے ہیں:

دوئی از خود بدر کردم یکے دیدم دو عالم را
یکے دیدم یکے بینم یکے خواہم یکے دانم
ھوالاوّل ھوالآخر ھوالظاھر ھوالباطن
بخیر یا ھُوَ ھُوَ ھُوَ دیگر چیزے نمی دانم

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس کیفیت جذب و محبت کے حوالے سے بعض

صوفیاء کے اقوال نقل کیے ہیں مثلاً محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

مَا رَأَیْتُ شَیْئًا قَطُّ اِلَّا وَ رَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ اَیْ بِصِحَّۃِ الْیَقِیْنِ۔ (۲۹)

میں نے کسی چیز کو ہرگز نہ دیکھا مگر اُس میں صحت یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

ایک دوسرے بزرگ کا ارشاد ہے:

مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰہَ قَبْلَہٗ (۳۰)

میں نے کسی چیز کو نہ دیکھا مگر میں نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا قول مزید وضاحت کا حامل ہے۔ فرماتے ہیں:

مَا رَأَیْتُ شَیْئًا قَطُّ اِلَّا اللّٰہَ یَعْنِیْ بِغَلَبَاتِ الْمَحَبَّۃِ وَ غِلْبَانِ الْمُشَاھَدَۃِ (۳۱)

میں نے ہرگز کسی چیز کو نہ دیکھا مگر اللہ تعالیٰ کو دیکھا، مراد یہ ہے کہ غلبہ محبت اور مشاہدہ کے جوش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھا۔

یہ ہی وہ مقام محبت ہے جس کے بارے میں عرب کہتے ہیں:

حُبُّکَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَ یُصِمُّ

یعنی تیری کسی چیز سے محبت تجھے دوسروں کی طرف سے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

اُنس کا کیف نسیان کو بھی محیط ہوتا ہے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مشاہدۂ حق کے دو مدارج کا ذکر کرتے ہیں، ایک نظری اور استدلالی درجہ ہے کہ اس مقام پر فائز انسان کائنات کے ہر ذرے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے جاری رہنے کا عمل دیکھتا ہے، یعنی وہ فعل کی کارفرمائی کو بچشم سر دیکھتا ہے۔ یہ فعل الٰہی کا مشاہدہ ہے اور وہ اس مشاہدہ میں اس قدر محویت پاتا ہے کہ فعل سے فاعل کو جاننے لگتا ہے، گویا نظرِ ظاہر سے فعل کا مشاہدہ کرتا ہے اور نظر باطن سے فاعل کا، یہ استدلالی درجہ ہے کہ فعل سے فاعل تک کا سفر ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس قدر سرشار ہو جائے کہ اُسے اس کے سوا کچھ نظر نہ آئے حتیٰ کہ وہ اپنا وجود بھی نہ دیکھے۔ یہ جذباتی یا مجذوبانہ طرزِ مشاہدہ ہے۔ اس درجہ مشاہدہ میں استدلال کا کوئی مقام نہیں ہوتا بلکہ یہاں تو دلائل حجاب بن جاتے ہیں، یہ معرفت کا وہ مقام ہے جہاں غیر کا گزر نہیں۔ اس لیے کہ محبت کرنے والا محبوب کے سوا کسی کو نہیں

دیکھتا۔ نظر توحید مست ہو جاتی ہے اور غیر کا شرک کوئی وجود نہیں رکھتا۔ ایسے مست الست لوگوں پر اعتراض نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ خود بھی اعتراض کی منزل سے یقین کی منزل پر آ چکا ہوتا ہے۔ وہ کسی فعل یا حکم پر معترض نہیں ہوتا کہ اس طرح مخالفت ہوگی جو سراسر تعرف ہوگا۔

اس توحیدِ نظر کی دلیل کے طور پر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معراج کے حوالے سے سورۃ النجم کی آیات سے استشہاد کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ (۳۲) آنکھ نہ پھری اور نہ بھٹکی۔

فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر رؤیت کی آخری منزل پر بھی نہ تو مقصودِ نظر سے ادھر اُدھر ہوئی اور نہ مقصدِ نظر سے بھٹکی۔ یہ اس لیے کہ "مِنْ شِدَّةِ شَوْقِهٖ إِلَى اللّٰهِ" (۳۳) اُسے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شدید شوق تھا۔ نتیجہ یہ نکالا گیا کہ محبت کرنے والا جب موجودات سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو وہ یقینا دل کی آنکھوں سے اپنے محبوب جو موجود حقیقی ہے، کو دیکھ لے گا۔ یہی مشاہدہ مطلوبِ مومن ہے۔ جب آنکھ غیر کی طرف بھٹکنے سے محفوظ ہو جاتی ہے تو رؤیت نصب ہوتی ہے، معراج کی رات بھی یہی ہوا، جیسا کہ خبر دی گئی:

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ (۳۴) بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھ لیں۔

یہ تو مقامِ نبوت کی سرفرازی ہے کہ رؤیتِ حق کی منزل کا شرف ملا، امت کو بھی سفر مشاہدہ میں بے توفیق نہیں چھوڑا گیا، اس لیے منصبِ نبوت کے تذکرے کے ساتھ مومنین کے لیے بھی راہِ عمل متعین کر دی گئی۔ ارشاد ہوا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (۳۵) آپ مومنوں کو فرما دیجئے کہ وہ اپنی آنکھوں کو بند رکھیں۔

مراد یہ ہے کہ:

اَیْ اَبْصَارِ الْعُيُوْنِ مِنَ الشَّهَوٰتِ وَ اَبْصَارِ الْقُلُوْبِ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ۔ (۳۶) "وہ سر کی آنکھوں کو شہوات سے بچائیں اور دل کی آنکھوں کو مخلوقات سے بچائیں۔"

اس لیے کہ مرادنِ باصفا کی عادت یہی ہوتی ہے کہ: ع

آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لیے

اس کے لیے مجاہدہ شرط ہے، مجاہدات میں مخلص ہی مشاہدہ کا سچا ہوتا ہے، وہ تو مخلص نہ ہوا جو مشاہدہ کی رفعت کا طلب گار ہے مگر مشاہدہ کی شرائط کی پابندی نہیں کرتا، یہی وہ امتحان ہے جو قرب کی منزل کا وسیلہ ہے اور جو مقصود سے ہی صرفِ نظر کر لے وہ بامراد کیسے ہو سکتا ہے؟ اسی لیے تو حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"جس نے ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں وہ تمام عمر ہدایت نہیں پاتا۔" (۳۷)

ہدایت تو استقامت چاہتی ہے اور یہ تو ہدایت کا مرکزی نقطہ ہے کہ:

"یک لحظہ غافل بودن و صد سالہ دور شد"

راہِ طریقت کا کامیاب راہی وہی ہے جس کی نظر ایک لمحہ بھی مشاہدۂ ذات سے ادھر اُدھر نہیں ہوتی اور اگر ہو جائے تو وہ اس دورانیے کو زندگی کا حصہ ہی نہیں گردانتا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے آپ کی عمر دریافت کی تو آپ نے چار سال بتائی، پوچھا گیا کہ کس طرح؟ جواب تھا "گذشتہ ستر سال دنیا کے حجاب میں گزرے ہیں کہ میں مشاہدہ سے دور تھا، چار سال ہو رہے ہیں کہ مشاہدہ کی منزل میں ہوں، اس لیے یہی حقیقی عمر ہے۔ حجاب کے سال تو عمر کا حصہ نہیں، بے توفیق مہ و سال، توفیق مشاہدہ کے ایام کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں۔

مشاہدہ میں حائل رکاوٹیں کیسی بھی ہوں حجاب ہی بنتی ہیں، اسی لیے تو بعض صاحبانِ عزیمت ایسے بھی ہیں جو جنت و دوزخ کی بشارت و وعید کو بھی اس راہ میں رکاوٹ ہی گردانتے ہیں۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِخْبَاءِ الْجَنَّةَ وَ النَّارَ فِيْ خَبَايَا غَيْبِكَ حَتّٰى نَعْبُدَ بِغَيْرِ وَاسِطَةٍ۔ (۳۸)	اے اللہ! جنت و دوزخ اپنے غیب کے خزانوں میں چھپا رکھو تا کہ ہم بغیر کسی واسطہ کے تیری عبادت کریں۔

راہ یابی اور توحیدِ نظری و عملی کی یہ معراج ہے کہ ذاتِ خالق کے سوا کوئی اور مقصود و مطلوب نہ بنے، اگرچہ یہ مقامِ بلند ہر ایک کا حصہ نہیں مگر جن کو یہ عظمت حاصل بھی ہے وہ بھی ہر ایک سے یا ہر کہیں اس کا اظہار نہیں کرتے۔ اس کے لیے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے حیاتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلیل نقل کی ہے وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے، اس

حوالے سے استفسار پر دو مختلف جواب روایت ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ارشاد فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ آپ انے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ اس سے سیرت نگاروں کو ایک اشکال محسوس ہوا۔ حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دونوں ارشادات حق ہیں، جہاں نفی ہے اُس سے مراد سر کی آنکھ سے دیکھنے کی ہے اور جس میں اثبات ہے، وہاں دل کی آنکھ سے دیکھنا مراد ہے۔

مشاہدہ کے حوالے سے اہل صفا کے ہاں مدارج کا اختلاف ہے، مثلاً حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

"اگر حق تعالیٰ مجھ سے فرمائے کہ مجھے دیکھ تو میں عرض کروں گا کہ میں نہیں دیکھتا، اس لیے کہ آنکھ محبت اور محبوب کے درمیان بیگانہ ہے اور یہ غیریت، دیدار سے باز رکھتی ہے۔" (۳۹)

اس پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ وہ طلب ِ دیدار بھی نہیں کرتے اس بنیاد پر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی طلب کی تھی تو انکار ہو گیا مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی طلب نہ کی تو دیدار ہو گیا۔ اس لیے بعض صوفیاء اس طلب کو بھی حجاب سمجھتے ہیں کہ طلب غیابت کا اعتراف ہی تو ہے اور وہ تو اس قدر با توفیق ہیں کہ ہمیشہ حضوری میں رہتے ہیں، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر دنیا و آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ سے ایک لمحہ کے لیے بھی محجوب ہو جائیں تو وہ مرتد ہو جائیں۔" (۴۰)

اسی کے شاہد کے طور پر آپ نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک حکایت لکھی ہے کہ "مصر کے بازار میں بچے ایک جوان کو پتھر مار رہے تھے، پوچھنے پر بچوں نے بتایا کہ یہ دیوانہ ہے کہ کہتا ہے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں، جوان سے پوچھا گیا تو اس جوان نے کہا کہ یہ بچے سچ کہتے ہیں، میرا یہی کہنا ہے، میں ایک لمحہ کے لیے بھی حق نہ دیکھوں تو میں اسے برداشت نہ کرسکوں"۔ (۴۱)

اس مقام پر حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک نہایت باریک خلطِ مبحث کا محاکمہ کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

"بعض اہل تصوف کو یہ غلط گمان ہوا کہ دل کے ساتھ دیکھنا اور مشاہدہ کرنا ایک صورت چاہتا ہے جو ذکر و فکر کی حالت میں دل کے اندر پیدا ہوتی ہے۔" (۴۲)

اس پر محاکمہ کرتے ہوئے حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ صوری اندازہ غلط فہمی ہے کہ وہ ذات ایسی ہے کہ اُس کی کیفیت اور مقدار کا اندازہ نہیں، عقل اور وہم تو اُس کی کیفیت سے آگاہ نہیں تو صورت کیسے عقل میں آئے گی یا دل میں اُس کا وہم ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ دنیا میں مشاہدہ اُسی طرح ہے جس طرح آخرت میں رؤیت، جس پر اہل علم کا بھی اجماع ہے، ان دونوں حالتوں کے مشاہدہ کی خبر دینے والا ایک سا ہے کہ ایسا کرنا اجازتِ حق سے ہی ممکن ہے۔ وہ یہی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور مشاہدہ جائز ہیں، وہ یہ تو نہیں کہتا کہ اُسے مشاہدہ ہوا ہے یا وہ مشاہدے کی حالت میں ہے، اس لیے کہ مشاہدہ باطن کی صفت ہے اور خبر دینا زبان کی تعبیر ہے اور جب زبان باطن کی خبر دے تو یہ عبارت ہے مشاہدہ نہیں، صرف دعویٰ ہوتا ہے اس لیے کہ جس کی حقیقت عقل میں نہ سما سکے اُسے زبان کیسے تعبیر کر سکتی ہے سوائے مجازی صورت میں۔ (۴۳)

معلوم ہوا کہ یہ بیان کہ دیدار ہوتا ہے ایک مجازی تعبیر ہے اُس مشاہدہ کی جو دل کی صفت ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اَلْمُشَاهَدَةُ قُصُوْرُ اللِّسَانِ بِحُضُوْرِ الْجَنَانِ (۴۴) "مشاہدہ زبان کے عجز اور دل کے حضور کے ساتھ ہے۔" زبان، اس قلبی عمل کے بیان سے عاجز ہے اس لیے صوفیاء کے ہاں خاموشی کا تعبیر سے مرتبہ بلند ہے۔ یہ اس لیے کہ خاموشی مشاہدے کی علامت ہے اور تعبیر شہادت کا نشان، شہادت دینے اور مشاہدہ کرنے کا فرق واضح ہے۔ اس پر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استشہاد کیا ہے۔ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے:

لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔ (۴۵)

"اے اللہ! میں تیری ثناء اس طرح نہیں کر سکتا جس طرح تو نے خود اپنی ثناء کی ہے۔"

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالتِ مشاہدہ میں ہیں اور مشاہدہ، محبت میں کمال یگانگت ہے، جبکہ یگانگی تعبیر کرنا بے گانگی اور غیریت ہے، اس لیے میرا کہا ہوا وہی ہے جو تیرا کہا ہوا ہے، تیری ثناء میری ثناء ہے، میں اپنی زبان کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ میری

ترجمانی کرے اور میں اپنے بیان کو بھی اس قابل نہیں سمجھتا کہ وہ میرا حال بیان کرے، اس کیفیت کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ادبی ذوق کے حوالے سے ایک شعر میں بیان کر دیا جو کسی صاحبِ نظر نے کہا تھا۔ شعر ہے:

تَمَنَّیْتُ مَنْ اَھْوٰی فَلَمَّا رَأَیْتُہٗ　　بُھِتُّ فَلَمْ اَمْلِکْ لِسَانًا وَ لَا طَرْفًا(۴۶)

"میں نے جس سے محبت کی اس کی تمنا کی پس جب میں نے اُسے دیکھا تو مبہوت ہو گیا نہ زبان کا مالک رہا اور نہ نظر کا۔"

تمنا دلیل محبت ہے، اگرچہ شدتِ محبت اعضاء کو شل کر دیتی ہے اور زبان تکلم سے عاری اور نظر دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے کہ محبت اس غیریتِ زبان و نظر کو بھی برداشت نہیں کرتی۔

مشاہدہ کے حوالے سے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیاء کے مختلف مدارج کا تذکرہ کیا، مشاہدہ وہ یقین بھی ہے کہ ہر لمحہ حضوری کا ذوق رکھتا ہو مگر اس کا بلند مرتبہ یہ ہے کہ رؤیت کا جمال نصیب ہو جائے کہ حسنِ عمل کی معراج حاضری کی صورت میں ہے اور اگر یہ معراج حاصل نہ ہو تو حضوری کی لذت بھی یقین کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔ صوفیاء اسی حضوری کے طالب ہوتے ہیں اور اسی حاضری کو مقصودِ نظر بناتے ہیں، حضوری کے کیف میں غفلت کا ہر لمحہ توحید مستوں کے لیے ارتداد کی تنبیہ ہوتی ہے اور غیابت کے یہ لمحات وہ اپنی زندگی سے خارج سمجھتے ہیں، حسنِ عمل یا احسن کی تلاش میں اسی لذتِ مشاہدہ سے بامراد ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرب کی لذت، حضوری کا اعتماد اور مشاہدہ کی سربلندی سے نوازے۔ آمین

حوالہ جات:

نوٹ: کشف المحجوب کے تمام حوالے "کشف المحجوب ترجمہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، مطبع مکتبہ زاویہ لاہور ۲۰۰۴ء سے لیے گئے ہیں۔"

۱۔ کشف المحجوب، ص ۳۷
۲۔ ایضاً، ص ۳۵
۳۔ ایضاً، ص ۳۲
۴۔ ایضاً، ص ۳۹
۵۔ ایضاً، ص ۴۴۹
۶۔ ایضاً، ص ۴۴۹

۷۔ ایضاً،ص ۴۴۹
۸۔ ایضاً،ص ۴۴۹
۹۔ ایضاً،ص ۴۴۹
۱۰۔ ایضاً،ص ۴۴۹
۱۱۔ ایضاً،ص ۴۵۰
۱۲۔ ایضاً،ص ۴۵۰
۱۳۔ ایضاً،ص ۴۵۱
۱۴۔ ایضاً،ص ۴۴۹۔۔۔ جامع ترمذی جلد دوم،ص ۱۸
۱۵۔ ایضاً،ص ۴۵۲
۱۶۔ ایضاً،ص ۴۵۲
۱۷۔ ایضاً،ص ۴۵۲
۱۸۔ ایضاً،ص ۴۵۲
۱۹۔ ایضاً،ص ۴۵۲
۲۰۔ ایضاً ،ص ۴۵۱،۴۵۲
۲۱۔ ایضاً،ص ۴۵۲
۲۲۔ ایضاً،ص ۴۵۷
۲۳۔ ایضاً،ص ۴۷۱
۲۴۔ سورۃ المزمل:۸
۲۵۔ صحیح البخاری،کتاب الایمان ۔۔ کشف المحجوب،ص ۴۷۱
۲۶۔ کشف المحجوب،ص ۴۷۱
۲۷۔ کشف المحجوب،ص ۳۵
۲۸۔ ایضاً ،ص ۴۷۱۔۔سورۃ حٰم السجدہ:۳۰
۲۹۔ ایضاً،ص ۴۷۲
۳۰۔ ایضاً ،ص ۴۷۲
۳۱۔ ایضاً،ص ۴۷۲
۳۲۔ سورۃ النجم:۱۷
۳۳۔ کشف المحجوب،ص،۴۷۳
۳۴۔ سورۃ النجم:۱۸
۳۵۔ سورۃ النور:۳۰
۳۶۔ کشف المحجوب،ص ۴۷۳
۳۷۔ ایضاً،ص ۴۷۳
۳۸۔ ایضاً،ص ۴۷۴
۳۹۔ ایضاً،ص ۴۷۴
۴۰۔ ایضاً،ص ص ۴۷۵
۴۱۔ ایضاً،ص ۴۷۵
۴۲۔ ایضاً،ص ۴۷۶
۴۳۔ ایضاً،ص ۴۷۶
۴۴۔ ایضاً،ص ۴۷۶
۴۵۔ صحیح مسلم،کتاب الصلوٰۃ،باب مایقال فی الرکوع والسجود۔
۴۶۔ ایضاً،ص:۴۷۷

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور کو کیا کچھ دیا

پروفیسر حسن رضا اقبالی

مخدوم الاولیا، سلطان الاصفیا حضرت شیخ علی ہجویری معروف بہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز اس قدسی گروہ کے سرخیل ہیں جو امامِ رسل ہادیِ سُبل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال محبت و متابعت سے ولایت کے ارفع و اعلیٰ مقام اور بلند مراتب پر فائز ہو کر خلافتِ الٰہیہ اور حضرت امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کبریٰ کے منصب جلیلہ پر متمکن ہوتے ہیں اور چونکہ انہوں نے اپنے آپ کو محبوبِ خدا کی محبت میں فنا کر دیا ہوتا ہے۔ اس لیے انہیں بھی مقام محبوبیت عطا ہو جاتا ہے اور وہ زمین پر خلیفۃ اللہ اور مظہرِ انوارِ خدا اور نائب محبوبِ خدا ہوتے ہیں لہٰذا:

۱۔ ان کی ظاہری زندگی میں بے پناہ فیض و رشد و ہدایات جاری ہوتی ہیں۔

۲۔ برزخی زندگی میں قاسم فیوض و برکات ہوتے ہیں ان کا روحانی فیض عوام و خواص کے لیے یکساں ہوتا ہے۔

۳۔ ان کی تعلیمات و ارشادات طالبانِ راہِ خدا کے لیے مرشد کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر مرتبہ و استعداد کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور ظرف کے مطابق ان سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔

۱۔ اپنی حیاتِ مبارکہ میں کفرستانِ ہند میں اسلام کا پرچم لہرایا اور اپنی روحانی قوت اور نظر کیمیا اثر کے ذریعے بے شمار گم گشتگان بادیہ کفر و ضلالت کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا اور ان کے سینوں کو نورِ اسلام سے منور فرمایا۔

۲۔ بعد وصال حضرت شیخ کا مزارِ پُر انوار فیض رسانِ عالم اور منبع روحانیت و طمانیت ہے۔

نام فقیر تنہاں دا باہو قبر جنہاں دی جیوے ہو

۳۔ ان کے ارشاداتِ گرامی وافاضاتِ عالی (کشف المجوب) بجائے خود مرشدِ کامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غرضیکہ ایسی محبوبیت ومقبولیت امتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بہت کم اولیائے کرام کو حاصل ہوئی۔

این سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

بقول حضرتِ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مقاصدِ فطرت کی نگہبانی کا فریضہ ادا کرنے کا شرف مردِ کوہستانی کو حاصل ہے یا بندۂ صحرائی کو۔ آسمان کو چھوتی ہوئی بلند وبالا چوٹیاں اور وسیع وعریض پہاڑی سلسلے تو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی ڈھلوانوں میں بھی لاکھوں لوگ بستے ہیں، لیکن علامہ کی باریک بیں اور بصیرت افروز نظر میں جو "مرد" اس اعلیٰ صفت کا حامل ہے وہ برِصغیر کے شمالی علاقوں بشمول افغانستان کا باسی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ یہاں کے جری اور دلیر فاتحین نے دور دور تک اپنی فتح ونصرت کے پرچم لہرا دیئے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مفتوحین کے جسموں کے بجائے ان کے دلوں کو مسخر کرنے والے فطرتی مقاصد کے نگہبانوں کا آبائی تعلق بھی اسی خطے سے تھا ایسے ہی ایک نگہبان حضرت سید علی ہجویری غزنوی المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ والاصفات بھی ہے جو کم وبیش ایک ہزار سال قبل لاہور تشریف لائے اور یہاں ایک ایسی روحانی سلطنت کی بنیاد رکھی جو ابھی تک عروج کی منازل طے کرتی جا رہی ہے۔ کبھی سوچتا ہوں کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غزنی سے مستقل نقل مکانی کرتے ہوئے رختِ سفر کے لئے کیا کیا اہتمام کیا ہو گا اور لاہور جیسے قریہء غیر میں اپنے ورودِ مسعود کے موقع پر کیا کیا انتظامات کیے ہوں گے۔

بہرحال موجود ومعلوم تذکروں میں "تذکرۃ الاولیاء" از شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ میں صرف دو جگہ حضرت داتا صاحب کا اسم گرامی درج ہے۔ محبوب الٰہی کے ملفوظات "فوائد الفواد" اور "درر نظامی" میں بھی ذکر آیا ہے۔ ان کے بعد کے ایک ایسے ماخذ سے ایتے (Ethe) نے علمی دنیا کو متعارف کرایا ہے جو انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔ اس کا نام "رسالہ ابدالیہ" ہے جو حضرت مولانا محمد یعقوب بن عثمان (۱) غزنوی کی تالیف ہے، پھر مولانا جامیؒ نے نفحات الانس میں شیخ احمد زنجانی نے "تحفتہ الواصلین" (غیر موجود) میں ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں عبدالصمد بن افضل محمد نے "اخبار الاصفیا" (۲) (خطی) میں، لعل بیگ لعلی

نے ثمرات القدس" (خطی) میں مولانا محمد غوثی نے "گلزارِ ابرار" میں محمد داراشکوہ نے "سفینۃ الاولیا" میں مولانا محمد بقا بقا اور بختاور خاں نے "ریاض الاولیا" میں ذکر کیا ہے۔

حضرت داتا صاحب کے حالات کے یہی قدیم ماخذ ہیں، ان کے بعد لالہ سجان رائے بٹالوی نے "خلاصۃ التواریخ" میں میر غلام علی آزاد بلگرامی نے "مآثر الکرام" میں ضمناً ذکر کیا ہے، متاخرین میں سے لالہ گنیش داس وڈیرہ نے "چار باغ پنجاب" میں مفتی غلام سرور نے خزینۃ الاصفیا" اور "حدیقۃ الاولیا" میں مولوی نور احمد چشتی نے تحقیقاتِ چشتی میں حالات لکھے ہیں، اور ان کے بعد مؤلفین نے ان ہی کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، مگر ان سب تذکروں اور تاریخوں کے مندرجات کے پڑھنے سے مستند اور قابل اعتماد تاریخی مواد بہت کم ملتا ہے حتیٰ کہ صحیح سن پیدائش بھی معلوم نہیں ہوسکتا، تاریخِ وصال میں بھی اختلاف ہیں اور حضرت کے ورودِ لاہور کا مسئلہ بھی خاصہ پریشان کن ہے، غرض کہ حضرت داتا صاحب کے مستند حالاتِ زندگی اسی قدر ملتے ہیں جتنے انہوں نے خود کشف المحجوب میں بیان کیے ہیں۔

اسم گرامی:

اسم گرامی بہ الفاظِ داتا گنج بخش: "الشیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الہجویری رحمۃ اللہ علیہ" تھا۔(۴) ژوکوفسکی نے اپنے مقدمہ میں ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الہجویری الغزنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے(۵) نکلسن نے علی بن عثمان الجلابی الغزنوی الہجویری لکھا ہے۔(۶) مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی نے اسم گرامی "علی بن عثمان ابن علی الجلابی غزنوی لکھا ہے۔ داراشکوہ نے کنیت ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الجلابی غزنوی لکھا ہے۔

گزشتہ حوالوں سے یہ بات تقریباً ثابت ہوگئی کہ تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کا اسمِ گرامی مع کنیت، "ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری" ہے"، البتہ حضرت کے جدِ امجد کے نام میں قدرے اختلاف ہے بعض نے "علی" اور بعض نے "ابی علی" لکھا ہے، تاہم یہ اختلاف لائق اعتنا نہیں ہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ انہیں علی اور کبھی ابو علی کے نام سے پکارا جاتا رہا ہو۔(۷)

سلسلہ نسب:

سید ہجویری حسنی سید ہیں، صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے آپ کا سلسلہ نسب یہ لکھا ہے۔ "حضرت مخدوم علی بن عثمان بن سید علی بن عبد الرحمن بن شاہ شجاع بن ابو الحسن علی بن حسین اصغر بن سید زید شہید امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی کرم اللہ وجہہ"۔(۸)

جائے ولادت و وطن:

حضرت سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ افغانستان کے شہر غزنہ (غزنی) کے رہنے والے تھے یہ نسبت انہوں نے خود تحریر فرمائی "الجلابی الغزنوی الہجویری" دارشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے:

"مذہباً آپ حنفی تھے، غزنین کے رہنے والے جلاب اور ہجویر دو محلوں کے نام ہیں ایک محلے سے آپ دوسرے محلے میں منتقل ہو گئے تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کی قبر غزنین میں پیر علی ہجویر کے ماموں تاج الاولیا کے متصل واقع ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تمام خاندان زہد و تقویٰ کے لیے مشہور تھا"۔

بیعت:

بیعت شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی سے تھی اور وہ شیخ ابو الحسن حصری کے مرید تھے، شجرۂ طریقت سید الطائفہ بغدادی تک پہنچتا ہے، دوسرے بزرگوں سے استفادہ کیا تھا، جابجا ان کا ذکر اپنے قلم سے کرتے گئے ہیں اپنے اور ان کے تعلقات پر روشنی بھی ڈالتے ہیں، مثلاً شیخ ابو العباس احمد اشقانی کے ذکر میں ہے، "مرا باوے اُنسے عظیم بود و وے را بر من شفقت صادق اندر بعضے علم استاد من بود"(۹) "مجھے ان سے بڑی محبت تھی اور وہ بھی میرے اوپر دل سے شفقت رکھتے تھے اور بعض علوم میں میرے استاد تھے"

روحانی تعلیم و تربیت:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے جس بزرگ سے تعلیم و تربیت حاصل کی، ان کا اسمِ

گرامی ابو الفضل محمد بن حسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ ہے، شیخ ابو الفضل محمد بن ختلی سلسلہ جنیدیہ میں منسلک تھے، پنی مشہور تصنیف "کشف المحجوب" میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"وہ اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے، میں طریقت میں انہیں کا پیرو ہوں، وہ علم تفسیر کا مذہب رکھتے تھے اور حضرت حصری کے مرید اور راز دار تھے، ابو عمرو قزوینی اور ابو الحسن سالبہ کے ہم عصر تھے، ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ گیر ہو کر خلقت سے دور رہے۔ ان کا قیام زیادہ تر کوہ لکام میں رہتا تھا، انہوں نے اچھی عمر پائی، ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں ہیں لیکن ظاہری لباس اور رسوم صوفیہ نہ رکھتے تھے، میں نے ان سے زیادہ بارعب کسی کو نہیں دیکھا، فرمایا کرتے تھے کہ "الدنیا یوم و لنا فیہا صوم"۔

ریاضتیں اور مجاہدے:

سلوک و معرفت کی منزل طے کرنے میں جو ریاضتیں اور مجاہدے آپ نے کیے، ان کو "کشف المحجوب" میں آپ نے جا بجا ذکر فرمایا ہے، "کشف المحجوب" باب ششم "ذکر ملامتہ" میں فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ شیخ ابویزید کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا، چنانچہ ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا مگر وہ مشکل حل نہ ہوئی، آخر میں نے خراسان جانے کی ٹھانی، ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں ایک متصوفین کی جماعت نظر آئی، میں موٹا اور کھردرا لباس پہنے ہوئے تھا، ہاتھ میں ڈنڈا اور پانی کا برتن تھا، اس کے علاوہ کوئی اور ساز و سامان میرے پاس موجود نہ تھا، اس جماعت نے مجھے بے پناہ تحقیر سے دیکھا اور ان میں سے کسی نے مجھے نہیں پہچانا، ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے یہ ہم میں سے نہیں اور میں واقعی ان میں سے نہ تھا لیکن وہاں رات گزارنا بھی ضروری تھا، ان لوگوں نے مجھے خانقاہ کے نچلے حصے میں ٹھہرایا اور خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت ایک سوکھی روٹی مجھ کو دی میں ان کے خوشبو دار کھانے کو سونگھ رہا تھا، جو وہ تناول کر رہے تھے اور بالائی منزل پر میرے متعلق گفتگو کرتے جاتے تھے، جب وہ کھانا کھا چکے تو خربوزے کھانے لگے اور از راہِ تمسخر چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے اور طنز کی باتیں کرتے رہے، مگر جتنا وہ زیادہ طنز کرتے تھے اتنا ہی میرا دل ان سے خوش

ہوتا تھا، اس طرح ملامت سہنے سے میری وہ مشکل حل ہوگئی، اس وقت مجھے معلوم ہوا مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔

صوفیہ کی ظاہری رسوم سے نفرت:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی کی طرح صوفیوں کی ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے اور ان ظاہری رسوم کو معصیت اور ریا سے تعبیر فرماتے تھے اور ظاہر پرست صوفیوں کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے۔

لقب "گنج بخش:

عام لقب جو گنج بخش چلا آرہا ہے، اس کی بابت روایت ہے کہ خواجہ معین الدین حسن سجزی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مزار پر آکر حسبِ دستور چلہ کشی کی اور فیض و برکت سے مالا مال ہو کر جب رخصت ہونے لگے تو مزار کے رُخ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا:

گنج بخش فیض دو عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

سالِ وفات سے متعلق اختلاف ہے مزار پر جو قطعہ تاریخ کندہ ہے، اس میں ۴۶۵ھ درج ہے، دوسرے قرینے بھی اسی کی تائید میں ہیں، مزار لاہور میں سمت مغرب میں واقع ہے اب تو آبادی وہاں تک ہوگئی ہے پہلے شہر سے باہر تھا، اہلِ حاجت یوں بھی برابر آتے جاتے رہتے ہیں، جمعرات اور جمعہ کو مجمع زائد ہو جاتا ہے، عقیدت مندوں کا خیال ہے کہ اگر چالیس روز متصل حاضری دی جائے یا چالیس جمعہ کو مزار کا طواف کیا جائے تو ہر مشکل آسان اور ہر حاجت روا ہو جاتی ہے۔

سیر وسیاحت:

تزکیہ باطن اور روحانی کمال کے لیے آپ نے اسلامی ممالک شام، بغداد، عراق، فارس، آذر بائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیر کا سفر کیا اور

ہر مقام کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے، خراسان میں آپ نے تین سو مشائخ سے ملاقات فرمائی۔(۱۰)

تصانیف:

حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی آخری تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے ان کی نوادر تصانیف کے نام معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں سے ایک بھی دستیاب نہیں بعض کے سرقہ اور دوسروں کا اپنی طرف منسوب کر لینے کا واقعہ حضرت نے خود لکھا ہے، بہر حال ان تو تصانیف کے نام یہ ہیں۔

۱۔ دیوان: اس دیوان کو کسی نے اپنی طرف منسوب کر لیا، (کشف ص:۲) مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ مجموعہ اشعار فارسی میں تھا یا عربی میں اور اپنا تخلص بھی ظاہر نہیں فرمایا اس کے باوجود کشفِ اسرار کے واضع نے ان کا "علی" تخلص گڑھ کر ایک غیر معیاری غزل اور چند اشعار بھی شامل کر دیئے ہیں۔

۲۔ کتاب فنا و بقا:

۳۔ اسرار الخرق والمؤونات: ظاہری اور باطنی مرقع کے آداب میں (کشف ص ۶۳) اس کتاب کا نام فارسی کے تمام ایڈیشنوں میں یہی لکھا ہے، مگر ژوکوفسکی ایڈیشن میں اسرار الخرق والملونات درج ہے۔

۴۔ الرعایہ بحقوق اللہ تعالیٰ: مسائل توحید پر (کشف ص ۳۶۰) اس نام کی ایک تصنیف شیخ احمد بن خضرویہ متوفی ۲۴۰ھ کی بھی ہے جو کشف المحجوب کے مآخذوں میں شامل ہے اور اسی نام کی ایک کتاب ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی (م ۲۴۳) کی تصنیف بھی ہے جو لندن سے چھپ چکی ہے۔

۵۔ کتاب البیان لاہل العیان: در معنیٰ جمع وتفرقہ (کشف ص ۳۳۳)

۶۔ بحر القلوب: مسئلہ جمع پر مفصل کتاب ہے۔ (کشف ص ۳۳۳)

۷۔ منہاج الدین: طریقت، تصوف اور مناقب اصحاب صفہ پر مشتمل ہے اور حسین بن منصور حلاج کا حال بھی بیان کیا ہے (کشف ص ۲، ۹۶، ۱۹۲) دیوان کی طرح اسے بھی کسی نے اپنی

طرف منسوب کرلیا۔

۸۔ ایمان: ایمان اور اثباتِ اعتقادِ مشائخ میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام نہیں بتایا۔

(کشف ص ۳۶۸)

۹۔ شرحِ کلامِ منصور: حسین بن منصور حلاج کے کلام کی شرح۔ (کشف: ص ۱۹۲)

وصال:

تاریخ اور تذکروں میں عموماً حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا سنہ وفات ۴۶۵ھ مذکور ہے اور یہی تاریخِ وفات لاہور میں آپ کے مقبرے پر بھی درج ہے، داراشکوہ "سفینۃ الاولیا" میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۲ھ معتبر بتاتے ہیں اور اسی سنہ کو انہوں نے منظوم کیا ہے، حالانکہ "نفحات" کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں آپ کی تاریخ وفات کا کوئی ذکر نہیں، نفحات کا ایک بہت قدیم قلمی نسخہ جو حضرت جامیؒ کے بالکل قریب عہد میں لکھا گیا ہے اور ڈاکٹر محمد شفیع صاحب کی لائبریری لاہور میں موجود ہے اس میں بھی آپ کے سنہ وفات کا کوئی ذکر نہیں ہے، ثمرات القدس جو میرزا لعل بیگ ولد شاہ لعلی ولد شاہ قسلی سلطان بدخشی کی تصنیف ہے، جس کا نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے، اس میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۶ھ منقول ہے، لعلی عہدِ اکبر کا مؤرخ ہے۔

اس کے بعد لکھنے والوں مین ہدایت حسین نے آرٹیکل داتا گنج بخش میں "دائرہ معارف اسلامیہ" کی جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ پر اور ریو نے مخطوطات فارسی کی فہرست کے صفحہ ۳۴۳ (جلد اول) پر رحمان علی نے "تذکرہ علمائے ہند" کے صفحہ ۵۹ پر اور ملک الشعراء بہار مرحوم نے "سبک شناسی" کے صفحہ ۱۸۷ پر اور مولانا عبدالماجد دریابادی نے "تصوف اسلام" کے صفحہ ۵۳ پر اور اسماعیل پاشا بغدادی نے "اسماء المصنفین" صفحہ ۹۱۶ پر اور سید صباح الدین نے "بزم صوفیہ" کے صفحہ ۸ پر اور شیخ محمد اکرم نے "آب کوثر" کے صفحہ ۸۶ پر آپ کا سنہ وفات ۴۶۵ھ لکھا ہے، ان کے علاوہ صاحبِ "مآثر الکرام" وحدائق الحنفیہ ونزہۃ الخواطر نے بھی حضرت شیخ ہجویری کی تاریخِ وفات ۴۶۵ھ لکھی ہے۔

صرف ڈاکٹر غنی نے "تصوف اسلام" کے صفحہ ۵ پر آپ کا سنہ وفات ۴۷۰ھ کے

قریب لکھا ہے اور نکلسن نے "کشف المحجوب کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں فیا ساً ۴۶۵ھ و ۴۶۹ھ لکھا ہے۔ ان تمام تفصیلات و مباحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شیخ علی ہجویری نے ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے دوران کسی سال میں وفات پائی ہوگی۔

داتا علی ہجویری نے لاہور کو کیا کچھ دیا:

یوں تو سید علی ہجویری نے لاہور کو بہت کچھ دیا لاہور میں آپ کی آمد کے بعد اور اب تک لاہور آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا لیکن چند اہم احسانات کا یہاں تذکرہ کر رہا ہوں۔

۱۔ ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسد
۲۔ کشف المحجوب کا تحفہ
۳۔ مسلکِ حنفیہ کی اشاعت
۴۔ فارسی زبان کی اشاعت و ترویج
۵۔ دو قومی نظریہ کا خیال
۶۔ اشاعت اسلام
۷۔ حضرت کا روضہ چشمہ فیض

حضور داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا وجودِ مسعود خود لاہور کے لیے باعث شرف تھا۔ ہر اک مکان (لاہور) کو مکیں (حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) سے شرف حاصل ہے۔

خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت ‏ ‏ ‏ ‏ صبح ما از مہر او تابندہ گشت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی برکات سے لاہور نہ صرف مسلمانوں کا مضبوط مرکز بن گیا بلکہ جہاں سے اٹھ کر وہ تمام ہندوستان پر چھا گئے، بلکہ یہاں سے اسلامی تہذیب وتمدن کے عظیم سرچشمے پھوٹے جنہوں نے اس وسیع علاقے کو سیراب کیا تبلیغ اسلام کی کوششوں میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو غیر معمولی اہمیت واولیت حاصل ہے جس کا اعتراف ہر دور میں کیا گیا ہے لہٰذا دین اسلام کا نشر واشاعت کا جو نظام ہندوستان میں قائم ہوا وہ اساسی طور پر آپ کے علم وعرفان کا مرہون منت ہے آپ غزنوی ہونے کے باوجود نہ صرف لاہور سے منسوب ہو گئے بلکہ لاہور آپ سے

منسوب ہوگیا اور اب اس عظیم تاریخی شہر کو لوگ داتا کی نگری کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں، آپ کی برکات کے نتیجہ میں لاہور کو دینی نقطہ نظر سے خاص اہمیت حاصل ہوئی، لالہ سجان رائے بٹالوی لکھتے ہیں۔

"محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی سے لاہور آئے اور یہیں فوت ہوئے سلطان کا عقیدہ تھا کہ لاہور کی فتح ان ہی کی توجہ سے ہوئی" فخرِ مدبر نے لاہور کو مرکزِ اسلامی اور ثانی دارالملک غزنین کا نام دیا ابوسعید عبدالکریم (متوفی ۵۶۲) نے لاہور کے بارے میں لکھا کہ "ہندوستان کے شہروں میں ایک ایسا شہر ہے جو بہت خیر و برکت والا ہے، محمد عوفی نے لباب الالباب میں تحریر کیا کہ "لاہور کو تمام علاقوں پر فخر و مباہات حاصل ہے" (۱۱)

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

"آن بلدہ نزد فقیر ہمچو قطب ارشاد است نسبت بہ سایر بلاد ہندوستان۔ خیر و برکت آن بلدہ بہ جمیع بلاد ہندوستان ساری است۔ اگر آنجاہ دین را ترویج است، درہمہ جانخوی از رواج متحقق است" (۱۲)

یعنی میرے نزدیک لاہور کو تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب ارشاد کی حیثیت حاصل ہے اور اس شہر کی خیر و برکت ہندوستان کے تمام شہروں پر محیط ہے اگر وہاں دین کی ترویج ہوتی ہے تو ایک لحاظ سے ہر جگہ دین رائج ہوجاتا ہے۔

کشف المحجوب کا تحفہ:

کتابِ ھذا کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے تصوف کے ہر مضمون کو یہاں تک کہ وحدت الوجود اور قضا و قدر جیسے مشکل مضامین کو بھی قرآن و سنت سے ثابت کیا ہے اور شریعت کے خلاف جتنے مکاتیبِ فکر اور نظریات اس زمانے میں مروج تھے سب کی تردید کر کے حقیقی اسلامی تصوف کو پیش کیا ہے، اس میں شک نہیں کہ اسلامی دنیا میں بعض باطل فرقے مثلاً معتزلہ و قرامطہ وجود میں آچکے تھے جن کی وجہ سے چند نام نہاد صوفیوں نے غیر شرعی عقائد اختیار کر رکھے تھے لیکن حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایسا کلہاڑا لے کر آئے کہ تمام باطل فرقوں کا قلع قمع کر کے تصوف کو حقیقی اسلامی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، دوسری

بات یہ ہے کہ حضرت شیخ نے اسلام کی ہر بات اور ہر رکن کے حقیقی باطنی معانی ومطالب بیان فرمائے ہیں۔

چنانچہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کمال معرفت کی بنا پر نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ تمام ارکانِ اسلام کے باطنی مطالب بھی بیان فرما کر قرآن کی جامعیت اور حقانیت کو واضح فرمایا ہے واحد بخش سیال شرح کشف المحجوب کے مقدمے میں اس کتاب کی اہم ترین خصوصیت یہ قرار دیتے ہیں کہ

"حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے ہر مضمون کو یہاں تک کہ وحدت الوجود اور قضا وقدر جیسے مشکل مضامین کو بھی قرآن وسنت سے ثابت کیا ہے اور شریعت کے خلاف جتنے مکاتب فکر اور نظریات اس زمانے میں مروج تھے سب کی تردید کر کے حقیقی اسلامی تصوف کو پیش کیا ہے"۔

کشف المحجوب حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی معروف یادگار ہے، حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ عرصہ دراز تک مختلف ممالک میں علوم ومعارف کی تحصیل کے لیے سیاحت کرتے رہے ہیں، جہاں آپ نے اپنے مشاہدات تجربات اور صوفیہ کے اقوال اور ان سے نتائج جمع کیے، زندگی کے آخری حصے میں لاہور میں قیام پذیر ہو کر ان کی تدوین کا کام مکمل کیا۔

کشف المحجوب علمِ تصوف پر فارسی زبان کی وہ عظیم تصنیف ہے جسے تصوف کے آئین کا درجہ دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، یہ تصوف کے ارتقائی منازل کی ایسی پُر تاثیر اور نادر کتاب ہے جسے شریعت وطریقت کے قواعد وضوابط، عارفانہ اسرار ورموز اور صوفیانہ فکر ونظر کے متعلق ہر دور میں عظیم تخلیق قرار دیا گیا ہے، اس گنجینہ رشد وہدایت کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

"اگر کسی کا پیر نہ ہو تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے تو اسے پیر مل جائے گا۔ (۱۲)" یہ مرشدِ کامل ہے اور تصوف کی کتابوں میں فارسی زبان میں اس خوبی کی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، (۱۳) یہ کتاب اس فن کی مشہور ومعتبر کتابوں میں سے ہے (۱۴)

"کشف المحجوب میں تصوف کی جو تعلیمات بتائی گئی ہیں وہ ہندوستان کے تمام صوفیائے کرام کے لیے مشعل ہدایت بنی رہیں، اس لیے یہ کتاب تصوف کی انجیل اور زبور سمجھی

جاتی ہے"(۱۵)

"مولانا مودودی صاحب ہی سے سن رکھا تھا کہ اہلِ طریقت میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک صحیح الخیال اور بہت بلند مرتبہ بزرگ تھے جنہیں ان کے کوچہ کے بھی لوگ مقتداء مانتے ہیں اور ان کی تصنیف کشف المحجوب اس فن میں سند کا درجہ رکھتی ہے"(۱۶) "کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات وحکایات کی نہیں بلکہ ایک محققانہ تصنیف ہے (۱۷)"ان کے ارشاداتِ گرامی وافاضاتِ عالی بجائے خود مرشدِ کامل کی حیثیت رکھتے ہیں(۱۸)"اہل علم اور اہل باطن نے اس کتاب کی اہمیت وفضیلت کو تسلیم کیا ہے(۱۹)

کشف المحجوب ایک ایسی صراطِ مستقیم دکھانے والی شمع جہالت شکن، ایمان افروز اور روح پرور کتاب ہے جس کے پڑھنے سے تشنہ طلب طالب حق علوم شریعت وطریقت سے سیراب اور شاد کام ہوتا ہے اپنے تن من کو پاکیزہ مجلّٰی ومنور محسوس کرتا ہے اور شکوک وشبہات کے پردے اٹھ جاتے ہیں، الغرض کشف المحجوب اولیاء متقدمین کے حالات وواقعات پر ایک مستند اور قابل قدر تذکرہ اور رشد وہدایت کا ایک ایسا مرقع ہے جس کی افادیت ہر دور میں رہے گی۔"

مسلک حنفیت کی اشاعت:

علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب اور سلسلہ طریقت دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتے ہیں البتہ فقہی اعتبار سے حضرت ہجویری حنفی تھے چنانچہ برصغیر میں تمام صوفیا جو قادریہ چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور قلندریہ سلسلوں سے متعلق تھے وہ عموماً حضرت ہجویری کے مسلک پر رہے اور اب بھی جو ہیں وہ اسی مسلک پر ہیں، حضرت ہجویری نے امام ابوحنیفہ کے باب میں اپنا ایک خواب بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ میں علی بن عثمان جلابی شام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متوذن بلال کے مزار پر سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو مکہ میں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب بنی شیبہ سے تشریف لائے، حضور ایک بوڑھے شخص کو گود میں لیے ہوئے تھے جیسا کہ بچوں کو شفقت سے گود میں لیتے ہیں آگے بڑھا اور حضور کے دست وپا پر بوسے دیئے، میں تعجب میں تھا کہ وہ شخص کون ہے اور یہ کیفیت کیا ہے آپ بقوتِ اعجاز میرے خیال سے مطلع ہوئے اور مجھے فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے علاقے کے لوگوں کا امام ہے، چنانچہ مجھے اپنے علاقے کے لوگوں سے

بہت امیدیں ہیں۔

"اس خواب سے مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ (ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے طبعی اوصاف سے فانی ہو چکے ہیں اور احکام شرعی کی بنا پر باقی ہیں اور انہی سے قائم ہیں کیونکہ ان کے لے جانے والے خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اگر وہ خود چل رہے ہوتے تو باقی الصفت ہوتے، جو باقی الصفت ہوتا ہے اس سے خطا سرزد ہوسکتی ہے چونکہ ان کے لے جانے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے لہٰذا وہ ذاتی صفت سے فانی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت سے باقی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطا صادر نہیں ہوسکتی، اس لیے جو حضور سے قائم ہے اس سے بھی خطا صادر نہیں ہوسکتی اور یہ ایک لطیف رمز ہے" (۲۰)

مذکورہ خواب کے جس آخری حصہ میں بقول حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک لطیف رمز ہے اسی طرح اس کے پہلے حصے میں بھی ایک لطیف رمز ہے اور وہ یہ ہے کہ تاریخ نے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے اس خواب کی مکمل طور پر تصدیق کی ہے، آپ کے علاقے کے لوگ گزشتہ ہزار سال سے حنفی مسلک پر چلے آرہے ہیں، حضرت ہجویری کا علاقہ افغانستان اور پاکستان ہے، آپ غزنہ میں پیدا ہوئے اور لاہور میں فوت ہوئے، اسلامی فتوحات کے بعد یہ تمام علاقہ مذہبی، تہذیبی اور تاریخی اعتبار سے تقریباً ایک وحدت میں تبدیل ہوگیا، جب غزنویوں نے لاہور کو دارالسلطنت بنایا تو یہ شہر اسلامی علوم وفنون کے اعتبار سے غزنہ ثانی کہلانے لگا، چھٹی صدی ہجری میں حکیم سنائی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں شہروں کو ایک ہی تہذیبی فضا میں پا کر کہا۔

اے بزرگانِ غزنہ ولاہور چشم بد زیں زمانہ بادا دور

دسویں صدی ہجری میں شاہ اسمٰعیل صفوی (۹۰۷ھ تا ۹۳۰) نے ایران کا سرکاری مذہب شیعہ قرار دے دیا، جو وقت کے ساتھ ساتھ ایران کے وسیع علاقوں میں رائج ہوا، ترکوں اور ایرانیوں کے مابین جنگوں کی اصل وجہ یہی مذہبی اختلافات تھے۔ نادر شاہ درانی نے مذہب سے حکومت کا تعلق ختم کر کے اسلامی دنیا کو متحد کرنا چاہا لیکن اس مقصد۔ اسے کا ابی حاصل نہ ہوئی، ۱۱۶۰ھ میں نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ ابدالی نے جو نادر شاہ کے افغانستان کی بنیاد رکھی اور قندھار کو اپنا دارالسلطنت بنایا (۲۱)۔ اس طرح حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تمام علاقہ کسی حکومتی اثر ونفوذ سے آزاد اپنے سابقہ مسلک پر استوار رہا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور پاکستان

دو قومی نظریہ کا خیال:

پروفیسر مسعود الحسن صاحب عالم و فاضل شخصیت تھے، وہ اپنی انگریزی کتاب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ روحانی سوانح عمری" مطبوعہ گنج بخش میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۳۰ء میں لاہور آیا اور داتا گنج بخش کے مزار کے قریب رہائش اختیار کی، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں اکثر نمازِ فجر سے قبل داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ حاضری دیا کرتے تھے اور جہاں میری ان سے ملاقات رہتی تھی، میں نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشارے کے مطابق ان کے لیے انگریزی میں کچھ کام کیا اور ان کی تقاریر لکھنے میں بھی مدد کی جن میں خطبہ الٰہ آباد بھی شامل ہے، پروفیسر مسعود الحسن لکھتے ہیں کہ میرے پوچھنے پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ انہیں مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا خیال داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار میں عبادت کے دوران سوجھا، لطف کی بات یہ ہے کہ ایک انگریز مصنف ایولن رنج نے اپنی کتاب (immortal Year) میں لکھا ہے میں نے جناح رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تمہیں سب سے پہلے پاکستان کا خیال کب آیا اور یہ تصور تمہارے ذہن میں کب ابھرا؟ جناح رحمۃ اللہ علیہ کا سیدھا سا جواب تھا" ۱۹۳۰ء میں، گویا علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور قائد اعظم دونوں کو پہلی بار پاکستان کا خیال ۱۹۳۰ء میں آیا ظاہر ہے کہ اس وقت اس خیال نے لفظ پاکستان کا لباس نہیں پہنا تھا، اس لیے یہ خیال مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اور علیحدہ مملکت کا خیال تھا۔

۱۹۶۵ء کی جنگِ آزادی میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات (بالخصوص لاہور میں):

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ میں پاکستانی افواج کی تعداد بہت کم تھی اور اسلحہ بھی تھوڑی مقدار میں تھا، سترہ دن کی جنگ میں پاکستان کے فرزندانِ توحید کی ایک چھوٹی سی جماعت نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود کفار کے جمِ غفیر کو عبرتناک شکست دی، فتح کی سب سے بڑی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کی مرہونِ منت تھی جس کا ثبوت مندرجہ ذیل واقعات سے بخوبی ملتا ہے، ہفت روزہ چٹان (۲۲) لاہور نے

ان دنوں یہ لکھا تھا:

ایک صاحب قصور کے رہنے والے ہیں، وہ ہر ہفتہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار پر حاضری دیا کرتے تھے ایک دن حسبِ معمول مزار پر حاضر ہوئے، کوشش بسیار کے باوجود صاحبِ مزار سے کوئی توجہ نہ مل سکی، اسی پس و پیش کے عالم میں انہوں نے تین دن تک وہیں قیام کیا، آخری رات چند لمحات کے لیے زیارت ہوئی تو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محاذ پر مصروف تھا، سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق بزرگانِ دین پاکستان کی سرحدوں پر متعین کیے گئے ہیں اور پاکستان کی حفاظت کے لیے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

جنگ کے ایام میں روزنامہ "حریت" کراچی اور روزنامہ "مشرق" لاہور میں مدینہ منورہ سے ایک صاحب کا خط شائع ہوا جس میں لکھا تھا کہ مکتوب نگار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، دیکھا کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب السلام میں بڑی عجلت میں پابہ رکاب ہیں اور آپ کے جلو میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قافلہ بھی ہے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ پاکستان پر کفار نے حملہ کر دیا ہے اس لیے جہاد فرض ہو گیا ہے اور سواری بڑی تیزی سے روانہ ہو گئی۔

جنگ کے دوران ایک ہندوستانی طیارہ دریائے راوی کے قریب گرا لیا گیا، اس کا پائلٹ جو ایک سکھ نوجوان تھا پیراشوٹ کے ذریعے زمین پر محفوظ اتر گیا، اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ متعدد بار اس نے راوی کے پل کو اڑانے کی کوشش کی مگر ہر بار ایک ہاتھ پر سبز رنگ کی پٹی تھی مجھے گرفت کے باعث لاہور میں گرا لیا گیا، یہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی روح مطہرہ تھی جو جنگ کے دوران مصروف پاکستان کی اعانت کر رہی تھی۔

فارسی زبان کی اشاعت:

تصوف نے جب علم کی دنیا میں قدم رکھا تو رموزِ طریقت اور اسرارِ حقیقت پر بھی قلم اٹھایا گیا، لیکن اس دور میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا وہ عربی زبان میں تھا، حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے معاصرین میں سے امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے رموز پر جو رسالہ قشیریہ مرتب کیا اس کی زبان بھی عربی تھی فارسی مفتوحین نے جب تصوف کی دنیا میں قدم رکھا تو انہوں نے اسی زبان عربی کو اختیار کیا، جس کی تقدیس کا قرآن و حدیث کی زبان سے اندازہ

ہوسکتا ہے، مذہبیات میں عربی کے علاوہ کسی اور زبان کو استعمال کرنا تقدیس کے منافی خیال کیا جاتا تھا، فارسی۔۔ دعلماء فـ۔ نے اسلام کی گراں بہا تصانیف میرے اس دعوے پر شاہد ہیں، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مادری زبان بھی فارسی تھی اگرچہ آپ کو عربی پر بھی کامل عبور حاصل تھا لیکن کشف المحجوب عوام کے افادہ کے لیے آپ نے فارسی زبان میں تصنیف فرمائی، میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کی باقی تصانیف یعنی (۱) کتاب فنا وبقا، (۲) اسرار الخرق والمئونات، (۳) الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ، (۴) کتاب البیان لاہل العیان، (۵) "دیوان" کس کس زبان میں تھیں، آج ان تصانیف میں سے کسی کا وجود نہیں ہے، صرف کشف المحجوب کی بدولت یہ نام باقی رہ گئے ہیں، اور برِصغیر پاک وہند میں مطابع کے وجود میں آنے کے بعد اس کے ہزاروں مطبوعہ نسخے دلدادگانِ شریعت وطریقت کے لیے نظر افروز ہیں اور داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے یہ زبان فارسی کو ایسا فیض ملا کہ پورے ہندوستان میں اس زبان نے راج کیا اور مسلمانوں کی عرصہ دراز تک یہ زبان رائج رہی۔

حضرت کا روضہ چشمہ فیض:

حضرت کے دربار دربار پر ۴۶۵ھ (سال وفات حضرت سے لے کر ۱۳۳۲ھ تک (جب کہ یہ کتاب لکھی جارہی ہے) اور سال طبع دوم ۱۳۳۹ھ تک لاکھوں نہیں کروڑوں نہیں اربوں اور پدموں تک بلکہ بے تعداد بے حساب مخلوق اس چشمہ سراپا رحمت سے اپنی روحانی پیاس بجھاتی رہی ہے عام بھی آتے رہے، خاص، بھی غریب بھی آتے رہے، امیر بھی، محتاج بھی آتے رہے ہیں جو آج فقر وتصوف کے بادشاہ ہیں اور جنہوں نے ہندوستان اور خصوصاً راجپوتانہ اور دہلی، پنجاب، آگرہ وغیرہ علاقہ جات میں چاروں طرف اسلام کو پھیلا دیا ہے، یعنی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت لال حسین لاہوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

اس لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کی تبلیغی خدمات کا برملا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو زبردست منظوم کلام میں خراجِ تحسین پیش کیا، ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

سید ہجویر مخدوم امم مرقد او پیر سنجر را حرم

"ہجویر کے سید ہم سب کے آقا، جن کا مزار خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے حرم کی طرح مقدس ہے۔"

بند ہائے کوہسار آسان گسیخت   در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

"آپ نے بآسانی کفر کے پہاڑوں کی رکاوٹوں کو پاش پاش کر دیا اور سرزمین ہند میں توحید کا بیج بویا۔"

عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد   حق ز حرف او بلند آوازہ شد

"آپ کے تبلیغی مشن کے جمال سے فاروقی عہد کی یاد تازہ ہوگئی، دین حق آپ کی تبلیغ سے شہرت پذیر ہوا۔"

پاسبانِ عزتِ ام الکتاب   از نگاہش خانۂ باطل خراب

"آپ قرآنِ مجید کی عزت کے محافظ ہیں، اور آپ کی نگاہِ ولایت سے باطل کا گھر ویران ہوگیا۔"

خاک پنجاب از دمِ او زندہ گشت   صبح ما از مہر او تابندہ گشت

"آپ کے دم قدم سے سرزمین پنجاب میں اسلام زندہ ہوگیا، آپ کے آفتاب ولایت سے ہماری صبح روشن ہوگئی۔"

حواشی:

۱۔ رسالہ ابدالیہ نمبر ۷۷۴ا انڈیا آفس لائبریری لندن، ضمناً در کشف المحجوب۔

۲ حالات کے سلسلے میں اس سے استفادہ کیا۔

۳۔ کتب خانہ آصفیہ، نمبر ۱۱۵۔ ۲۔ مقدمہ کشف المحجوب!

۴۔ کشف المحجوب بتصیح ژوکوفسکی   ۵۔ Kashful Mahjoob

۶۔ سید ہجویر از مولانا سید متین ہاشمی ص ۱۲۸   ۷۔ از بزم صوفیہ ص ا

۸۔ خزینۃ الاصفیاء ۲۳۳

۹۔ حضرت داتا گنج بخش (پروفیسر شیخ عبد الرشید) بزم صوفیہ ص ۲۲

۱۰۔ شیخ احمد سرہندی، مکتوبات امام ربانی، لاہور ۱۳۸۴ ص ۴۷ مکتوب ۴۷

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ درنظامی (ملفوظات) مرتبہ شیخ علی جاندار

۱۳۔ سفینۃ الاولیا، مصنف داراشکوہ

۱۴۔ نفحات الانس عبدالرحمن جامیؒ

۱۵۔ فکر اسلامی کی تشکیل سید صباح الدین عبدالرحمن

۱۶۔ دیباچہ کشف المحجوب

۱۷۔ تصوف اسلامی عبدالماجد دریابادی

۱۸۔ مقدمہ ترجمہ کشف المحجوب حکیم محمد موسیٰ امرتسری

۱۹۔ پاکستان میں فارسی ادب از ظہور الدین

۲۰۔ علی ہجویری کشف المحجوب بہ تصحیح دکر محمد حسین تسبیحی اسلام آباد ص ۱۲۹

۲۱۔ احمد شاہ درانی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب جلد ۲ ص ۱۳۱

۲۲۔ دعوت ارواح مصنف محمد ارشد قادری اسلامک بک فاونڈیشن ص ۱۸۰۔ ۱۸۱

محسن لاہور مخدوم اُمم شیخ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

حیدر رضا رومی

سرزمین لاہور زمانہ قدیم سے محبانِ خدا کی نظرِ التفات کا مرکز رہی ہے۔ ان میں سے اکثر بزرگ دور دراز کی مسافتیں طے کر کے اس عروس البلاد میں وارد ہوئے۔ شبانہ روز کے مجاہدوں اور ریاضتوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے رشد و ہدایت کے سلسلے جاری کیے اور بالآخر یہیں پیوندِ خاک ہوئے۔ چنانچہ آج لاہور کا گوشہ گوشہ زبانِ حال سے ان کے اس احسانِ عظیم کی گواہی دے رہا ہے۔ اس شہر کی سرزمین نے جس مقدس ہستی کے قدم آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے چومے اس بابرکت ہستی کو "شیخ سید علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ" کے نامِ نامی اور اسمِ سامی سے یاد کیا جاتا ہے۔ لاہور اور اس کی خاک کا ذرہ ذرہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں سلامِ عقیدت پیش کرتا ہے کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور پر وہ احسان عظیم کیا ہے کہ تاقیامِ قیامت وہ اس سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ بقول مفکرِ پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔

خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت (۱)

(سرزمین پنجاب ان کے دم قدم سے زندہ ہوگئی اور اس مہرِ منیر نے ہماری صبح کو بھی تابناک کر دیا)۔

حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں اللہ کریم نے لاہور کو وہ گنج گراں مایہ عطا فرمایا ہے کہ جمشید و فریدون کے خزانے اس کے پاسنگ بھی نہیں۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ لاہور اس نعمتِ لازوال کو فراموش کر دے جس کی بدولت تاریخ کے صفحات میں اس شہر کا نام آبِ زر سے لکھا جاتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی بدولت لاہور کی خاک کے ذرے آسمان کے تاروں سے آنکھیں ملا رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے بائیں جانب دیوار پر لگی سنگ مرمر کی تختی پر کندہ منقبت میں معروف صوفی شاعر حضرت واصف علی واصف، مخدوم امم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے لاہور شہر پر کیے گئے لاتعداد احسانات کا اعتراف کچھ اس طرح سے کرتے ہیں۔

خطۂ لاہور میں سربستہ رازِ لاالہ سرزمین شوق و مستی میں بہاروں کی فضا
یا علی مخدوم ہجویری یہ ہے تیرا کرم سرزمینِ پاک میں ہے آج نامِ کبریا

اس شہر کی فضاؤں میں جن مسیحانفس بزرگانِ دین کی سانسوں نے روحانی حرارت سموئی ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کے امیر ہیں۔ یہ بہ اعتبار قدامت نہیں بلکہ بلحاظِ فضیلت ہے۔ شہرِ لاہور برعظیم کے تمام مقامات پر برتری رکھتا ہے کہ اس کے ایک گوشے میں اس شیخِ کامل کی آرام گاہ ہے جس سے نہ صرف اپنے اپنے وقت کے مشائخ عظام نے فیض حاصل کیا بلکہ خود سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے فیض کمال پایا اور فرمایا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

لاہور کی منفرد فضیلت بیان کرتے ہوئے صاحبِ وقت کے مصنف لکھتے ہیں: "یہ فضیلت صرف لاہور کو ہی حاصل ہے کہ ایک ہی پیر و مرشد (حضرت شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ) کے دو مریدوں نے اس شہر کے مشرق و مغرب میں اسلام کے پرچم لہرائے اور شمع توحید روشن کی" (۲) آگے چل کر لکھتے ہیں: "یہ فضیلت بھی لاہور کو ہی حاصل ہے کہ ایک ہی پیر و مرشد کے مرید حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاروں پر پیرانِ پیر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے چلہ کشی کی" (۳)

جس دور میں یہ مردِ حق تبلیغ اسلام کے لیے کمربستہ ہوا وہ دور بالکل امن و سکون کا دور نہ تھا۔ اگر آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم مردِ مجاہد نہ ہوتے تو زمانہ کی بے اعتدالیوں سے تنگ آکر غزنی کے کسی گوشے میں روپوش ہو گئے ہوتے۔ ایسے میں اگر دیکھا جائے تو سب سے زیادہ نقصان لاہور کو پہنچتا کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بغیر اس شہر کے حالات ہرگز نہیں سدھر سکتے تھے۔ ایسا ہوتا ہی کیوں؟ قدرت نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی جناب سے خزانے عطا ہی اسی لیے کیے تھے کہ دنیا ان سے بہرہ ور ہو اور پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پردہ پوشی کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُرانوار سے ابدی فیض جاری رہے۔

یہاں ہم صاحبِ وقت کے مصنف محمد نصیب کا بیان قلم بند کرتے ہیں کہ لاہور میں دورانِ تبلیغ آپ کو کیا مشکلات پیش آئیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

"لاہور میں آمد اور پھر تبلیغ اسلام کوئی آسان کام [نہ] تھا۔تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور ان دنوں بدھ رسوم کا مرکز تھا۔ برہمنی سامراج نے اپنی مخصوص چالوں سے مہاتما بدھ کو اپنے لاتعداد خداؤں کی فہرست میں ایک بت کی حیثیت سے شامل کرلیا اور اس طرح بدھ مت ہندو دھرم کے ایک فرقے کی حیثیت اختیار کرگیا۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور تشریف لائے تو لاہور میں جا بجا مہاماتما بدھ مورتی پوجا کے مراکز تھے۔آپ نے شرک کے ان مراکز میں شمعِ توحید روشن کرنے کا پکا ارادہ کرلیا۔آپ نے کسی ناموافق اور نامساعد سیاسی وسماجی حالت کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی۔آپ کی شرافت نفس اور علم وفضل کی کشش نے لوگوں کو اپنی طرف راغب کرلیا اور ہزاروں کفار حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ہزاروں جاہل آپ کے ذریعہ سے عالم، ہزاروں گمراہ رو براہ، ہزاروں دیوانے صاحبِ عقل، ہزاروں ناقص کامل اور ہزاروں ریاکار نیکوکار ہوگئے"(۴)

لاہور میں تشریف لائے تو کن حالات کا آپ کو سامنا کرنا پڑا، غلام جیلانی مخدوم ایم۔اے رقم طراز ہیں: "شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے وارد ہونے پر اس جگہ کے سیاسی حالات بہت خراب تھے"(۵) آگے چل کر لکھتے ہیں: "آپ رحمۃ اللہ علیہ کو فریضۂ تبلیغ شروع کرنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، مگر استقلال کے ساتھ رشد وہدایت کا فریضہ ادا کرتے رہے"(۶) صاحبِ حدیقۃ الاولیا مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں: "انہوں نے لاہور میں آکر ہنگامۂ فضیلت و مشیخت گرم کیا۔دن کو طالب علموں کی تدریس اور رات کو طالبانِ حق کی تلقین ہوتی"(۷)

پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کی ترجمانی کرتے ہوئے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں اپنی عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

شہرِ لاہور پہ کیوں بارشِ انوار نہ ہو جلوہ گر ہے حَسَنی راج دولارا، داتا
دل ہو انوار سے معمور، مقدر جاگیں جس طرف ہو تری رحمت کا اشارہ داتا (۸)

قیام پاکستان میں لاہور کا کردار کیا ہے ذرا سنیے محمد نصیب کی زبانی: "قدرت کی کرشمہ سازی سمجھ لیجیے کہ دریائے راوی کی یہی گزرگاہ آج سے تقریباً چالیس برس پہلے [یہ ۱۹۷۹ء کی بات ہے جب یہ کتاب لکھی گئی] قائداعظم کی آماجگاہ بنا جہاں انہوں نے پاکستان کا پرچم لہرایا اور قیام پاکستان کے لیے ایک قرارداد پیش کی اور یہی دریائے راوی کا کنارہ ہی تو تھا جہاں سب

سے پہلے ہندو نے جو لاہور کا گورنر تھا، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ قائد اعظم نے سچ ہی تو کہا تھا کہ دراصل پاکستان اسی دن ہی قائم ہو گیا تھا جس دن اس برصغیر کے پہلے ہندو نے کلمہ حق پڑھا۔" (۹)

لاہور میں آپ کب تشریف لائے؟ مختلف حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ۴۳۱ھ کو لاہور میں وارد ہوئے۔ محمد وارث کامل لکھتے ہیں۔ "آپ رحمۃ اللہ علیہ ۴۳۱ھ کو دن ڈھلے پورے ڈیڑھ برس کی مسافت کے بعد دریائے راوی کے کنارے پہنچے" (۱۰) دریا کے جس کنارے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے آرام فرمایا اس کے مشرق میں لاہور کی آبادی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دریا کے کنارے لاہور کے بیرونی حصہ میں رات بسر کی۔ تحقیقات چشتی کے مصنف نے لکھا ہے:

"حضرت لاہور میں بوقت شب تشریف لائے اور بیرون شہر شب باش ہوئے" (۱۱)

لاہور کے باشندوں کو کیا خبر تھی کہ ان کا وہ روحانی پیشوا اسی شہر کے ایک اجاڑ گوشے میں رات گزار رہا ہے، جس کی ہستی پر نہ صرف وہ لوگ بلکہ ان کی آنے والی نسلیں بھی فخر کریں گی۔ لاہور میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا دن ڈھلے پہنچنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت لاہور کی دینی و روحانی زندگی کا آفتاب ڈھل چکا تھا۔ اب نئے سرے سے اس کی رگ و پے میں زندگی کی روح پھونکی جائے گی اور اس شان سے اس کے بام و در پر انوار کی بارش ہو گی کہ لوگ اس غزنی کے آفتاب کو دیکھ کر چاند تاروں کی چمک دمک کو بھول جائیں گے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ صبح سویرے لاہور شہر میں داخل ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کا خیر مقدم اس اجنبی شہر کے باشندوں نے تو کیا، نسیمِ سحر کے جھونکوں اور اس شہر کی خاک کے ذروں نے بھی کیا ہو گا۔ ہاتفِ غیبی سے یہ آوازہ بلند ضرور ہوا ہو گا کہ۔

مسندِ دولتِ اقبال کو خالی کر دو ! آج محفل میں محمد کا غلام آتا ہے

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی آمدِ لاہور کا مقصد گوشہ نشینی نہیں تھا بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ تو بقول علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری (۱۲)

کا مصداق بن کر تشریف لائے تھے۔ اسی لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے آتے ہی تبلیغی کام کا آغاز کر دیا۔ چند ہی دنوں میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر حق کے متلاشیوں کا تانتا بندھ گیا اور مخلوقِ

خدا جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں تشریف لاتے ہی مسجد کی تعمیر کا بیڑہ اٹھایا اور خود اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ مسجد کی تعمیر سے جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مرکز کا قیام تھا وہاں یہ خواہش بھی کام کر رہی تھی کہ لوگوں کو ارکانِ اسلام کی تعلیم دی جائے اور ان کے اندر وہ روح پھونکی جائے جسے ہم ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح درسِ قرآن و حدیث بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ مقاصد میں شامل تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسلاف کی طرح دن کا وقت زیادہ تر قرآن و حدیث کے درس میں گزارتے۔ ذاتی مسائل اور پریشانیوں کے حل کے لیے غیر مسلم بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرتے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ ان سے بڑی شفقت اور دردمندی سے پیش آتے۔ جس سے غیر مسلم بے حد متاثر ہوتے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ ان پر اسلام کی حقانیت واضح فرما دیتے اور وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و شرافت اور خلوص سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے چلے جاتے۔

اسرار الاولیا کے مصنف عبدالعزیز چشتی لکھتے ہیں: "لاہور میں قیام فرمانے کے بعد آپ کچھ عرصہ تک درس دیتے رہے۔ پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا" (۱۳) آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ کے ذریعے قلیل مدت میں ہزاروں جاہل عالم بن گئے۔ وہ لوگ جو فسق و فجور اور اخلاقی فساد کی زنجیروں میں عرصۂ دراز سے جکڑے ہوئے تھے، اس مسیحا نفس کی چارہ گری سے رذائل اخلاق سے آزاد ہونے لگے۔ آپ کا اصولِ تبلیغ وہی تھا جو سلف صالحین کا تھا کہ پہلے تزکیہ کرتے پھر نفس کے عوارض اور ہوا و ہوس کی گرفت سے لوگوں کو آزاد کراتے پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنی کیمیا اثر نگاہ سے ان کے دلوں میں راسخ فرما دیتے اس طرح وہ کل عوام جو کالانعام تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے ہادی و مقتدیٰ بن گئے۔ سید متین ہاشمی لکھتے ہیں۔

"رائے راجو جو مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا گورنر تھا آپ کا زہد و تقویٰ اور حسنِ اخلاق دیکھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں گر پڑا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہو کر شیخ ہندی کا لقب پایا اور پھر ساری زندگی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر بسر کر دی۔ بعض تذکرہ نگاروں کی رائے ہے کہ محکمہ اوقاف میں آنے سے پہلے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے جو لوگ مجاور تھے وہ اسی "شیخ ہندی" کی اولاد میں سے تھے" (۱۴)

غرض یہ کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا چرچا لاہور سے نکل کر پنجاب کے طول و عرض میں پھیلنے لگا اور رفتہ رفتہ بھاٹی دروازے کا "داتا دربار" نہ صرف پنجاب بلکہ پورے برعظیم کا روحانی مرکز بن گیا۔ لاہور کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں کی برکت سے لاہور پورے برعظیم میں تصوف کا مرکز بن گیا۔ صاحبِ وقت کے مصنف لکھتے ہیں: "برصغیر میں سب سے پہلا تصوف کا مرکز حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں قائم کیا" (۱۵)

المختصر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک ذات وہ صاف و شفاف آئینہ ہے جس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا حسن علم و معرفت اور حسنِ عمل اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جھلکتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تعمیرِ شخصیت کے لیے بہت سے مشائخ کرام کی صحبت کے فیضان سے مستفیض ہوتے ہیں اور پھر اس علمی و روحانی فیضان کو دوسروں تک پہنچانے اور اشاعتِ اسلام کا مقدس فریضہ ادا کرنے کے لیے دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں تبلیغ کا مقدس فریضہ انجام دیتے ہیں کہ جن کے دل اسلام دشمنی کے ناپاک جذبات سے لبریز ہوتے ہیں لیکن آپ اپنے صدق و صفا، لطف و کرم اور حسنِ خلق سے اس ارشادِ ربانی:

اُدعُ الٰی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ (۱۶)، (اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے)،

کی عملی تفسیر بن کر اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ اپنے آرام و آسائش کی پرواہ کیے بغیر شب و روز کی ان تھک محنت سے دینِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فروغ کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں اور پھر تائیدِ ایزدی سے اس مقامِ اعلیٰ و ارفع پر فیض ہوتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کرنے والے اس شعر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم تبلیغی مساعی اور ملی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور کو جو "قطب ارشاد" کا درجہ دیا ہے، اصل میں یہ اسی قطب الاقطاب حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فقیر کے نزدیک یہ شہرِ لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب الارشاد کی طرح ہے، اس شہر کی خیر و برکت تمام بلادِ ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے" (۱۷)

بھوکوں کو کھانا کھلانا اور ان کی داد رسی کرنا انبیاء و اولیا کا شیوہ رہا ہے۔ اسلاف کی ان پاکیزہ روایات کی عملی صورت اس دربارِ اقدس پر دیکھی جا سکتی ہے کہ اس دربار پر قیام و طعام کا وسیع ترین سلسلہ جس کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ظاہری حیات میں شروع فرمایا تھا، ابھی تک جاری و ساری ہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پُر انوار پر دنیا بھر سے زائرین آتے ہیں، لاہور ہی کا نہیں غالباً یہ دنیا کا واحد دربار ہے جہاں ہر وقت لنگر جاری رہتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس دربار سے کئی سفید پوش بھی لنگر لے کر اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ معروف صحافی جناب رحمت علی رازی نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ: "جب میں صحافت میں آیا تو ان دنوں میں، مَیں مالی پریشانیوں کا شکار تھا۔ تنخواہ کبھی مل جاتی کبھی نہ ملتی۔ اس دوران میں نے اپنے کسی رشتہ دار پر بوجھ بننے کی بجائے یہ کرنا شروع کیا کہ داتا صاحب سے لنگر کھاتا اور ناصر باغ میں جا کر سو جاتا" (۱۸)

جس قدر وسیع پیمانے پر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے حکومتِ وقت کے لیے ایسا کرنا مشکل تو کیا ناممکن بھی ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "قیام پاکستان کے وقت جو مہاجرین براستہ واہگہ لاہور آئے اور مہاجر کیمپوں میں پناہ گزیں ہوئے، ان کی پرورش حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ اس لیے کہ اس وقت حکومتی وسائل نہ ہونے کے برابر تھے اور افراتفری کے عالم میں یہ ممکن نہ تھا کہ مہاجرین کے کیمپوں میں تین وقت کے کھانے کا انتظام ہوتا۔ جو کام حکومت نہ کر سکی وہ کام حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی درگاہ کے لنگرے سے ممکن ہوا۔ قیامِ پاکستان کے وقت پکی پکائی دیگوں کا رواج نہ تھا۔ عقیدت مندانِ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنے اپنے ٹھکانوں سے مختلف اجناس کی دیگیں پکوا کر درگاہ شریف پر نذر و نیاز پیش کرتے تھے۔ اس کے علاوہ درگاہ شریف کے متولیان مہمان زائرین کے لیے ہر روز تین وقت کا لنگر پکواتے تھے۔ جب مہاجرین آئے تو لنگر وافر مقدار میں پکایا جانے لگا اور سارے کا سارا لنگر مہاجرین کے لیے وقف کر دیا گیا تھا۔ کیمپوں تک پہنچانے کا بندوبست سجادہ نشینانِ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے" (۱۹)

اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت ذات کے صدقے، جو لاہور کی سرزمین میں آرام فرما ہے، لاہور کو کسی نہ کسی طرح اس جذبہ کی حقیقت سے آشنا کر دے، جو جذبہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو غزنی سے کشاں کشاں لاہور لایا تھا۔

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی　　ہم نے تو دل جلا کے سرِ عام رکھ دیا

حوالے:

(۱) اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیاتِ اقبال (فارسی)، اسرارِ خودی، ۱۹۷۲ء ص ۵۲

(۲) محمد نصیب صاحب وقت لاہور: محمد نصیب اینڈ سنز صاحب وقت پبلی کیشنز طبع اول ۱۹۷۹ء ص ۵۸

(۳) ایضاً ص ۵۹

(۴) ایضاً ص ۴۰۔۴۱

(۵) غلام جیلانی مخدوم سیرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور: مکتبہ عالیہ ایبک روڈ اشاعت سوم ۱۹۷۵ء ص ۳۱

(۶) ایضاً　ص ۳۱

(۷) غلام سرور لاہوری، مفتی حدیقۃ الاولیا لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن ۱۹۷۶ء ص ۱۸۲

(۸) نصیر الدین نصیر، سید فیض نسبت اسلام آباد: گولڑہ شریف، مہریہ نصیریہ پبلشرز ۲۰۰۶ء اشاعت سوم ص ۱۶۲۔۱۶۳

(9) صاحبِ وقت ص ۱۹

(۱۰) (i) محمد وارث کامل داتا گنج بخش سوانحی خاکہ، لاہور: مطبوعات چٹان۔ س۔ن ص ۸۲

(ii) محمد اکرام چغتائی داتا صحب لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۷ء ص ۳۳

(iii) ایم اے یزدانی گنج بخش بحیثیت عالم لاہور: ادارہ علوم اسلامیہ س۔ن ص ۴۹

(۱۱) نور احمد چشتی تحقیقات چشتی لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب مئی ۱۹۹۳ء ص ۱۶۵

(۱۲) فضلی سنز پرائیویٹ لمیٹڈ کلیاتِ اقبال، کراچی: اردو بازار ص ۸۴۶

(۱۳) عبدالعزیز قریشی اسرار الاولیا کوٹلی (آزاد کشمیر): جامعہ الفردوس خانقاہ درس شریف بار اول ۱۹۹۴ء ص ۱۹

(۱۴) (i) محمد متین ہاشمی، مولانا سید ہجویر (حضرت علی بن عثمان الجلابی الہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ حیات و تعلیمات) لاہور: مرکز معارف اولیاء، محکمہ اوقاف حکومتِ پنجاب طبع اوّل ۱۹۸۵ء ص ۸۸۸۔۱۸۹

(ii) بشیر احمد سعدی سیرت گنج بخش لاہور: نگارشات پبلیشرز ۲۰۰۵ء ص ۱۰۱

(۱۵) صاحبِ وقت ص ۹۹

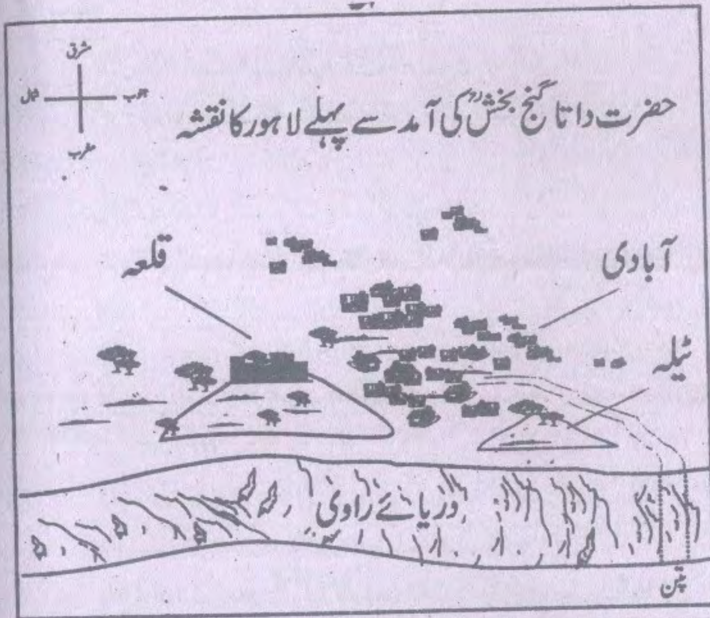
(۱۶) القرآن، النحل آیہ ۱۲۵

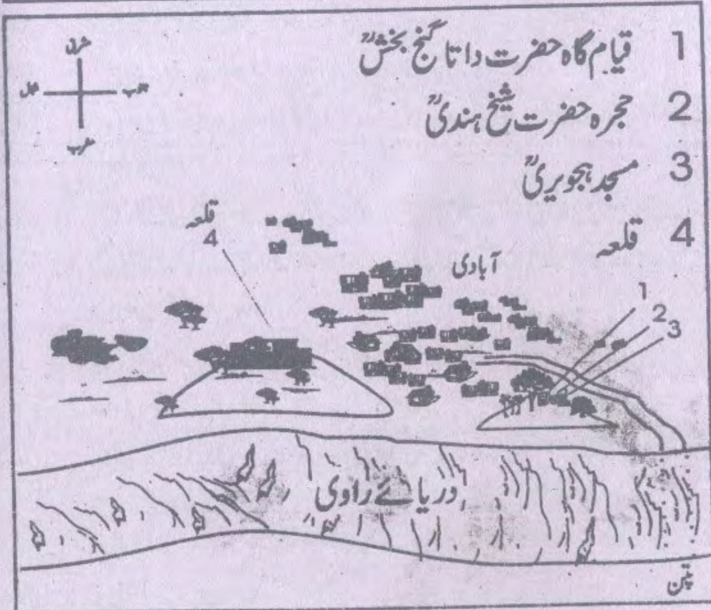
(۱۷) جلال الدین ڈیروی سیرت بعد وصال داتا گنج بخش لاہور: رضا پبلی کیشنز، اشاعت اوّل مارچ ۲۰۰۴ء ص ۱۸۵

(۱۸) ایضاً　۱۷۳

(۱۹) ایضاً　۱۷۳

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے قبل لاہور کا نقشہ





۹

اعترافِ عظمت

(سیّد ہجویر اکابر اُمت کے حضور)

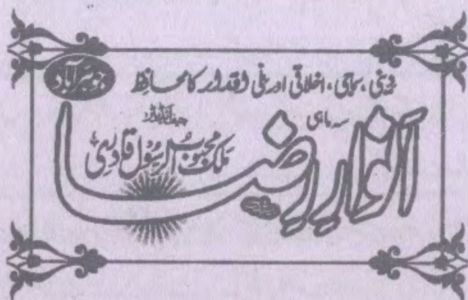
علی ہجویری جلابی لقب جس کو ملا داتا ۔۔۔ چھپا رکھا ہے جس نے اپنے پہلو میں ید بیضا

شناور بحرِ عرفاں کا وہ منبع علم و حکمت کا ۔۔۔ کہ جس نے سخت محنت سے کیا ہے آنکھ کو بینا

کشف کی ایک جولاں گاہ دکھلاتا ہے طالب کو ۔۔۔ ہر اک ہے کش کو بھر بھر کے دیئے جاتا ہے اک صہبا

ظفرؔ پر بھی اگر چشمِ کرم کر دیں تو کیا کہنا ۔۔۔ بڑے عرصے سے کرتا ہے درِ اقدس پہ واویلا

(ظفر السلام ظفر برہانی)



حسن ترتیب

خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی شان اور

صاحب کشف المحجوب کا حسنِ بیان

ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن

خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صف انبیاء میں یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ ان کے صحبت یافتگان نے عشق ومحبت، ایمان وایقان، ایثار و فاکیشی، امانت، دیانت، شرافت اور شجاعت کی ایسی شمعیں روشن کی ہیں کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خالق نے انہیں اپنی دائمی خوشنودی کے مژدۂ جانفزا سے سرفراز فرمایا اور "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ" کے تاج کو ان کے سروں پر سجایا اور آقائے دو جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ یارانِ نبوت، آسمان ہدایت کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں ان میں سے جس کی اقتداء کرو گے، منزلِ ہدایت سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قدسی صفت جماعت آئین رسالت کی گواہ ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال، اعمال حتی کہ آخری صحیفۂ ہدایت کی ہر آیت کے گواہ ہیں۔ اللہ نہ کرے اگر کسی کو ان کی امانت و دیانت، ایمان و اخلاص پر شک کا شائبہ بھی پیدا ہو جائے، تو یقین کیجیے کہ ان کی سچائی پر شک دین کی ہر حقیقت وسچائی پر شک کے مترادف ہوگا۔

لاریب کہ صحابہ کرام کی جماعت کا ہر رکن لائق صد احترام ہے، لیکن ان میں درجہ بندیاں بھی ہیں۔ ان میں "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" بھی ہیں۔ ان میں مہاجرین ہیں، انصار ہیں۔ بدر و اُحد کے شہداء اور غازی ہیں، جنت کی بشارت پانے والے عشرہ مبشرہ ہیں۔ ان میں مکہ کے تپتے ہوئے صحرا پر جھلسے ہوئے جسم کے ساتھ توتلی زبان سے توحید کی گواہی دینے کے لیے "اَحد اَحد" پکارنے والے بلال حبشی بھی ہیں اور چشم تصور سے سمیہ کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم ہوتا دیکھو۔ وہ مکہ سے باہر حضرت خباب بن الارت کو ایک درخت کے ساتھ لٹکے ہوئے دیکھو، جسم اور روح کا سلسلہ بظاہر منقطع ہو چکا، مگر قریش کی تمام تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں۔

خبیب رضی اللہ عنہ قبلہ رخ ہیں۔ قریش کوشش کرتے ہیں کہ رخ تبدیل کریں، مگر خبیب کے بے جان جسم کے رُخ کو تبدیل نہ کیا جاسکا۔

سبھی ستارے روشن ہیں، تاریک دلوں کو روشنی بخش رہے ہیں مگر اس کہکشاں میں ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم وہ نجومِ ہدایت ہیں، ایسے محسوس ہوتا ہے کہ نورِ نبوت کی ہر کرن ان سے چھن چھن کر کائنات کو منور کر رہی ہے۔

آیئے آج جس پاکیزہ ہستی کے حوالے سے ہم جمع ہیں ان کے پاکیزہ خیالات لے کر ان پاکانِ امت کے دربارِ گوہر بار میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفِ لطیف "کشف المحجوب" تصوف کی اُمّہاتِ کُتُب میں سے ہے، علمِ تصوف میں اسے مرجع اور ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں ترتیبِ خلافت کے مطابق چاروں خلفاء کے مناقب بیان فرمائے ہیں۔

بارگاہِ نبوت سے صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب پانے والے، حیاتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مصلّیٰ نبوت پر امامت کا فریضہ سرانجام دینے والے، غارِ ثور میں یکہ وتنہا فیضانِ نبوت سے مالامال ہونے والے، اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والدِ گرامی جن کا نام آتے ہی حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ تڑپ کر کہتے ہیں:

اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آ گیا — جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار

"رفیقِ نبوت" کی اس اصطلاح سے اصحابِ کیف و مستی ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"صحابہ رحمۃ اللہ علیہ میں سے اسلام کے شیخ انبیاء علیہم السلام کے بعد بہترین خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ اول مسلمانوں کے امام، اہلِ تجرید کے سردار، اربابِ تفرید کے بادشاہ، انسانی آفتوں سے دور امیر المومنین حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان الصدیق ہیں۔"

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام زہری کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ جب لوگوں نے آپ سے خلافت کی بیعت کی تو آپ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا، اور اثناءِ خطبہ میں فرمایا:

وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ حَرِيْصاً عَلَى الْاِمَارَةِ يَوْماً وَّلَا لَيْلَةً وَّلَا كُنْتُ فِيْهَا رَاغِباً	قسم اللہ کی! میں نے تو کسی دن اور نہ کسی رات خلافت کی حرص کی اور نہ مجھے اس کی

وَلَا سَأَلْتُهَا قَطُّ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّلَا لِي فِي الْاَمَارَةِ مِنْ رَّاحَةٍ۔ خواہش تھی اور نہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ اور ظاہر اس کی درخواست کی اور نہ مجھے خلافت میں کوئی خوشی ہے۔

حضرت داتا صاحب، امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا اقتباس نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں: "جب خدا تعالیٰ بندہ کو کمال صدق پر پہنچا دیتا ہے اور عزت کے مقام پر معزز و متمکن کر دیتا ہے تو وہ امر الٰہی کے وارد ہونے کا منتظر رہتا ہے کہ وہ امر کس طور پر آتا ہے چنانچہ وہ اس کے مطابق ہو جاتا ہے۔ اگر حکم آتا ہے کہ وہ فقیر ہو جائے تو فقیر ہو جاتا ہے اگر حکم ہوتا ہے کہ امیر ہو جائے تو امیر ہو جاتا ہے۔ اس میں اپنی طرف سے کوئی تصرف نہیں کرتا۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابتداء سے انتہا تک سوائے تسلیم امر حق کے کوئی دوسری راہ اختیار نہیں کی کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کے عموماً اور اہل طریقت کے خصوصاً دینی امام اور پیشوا ہیں۔"

نبوت کے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب بلند ہوتے ہیں اور زبان نبوت ملتجی بارگاہ الٰہی ہوتی ہے۔ "اے اللہ! دو عمروں میں سے ایک عمر کے ساتھ اسلام کو توقیر عطا فرما۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا بارگاہ رب العزت سے قبولیت کی خلعت سے سرفراز ہوتی ہے۔ ابن الخطاب گھر سے نعوذ باللہ محبوب کائنات کے قتل کے ارادے سے نکلتے ہیں مگر خود گھائل ہو جاتے ہیں۔ آستانہ نبوت پر پہنچتے ہیں تو جان کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبولیت دعا کے مظہر کو گلے لگانے کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ ایک عجیب منظر ہے۔ دار ارقم میں موجود پرستاران توحید کی مختصر سی جماعت میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اور اللہ اکبر کی صداؤں سے مکہ کے پہاڑ گونج اٹھتے ہیں۔ حضرات گرامی! یہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں جن کی تائید میں آیات ربانی کا نزول ہوتا ہے۔ جو خلیفہ دوم کے مقام و مرتبہ سے سرفراز ہوتے ہیں، جنہیں پیغمبر اسلام کے خسر ہونے کا شرف و اعزاز حاصل ہے۔ قیصر و کسریٰ کی عظمت کو پیوند خاک کرنے والے عمر کم و بیش ۲۲ لاکھ مربع میل رقبہ پر اسلام کا پھریرا لہرانے والے سیدنا عمر، عدل و انصاف کی روشن مثالیں قائم کرنے والے عمر، کیا امیری ہے اور کیا فقیری۔ شاید ہی چشم فلک نے امیری و فقیری کا یہ حسین امتزاج دیکھا ہو کہ مسلمانوں کا وہ امیر کہ جس کے نام سے دنیائے کفرستان تھر تھر کانپتی تھی، اس کے سامنے

جب حبش کے رہنے والے سیاہ فام مؤذن رسول بلال حبشی آتے ہیں تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں۔ "بلال سیدنا و مولی سیدنا" بلال ہمارا سردار ہے اور ہمارے آقا کا غلام ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں بارگاہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حضور نذرانہ کے پھول لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ رقم طراز ہیں:

آپ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اہل ایمان کے سرلشکر، اہل احسان کے مقتدا، اہل تحقیق کے امام اور دریائے محبت الٰہی کے شناور حضرت ابوحفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کی کرامتیں مشہور اور دین میں دوررسی کی باتیں عام طور پر لوگوں میں مذکور ہیں۔ اور وہ دینی امور میں دانش مندی اور سخت پابندی کے ساتھ مخصوص ہیں اور طریقت میں آپ کے نہایت لطیف اقوال اور باریک رموز ہیں۔ آپ ہی کے متعلق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

الحق ینطق علی لسان عمر	حق تعالیٰ عمر کی زبان پر کلام کرتا ہے۔

اور نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قد کان فی الامم محدثون فان یک فی امتی فعمر	پہلی امتوں میں محدث ہوئے اور اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں یہ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبولیت اسلام کے موقع پر حضرت جبریل امین بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں:

یا محمد قد استبشر اهل السماء باسلام عمر	اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آج اہل آسمان نے عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔

ارشاد نبوت پر غور فرمائیے یہ کسے "کامل الحیاء والایمان" کی سند سے نواز اجا رہا ہے، اور یہ کون ہے جو "ذوالنورین" کے مرتبہ اعلیٰ پر فائز ہونے کا اعزاز پاتا ہے اور یہ کون جواد ہے جو اپنا اثاثہ در رسول کی نذر کر دیتا ہے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر ہستی ہیں جنہیں نے جام شہادت تو نوش فرمالیا مگر مدینہ طیبہ میں خون بہانے کی کسی صورت اجازت نہ دی، جملہ معترضہ کے طور پر یہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دوران حراست خطبہ کے ایک جملہ کی جانب آپ

کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: "میرا خون نہ بہاؤ، اگر میرا خون بہاؤ گے تو قیامت تک مسلمان ایک جھنڈے تلے جمع نہیں ہوسکیں گے۔" یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میرے کانوں میں الفاظ قرآن کی گونج سنائی دیتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔" حضرت داتا صاحب رضی اللہ عنہ اس جلیل القدر ہستی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں، حیاء کا خزانہ، اہل صفا میں سے زیادہ عبادت گزار، درگاہ رضائے الٰہی سے تعلق رکھنے والے اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق سے آراستہ، حضرت ابو عمر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جن کی فضیلتیں تمام امور میں بالکل آشکار اور اوصاف ظاہر ہیں۔"

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابو قتادہ کی ایک روایت نقل فرماتے ہیں:

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حرب الدار (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کے محاصرہ اور ان کی شہادت کے واقعہ کو حرب الدار کہتے ہیں) کے روز ہم آپ کے پاس تھے، جب فسادی لوگ آپ کے دروازے پر جمع ہوگئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھالیے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص ہتھیار نہ اٹھائے وہ اللہ کی راہ میں آزاد ہے اور ہم لوگ جب خوف کی وجہ سے باہر نکلے تو حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما ہمیں راستے میں ملے۔ چنانچہ ہم ان کے ساتھ واپس لوٹ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تا کہ معلوم کریں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پاس کس مقصد کی خاطر آرہے ہیں۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ اندر آئے تو سلام کے بعد پہلے آپ سے اس مصیبت پر افسوس اور ہمدردی کا اظہار کیا اور پھر یہ عرض کیا۔ "اے امیر المؤمنین! آپ امام برحق ہیں، آپ کے حکم کے بغیر مسلمانوں پر تلوار نہیں کھینچ سکتا۔ اس لیے آپ مجھے حکم دیجیے تاکہ میں یہ مصیبت آپ سے ہٹادوں۔" تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

ایا ابن اخی ارجع واجلس بیتک حتی یاتی اللہ بامرہ فلا حاجۃ لنا فی اھراق الدماء۔	اے میرے بھائی کے لڑکے واپس جا کر اپنے گھر میں بیٹھیے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے ہمیں خون گرانے کی ضرورت نہیں۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں۔ یہ بات مقام خلت میں بلا کے وارد ہونے کے وقت تسلیم و رضا کی علامت ہے۔

خفیہ تبلیغی دور کا اختتام ہوتا ہے اور " وانذر عشیر تک الاقربین" کے حکم الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ سرکار دو جہاں ﷺ روسائے قریش کی دعوت کا اہتمام فرماتے ہیں او رو ہاں اعلان نبوت فرماتے ہیں۔ ہر جانب سے استہزاء کے تیر برسائے جاتے ہیں مگر صرف ایک نوعمر بچہ کھڑا ہوتا ہے، وہ بچہ جو سایہ نبوت میں پروان چڑھا ہے جو پیغمبرِ اسلام ﷺ کے شب و روز کا شاہد ہے، پکار اٹھتا ہے، یا رسول اللہ ﷺ! ہر چند کہ میری ٹانگیں کمزور ہیں اور آشوب چشم کا مریض ہوں مگر جب تک دم میں دم ہے آپ کا ساتھ دوں گا۔ شبلی لکھتے ہیں: "اس وقت ایک دلدوز قہقہہ بلند ہوا کہ دعویٰ کرنے والے کو دیکھو اور دعوے کی تائید کرنے والے کو دیکھو۔ مگر وقت نے ثابت کر دکھایا کہ دعوی کرنے والا بھی سچا تھا اور دعوے کی تائید کرنے والا بھی سچا تھا۔"

فاتح خیبر کی بات ہو رہی ہے، ہجرت کی رات بستر رسول ﷺ پر آرام کرنے والے کا ذکر مسعود ہے۔ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ الزہراء بنت رسول ﷺ کے شوہر نامدار کو خراج عقیدت پیش کرنا مقصود ہے، حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم و عرفان کے اس تاجدار کے حضور ان الفاظ کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔

آپ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے بھائی، دریائے بلا کے غریق، آتش ولایت کے حریق اور تمام اولیاء اللہ اور برگزیدگان الٰہی کے پیشوا۔ ابوالحسن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ طریقت میں آپ کی شان بہت بڑی اور درجہ بہت بلند ہے۔ اور معرفت کی حقیقتوں کے اصول کی دقیق عبارات کے بیان کرنے میں آپ کو پورا پورا حصہ حاصل تھا۔"

حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں: "اہل طریقت عبارات کی حقیقتوں، اشارات کی باریکیوں، دنیا و مافیہا سے علیحدگی اور تقدیر میں حق پر نظر رکھنے میں آپ ہی کی اقتداء کرتے ہیں اور آپ کے لطائف اس موضوع پر اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ شمار میں آسکیں۔"

حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فقر و غنا کو اپنی اس رباعی میں نہایت خوبصورت انداز میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر — کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوتِ حیدری
کوئی ایسی طرز طواف تو مجھے اے چراغِ حرم بتا — کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری
گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے — کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی "ہری ہری"

سالارِ قافلۂ تصوف حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

کشف المحجوب کی روشنی میں

ڈاکٹر ضیاء المصطفیٰ قصوری ☆

"کشف المحجوب" میں حضرت سیدنا علی بن عثمان المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے کتاب کے موضوع کی مناسبت سے صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم و دیگر مشایخ و صوفیہ رحمہم اللہ کے عام احوال سے صرفِ نظر کر کے ان کے احوالِ خاصہ اور معمولات کا ذکر کیا جو سالکانِ راہِ حقیقت اور راہروانِ جادۂ شریعت کی علمی، عملی، تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی زندگی میں ان کی راہنمائی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی روحانی بالیدگی کا بھی سامان کریں۔ اس لیے ذاتی اور شخصی حالات کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا گیا۔ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے۔ یہ ائمہ، ہدایت کے ستارے اور تصوف و شریعت کے پیشوا اور سرخیل ہیں۔ انہی میں چمنستان مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کے گل سر سبد جناب امام حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیائے اہل بیت میں سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے جو صرف مختصر ہی نہیں، انتہائی مختصر ہے۔ لیکن جو کچھ بیان کر دیا وہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو اُجاگر اور ان میں راہنمائی کر رہا ہے۔

گلشن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گل تر، وارث علوم سرور کونین، جناب شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند دلبند، خاتون جنت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نورِ نظر جناب امام حسن رضی اللہ عنہ ..... کائنات کا حسن ہیں، زندگی کا بھرم انہی سے قائم اور زیست کا ناطہ انہی سے استوار ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری بمطابق

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ سول لائنز ڈگری کالج، لاہور

بجم اپریل ۶۲۵ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "حرب" نام رکھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر "حسن" رکھا۔(۱)

بارگاہِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے "ابو محمد" کنیت عطا ہوئی۔ یہ خصوصی کرم گستری تھی، حالانکہ اس نام کا آپ کا کوئی فرزند نہ تھا۔ اُم الفضل نے دودھ پلایا۔ ابو بکرہ ثقفی کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز تھے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے۔ آپ ایک نظر لوگوں کو دیکھتے تو دوسری نظر حسن کی طرف، ایسے میں فرمایا:

"میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔"(۲)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش کی بہاریں سمیٹی ہیں، اور خوب سمیٹی ہیں۔ شب و روز کائناتِ حسن کے جلووں سے شاد کام ہوتے۔ کبھی راکبِ دوش نبوت ہوتے، کبھی پیادہ ساتھ ساتھ چلتے۔ صورت میں مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سانچے میں ڈھلے تھے، سیرت میں ایک ایک ادا، اور ایک ایک خوبی اپنے نانا محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رچ بس گئی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

کان أشبه الناس برسول الله صلی الله علیه وسلم۔ (۳)

کوئی شخص حسن رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہ تھا۔

نصف رمضان المبارک ۳ ہجری سے لے کر ۱۱ ربیع الاول ۱۱ ہجری تک محبوبِ خدا رضی اللہ عنہ کے روئے جمال سے شاد کام ہوتے رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کم سن تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ارشاد تھا کہ اہل بیت کے معاملے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال کرو۔(۴)

ایک روز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اکٹھے مسجد سے باہر نکلے۔ راستے میں حسن بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے از راہ شفقت آپ رضی اللہ عنہ کو اٹھا لیا۔ (۵) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے وظیفہ کا تعین ہوا۔ یہ وظیفہ بدری صحابہ کے مطابق تھا۔(۶)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا برتاؤ بھی بڑا محبت آمیز تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں جوان تھے،

مہماتِ جہاد میں شرکت کرتے رہے۔ ۳۰ھ میں سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے زیرِ کمان طبرستان کی مہم میں امام حسن رضی اللہ عنہ نے شرکت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کاشانہ عالی کا جب باغیوں نے محاصرہ کیا تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو حفاظت اور نگہبانی کے لیے امیر المؤمنین کے دروازے پر مامور کیا۔ (۷)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب زمام کارِ خلافت سنبھالنے کا مرحلہ آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے والدِ مکرم کو یہ مشورہ دیا کہ جب تک لوگ آپ رضی اللہ عنہ سے خود درخواست نہ کریں، اس وقت تک اسے قبول نہ کریں۔ چنانچہ لوگوں کی درخواست پر آپ کی بیعت عمل میں آئی۔ اہل عراق نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی بیعت کی۔ سازشی عناصر کی وجہ سے مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے اور آپس میں برسرِ پیکار ہوئے۔ یہ معرکہ جنگِ جمل کی صورت میں پیش آیا، جس میں طرفین سے بہت سے جلیل القدر صحابہ کا خون ناحق بہا۔ اس میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔

۳۷ ہجری میں جنگ صفین میں شرکت کی حد تک شرکت تھی، اس میں عملی حصے کا مستند روایات سے کوئی ثبوت نہیں بلکہ التوائے جنگ کے لیے جو معاہدہ لکھا گیا اس کے گواہوں میں سے تھے۔

۴۰ ہجری میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی شہادت کے بعد زمام کارِ خلافت سنبھالا۔ لیکن جب آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اُمت کے گروہوں میں اختلافات کی خلیج بڑھتی جا رہی ہے اور لڑائی کی ایسی آگ بھڑکنے والی ہے جس کے شعلوں کی لپیٹ میں اُمتِ مسلمہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جائے گی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کو فرو کرنے اور اس آگ کو بجھانے، اور اُمتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اتحاد و اتفاق اور امن کے قیام، اور قرآن و سنت کی تعلیمات کے فروغ کے عظیم مقاصد کے پیشِ نظر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ظاہری اقتدار کو تج کر دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھا کر ایسا کارنامہ انجام دیا کہ جو ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی کو پورا کر رہا تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "میرا یہ بیٹا مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔" (۸) اور دوسری طرف آپ رضی اللہ عنہ کے افکار کی ترجمانی کر رہا تھا۔ چنانچہ دستبرداری خلافت کے وقت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے آپ سے سرِ عام اعلان

دستبرداری کرایا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطاب میں فرمایا:

أما بعد! أيها الناس ! فان الله هدا كم بأولنا و حقن دماء كم بآخرنا، ألا ان أكيس الكيس التقى و ان هذالأمر الذي اختلفت أنا و معاوية فيه اما أن يكون أحق مني . اما أن يكون حقي تركته لله عز وجل و لاصلاح أمة محمد صلى الله عليه وسلم حقن دماء كم ۔۔۔(۹)

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اگلوں کے ذریعے تم کو ہدایت سے نوازا، اور پچھلوں سے تمہاری خونریزی بند کرائی۔ ہاں! اصل دانائی تقویٰ ہے، اور عجز میں سب سے بڑا عجز فجور (بداعمالی) ہے اور یہ معاملہ (خلافت) جس میں میرے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف تھا، تو وہ اس کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں یا یہ میرا حق ہے جسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اُمت محمدیہ کی بہتری کے لیے اور تمہارے مابین خونریزی کے سدِ باب کے لیے چھوڑا ہے۔"

وكانت خلافته ستة أشهر و خمسة أيام ۔ (۱۰)

آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت (کی مدت) چھ ماہ اور پانچ دن ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے امین اور ان کے داعی ہیں۔ سلطنت دنیا کی حکومت پر سلطنت قلوب کی حکومت کو ترجیح دی۔لَو اپنے رب کے لگی تھی، سو لگی رہی۔۔۔دل میں یادِ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بسی تھی سو بسی رہی۔۔۔اُمت کے وسیع تر مفاد کے لیے زمانے کے جاہ وحشم کی پرواہ کی اور نہ اس کی زیب وزینت اور رنگینیوں کو خاطر میں لائے۔ سب کچھ قربان کر دیا کہ دین اسلام کی جس شمع کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فروزاں کیا ہے، اس کی چمک دمک میں کوئی فرق نہ آئے۔ اپنا سب کچھ جاتا ہے تو جائے لیکن چشمہائے مبارکہ میں تاجدار کائنات کے جن جلوؤں کو بسایا تھا، اب ان کی تابانی سے کائنات کو روشن کرنا تھا۔ بس ایک لگن تھی! بس اسی میں مگن رہے! کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام عام ہو، مخلوق جادۂ ہدایت پر گامزن رہے، اُمت کے مابین کوئی خطِ تفریق نہ کھنچنے پائے، لوگوں کی

حاجت روائی ہو، اور ان کی مشکل کشائی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۱۱) بیشک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

خير الناس أنفعهم للناس (۱۲) لوگوں میں بہتر وہ جو لوگوں کے لیے نفع رساں ہو۔

بہتری کے معیار قائم کیجیے تو کیا مثالی کیجیے کہ عوام الناس کا بھلا ہو، ان کی فلاح ہو۔

ایک اور ارشادِ گرامی ہے:

من سعى في حاجة أخيه المسلم ، قضيت اولم تقض غفر له ما تقدم من ذنبه، و كتب له براْتين: براءة من النار، و براءة من النفاق۔ (۱۳)

"جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی میں کوشاں رہتا ہے، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اس کے لیے دو چھٹکارے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ ایک دوزخ سے چھٹکارا اور دوسرا نفاق سے نجات۔"

امام حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی کا لمحہ لمحہ امت کی خیر خواہی اور لحظہ لحظہ عوام کی بھلائی سے عبارت ہے۔

"کشف المحجوب" میں صوفیائے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے عنوان کے تحت درج ذیل تمہیدی کلمات ملاحظہ ہوں:

"اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وہ نفوس قدسیہ ہیں جو طہارت ازلی سے مخصوص ہیں۔ (۱۴) ان میں ہر ایک طریقت کا مقتدا و پیشوا ہے۔ اس گھرانے کا ہر فرد گروہ اولیاء کا سردار و پیشوا ہے۔" (۱۵)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے عنوان سے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ القاب درج فرمائے ہیں:

"جگر گوشہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، خوشبوئے دل مرتضیٰ، نور چشم فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم ابو محمد الحسن بن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔" (۱۶)

حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"آپ کو طریقت میں گہری نظر حاصل تھی۔ اس علم کے دقائق و لطائف (۱۷) کو بیان کرنے میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اپنے وصیت نامے میں فرماتے ہیں:

علیکم بحفظ السرائر فان اللہ مطلع علی الضمائر۔ (۱۸)	اپنے اسرار کی حفاظت کرو بیشک اللہ تعالیٰ دلوں پر مطلع ہے۔

تم اپنے رازہائے دروں کی حفاظت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کی دنیا سے آگاہ ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کا دل تجلیات الٰہیہ کی آماجگاہ ہے، اسی کے ذکر اور یاد سے تاباں رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝ (۱۹)	تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، اور میرا شکر بجالاؤ اور ناشکری نہ کرو۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ کے معانی اور دقائق و اشارات کا بیان کافی طوالت کا متقاضی ہے، اسی طرح اذکرکم کے حقائق سے کشف حجاب سے بھی بات بڑھ جائے گی۔ بس مختصر طور پر اسی اشارہ پہ اکتفاء مناسب رہے گا کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ کا بندے کو یاد رکھنا اپنے اندر کیا کیا حقائق و معارف کے مفہومات لیے ہوئے ہے۔ وَاشْكُرُوْا لِيْ میں شکر گزاری کی ترغیب بھی بلندیٔ درجات اور حصول کمالات کا باعث ہے۔ وَلَا تَكْفُرُوْنِ میں اس حقیقت سے متنبہ کر دیا گیا ہے جو انسان کے مراتب و مقامات اور درجات میں تنزل کا باعث ہو سکتی تھی۔

سرائر، سریرۃ کی جمع ہے، جس چیز کو دل میں چھپایا جائے اور اس سے کا مفہوم "طیبۃ النیۃ" (نیک نیتی) بھی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ دل کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک اور صاف ستھرا رکھا جائے۔ حسد ہو نہ بغض و کینہ، جھوٹ، چغلی ہو نہ غیبت، عداوت ہو نہ دشمنی، کہ ان کے اثرات بد سے دل ظلمت کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ انسان کسی کے بارے میں اپنے جذبات بد کو لوگوں اور اس کی نگاہوں سے تو چھپا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو ان سے آگاہ ہے جس نے جزا و سزا دینی ہے، اور اپنے آپ کو صدق و صفا، جود و عطا، عدل و راست گوئی، ایثار و قربانی اور اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کرے جن سے دل جلا پائے اور تقویٰ کو مخزن بن جائے اور یہی بارگاہِ ایزدی میں

مطلوب و مقصود ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم و أموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و أعمالکم (۲۰)

بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

پھر یہ بھی ارشاد ہے:

انما الأعمال بالنیة۔ (۲۱)

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں تصوف کے کیا کیا نکات پنہاں ہیں اور کس طرح کوزے میں سمندر کو بند کر کے قرآن وسنت کی تعلیمات کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

اس کے بعد داتا گنج بخش قدس سرہ نے ایک فتنے کا ذکر کیا ہے جو اس دور میں پر پرزے نکال کر پھیل رہا تھا۔ وہ تھا قدریوں کا غلبہ، جس سے معتزلہ کا زور بڑھنے لگا، ان کے نظریات وعقائد پھیلنے لگے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حوالے سے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں یہ عریضہ ارسال کیا اسے قارئین کی دلچسپی کے لیے من عن نقل کیا جانا بہت مفید رہے گا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

السلام علیك یا ابن رسول اللّٰہ وقرۃ عینه ورحمة اللّٰہ وبرکاته!

اے فرزندِ رسولِ خدا! اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، آپ پر سلام، اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔

أما بعد فانکم معاشر بني هاشم کالفلك الجاریة فی اللجج ومصابیح الدجیٰ وأعلام الهدیٰ والأئمة القادة الذین من تبعهم نجا کسفینة نوح المشحونة التي یؤل الیها المؤمنون وینجوا فیها المتمسکون تما قولك یا

اے گروہِ بنی ہاشم! آپ ٹھاٹھیں مارتی سمندری موجوں میں رواں کشتی کی مانند ہیں، ہدایت کے دمکتے ستارے، ہدایت کے پرچم اور ایسے پیشوا ہیں کہ جو آپ کی پیروی کرے نجات پائے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والے۔ جس میں اہل ایمان پناہ لیتے ہیں اور آپ کا

ابن رسول الله صلى الله عليه وسلم عند حيرتنا و اختلافنا في الاستطاعة لتعلمنا بما تأكد عليه رأيك فانكم ذرية بعضها في بعض بعلم الله علمتم وهو الشاهد عليكم و أنتم شهداء الله على الناس۔ والسلام ۔ (۲۲)

دامن پکڑنے والے بچ جاتے ہیں۔ اے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ رضی اللہ عنہ کا "قدر" کے بارے میں ہماری پریشانی وحیرت اور استطاعت سے متعلق اختلاف کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اس بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کی رائے کیا ہے؟ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ ان کے چشم و چراغ ہیں جس نے اللہ تعالیٰ سے تعلیم حاصل کی اور وہی آپ کے نگہبان و شاہد ہیں اور آپ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔

آپ رضی اللہ عنہ کے پاس جب یہ خط پہنچا تو آپ نے یہ جواب دیا:

أما بعد! فقد انتهى الي كتابك عند حيرتك و حيرة من زعمت من أمتنا و الذي عليه رأيي ان من لم يؤمن بالقدر خيره و شره فقد كفر و من حمل المعاصي على الله فقد فجر، ان الله لا يطاع باكراه و لا يعصى بغلبة و لا يحمل العباد في ملكه لكنه المالك لما ملكهم والقادر على ما غلبه قدرتهم فان ائتمروا بالطاعة لم يكن لهم صادا و لا لهم عنها متبطأ، فان أتوا المعصية و شا أن يمن عليهم

جو شخص خیر وشر کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا یقین نہیں رکھتا وہ کافر ہے۔ جو شخص اپنے گناہوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے وہ فاجر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی سے جبراً نیکی کراتا ہے نہ گناہ اور نہ ہی اس کے حکم سے کسی کو چون و چرا کی مجال ہے۔ جن چیزوں میں حق تعالیٰ نے بندوں کو مالک بنایا ہے، ان کا مالک حقیقی وہ خود ہے، اور جن چیزوں میں قادر بنایا ہے، ان کا اصل قادر بھی وہی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ارادہ کرے، تو وہ اس کو منع نہیں کرتا۔ اور نافرمانی کا قصد کرے تو اسے نہیں روکتا۔ ہاں! اگر وہ از راہِ کرم برائی

فیحول بینھم و بینھا فعل وان لم یفعل فلیس ھو حملھم علیھا اجبارا و ألزمھم ایاھا اکراھا باحتجاجه علیھم ان عرفھم و مکنھم و جعل لھم السبیل الی أخذ ما دعاھم الیه و ترک ما نھاھم عنه و للہ الحجة البالغة۔۔۔والسلام !(۲۳)

سے روک دے، تو روک سکتا ہے، اور اگر وہ ان کو برائی سے نہ روکے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے ان کو برائی پر مجبور کیا اور ان پر جبر لازم آتا ہے۔ حق تعالیٰ نے ان کو نیک و بد کام کرنے کی قوت عطا فرما کر اپنی حجت قائم کر دی ہے کہ نیک و بد کام کرنے کی ذمہ داری انسان پر ہے، خدا پر نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی حجت ہی غالب ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں آپ نے تقدیر کے حوالے سے جو انہیں وضاحت درکار تھی وہ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرما دی۔ تقدیر کے مسئلہ میں بعض اوقات انسان اُلجھ کر دین سے دُور ہو جاتا ہے، بڑی احتیاط والا مسئلہ ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: اس خط سے میری مراد صرف اسی ایک کلمے کا لانا تھا لیکن مَیں نے سارا خط نقل کر دیا کہ یہ انتہائی فصیح اور کار آمد تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ علم حقائق (۲۴) و اصول میں اتنے بلند مقام کے مالک تھے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے استفادہ کی ضرورت پڑی۔ آپ کے مندرجہ بالا مکتوبِ گرامی میں آپ رضی اللہ عنہ کے فکری زاویوں کا بڑے اچھے انداز سے تعین کیا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ علم میں کس گہرائی وگیرائی کے مالک تھے۔

یہاں تقدیر کے حوالے سے قرآن و حدیث کی تعلیمات کا خلاصہ آیات اور احادیث کی روشنی میں کرنا مناسب ہو گا۔ یہاں سے یہ پتا چل جائے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو قرآن و حدیث پر کس قدر دسترس تھی کہ عقدہائے لاینحل کو کس آسانی سے حل فرما دیتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ ۝ (الانبیاء: ۲۳)

اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہو گا۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۝ (الحجر:۲۱)

اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں، اور ہم اسے ایک معلوم اندازے سے ہی اتارتے ہیں۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝ (القصص:۶۸)

اور تمہارا رب جو چاہے پیدا کرتا اور پسند فرماتا ہے اور ان کا کوئی اختیار نہیں، اس کو ان کے شرک سے پاکی اور برتری ہے۔

وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِؕ (یوسف:۶۷)

اور میں تمہیں اللہ سے بچا نہیں سکتا، حکم تو سب اللہ ہی کا ہے۔

كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝ (القصص:۸۸)

اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر کر جاؤ گے۔

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

كل شيئ بقدر العجز والكيس (۲۵)

ہر چیز عجز و عقل کے اندازے کے مطابق ہے۔

كل ميسر لما خلق له۔(۲۶)

ہر ایک کو وہی میسر جو اس کے لیے پیدا کیا گیا۔

القدر سر الله۔(۲۷)

تقدیر رازِ ذاتِ یزداں ہے۔

الطير يجري بقدر۔(۲۸)

پرندہ تقدیر کے مطابق چلتا ہے۔

حارث اعور سے مروی ہے، کہتے ہیں: امیر المؤمنین جناب علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور کہا: اے امیر المؤمنین! مجھے تقدیر کے بارے میں بتائیے۔

فرمایا: تاریک راستہ ہے، اس پر مت چلو۔

عرض کیا: امیر المؤمنین! مجھے تقدیر کے بارے میں بتائیے؟

فرمایا: ایک گہرا سمندر ہے، اس میں مت کودو۔

عرض کیا: اے امیر المؤمنین! مجھے تقدیر کے بارے میں بتائیے؟

فرمایا: ایک راز ہے جو تجھ پر مخفی ہے، اسے اَفشاء نہ کرو۔

عرض کیا: امیر المؤمنین! مجھے تقدیر کے بارے میں بتائیے؟

فرمایا: اے سوال کرنے والے! بیشک اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا، جیسا اس نے چاہا یا جیسا تُو نے چاہا؟

عرض کیا: جیسا اُس نے چاہا۔

فرمایا: وہ تجھے استعمال فرماتا ہے، جیسے تُو چاہتا ہے یا وہ؟

عرض کیا: جیسے وہ۔

فرمایا: قیامت کے دن وہ زندہ کر کے اٹھائے گا، جیسے تُو چاہے گا یا وہ؟

عرض کیا: جیسے وہ۔

فرمایا: اے سوالی! کیا تم اپنے رب سے عافیت نہیں مانگتے؟

عرض کیا: کیوں نہیں! ضرور۔

فرمایا: کس چیز سے تم عافیت کا سوال کرتے ہو؟ اس مصیبت سے جس میں اس نے تجھے گرفتار کیا ہے یا اس مصیبت سے جس میں اُس کے علاوہ کسی اور نے مبتلا کیا ہے؟

عرض کیا: اس مصیبت سے جس میں اُس نے مبتلا کیا ہے۔

فرمایا: تم کہتے ہو: لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم، جانتے ہو اس کی تفسیر کیا ہے؟

عرض کیا: امیر المؤمنین! جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمایا ہے، اس سے مجھے بھی آگاہ فرمادیجئے؟

فرمایا: اس کی تفسیر یہ ہے کہ انسان ہر دو معاملات، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بجا آوری پر قادر نہیں، نہ اس کی معصیت کی طاقت ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت کے ساتھ۔ اے سوالی: کیا تیری اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے، یا اللہ سے بڑھ کر یا اس سے کم؟ اگر تُو کہے تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے کم مشیت ہے، تو تُو نے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اکتفاء کیا اور اگر تُو

گمان کرے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر، تو تُو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مشیت میں کسی شریک ٹھہرا لیے۔ اے سوالی! اللہ تعالیٰ تکلیف دیتا ہے، اور علاج فرماتا ہے۔ اسی کی طرف سے بیماری ہے، اور اسی کی طرف سے دوا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کا معاملہ سمجھ گئے؟

عرض کیا: ہاں!

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تمہارا بھائی مسلمان ہو گیا ہے، اٹھو اور اس سے مصافحہ کرو۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میرے پاس کوئی "قدری" ہوتا تو میں اس کی گردن دبوچ لیتا اور اسے مسلسل جھنجھوڑتا رہتا یہاں تک کہ اسے کاٹ کر رکھ دیتا۔ یہ اس اُمت کے یہود و نصاریٰ اور مجوسی ہیں۔

ابو مجلز کہتے ہیں، ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اپنی حفاظت کیجئے، کچھ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کے درپے ہیں؟ فرمایا: ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے ہیں جو اس کی حفاظت پر مامور ہیں، جب تقدیر آجائے تو وہ موت اور اس آدمی کے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں اور اجل محفوظ ڈھال ہے۔ (۲۹)

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ علم و عرفان کے وہ طورِ عظیم ہیں جو اپنی نظیر آپ ہیں، براہ راست چشمۂ نبوت سے سیراب ہوئے۔ کیا کیا پایا، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ بابِ مدینۃ العلم رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ ان (اہل بیت) سے بات کرتے وقت محتاط رہا جائے، ان پر کلام الہام ہوتا ہے۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ کے خطبات، مکالمے، مواعظ، مکتوبات جہاں ادب، بلاغت و فصاحت اور دلکشی و رعنائی اپنے اندر لیے ہوئے ہیں وہاں ان سے تصوف و طریقت کی روشنی بھی پھوٹ رہی ہے۔ آپ کے علمی حوالے سے یہاں یہ مکالمہ بھی ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو آپ کے اور آپ کے والد مکرم جناب علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے مابین ہوا۔ اس کے راوی بھی حارث الاعور ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروت کے بارے میں چند سوالات کیے:

فرمایا: لختِ جگر! راست روی کیا ہے؟

عرض: اے والد گرامی! نیکی کے ذریعے برائی کی روک تھام۔

ارشاد: شرف کیا ہے؟

عرض: دوستوں اور قبیلہ والوں سے احسان اور مصیبت کو اٹھانا۔

ارشاد: مروّت کیا ہے؟

عرض: پاکدامنی اور اپنے مال کی اصلاح۔

ارشاد: دقت و باریک بینی کیا ہے؟

عرض: معمولی چیز میں غور کرنا اور حقیر سے رُکنا۔

ارشاد: ملامت کیا ہے؟

عرض: آدمی کا اپنے نفس کو روکنا اور اسے اپنی شادی میں خرچ کرنا۔

ارشاد: سماحت کیا ہے؟

عرض: آسودگی اور تنگی میں خرچ کرنا۔

ارشاد: بخل کیا ہے؟

عرض: جو پاس ہے اسے بہتر سمجھو اور جو خرچ ہوا اسے ضائع سمجھو۔

ارشاد: بھائی چارہ کیا ہے؟

عرض: تنگی اور خوشحالی میں وفاداری۔

ارشاد: بزدلی کیا ہے؟

عرض: دوست پر جرأت کرنا اور دشمن سے پہلوتہی۔

ارشاد: غنیمت کیا ہے؟

عرض: اس دنیا میں تقویٰ و زہد میں شوقِ فراواں، یہ بہت اچھی غنیمت ہے۔

ارشاد: حلم کیا ہے؟

عرض: غصہ کو پینا اور نفس پر مکمل ضبط۔

ارشاد: غنیٰ کیا ہے؟

عرض: اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر نفس کا راضی رہنا اگرچہ کم ہی ہو، کیونکہ غنی تو دل کی تونگری کا نام ہے۔

ارشاد: فقر کیا ہے؟

عرض: ہر چیز میں نفس کا حریص ہونا۔

ارشاد: قوت کیا ہے؟

عرض: سخت لڑائی اور ظالموں کا قلع قمع

ارشاد: ذلت کیا ہے؟

عرض: صدمہ میں گھبراہٹ

ارشاد: جرأت؟

عرض: دوستوں کے ساتھ لڑائی۔

ارشاد: تکلیف؟

عرض: غیر ضروری بات کہنا۔

ارشاد: مجد و عظمت؟

عرض: قرض میں عطا اور جرم میں معافی۔

ارشاد: عقل کیا ہے؟

عرض: ہر چیز سے دل کی حفاظت۔

ارشاد: خرق کیا ہے؟

عرض: اپنے امام کی مخالفت اور اس پر اپنی آواز کو بلند کرنا۔

ارشاد: حزم کیا ہے؟

عرض: حکمرانوں کے ساتھ طویل نرمی، اور لوگوں کے ساتھ بدگمانی سے بچنا۔

ارشاد: شرف کیا ہے؟

عرض: دوستوں کی موافقت، اور ہمسائیوں کی حفاظت۔

ارشاد: حماقت؟

عرض: کمینگی کی اتباع و پیروی اور گمراہوں کی سنگت اختیار کرنا۔

ارشاد: غفلت کیا ہے؟

عرض: مسجد کو چھوڑنا اور فسادی کی بات ماننا۔

ارشاد: محرومی؟

عرض: تیرا حصہ جو تجھے دیا جائے اور تو اسے چھوڑ دے۔

ارشاد: سید؟

عرض: آقا مال میں احمق، عزت میں سست، گالی دی جائے تو جواب نہ دے۔

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی احادیث بیان کیں جن میں مذکورہ تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے:

فرمایا: اے لختِ جگر! مَیں نے رسولِ خدا ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"جہالت سے بڑھ کر کوئی فقر نہیں، عقل سے بڑھ کر کوئی لوٹنے والا مال نہیں، خود پسندی سے بڑھ کوئی وحشت ناک تنہائی نہیں، اور مشورہ سے بڑھ کو کوئی قابل اعتماد مظاہرہ نہیں، تدبیر کی طرح کوئی عقل نہیں، حسن خلق سے زیادہ کوئی حسب نہیں، دست درازی روکنے سے بڑھ کر کوئی ورع وتقویٰ نہیں، غور وفکر سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں اور حیا اور صبر سے بڑھ کر کوئی ایمان نہیں۔"

اور مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

"گفتگو کی آفت: جھوٹ،۔۔۔علم کی آفت: بھول،۔۔۔حکم کی آفت: حماقت،۔۔۔ عبادت کی آفت: لمبا وقفہ،۔۔۔ظرف کی آفت: صلف،۔۔۔شجاعت کی آفت: ظلم وبغاوت،۔۔۔ سخاوت کی آفت: احسان جتانا،۔۔۔جمال کی آفت: ناز۔۔۔اور حسب کی آفت: فخر ہے۔" (۳۰)

اس خط کے بعد داتا صاحب رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے، جو اہل بیت رضی اللہ عنہم ہی کا خاصہ ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور تصوف میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس واقعہ میں آپ رضی اللہ عنہ کی برداشت، صبر، علم و پاکیزگی، عظمت و وجاہت، شرافت و کرامت اور جود وسخا، کا پتہ چلتا ہے، یہ بہت اہم واقعہ ہے، یہ نہ صرف انسان کی انفرادی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ اجتماعی زندگی پر بھی اپنے گہرے اثرات چھوڑتا ہے۔ یہ سالکان طریقت کے لیے "نسخہ کیمیا" ہے، اور داعیان شریعت کے لیے بھی راہنما ہے:

"ایک دفعہ ایک اعرابی آیا۔ اس وقت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کوفہ میں اپنے مکان کے دروازے کے قریب تشریف فرما تھے۔ اس نے آتے ہی آپ رضی اللہ عنہ کو اور آپ رضی اللہ عنہ کے

والدین کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اُٹھے اور فرمانے لگے: اے اعرابی! اگر تو بھوکا ہے تو تیرے لیے کھانا منگوایا جائے، اگر پیاسا ہے تو پانی لایا جائے، بتاؤ تو سہی آخر تمہیں کیا تکلیف و پریشانی ہے؟ ۔۔۔ وہ کہنے لگا: تم ایسے، تمہارے والدین ایسے ویسے (نازیبا گفتگو کرتا رہا)۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے غلام کو حکم دیا کہ اندر سے دینار کی تھیلی لاؤ۔ تھیلی لائی گئی تو اسے دیتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: بھائی مجھے معاف کرنا۔ اس وقت اس کے علاوہ میرے گھر میں کچھ موجود نہیں ہے۔ اگر کچھ ہوتا تو تم سے بچا کر نہ رکھتا۔ اعرابی نے یہ کیفیت دیکھی تو پکار اٹھا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں، میں آپ رضی اللہ عنہ کے حلم وحوصلے کے امتحان کے لیے یہاں آیا تھا۔" (۳۱)

اس کے بعد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صفت محققین مشائخ کی ہے کہ ان کے نزدیک مخلوق کی تعریف و تنقیص برابر ہوتی ہے اور بدکلامی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا واقعہ میں جہاں آپ رضی اللہ عنہ کی بے پناہ قوت برداشت، حلم و بردباری اور سخاوت و ایثار کا پتہ دے رہا ہے اور یہ اوصاف اللہ تعالیٰ کو بڑے پسند اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں بڑے محمود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرۃ: ۲۷۴)

اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:۔

السخی قریب من اللّٰہ قریب من الناس قریب من الجنۃ، بعید من النار، والبخیل بعید من اللّٰہ، بعید من الناس، بعید من الجنۃ، قریب من النار، الجاھل السخی أحب الی اللّٰہ تعالیٰ من عابد بخیل۔ (۳۲)

آپ رضی اللہ عنہ کے زندگی کے معمولات کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے کہ آپ نے کس حسن و خوبی سے معاشرے میں روز و شب گزارے اور ان پر الطاف و کرم اور عنایات کی بارش ہو رہی ہے جو بات کرنے کے بھی قابل نہ تھے۔ آخر یہی تو ایک در ہے جہاں سب کی شنوائی ہے، درباب نبوت ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالی گھرانہ ہے۔

حواشی ومنابع

۱۔ ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد، ابو عمر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، مکتبۃ النھضۃ مصر، ت: علی محمد البجاوی، الطبعۃ الاولیٰ: ۱/ ۳۸۳۔۳۹۲

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب الصلح

۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً

۵۔ الذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، شمس الدین، سیر أعلام النبلائ، ۳/ ۲۴۹، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، مطبوع ۱۹۸۶ء

۶۔ البلاذری، فتوح البلدان، ذکر العطاء فی خلافۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۔ السیوطی عبد الرحمن بن ابو بکر بن محمد الخضیری، جلال الدین، امام،: تاریخ الخلفاء

۸۔ البخاری: کتاب الصلح

۹۔ ابن اثیر، محمد بن محمد بن عبد الکریم، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ۔ المجلد الثانی، المکتبۃ الاسلامیۃ، ۲/ ۱۴

۱۰۔ الاصابۃ، ص ۳۳۰ ۱۱۔ سورہ المائدہ: ۱۳

۱۲۔ علی متقی، کنز العمال،، ۱۵/ ۵۸۰۳۰ ۴۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ

۱۳۔ اس حدیث کو ابن عجیبہ نے اپنی تفسیر البحر المدید میں نقل کیا ہے۔

۱۴۔ لا یزال اللہ ینقلنی من أصلاب الطاھرۃ الی أرحام الطاھرۃ۔۔۔ الحدیث

۱۵۔ علی ابن عثمان الھجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ، کشف المحجوب:، فرید بکسٹال، ص ۱۸۹

۱۶۔ ایضاً ۱۷۔ تصوف کی باریکیاں

۱۸۔ کشف المحجوب: ص ۱۸۹ ۱۹۔ سورۃ البقرۃ: ۱۵۲

۲۰۔ احمد بن حنبل، المسند: حدیث: ۷۸۲۷، ۱۳/ ۲۲۷، وحدیث: ۱۰۹۶۰، ۱۶/ ۹۶۴

۲۱۔ البخاری: ۱ ۲۲۔ کشف المحجوب: ۱۹۰

۲۳۔ ایضا: ۱۹۱ ۲۴۔ وہ علوم الٰہی جو سیکھے اور پڑھے بغیر عطا ہوتے ہیں۔

۲۵۔ مسند احمد: ۵۸۷۸ ۲۶۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، حدیث: ۲۱۵۶

۲۷۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، ابو القاسم، امام، المعجم الکبیر: ۱۰۶۰۶

۲۸۔ ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد بن ابی حاتم التمیمی، الصحیح:، ۵۷۲۶، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، مطبوع ۱۹۹۳ء

۲۹۔ الجامع: ۵۶۱۲، مسند أمیر المؤمنین علی ابن ابی طالب ۱۵/ ۲۴۳

۳۰۔ الطبرانی فی الکبیر، حدیث: ۲۶۸۸ ۳۱۔ کشف المحجوب

۳۲۔ ترمذی: ۱۹۶۶، باب ماجاء فی السخاء

مقامِ سیّد الشہداء امام حسین علیہ السلام کشف المحجوب کی روشنی میں

مشتاق احمد

"کشف المحجوب" جہاں تصوف و طریقت کے لطیف اَسرار و رموز کو سالکین کے لیے نہایت محققانہ انداز میں اَفشا کرتی ہے، وہاں یہ عقیدتوں اور محبتوں کا ایک حَسین اور ہمہ جہت گلدستہ بھی ہے۔ اس میں حضرت سید علی ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے خلفائے راشدین، اہل بیتِ اطہار، صحابہ کرام، ائمہ تابعین، تبع تابعین اور اولیائے متقدمین صوفیائے متاخرین رضی اللہ عنہم کا تذکرہ نہایت عقیدت و محبت سے کیا ہے۔ ہر شخصیت کے تذکرہ کے ابتداء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے لیے ایسے القابات تحریر فرمائے ہیں جو اُن کی ذات و صفات اور عظمت پر گواہی دیتے ہیں۔

یوں تو حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ "کشف المحجوب" میں تمام شخصیات کا ذکر نہایت عقیدت سے کرتے ہیں مگر اہل بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کا تذکرہ فرماتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا قلم بے پناہ محبت و عقیدت سے سرشار نظر آتا ہے۔ "کشف المحجوب" میں اہل بیت رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اہلِ بیتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنان کہ بطہارتِ اصلی مخصوص بودندہ، ہر یکی را اندریں معانی قدمی تمام است و جملہ قدوہ ایں طائفہ بودندہ اند خاص و عام ایشاں۔" (۱)

"اہلبیتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ پاک ہستیاں ہیں کہ ان کے لیے پاکی ازلی اُن کی ذات کے واسطے مخصوص ہے اور ان میں ہر ایک طریقت میں کامل، اور مشائخِ طریقت کے

☆ ریسرچ آفیسر، مرکز معارفِ اولیاء اوقاف، داتا رحمۃ اللہ علیہ دربار لاہور

امام ہیں۔عام اس سے کہ عوام میں سے
ہوں یا خواص میں سے۔"(۲)

یقیناً دنیا کی ساری عظمتیں اہل بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کے لیے مخصوص ہیں۔۔۔قرآنِ کریم میں آیتِ تطہیر جن کی پاکیزگیٔ ذات کی گواہی دے رہی ہے اور۔۔۔"اَجرِ رسالت" جن نفوسِ زکیہ کی مؤدّت و محبت کے سوا کچھ نہیں!!

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کی چند شخصیات کا تذکرہ "کشف المحجوب" کے آٹھویں باب میں مختصراً بیان کیا ہے۔انہیں میں راکبِ دوشِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، لختِ جگر سیدنا علی علیہ السلام، قتیل کربلا، گلگوں قبا، سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت محبت و عقیدت سے کیا ہے۔امامِ عالی مقام علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شمعِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و از جملہ علائق مجرّد، سیّد زمانہ خود، ابو عبد اللہ الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما، وی از محقّقان اولیاء بود وقبلۂ اہلِ صفا وقتیل دشتِ کربلا۔(۳)

"انہیں میں سے شمعِ آلِ محمد، از علائق خلائق، مجرد وسید زمانہ خود، ابو عبد اللہ حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما ہیں، جو محققانِ اولیاء کرام سے ہیں اور قبلۂ اہل صفا، قتیل دشتِ کربلا ہیں۔"

سیدنا امام حسین علیہ السلام ۵/شعبان المعظم ۴ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔(۴) آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابو عبد اللہ" ہے۔(۵) آپ رضی اللہ عنہ کا لقب زکی، شہید اکبر، سید، سبط، طیب، قاطع لمرضاۃ اللہ اور دلیل علی ذات اللہ ہیں۔(۶) آپ رضی اللہ عنہ کی ولادتِ باسعادت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کاشانہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر تشریف لائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، اس کا نام تم نے کیا رکھا ہے؟۔۔۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مَیں نے عرض کیا:"حرب"۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: نہیں! یہ "حسین" ہے۔"(۷)

حضرت اُم الحارث رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"مَیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: حضور! مَیں نے ایک خواب دیکھا ہے جس میں مَیں ڈر گئی ہوں۔۔۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کیا دیکھا ہے تُو نے؟۔۔۔مَیں نے

کہا: میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے جسم اطہر سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابھی فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک بچہ لائیں گی جو تمہاری گود میں ہو گا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔" (۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"جب حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو انہوں (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے ان کا نام "حمزہ" رکھا اور جب امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو ان کا نام ان کے چچا کے نام پر "جعفر" رکھا۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا کر فرمایا: مجھے ان کے نام تبدیل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ رکھ دیئے۔" (۹)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ جب بھی کاشانہ علی رضی اللہ عنہ پر تشریف لاتے تو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو سینے سے چمٹا لیتے اور اُن کے ساتھ بے حد لاڈ و پیار کرتے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: اہل بیت میں سے آپ کو کون زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے: میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ ان کو سونگھتے اور اپنے ساتھ چپٹا لیتے۔" (۱۰)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے حضور رضی اللہ عنہ کی اپنے نواسوں کے ساتھ محبت و اُلفت کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا روایت کردہ ایک واقعہ بیان کیا ہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ایک روز میں دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور رضی اللہ عنہ نے سیدنا امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو اپنی پشتِ اقدس پر سوار کر رکھا تھا اور ایک ڈوری اپنے دہن مبارک میں سے نکال کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک میں دے رکھی تھی اور امام حسین رضی اللہ عنہ ہانک رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھٹنوں سے تشریف لے جا رہے تھے، تو جب میں نے یہ شان دیکھی تو عرض کیا:

نعم الجمل جملک یا ابا عبد الله۔ اے ابوعبداللہ! آپ نے سواری تو بہت عجیب پائی۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

و نعم الراکب یا عمر! عمر رضی اللہ عنہ! سوار بھی تو ایسے اچھے ہیں۔"(۱۱)

اس واقعہ میں جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حد درجہ محبت و الفت کا اظہار ہوتا ہے وہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت بھی عیاں ہوتی ہے۔ یہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور خاص طور پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہی ہیں جنہیں "راکبِ دوشِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ہونے کی ایسی عظیم سعادت میسر آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب فرمایا کہ سواری کتنی اچھی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً فرمایا کہ سوار بھی تو بہت اچھا ہے اس لیے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ پوشیدہ نہ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "سید الانبیاء" ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سید الشہداء" ہیں۔۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ "رسالتِ تامہ" کا مظہر ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذاتِ بابرکات "شہادتِ تامہ" کا مظہر۔۔۔

حضور رضی اللہ عنہ جب تشریف لاتے تو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما، آپ رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر پر خوب اٹھکیلیاں کرتے، حضور رضی اللہ عنہ انہیں ہرگز منع نہ فرماتے بلکہ انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے۔۔۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا (اور دیکھتا کہ) حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شکم مبارک پر لوٹ پوٹ ہو رہے ہوتے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہوتے: "یہ دونوں ہی تو میری اُمت کے پھول ہیں۔"(۱۲)

ترمذی میں حضرت براء رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا: یا اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تُو بھی انہیں محبوب رکھ۔"(۱۳)

ایک روز حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کشتی لڑنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے حسن (رضی اللہ عنہ)! حسین (رضی اللہ عنہ) کو پکڑ لو!!۔۔۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ بڑے کو کہتے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑ لو!!۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل (علیہ السلام) بھی حسین (رضی اللہ عنہ) سے کہہ رہے ہیں کہ

حسن (رضی اللہ عنہ) کو پکڑ لو۔ (۱۴)

ایک بار سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہمراہ لے کر ایک غزوہ میں تشریف لے گئے۔ ان دِنوں دونوں شہزادگان طفولیت میں تھے۔ چھوٹے صاحبزادہ (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ) ایک روز گھر سے باہر آ کر مدینہ کے خرموں (کھجور کے درختوں) میں چلے گئے اور درختوں کے نیچے کھیل رہے تھے کہ ایک یہودی جس کا نام صالح بن رقعہ تھا، اس طرف سے گزرا۔ دیکھا کہ چھوٹے شہزادے کھیل رہے ہیں، اس نے ان کو گود میں لیا اور گھر لے جا کر چھپا دیا۔ دن بھر انتظار رہا۔ جب عصر کا وقت گزر گیا تو حضرت سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا کی بے چینی بڑھی۔۔۔ زار زار رونے لگیں اور اسی خود رفتگی میں ستر بار حجرہ سے باہر تشریف لائیں۔۔۔ کہ کوئی حسین (رضی اللہ عنہ) کو شاید لا رہا ہو!!۔۔۔ آخر بڑے شہزادہ (حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ) کو فرمایا کہ جانِ مادر! تم ہی جاؤ اور حسین رضی اللہ عنہ کو لاؤ، انہیں گئے دن بھر گزر گیا!!۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور خرموں میں پہنچ کر پکارے:

یا حسین بن علی! ۔۔۔یا قوۃ عین النبی صلی اللہ علیہ وسلم! ۔۔۔ این انت؟	"اے بھائی حسین! اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی قوت! تم کہاں ہو؟۔۔۔"

مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اچانک ایک ہرن اُدھر سے گزرا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

یا ظبی! هل رأیت اخی حسینا؟	"اے ہرن! کیا میرے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو تُو نے دیکھا ہے؟"

ہرن کو خدا نے زبانِ ناطق عطا فرمائی اور بحکم الٰہی وہ اس طرح جواب دینے لگا:

"اے نورِ دیدۂ سرور! اے سرورِ سینۂ زہرا و حیدر رضی اللہ عنہما! اُن کو صالح بن رقعہ یہودی نے پکڑ لیا ہے اور اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے۔ وہاں سے انہیں لائیے۔"

امام حسن رضی اللہ عنہ خراماں خراماں اس کے گھر پہنچے اور آواز دی، صالح باہر آیا۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صالح! میرے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو لے آ، ورنہ ابھی اپنی والدہ سے کہتا ہوں تا کہ وہ دعا کریں کہ روئے زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہے!!۔۔۔ صالح، شہزادہ کی اس ذہانت پر

متحیر ہوا کہ چھوٹے سے بچے اور تلاش میں یہ ذکاوت کہ آخر چور پکڑ لیا!!۔۔۔ کہنے لگا: صاحبزادے! تمہاری ماں کون ہیں؟۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری والدہ فاطمہ زہرا (رضی اللہ عنہا) ہیں۔۔۔ صالح نے کہا کہ ہاں! تمہاری ماں کو میں جان گیا، مگر بتاؤ باپ کون ہے؟۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے باپ شیر یزداں، شاہِ مرداں علی اسد اللہ رضی اللہ عنہ ہیں!!۔۔۔ صالح نے کہا: تمہارے باپ کو بھی پہچان گیا، اب اپنے نانا کو بتاؤ وہ کون ہیں؟۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول الثقلین، سید الکونین، مقتدائے حرمین، پیشوائے مشرقین، سردارِ مغربین ہیں جن کا نام نامی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

یہ تمام جواب سن کر اُس نے کہا کہ اے جگر گوشہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!۔۔۔ اے نورِ دیدہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ!۔۔۔ قبل اس کے کہ مَیں تمہارے چھوٹے بھائی کو تمہیں دوں، مجھے تعلیمِ اسلام فرماؤ، آپ کی گفتگو نے میرے دل میں گھر کر لیا، آپ کے فیضِ صحبت سے میں بہت متاثر ہوا۔۔۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے اسے تعلیم کلمہ فرمائی، اس نے اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھا اور شہزادہ حسین رضی اللہ عنہ کو گھر لائے۔ (۱۵)

حضرت ابوسعید روایت کرتے ہیں کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

الحسن و الحسین سیدا شباب اھل الجنۃ۔

"حضرت حسن اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہما) جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔" (۱۶)

دنیا دار العمل، امتحان گاہ اور آزمائش کا مقام ہے۔ یہاں ہر شخص اس اُمید پر نیک عمل کرتا ہے تاکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمائیں اور وہ جنت میں داخل کیا جا سکے۔ مگر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ تو جنت کی زینت ہیں۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الحسن والحسین شنفا العرش ولیسا بمعلقین، وان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: اذا استقر اھل الجنۃ فی الجنۃ، قالت الجنۃ: یا ربّ! وعدتنی ان

حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ عرش کے دو ستون ہیں لیکن وہ لٹکے ہوئے نہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب اہلِ جنت، جنت میں مقیم ہو جائیں گے تو جنت عرض کرے گی: اے پروردگار! تو نے مجھے اپنے ستونوں میں

تزيننى بركنين من اركانك قال: اولم ازينك بالحسن و الحسين عليها السلام!!(١٧)

سے دوستونوں سے مزین کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں نے تجھے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) کی موجودگی کے ذریعے مزین نہیں کر دیا؟۔۔۔(یہی تو میرے دوستون ہیں)۔

ایک اور روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فخرت الجنة على النار فقالت : أنا خير منك . فقالت النار:بل أنا خير منك. فقالت لها الجنة استفهاما: ومه؟ قالت لان فى الجبابرة ونمرود و فرعون فا سكتت. فاوحى الله اليها: لا تخضعين لا زينن ركنيك بالحسن والحسين. فماست كما تميس العروس فى خدرها۔(١٨)

ایک مرتبہ جنت نے دوزخ پر فخر کیا اور کہا: مَیں تم سے بہتر ہوں، دوزخ نے کہا: مَیں تم سے بہتر ہوں۔ جنت نے دوزخ سے پوچھا: کس وجہ سے؟ دوزخ نے کہا: اس لیے کہ مجھ میں بڑے بڑے جابر حکمران اور نمرود اور فرعون ہیں۔۔۔ اس پر جنت خاموش ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی طرف وحی کی اور فرمایا: تُو عاجز و لاجواب نہ ہو، مَیں تجھے (اپنے عرش کے) دوستونوں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے ذریعے مزین کر دوں گا۔ پس جنت خوشی اور سرور سے ایسے شرما گئی جیسے دلہن اپنے حجلۂ عروسی میں شرماتی ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ "کشف المحجوب" میں حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی توصیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میں سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریم کے بہت سے ایسے نشان تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدس ہی ان نشانوں میں مخصوص تھی۔"(١٩)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ظاہری لحاظ سے بھی ایک حد تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے اور باطنی لحاظ سے بھی۔ اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

الحسن اشبه برسول الله صلی الله علیه وسلم ما بین الصدر الی الراز والحسین اشبه برسول الله صلی الله علیه وسلم ما کان اسفل من ذالك۔ (۲۰)

"حسن رضی اللہ عنہ سینہ سے سر تک اور حسین رضی اللہ عنہ سینہ سے نیچے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔"

اسی ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان بھی منقول ہے کہ:

من سره ان ینظر الی اشبه الناس برسول الله صلی الله علیه وسلم ما بین عنقه الی کعبه خلقا و لونا فلینظر الی الحسین بن علی۔ (۲۱)

"جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ لوگوں میں ایسی ہستی کو دیکھے جو گردن سے ٹخنے تک رنگت اور صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے کامل شبیہ ہو، تو وہ حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کو دیکھ لے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد سے بے چین و بیقرار ہو جاتے تو سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کے دَرِ اقدس پر حاضر ہوتے اور گزارش کرتے کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو باہر بھیجیں تاکہ ان کی زیارت کر کے تسکینِ دل حاصل کر سکیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ اور پیکرِ حُسن و جمال تھے۔ اندھیرے میں بیٹھتے تو آپ رضی اللہ عنہ کی جبین اقدس اور رخساروں سے روشنی نکلتی جس سے قرب و جوار جگمگا اُٹھتے۔ (۲۲)

حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

حسین منی و انا من الحسین۔

حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں۔ (۲۳)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی "حسین منی" کی تو سمجھ آتی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ، رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے اور نواسے ہیں۔۔۔۔"حسین منی" سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اَمر کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی ہیں، ان میں جو بھی ظاہری اور باطنی حسن و جمال اور خوبیاں ہیں، وہ ساری کی ساری مجھ سے ہیں اور "انا من الحسین" سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اَمر کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ میرے فضائل اور کمالات کا ایک ظہور ان سے ہوگا، میرے فضائل و کمالات سے گوشۂ شہادت کا ظہورِ تام حسین رضی اللہ عنہ سے ہو گا۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جہری شہادت جس کا آغاز غزوۂ خیبر سے ہوا تھا، اس کی تکمیل کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ذریعے ہوئی۔(۲۴)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف المحجوب" میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا روایت کردہ، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اشفق الاخوان علیک دینک (شفیق ترین برادران تو بر تو دین است) از آنچہ نجات مرد اندر متابعتِ دین بود و ہلاکش اندر مخالفت آن، پس مرد خردمند آن بود کہ بفرمان مشفقان بود و شفقت شان بر خود بداند و جز بر متابعت ایشان نرود، و برادر آن بود کہ نصیحت کند و در شفقت نبندد۔"(۲۵)

اشفق الاخوان علیک دینک۔ یعنی شفیق ترین تیرا بھائی تیرا دین ہے۔ اس لیے کہ نجات انسان کی متابعتِ دین میں ہے اور اس کی ہلاکت مخالفتِ دین میں ہے۔ تو انسان کو چاہیے کہ اپنے مشفق کے حکم کے ماتحت چلے اور اس کی شفقت کا سایہ اپنے اوپر سمجھے اور اس کی پیروی بغیر کسی طرف نہ جائے، اور بھائی وہی ہے کہ نصیحت کرتا رہے اور شفقت و محبت میں اس کا پابند نہ بنے۔"(۲۶)

ادیانِ عالم میں صرف "اسلام" ہی اصل میں دین ہے اور اللہ رب العزت نے بھی دین اسلام ہی کو بنی نوع انسان کے لیے "پسندیدہ دین" (رضیت لکم الاسلام دینا) قرار دیا ہے۔ کیونکہ دین اسلام انسان کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور یہ انسان کی جین حیات کے انفرادی ہوں یا اجتماعی، تمام گوشوں میں اس کی مکمل راہنمائی کرتا ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے ہی سے انسان کی دینی، دنیاوی اور اُخروی فلاح کا راز مضمر ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اور یہ انسان کی اس نہج پر تشکیل و تعمیرِ سیرت کرتا ہے کہ وہ ایک مثالی کردار کا حامل انسان بن جاتا ہے۔ دین اسلام پر عمل پیرا ہو کر ہی اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی کا حصول ممکن ہے۔ یہ دنیاوی زندگی میں بھی انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور اُخروی زندگی میں بھی۔

انسان کے لیے دین سے بڑھ کر کوئی دوست اور شفیق نہیں جو اس کی نجات کا ذریعہ بن سکے۔ انسان کی سانسوں کی ڈوری کے ٹوٹتے ہی دنیا کے سارے رشتے ناطے چشم زدن میں ختم ہو جاتے ہیں۔ اپنے، پرائے ہو جاتے ہیں اور ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ جو دنیا میں جان چھڑکتے تھے، اب چند لمحوں کی آہ و بکا کے بعد ہمیشہ کے لیے فراموش کر دیتے ہیں۔۔۔ مگر اپنے مذہب اِسلام کی تعلیمات کی پیروی کے نتیجے میں زندگی میں کیے ہوئے نیک اعمال ہی آخر کار انسان کے کام آتے ہیں اور اس کے لیے ذریعۂ نجات بنتے ہیں۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں انسان کو دین اسلام پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کا درس دیا ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سخاوت و فیاضی، دریا دلی، تحمل و برداشت اور حلم و بُردباری کا کامل مجسمہ تھے۔ "کشف المحجوب" میں حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سخاوت و فیاضی اور بُردباری کے سلسلے میں ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ:

"ایک روز ایک شخص حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے ابن رسول اللہ! مَیں غریب و مفلس عیال دار ہوں، مجھے آپ کی طرف سے آج شب کھانے کا انتظام ہونا چاہیے۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹھ جا! ہمارا وظیفہ راستہ میں ہے، آ جائے، تو تجھے دیں!!

تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ پانچ تھیلیاں دینار کی لائی گئیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے آئی تھیں۔ ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے۔ لانے والے نے کہا: حضور! معاویہ رضی اللہ عنہ معافی چاہتے ہیں اور اُن کی خواہش ہے کہ یہ رقم غرباء میں تقسیم فرما دیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلیاں اُسی سائل کو دے دیں اور معذرت فرمائی کہ تجھے انتظار میں بہت دیر ٹھہرنا پڑا، اگر اتنی سی رقم کا مجھے گمان ہوتا تو تجھے اس قدر زحمت کش انتظار نہ بنا تا۔ ہمیں معاف کر! اس لیے کہ ہم اہل بلا سے ہیں اور ہم نے جملہ عیش دنیاوی سے انقطاع کر لیا ہے اور اپنی تمام تمنائیں

اور آرزوئیں متادی ہیں اور دوسروں کی تمنا پوری کرنے میں عمر وقف کر دی ہے۔"(۲۷)

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور آپ کو خوب بُرا بھلا کہا، پھر کچھ مانگنے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خادم کو بلوا کر اسے عطا فرمایا اور معذرت کی کہ اس وقت میں مجبور ہوں کہ یہی تھا، ورنہ تجھے اور دیتا۔۔۔ وہ یہ حلم و سخاوت دیکھ کر رونے لگا اور قدموں میں گر کر مسلمان ہو گیا اور عرض کرنے لگا: حضور! میں نے جو گستاخیاں کیں وہ اللہ واسطے معاف فرما دیجیے، مَیں نے امتحاناً یہ سب کچھ کیا تھا۔(۲۸)

ایک بار آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مقروض شخص آیا اور عرض کی: حضور! ایک ہزار کا قرضہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو دس ہزار درہم عطا فرمائے۔(۲۹)

ایک مرتبہ لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ حضور! باوجودیکہ آپ رضی اللہ عنہ فاقہ سے ہوتے ہیں مگر سائل کو رَدّ نہیں فرماتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں خود درگاہِ الٰہی کا سائل ہوں پھر مجھ سے اگر کوئی سوال کرے تو سائل کو سائل کے رَدّ کرنے کا مجاز!!۔۔۔ مَیں جس کا سائل ہوں وہ مجھے دیتا ہے اور جو میرا سائل بن کر آتا ہے مَیں اُسے دیتا ہوں۔ اگر مَیں اپنے سائل کو رَدّ کروں تو مجھے خوف ہے کہ میرا رب مجھے رَدّ نہ کر دے۔"(۳۰)

"کشف المحجوب" میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، میدانِ کربلا میں سید الشہداء سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بے انتہا صبر، حلم اور تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک اُن پر تلوار نہیں اُٹھائی جب تک وہ کچھ بھی مائل بحق تھے اور اتباع کی طرف جھکے رہے۔ جبکہ احقاق حق ان سے مفقود و معدوم ہو گیا، ان پر شمشیر کھینچی۔ حتی کہ جانِ عزیز کو فدائے بارگاہِ الٰہی کر دیا، اور جب تک جان فدا نہ فرما دی، آپ رضی اللہ عنہ نے آرام نہ فرمایا۔"(۳۱)

کتبِ تاریخ میں مذکور ہے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے بدرجہا کوشش کی کہ یزیدی فوج جنگ سے باز رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے صحابہ نے فوج اشقیاء کی حرکتوں اور باتوں کے سبب متعدد بار جنگ کی اجازت طلب کی مگر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ان سرفروشان کو بھی اس وقت تک

اجازت نہیں دی جب تک کہ یزیدی لشکر نے جنگ میں پہل نہیں کی۔

"تاریخ طبری" میں ہے کہ میدانِ کربلا میں شمر بن ذی الجوشن نے حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدکلامی کی۔آپ رضی اللہ عنہ کے ایک جانثار صحابی مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ جن کو میدانِ کربلا میں سب سے پہلے شہید ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے(۲۳)، نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ: اے ابن رسول اللہ! میں آپ پر فدا جاؤں، کہیے تو اِسے تیر ماروں، میری زد پر ہے، تیر خطا نہ کرے گا، یہ فاسق بہت بڑے جباروں میں سے ہے۔۔۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تیر نہ مارنا۔۔۔ابتداء ادھر سے کرنا مجھے گوارا نہیں۔۔۔!!

مگر دشمن جب آپڑے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ناقہ کو طلب کیا، اس پر سوار ہوئے اور بہت بلند آواز سے (فوج اشقیاء کو) پکار کر کہا:

لوگو! میری بات سن لو!!۔۔۔میرے ساتھ جلدی نہ کرو۔جو باتیں تم سے کہنا ضروری ہیں، مجھے کہہ لینے دو، اور تم لوگوں کے پاس چلے آنے کا عذر مجھے کر لینے دو۔اگر تم میرا عذر مان لو گے، میری بات کو سچ سمجھو گے، میرے ساتھ انصاف کرو گے تو تم نیکی حاصل کرو گے اور پھر مجھ پر الزام نہ دھر سکو گے، اور اگر تم میرا عذر نہیں مانتے اور میرے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔۔۔ پھر جو تمہارا ارادہ ہو، اس پر آمادہ ہو جاؤ، اپنے شرکاء کو پکارو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ اب کوئی تردد تو تم کو نہیں۔پھر میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہتے ہو، کر گزرو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔میرا تو سہارا خدا پر ہے، جس نے کتاب کو نازل کیا ہے۔وہی تو نیک بندوں کو دوست رکھتا ہے۔(۳۳)

اس کے کچھ دیر بعد آپ رضی اللہ عنہ نے یزیدی لشکر کے سامنے ایک عظیم اور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔اس خطبہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو فنِ خطابت میں مہارت اپنے والد گرامی سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ورثے میں ملا تھا اور اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ امن کے داعی تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے آخر وقت تک جنگ نہ کرنے کا راستہ اختیار کیے رکھا۔۔ہاں! البتہ اپنے مقصد اور عزم پر قائم رہے کہ:

سر داد، نہ داد دست، دَر دستِ یزید

دراصل آپ رضی اللہ عنہ اپنی چشم بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یزیدی فوج کسی صورت

میں بھی جنگ سے باز نہیں رہے گی کیونکہ ان کا اصل مقصد تو آپ رضی اللہ عنہ کو راستہ سے ہٹانا ہے، لیکن اتمامِ حجت کے لیے آپؓ نے لشکرِ یزیدی سے مخاطب ہو کر دل میں اُتر جانے والا خطبہ ارشاد فرمایا:

"میرے خاندان کا خیال کرو کہ مَیں کون ہوں!!۔۔۔ پھر اپنے اپنے دل سے پوچھو اور غور کرو کہ میرا قتل کرنا، میری ہتک حرمت کرنا، کیا تم لوگوں کے لیے حلال ہے؟۔۔۔ کیا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ نہیں ہوں؟۔۔۔ کیا میں ان کے وصی و ابن عم رضی اللہ عنہ کا فرزند نہیں ہوں جو کہ خدا پر سب سے پہلے ایمان لائے اور خدا کے پاس سے اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو احکام لے کر آیا ،انہوں نے اس کی تصدیق کی؟۔۔۔ کیا سید حمزہ رضی اللہ عنہ میرے والد کے چچا نہیں ہیں؟۔۔۔ کیا جعفر طیار شہید ذوالجناحین رضی اللہ عنہ میرے چچا نہیں ہیں؟۔۔۔ کیا تم میں سے کسی نے یہ نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ: یہ دونوں جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار ہیں؟۔۔۔ جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں یہ حق بات ہے۔۔۔ اگر تم میری تصدیق کرو گے تو سن لو!۔۔۔ واللہ! مجھے اس بات کا علم ہے کہ جھوٹ بولنے والے سے خدا بیزار ہوتا ہے اور جھوٹ بنانے والے کو اس کے جھوٹ سے ضرر پہنچتا ہے، مَیں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔۔۔!!

تمہیں اس بات میں اگر شک ہے تو کیا اس اَمر میں بھی شک ہے کہ مَیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ہوں!!۔۔۔ واللہ! اس وقت مشرق سے مغرب تک میرے سوا کوئی شخص تم میں سے ہو یا تمہارے سوا ہو، کسی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ نہیں ہے۔۔۔ اور مَیں تو خاص کر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ہوں۔۔۔ یہ تو بتاؤ کیا تم اس لیے میرے دَرپے ہو کہ مَیں نے تم میں سے کسی کو قتل کیا ہے؟۔۔۔ یا تمہارے کسی مال کو ڈبو دیا ہے؟۔۔۔ یا مَیں نے کسی کو زخمی کیا ہے، اس کا قصاص مجھ سے چاہتے ہو؟۔۔۔ لوگو! میرا آنا تمہیں ناگوار ہوا ہو تو دنیا میں کسی گوشۂ امن کی طرف مجھے چلا جانے دو۔!!(۳۴)

فوجِ اشقیاء کے پاس امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے ان تمام استفسارات کا کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ شرمندگی کے سمندر میں غرق ہو گئے۔ حقیقت میں وہ سب کچھ جانتے تھے مگر ان کے سروں میں صرف اور صرف تکبر و نخوت اور ہوسِ اقتدار کا اس قدر نشہ چھا چکا تھا کہ امام عالی

مقام رضی اللہ عنہ کی کسی بات کا ان مردہ ضمیروں اور شقی القلب لوگوں پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔۔۔یہ تمام باتیں سننے کے باوجود سپہ سالارِ لشکر عمرو بن سعد نے سب سے پہلے تیر چلا کر جنگ کی پہل کی اور کہنے لگا: تم سب لوگ گواہ رہو کہ سب سے پہلے مَیں نے تیر مارا ہے۔(۳۵) ابتداء میں فرداً فرداً مقابلہ ہوا۔جب انہوں نے دیکھا کہ سرفروشانِ حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اکیلے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تو ابن سعد نے عام حملہ کا حکم دیا۔(۳۶)

۱۰رمحرم الحرام ۶۱ ہجری جمعۃ المبارک کو کربلا کا خون آشام اور دلخراش واقعہ پیش آیا۔حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے میدانِ کربلا میں شجاعت و دلیری کے وہ جوہر دکھائے کہ "خیبر" کی یاد تازہ کر دی۔۔۔ایک شخص عبداللہ بن عمار جو فوج اشقیاء میں شامل تھا، نے آپ رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بہادری اور بلند ہمتی کو اس طرح بیان کیا ہے:

"مَیں نے دیکھا ان کے داہنے بائیں جو پیادے نرغہ کیے ہوئے تھے، انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے داہنی طرف کے پیادوں پر حملہ کر کے سب کو منتشر کر دیا۔اسی طرح بائیں جانب کے پیادوں پر بھی حملہ کر کے سب کو منتشر کر دیا۔آپ رضی اللہ عنہ عمامہ باندھے ہوئے تھے اور خز کا قمیص گلے میں تھا۔واللہ! کسی ایسے بے کس اور بے بس کو جس کی اولاد و اہلِ بیت و انصار سب قتل ہو چکے ہوں، اس دل سے اور اس حواس سے اور اس جرأت سے لڑتے ہوئے مَیں نے کبھی نہیں دیکھا۔۔۔!! واللہ!! نہ ان سے پیشتر ان کا مثل دیکھنے میں آیا، نہ ان کے بعد کہ ان کے دائیں یا بائیں لوگ اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے بکریاں بھاگتی ہیں۔"(۳۷)

حمید بن مسلم جو یزیدی لشکر میں شامل تھا، کہتا ہے کہ:

"آپ رضی اللہ عنہ خز کا جبہ پہنے ہوئے تھے، عمامہ باندھے ہوئے تھے، وسہ کا خضاب کیے ہوئے تھے۔پیدل ہو کر اس طرح قتال کر رہے تھے جیسے کوئی ساونت شہسوار فاصلہ سے خود کو بچاتا جائے، کمین گاہوں سے اپنا موقع ڈھونڈتا جائے اور سواروں پر حملہ کرتا جائے۔قتل ہونے سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے مَیں نے سنا:

"میرے قتل کرنے پر کیا تم آمادہ ہو؟۔۔۔سن رکھو!! واللہ!! میرے بعد کسی ایسے بندہ کو بندگانِ خدا سے تم نہ قتل کرو گے جس کے قتل پر میرے قتل سے زیادہ خدا ناراض ہو۔تم سے مجھے تو امید ہے واللہ! کہ تمہیں ذلیل کر کے حق تعالیٰ مجھ پر کرم کرے گا۔پھر میرا انتقام تم سے اس

طرح لے گا کہ تم حیران ہو جاؤ گے۔ تم نے مجھے قتل کیا، تو کیا۔ واللہ! تم لوگوں میں خدا آپس میں کشت و خون ڈلوا دے گا اور تمہاری خون کی ندیاں بہا دے گا اور اس پر بھی بس نہ کرے گا یہاں تک کہ عذابِ الیم کو تمہارے لیے چند در چند کر دے گا۔" (راوی کہتا ہے) اور بہت دیر تک آپ رضی اللہ عنہ اسی حالت میں رہے۔ (۳۸)

سرزمین کربلا میں جوانانِ اہل بیت رضی اللہ عنہم اور انصارانِ حسین رضی اللہ عنہم ایک ایک کر کے میدانِ کارزار میں فوجِ اشقیاء کا، سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرتے ہوئے انہیں جہنم رسید کرتے رہے اور خود جامِ شہادت نوش کر کے اپنے خون سے شجرِ اسلام کی سے آبیاری کرتے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے انصار نے بڑی شدت و قوت سے جنگ کی۔

شمر بن ذی الجوشن پیادوں کو لیے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ حملہ کرتے تو سب بھاگ جاتے۔۔۔ اس کے بعد دشمنوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو سب طرف سے گھیر لیا۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ کے انصار میں تین چار اشخاص باقی رہ گئے۔۔۔ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن ایک کے پیچھے ایک چھپتا تھا۔۔۔ یہ چاہتا تھا وہ کرے، وہ چاہتا تھا یہ کرے۔۔۔ آخر شمر نے فوج کو پکارا تو ہر طرف سے آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا۔ زرعہ تمیمی نے خنجر سے وار کیا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ اُٹھتے اور گر پڑتے تھے۔ اس حالت میں سنان بن انس بدبخت نے آپ رضی اللہ عنہ کو برچھی ماری، آپ رضی اللہ عنہ گر پڑے، اس نے آپ رضی اللہ عنہ کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا۔ (۳۹) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں ۷۲ (بہتر) اشخاص شہید ہوئے۔ ان کے شہید ہونے کے ایک دن بعد مقام غاضریہ میں بنی اسد کے لوگوں نے انہیں دفن کیا۔ (۴۰)

شہادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کا سر مبارک، خولی کے ہاتھ حمید بن مسلم کو ساتھ کر کے ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ خولی آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو لیے ہوئے ابن زیاد کے پاس گیا۔ حمید بن مسلم کہتا ہے کہ:

"حسین (رضی اللہ عنہ) کا سر اس کے سامنے رکھا ہے تو ان کے دانتوں کو ایک ساعت تک وہ ایک چھڑی سے کھٹکھٹاتا رہا۔ زید بن ارقم نے جب دیکھا کہ وہ چھڑی سے کھٹکھٹانا موقوف نہیں کرتا تو کہا: "ان دانتوں پر سے ہٹا اس چھڑی کو!!۔۔۔ وحدہ لاشریک کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مَیں نے دیکھا کہ اپنے ہونٹ ان دانتوں پر رکھ کر پیار کرتے تھے۔" یہ کہا اور وہ پیر مرد پھوٹ

پھوٹ کر رونے لگا۔(۴۱)

ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ لوگوں کا ایک گروہ ایک غزوہ میں بلادِ روم کی طرف گیا تو انہوں نے ایک کلیسا میں شعر لکھا دیکھا جس کا ترجمہ یہ تھا کہ:

"کیا وہ اُمت جس نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، یومِ حساب کو اُس کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی امید رکھتی ہے۔۔۔؟"

ان لوگوں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس نے لکھا ہے؟۔۔۔انہوں نے جواب دیا یہ آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے تین سو سال پہلے کا لکھا ہوا ہے۔(۴۲)

اسلام کی آمد سے، دَورِ جاہلیت کے نام نہاد اور انسانیت سوز تمدن اور رسوم ورواج کا یکسر قلع قمع ہوگیا اور سرزمین عرب کے معاشرتی، معاشی، اخلاقی، سیاسی اور تمدنی حالات میں ایک انقلاب آگیا۔ مسلمانوں نے جہانگیری ہی نہیں بلکہ جہانبانی کا فرض بھی خوب نبھایا۔ ہادیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین عرب میں ایک ایسا نظامِ حیات وضع فرمادیا جو دنیا کے لیے ایک مثال بن گیا اور جس سے عرب کے باسیوں کا کردار بنی نوع انسان کے لیے قابل تقلید نمونہ!!۔۔۔اس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک طویل جدوجہد تھی۔

یزید دورِ جاہلیت کے تمدن کی دوبارہ ترویج کا خواہاں تھا۔وہ اس مقدس سرزمین میں جس قسم کا تمدنی اور سیاسی نظام قائم کرنا چاہتا تھا، نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نام نہاد نظام کا قطعاً حصہ نہیں بن سکتے تھے۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ اس نظام کے بھی خلاف تھے اور اس کی ترویج کی کوشش کرنے والوں کے بھی خلاف تھے۔۔۔نہ کہ خلافت و بادشاہت کے خواہاں!!۔۔۔یہی وجہ ہے کہ مقصدیت پر استقلال اور اس کی راہ میں پیش آمدہ مصائب پر صبر کرنے اور اس پر جان سے بھی گزر جانے سے آپ رضی اللہ عنہ کی ذات والاصفات انسانیت کے لیے ایک کردار اور ایک معیار بن گیا۔۔۔حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

قتلِ حسین رضی اللہ عنہ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے مقاصد بالکل مختلف اور متضاد تھے۔حسین رضی اللہ عنہ روحانیت اور انسانیت کو قائم کرنے کے ذمہ دار، اور یزید مادی دَور کے پلٹانے کا علمبردار۔۔۔

حسین رضی اللہ عنہ حق و راستی کا علَم بلند کرنے پر آمادہ، یزید طاقت و اقتدار کا سکہ چلانے کے درپے ۔۔۔ حسین رضی اللہ عنہ اسلامی امتیازات کو باقی رکھنے پر کمر بستہ، اور یزید اسلامی حدود و امتیازات کو مٹانے پر تُلا ہوا۔۔۔ پھر امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزید میں صلح کیونکر ہو سکتی تھی۔ (۴۳)

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی لازوال شہادت و قربانی کا پرچم قصرِ تاریخ پر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ہمیشہ ضوفشاں رہے گا کیونکہ دامن تاریخ ایسی مثال سے خالی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ سید علی بن عثمان الہجویری رضی اللہ عنہ، کشف المحجوب (نسخہَ تہران)، مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، اسلامک بک فاؤنڈیشن ۲۳۹۔این، سمن آباد لاہور، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ص ۶۱

۲۔ کشف المحجوب، (ترجمہ: ابوالحسنات سید محمد احمد قادری)، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، اکتوبر ۲۰۱۰ء، ص ۱۸۷

۳۔ کشف المحجوب (نسخہَ تہران)، ص ۶۳

۴۔ شبلنجی، مومن بن حسن مومن، نورالابصار فی مناقب آلِ بیت النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اردو ترجمہ: علامہ غلام رسول رضوی، تفہیم البخاری پبلی کیشنز فیصل آباد، ص ۴۰۹

۵۔ عبدالرحمن جامی، شواہد النبوۃ، ترجمہ: بشیر حسین ناظم، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، رمضان ۱۳۹۴ھ/ستمبر ۱۹۷۴ء، ص ۳۰۳

۶۔ قادری، احمد، سید محمد، اوراقِ غم، اسلامک بک فاؤنڈیشن ۲۴۹۔این سمن آباد لاہور، محرم ۱۴۰۲ھ، ص ۲۲۱

۷۔ حنبل، احمد، مسند، المکتبہ الاسلامی، بیروت، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء، ج ۱، ص ۱۱۸۔

۸۔ شواہد النبوۃ، ص ۳۰۴

۹۔ احمد بن حنبل، مسند، ۱/۱۵۹

۱۰۔ محمد بن عیسیٰ، ترمذی، باب مناقب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ و امام حسین رضی اللہ عنہ (ت: علامہ محمد صدیق ہزاروی)، فرید بک سٹال ۴۰۔اردو بازار لاہور، ج ۲، حدیث: ۱۷۰۷، ص ۷۳۱۔ ۷۳۲

۱۱۔ کشف المحجوب، ص ۱۹۱

۱۲۔ سنن نسائی ۵/۴۹، ۱۵۰، حدیث: ۸۱۶۷

۱۳۔ ترمذی، ج ۲، حدیث ۱۷۱۷، ص ۷۳۵
۱۴۔ شواہد النبوۃ، ص ۳۰۴
۱۵۔ اوراق غم، ص ۱۲۰ تا ۱۲۳
۱۶۔ ترمذی، ج ۲، حدیث ۱۷۰۳، ص ۷۳۰
۱۷۔ الطبرانی، المعجم الاوسط۔ ۱/ ۱۰۸۔ الرقم: ۳۳۷
۱۸۔ المعجم الاوسط۔ ۷/ ۱۴۸۔ الرقم: ۷۱۲
۱۹۔ کشف المحجوب۔ ص ۱۹۱
۲۰۔ ترمذی، ج ۲، حدیث ۱۷۱۴، ص ۷۳۳
۲۱۔ المعجم الکبیر، ۳/ ۹۵، الرقم: ۲۷۶۸
۲۲۔ شواہد النبوۃ، ص ۲۹۵
۲۳۔ ترمذی، باب: مناقب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ وحضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ج ۲، ص ۷۳۲
۲۴۔ القادری، طاہر، ڈاکٹر، پروفیسر، فلسفۂ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ، منہاج القرآن پرنٹرز، اشاعت ہفتم مارچ، ۲۰۰۲ء، ص ۹۶
۲۵۔ کشف المحجوب، ص ۶۳
۲۶۔ کشف المحجوب، ترجمہ: ابوالحسنات، ص ۱۹۱
۲۷۔ ایضاً، ص ۱۹۱، ۱۹۲
۲۸۔ اوراقِ غم، ص ۲۱۹
۲۹۔ ایضاً
۳۰۔ ایضاً
۳۱۔ کشف المحجوب، ص ۱۹۰، ۱۹۱
۳۲۔ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۶۲
۳۳۔ ایضاً، ص ۲۵۱
۳۴۔ ایضاً، ص ۲۵۱
۳۵۔ ایضاً، ص ۲۵۶
۳۶۔ ایضاً، ص ۲۶۲
۳۷۔ ایضاً، ص ۲۵۲، ۲۵۳
۳۸۔ ایضاً، ص ۲۷۷۔ ۲۷۸
۳۹۔ ایضاً، ص ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸
۴۰۔ ایضاً، ص ۲۸۰
۴۱۔ ایضاً، ص ۲۸۱، ۲۸۲
۴۲۔ عماد الدین، تاریخ ابن کثیر، ت: علامہ اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی کراچی، جنوری ۱۹۸۹ء، ج ۸۔ ص ۱۱۰۵
۴۳۔ رئیس، خاں، محمد، حافظ، مرقعٔ شہادت، مکتبہ الجمال، بلال چوک سمن آباد فیصل آباد، ص ۱۵۸

حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

عمرانہ شہزادی ☆

حضرت سید علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی معروف شخصیت ہیں اور تصوف میں اعلیٰ مقام و مرتبہ پر نہ صرف گامزن ہیں بلکہ بہت سے صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ان کے پاس تصوف کے لیے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور اسرار و رموز کی گتھیوں کو سمجھا اور سلجھایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بعد میں آنے والوں کے لیے اپنی شہرہ آفاق کتاب "کشف المحجوب" تصنیف کی۔ اس کتاب کا عنوان اس پر دال ہے کہ انہوں نے ایک صوفی کو تصوف کے مراحل طے کرنے کے نہ صرف اصول بتائے ہیں بلکہ ابدی اصول وضع کر دیئے ہیں جو تاقیامت تصوف کی راہ میں چلنے والوں کے لیے راہنمائے تصوف ہوں گے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں واضح کر دیا ہے کہ طریقت و تصوف کیا ہے!!۔۔۔ اہل تصوف کو کن مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔۔۔ اہل تصوف کے مختلف مذاہب و اقوال و رموز و اشارات کیا ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا دلوں پر ظاہر ہونا کیا کیفیت پیدا کرتا ہے!!۔۔۔ کس طرح حقیقت کے ادراک سے نفس امارہ نفرت و بیزاری سے دوچار ہو جاتا ہے۔۔۔ تصوف کی صفات سے متصف ہونے سے روح کو آرام اور اطمینان کیسے نصیب ہوتا ہے!!

"کشف المحجوب" میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف میں اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے جن میں انصار بھی ہیں اور مہاجرین بھی! جو صوفیاء کے آئمہ کے درجات پر متمکن ہیں۔ ان کے حالات و واقعات مختصراً بیان فرماتے ہیں، جنہوں نے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

ایمان قبول کرنے میں دوسروں پر سبقت اور اوّلیت حاصل کی کہ وہی انبیاء علیہم السلام کے بعد تصوف کے معاملات میں اہل تصوف کے پیشرو، ان کے پیشوا اور احوال دین میں ان کے قائد ہوئے ہیں۔

تصوف کے معنیٰ کی تحقیق میں بہت سے لطائف ہیں، لیکن لغت کے اعتبار سے اس کا مفہوم ان معانی سے دور ہو جاتا ہے۔ اس کے بہترین معنیٰ "صفا" کے ہیں، اور اس کی ضد "کدورت" ہے۔ کسی چیز کے لطائف وخوبی سے مراد اس کی پاکیزگی اور صفائی ہے۔ پس حاملانِ تصوف نے چونکہ اپنے آپ کو اخلاق ومعاملات سے مزّین کرلیا ہوتا ہے اور اپنی طبیعت کا آفات سے چھٹکارا حاصل کرلیا ہوتا ہے، اس لیے ان کو "صوفی" کہتے ہیں۔ "صوفی" نام ہے کاملین ولایت کا، بندہ کی بشری صفات کے فنا ہونے کا، اور اپنے ظاہر وباطن کو نظر انداز کر کے حق تعالیٰ کے لیے دیکھنے کا۔۔۔ اور نام ہے حسن اخلاق کا، اللہ کے ساتھ اور اس کی مخلوق کے ساتھ۔۔۔ اور یمشون علی الارض سے متصف ہونے کا۔۔۔ اور تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً کا شاہکار ہونے کا۔۔۔ مرقعہ پوشی کو شعار بنانے کا، اور ملامت اختیار کرنے کا (ملامت رضائے الٰہی کے حصول کے لیے سلامتی کو ترک کر دینے کا نام ہے)۔

انہی اسرار ورموز کو بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "کشف المحجوب" کے ساتویں باب میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے شیخ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق میں سے افضل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفۂ اوّل، مسلمانوں کے امام، اہلِ تجرید کے سردار، اربابِ تفرید کے شہنشاہ اور آفاتِ انسانی سے دور امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کے تصوف اور ان کی کرامتوں کا ذکر کرتے ہیں اور تصوف کے بارے میں ان کے بہت سے بے مثال واقعات بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد انہوں نے اہل ایمان کے امیرِ لشکر، اہلِ احسان کے مقتدی اور اہلِ تحقیق کے امام اور محبتِ الٰہی کے سمندر کے شناور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے جن کی کرامات مشہور اور فراست ایمان کی باتیں تمام لوگوں میں عام ہیں اور وہ دین کے معاملات میں فراست اور سخت پابندی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ نیز طریقت وتصوف میں آپ کے بہت سے لطائف اور قیمتی رموز ہیں۔

اور انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک حیا کا خزانہ، اہل صفا میں سب سے زاہد اور عبادت گزار، رضائے الٰہی کی درگاہ سے تعلق رکھنے والے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق سے مزین خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں کہ تمام معاملات م یں ان کی فضیلتیں آشکار اور فضائل ظاہر ہیں۔

اور انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی، بحر ابتلاء کے غریق، آتش ولایت کے سوختہ اور تمام اولیاء واصفیاء کے مقتدا ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں۔ طریقت میں آپ رضی اللہ عنہ کی شان بڑی عظیم اور درجہ بہت بلند ہے۔

تصوف کے سلسلے کی اس موتیوں کی لڑی کو آگے بڑھاتے ہیں کہ "کشف المحجوب" کے آٹھویں باب میں وہ جگر پارۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لعل، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود کے پھول اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے سالاروں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جو ازلی ودائمی تقدس وپاکیزگی کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو طریقت کے معاملات میں پوری دسترس حاصل ہے۔ وہ امام حسن بن علی، اور امام حسین بن علی رضی اللہ عنہم ہیں جن کو طریقت میں نظر کامل اور تصوف کی باریکیوں کو بیان کرنے میں ملکہ حاصل ہے اور امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما بلند پایہ اولیاء میں سے ہیں اور اہل مصیبت کے قبلہ اور کربلا کے شہید ہیں۔

اسی باب میں سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ حضرت زین العابدین علیہ السلام کا نہایت محبت وعقیدت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے انہیں نبوت کا وارث، اُمت کا چراغ، سید مظلوم، امام مرحوم، عبادت کرنے والوں کی زینت اور اوتاد کی شمع بتایا ہے اور مزید بتاتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ معرفت کے حقائق کھولنے والے، طریقت کے دقائق بتانے والے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے اور آزمائش میں صبر کرنے والے ہیں۔ آپ نے یہ تمام صفات بیان کرکے دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔

آسمانِ ولایت کے یہ چوتھے درخشاں ستارے حضرت امام علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ۵ رشعبان المعظم ۳۸ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ (۱) سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کے والد محترم، اور ایران کے مشہور بادشاہ یزدگرد کی بیٹی "شہر بانو" آپ کی مادر گرامی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ولادتِ باسعادت حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دوسال

پہلے ہوئی ۔(۲)

آپ رضی اللہ عنہ، زین العابدین، سید العابدین، السجاد، ذوالثفنات، إمام المؤمنين، الزاهد، الامین، المتهجد، الزکی، ان تمام القاب سے ملقب ہوئے ۔ان القابات میں "زین العابدین" اور "السجاد" کو زیادہ شہرت ملی ۔(۳)

یہ ایسے القاب نہیں ہیں جو عرب اپنے بچوں کو ان کی پیدائش کے وقت دیا کرتے تھے بلکہ یہ القاب قدر شناس جوہریوں اور انسان کی تلاش میں سرگرداں لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو دیئے ہیں۔ان میں سے ہر لقب مرتبۂ کمال، درجۂ ایمان اور مرحلۂ اخلاص وتقویٰ کی نشاندہی کرتا ہے۔ نیز صاحب لقب پر لوگوں کے ایمان اور اعتماد کا بھی مظہر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ان خصوصیات کا حقیقی مظہر تھے اور اس بات پر سب متفق ہیں ۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سمی زین العابدین لکثرة عبادته ۔(۴)

امام زین العابدین علیہ السلام روحانیت ومعنویت کے سرخیل ہیں۔آپ علیہ السلام کی نمازیں روح کی پرواز ہوتی تھیں اور آپ پورے خشوع وخضوع کے ساتھ بارگاہِ پروردگار میں کھڑے ہوتے تھے۔

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار نماز میں اس غلام کی طرح کھڑے ہوتے تھے جو اپنے عظیم بادشاہ کے سامنے اپنے پیروں پر کھڑا رہتا ہے، خدا کے خوف سے لرزتے رہتے، ان کی چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور نماز اس طرح ادا کرتے جیسے یہ ان کی آخری نماز ہے ۔(۵)

امام زین العابدین علیہ السلام چونکہ فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اس لیے آپ میں سیرتِ محمدیہ کا ہونا لازمی تھا۔آپ انسانیت کی خصوصی صفات اور نفس کے کمالات کا مکمل نمونہ تھے۔ مکارم اخلاق، ستم رسیدہ وفقراء کی دستگیری میں آپ کے مرتبہ کا کوئی نہ تھا۔کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے مجمع میں سے آپ کی شان میں کسی شخص نے ناروا کلمات کہے اور چلا گیا۔امام زین العابدین علیہ السلام چند لوگوں کے ساتھ ان کے گھر گئے اور فرمایا کہ تم لوگ ہمارے ساتھ چلو تا کہ ہمارا جواب بھی سن لو۔راستہ میں آپ درج ذیل آیت، جس میں مومنین کے کچھ اوصاف عالی کا ذکر ہے پڑھتے جاتے تھے۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس — وہ لوگ جو اپنا غصہ پی کر لوگوں سے درگذر کرتے ہیں اور نیکوکاروں کو دوست رکھتے ہیں۔

جب اس آدمی کے گھر پر پہنچے اور امام علیہ السلام نے اس کو آواز دی تو وہ اس گمان میں خود کو لڑنے کے لئے تیار کر کے باہر نکلا کہ امام علیہ السلام گزشتہ باتوں کا بدلہ لینے آئے ہیں۔ حضرت سید سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

"میرے بھائی تو تھوڑی دیر پہلے میرے پاس آیا تھا اور تو نے کچھ باتیں کہی تھیں۔ جو باتیں تو نے کہی ہیں اگر وہ میرے اندر ہیں تو میں خدا سے بخشش کا طلبگار ہوں اور اگر نہیں ہیں تو خدا سے میری دعا ہے کہ وہ تجھے معاف کر دے۔"

امام زین العابدین علیہ السلام کی غیر متوقع نرمی نے اس شخص کو شرمندہ کر دیا وہ قریب آیا اور امام علیہ السلام کی پیشانی کو بوسہ دے کر کہا:

"میں نے جو باتیں کہیں وہ آپ میں نہیں تھیں اور میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا تھا میں اس کا زیادہ سزاوار ہوں"۔(۶)

حضرت زید بن اسامہ رضی اللہ عنہ حالت احتضار میں بستر پر پڑے ہوئے تھے۔ سید سجاد علیہ السلام ان کی عیادت کے لیے ان کے سرہانے تشریف لائے، دیکھا کہ زید رو رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا پندرہ ہزار دینار میرے اوپر قرض ہے اور میرا مال میرے قرض کے برابر نہیں ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: "مت روئیے آپ کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے"۔ پھر جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح ادا بھی کر دیا۔(۷)

راتوں کو امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ کے بے سہارا اور ضرورت مندوں میں اس طرح روٹیاں تقسیم کرتے تھے کہ پہچانے نہ جائیں اور ان لوگوں کی مالی امداد فرماتے تھے۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تب لوگوں کو پتہ چلا کہ وہ نامعلوم شخصیت امام زین العابدین علیہ السلام کی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد یہ معلوم ہوا کہ آپ ایک سو خاندانوں کا خرچ برداشت کرتے تھے اور لوگوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کے گھر کا خرچ چلانے والے امام زین العابدین علیہ السلام ہیں۔(۸)

ایک شخص امام سجاد (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوا، امام نے اس سے خیریت

پوچھی، اس نے کہا: میری صبح اس حالت میں ہوئی کہ مَیں چار سو دینار کا مقروض ہوں اور اس کی ادائیگی کی قدرت نہیں رکھتا ہوں، کثیر العیال ہوں اور ان کا نفقہ میری استطاعت سے باہر ہے۔ امام سجاد علیہ السلام اس آدمی کی مشکل سن کر بہت غمگین ہوئے اور بہت روئے، آپ سے پوچھا گیا کیا آپ کا یہ گریہ اس کی مشکلات ومصائب کی وجہ سے نہیں تھا؟ فرمایا: بیشک ایسا ہی ہے، اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی کہ ایک صاحب اِیمان اپنے برادر مومن کو فقیر و باتہ خالی دیکھے لیکن اس کی مشکلات کو برطرف نہ کرسکتا ہو۔ پھر اس آدمی کو دو روٹیاں دیں اور فرمایا: اس روٹی کے سوا میرے پاس اور کچھ نہیں ہے، خداوند ان دو روٹیوں کے ذریعہ تمہاری زندگی میں وسعت عطا کرے گا۔ وہ آدمی روٹی لے کر گریہ کناں بازار کی طرف گیا، راستے میں ایک مچھلی بیچنے والا اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: یہ تازہ مچھلی ایک سوکھی روٹی کے بدلے لے لو۔ اس آدمی نے مچھلی لے لی اور روٹی اسے دے دی، تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک نمک بیچنے والا ملا اور کہنے لگا: کہ یہ ناچیز نمک ہم سے لے لو اور ایک روٹی ہمیں دے دو۔ اس آدمی نے روٹی اسے دے کر اس سے نمک لیا اور مچھلی لے کر گھر آگیا۔ گھر میں جب اس نے مچھلی کا پیٹ چیرا تو اس میں سے دو موتی نکلے۔ یہ دیکھتے ہی وہ آدمی سجدہ شکر بجالایا۔ پھر اس آدمی نے دونوں موتی مہنگے داموں میں بیچ کر اس سے حاصل ہونے والی ثروت سے اپنی زندگی کو سر و سامان بخشا۔(۹)

ایک دن آپ علیہ السلام نے چند لوگوں کو دیکھا جو جذام میں مبتلا تھے اور لوگ انہیں دھتکار رہے تھے۔ آپ علیہ السلام انہیں اپنے گھر لے آئے اور ان کا خیال رکھا۔ امام علیہ السلام کا شریعت کدہ غریبوں، یتیموں اور بے کسوں کے لیے پناہ گاہ تھا۔

مدینہ منورہ میں شورش کرنے والوں نے جب بنو اُمیہ کو وہاں سے نکال باہر کیا تو مروان، جو کہ امام علیہ السلام کا جانی دشمن تھا، اس نے آپ سے درخواست کی کہ اس کے خاندان کو اپنے گھر میں پناہ دے دیں۔ امام علیہ السلام نے اپنی بزرگواری سے اس کی درخواست کو قبول کرلیا۔ چنانچہ جس دور میں مدینہ منورہ قتل وغارت کا گڑھ بنا ہوا تھا، امام علیہ السلام کا گھر بے پناہوں کی پناہ گاہ تھا اور متعدد خاندان آپ کی پناہ میں آئے ہوئے تھے اور امام نے شورش ختم ہونے تک ان کی مہمان نوازی فرمائی۔(۱۰)

علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں:

"حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فقراءِ مدینہ کے سو گھروں کی کفالت کرتے تھے اور سامان خورد و نوش ان کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔ آپ انہیں یہ بھی معلوم نہ ہونے دیتے تھے کہ یہ سامان انہیں کون دے جاتا ہے۔ آپ کا اصول تھا کہ بوریاں پشت پر لاد کر گھروں میں پہنچاتے، اور یہ سلسلہ تاحیات جاری رہا۔ معز زین کا کہنا ہے کہ ہم نے اہل مدینہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی میں ہم خفیہ غذائی رسد سے محروم نہیں ہوئے۔" (۱۱)

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

"ایک شخص نے آپ (علیہ السلام) کی برائی آپ کے منہ پر کی۔ آپ نے اس سے بے توجہی برتی، اس نے کہا، مَیں تم کو کہہ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: حکم خدا:

"واعرض عن الجاھلین" (جاہلوں کی بات کی پرواہ نہ کرو)

پر عمل کر رہا ہوں۔" (۱۲)

علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ:

"ایک شامی حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دے رہا تھا، امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: بھائی تم مسافر معلوم ہوتے ہو، اچھا میرے ساتھ چلو، میرے یہاں قیام کرو، اور جو حاجت رکھتے ہو بتاؤ، تاکہ میں پوری کروں۔ وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔" (۱۳)

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ:

"ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ فلاں شخص آپ کو گمراہ اور بدعتی کہتا ہے، آپ نے فرمایا: افسوس ہے کہ تم نے اس کی ہم نشینی اور دوستی کا کوئی خیال نہ کیا، اور اس کی برائی مجھ سے بیان کر دی، دیکھو یہ غیبت ہے اب ایسا کبھی نہ کرنا۔" (۱۴)

جب کوئی سائل آپ کے پاس آتا تھا تو نہایت خوش اور مسرور ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے: خدا تیرا بھلا کرے کہ تو میرا زادِ راہ اٹھانے کے لیے آگیا ہے۔ (۱۵)

آپ نے اپنے پدر بزرگوار کی طرح اعلائے کلمۂ حق کا حق ادا کیا۔ واقعہ حرہ (۱۶) کے بعد یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ تمام اہل مدینہ غلام کے عنوان سے اس کی بیعت کریں۔ اس حکم سے اگر کوئی مستثنیٰ تھا تو وہ حضرت امام علی بن حسین رضی اللہ عنہما تھے۔ (۱۷)

آپ نے یزید بن معاویہ، معاویہ بن یزید، مروان بن حکم، عبدالملک بن مروان،

اور ولید بن عبد الملک جیسے زمام دارانِ حکومت کا زمانہ دیکھا۔ آپ کو اپنی امامت کے دَور میں اس زمانے کے ائمہ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات وحالات میں سے سب سے زیادہ دشوار وتلخ سیاسی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

سیرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انحراف امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانے میں اپنے عروج پر تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام کی امامت کے دَور کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک اسیری کا دَور۔ دوسرا اسیری کے بعد کا دَور۔ اسیری کے بعد مدینہ کی زندگی کربلا کے جاں گداز واقعہ میں اللہ کے فضل وکرم سے محفوظ رہے۔ لیکن والدِ بزرگوار علیہ السلام کی شہادت کے بعد اسیر ہو گئے، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا اسیر ہونا آپ کے والدِ محترم کے مقدس انقلاب کو پُر اثر طریقے سے لوگوں تک پہنچانے میں معاون ثابت ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اسیری کے زمانے میں ہرگز تقیہ نہ کیا بلکہ اپنے خطبوں اور تقریروں میں انتہائی بردباری سے واقعہ کربلا کو لوگوں کے سامنے بیان کیا اور حق وحقیقت کا اظہار کرتے رہے، نیز مناسب موقع پر خاندانِ رسالت کی عظمت وناموس کا لوگوں کو احساس دلاتے رہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنے والدِ محترم علیہ السلام کی مظلومیت اور بنو اُمیہ کے ظلم وستم کو لوگوں کے سامنے واضح کیا۔ پدرِ محترم کی شہادت کے وقت آپ کا بیمار ہونا اور اپنے بھائیوں اور اصحاب کی شہادت پر دل شکستہ اور رنجیدہ ہونا، آپ کے فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنا۔ (۱۸)

اسیروں کے کوفہ پہنچنے کے بعد لوگوں نے حضرت زینب علیہا السلام اور آپ کی بہن اُمِ کلثوم علیہا السلام کے خطبوں سے پشیمان ہو کر رونا شروع کر دیا اور ایک دوسرے کو لعنت وملامت کرنے لگے۔ آپ نے مجمع کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا، انہوں نے اپنا تعارف کروایا اور لوگوں پر اپنے والدِ محترم پر کیے جانے والے ظلم پر ملامت کی۔ آپ کی تقریر نے لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا، اور جب آپ کے اہلِ حرم کو زیاد کے دربار میں لے جایا گیا، آپ نے زیاد کو نہایت جرأت وبہادری سے دندان شکن جواب دیئے۔ زیاد نے آپ کو قتل کی دھمکی دی، آپ کی پھوپھی زینب علیہا السلام نے مزاحمت کی تو آپ نے انہیں منع کر دیا اور خود فرمایا:

"اے زیاد کے بیٹے! کیا تم مجھے قتل کی دھمکی دیتے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ قتل ہو جانا ہماری عادت اور شہادت ہماری کرامت ہے!! (۱۹)

اس کے بعد اسیری کی حالت میں جب یزید کے دربار میں لایا گیا تو آپ علیہ السلام نے یزید کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے یزید! اگر پیغمبر علیہ السلام مجھے اس حالت میں دیکھ لیں، تو اس کے بارے میں کیا خیال کرتا ہے، وہ کیا کہیں گے۔"

آپ کے اس چھوٹے سے جملے نے حاضرین پر اتنا اثر کیا کہ وہ سب رونے لگے۔(۲۰)

اس گفتگو کے دوران یزید نے آپ کو قتل کی دھمکی دی تو آپ نے فرمایا:

"۔۔۔اگر تم ایسا ارادہ رکھتے ہو تو کسی صاحبِ اطمینان کو میرے پاس بھیجو تاکہ میں اسے وصیت کروں اور اہلِ حرم کو اس کے سپرد کردوں۔"(۲۱)

آپ علیہ السلام کے حوصلہ و جرأت نے یزید کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ آپ کو اہلِ حرم سمیت مدینہ منورہ بھیج دے۔آپ نے اپنے خاندان کی عزت و حرمت اور بنی اُمیہ کے ظلم و جور بیان کرنے سے مسلمانوں میں انقلابی فکر بیدار کر دیا اور انہیں کوششوں کی وجہ سے اموی سلطنت کے خلاف، عراق اور حجاز میں انقلاب کا پرچم بلند ہوا اور لوگ انتقامِ حسین علیہ السلام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔(۲۲) مدینہ واپسی کے بعد سلطنت کے سیاسی حالات مختلف ادوار سے گزرے۔آپ علیہ السلام نے حکمرانوں کی سختیاں اور زیادتیاں برداشت کیں۔

کتاب "صحیفہ سجّادیہ" آپ علیہ السلام کی دعاؤں کا مجموعہ ہے۔اس میں بے شمار علوم وفنون کے جوہر موجود ہیں۔یہ پہلی صدی کی تصنیف ہے۔(۲۳) اسے علماءِ اسلام نے "زبورِ آلِ محمد" اور "انجیل اہلبیت" کہا ہے،(۲۴) اور اس کی فصاحت و بلاغت معانی کو دیکھ کر اسے کتبِ سماویہ اور صحفِ لوحیہ وعرشیہ کا درجہ دیا ہے۔(۲۵) اس کی چالیس شرحیں ہیں ان میں "ریاض السالکین" کو فوقیت حاصل ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کا دَور بہت سخت اور دشوار تھا۔یہاں تک کہ آپ خود فرماتے ہیں:

"اگر کسی پر کفر کی تہمت لگائی جاتی تو یہ اس سے بہتر تھا کہ اس پر تشیع کا الزام لگایا جاتا"۔(۲۶)

نیز فرمایا:

"مکہ اور مدینہ میں بیس لوگ ایسے نہیں ہیں جو ہم سے محبت کرتے ہوں۔" (۲۷)

مشہور مؤرخ مسعودی کہتا ہے:

"علی بن الحسین علیہ السلام نے خفیہ طور پر تقیہ کے ساتھ اور انتہائی کٹھن دور میں امامت کی ذمہ داری سنبھالی۔" (۲۸)

امام زین العابدین علیہ السلام نے دور اندیشی اور اعلیٰ تدبیر اختیار کرتے ہوئے بہترین انداز سے وحی کے روشن چراغ کو بجھنے سے بچالیا۔ آپ علیہ السلام نے آسمان سے نازل ہونے والے خالص دین کو طوفانِ حوادث کے درمیان سے صحیح سلامت نکال کر اگلی نسلوں کے حوالے کیا اور اہلبیت کے نام کو زندہ رکھا۔ مناسب حالات فراہم نہ ہونے کی وجہ سے قیام سے پرہیز، دعا کے قالب میں عظیم ثقافتی کام کا بیڑہ اٹھانا اور ہر مناسب موقع پر شعور کو جھنجھوڑنا، حصولِ مقصد میں آپ کے کامیاب اقدامات کا ایک حصہ ہے۔

اسلام کسی بھی دور میں تہذیبی حملوں سے محفوظ نہیں رہا اور نہ ہے۔ بعض اوقات معصومین کے دور میں یہ حملے عروج پر پہنچ جاتے تھے اور ایسے ہی خطروں کا مقابلہ کرتے ہوئے عاشورہ جیسا خونی معرکہ درپیش آجاتا تھا۔ امام سجاد علیہ السلام بھی ایک ایسے دور میں زندگی گزار رہے تھے کہ جب اخلاقی اقدار اور خالص اسلامی تہذیب کو طاق فراموشی کے سپرد کیا جارہا تھا اور پست اقدار اور اخلاقی کمزوریاں جابجا پھیلی ہوئی تھیں۔

امام علیہ السلام نے ان ناگوار حالات میں بھی دشمن کے لیے میدان خالی نہ چھوڑا۔ آپ علیہ السلام نے علی الاعلان قیام سے پرہیز کرتے ہوئے اس بات کی کوشش کی کہ دشمن ان کی طرف متوجہ نہ ہونے پائے اور انہوں نے دھیمے اور خفیہ طریقے سے نیک انسانوں کی تربیت کی اور ان کے نظریات کو درست کیا۔

عظیم لوگوں کی کامیابی کا ایک راز حالات سے آگاہی اور اپنے زمانے کی پہچان ہے۔ یہ حضرات اپنے اردگرد ہونے والے حالات و واقعات کا درست جائزہ لینے کے بعد اپنے رویے کا انتخاب کرتے ہیں، لہٰذا نہ ہمیشہ تحریک چلاتے ہیں اور نہ ہمیشہ صلح کی حالت میں رہتے ہیں بلکہ زمانے کی مصلحت اور حالات کے تقاضے ان کے لیے جنگ یا صلح کو معین کرتی ہے۔

امام سجاد (علیہ السلام) بھی اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ آپ علیہ السلام نے درست طور پر اور قابل ستائش انداز سے مصلحت کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ دین کی استقامت و پائداری کے لیے اب مقابلے کا انداز بدلنا ہوگا۔ درحقیقت معاشرے میں حکمفرما سخت وحشت انگیز اور آمرانہ فضا اور ظالم اموی حکومت کے سخت کنٹرول اور تسلط کی وجہ سے ہر قسم کی مصلحانہ تحریک کی شکست پہلے ہی سے واضح تھے اور کوئی معمولی سی بھی حرکت حکومتی جاسوسوں سے چھپ نہیں سکتی تھی۔ اسی بناء پر آپ علیہ السلام یہ دیکھ رہے تھے کہ درست اور عاقلانہ طریقہ کار یہی ہے کہ مقابلہ کا انداز بدل دیا جائے اور دعا کے قالب میں ظالم کا مقابلہ کیا جائے۔

امام سجاد (علیہ السلام) نے آزادی کے ساتھ تحریک چلانے کے لیے حالات کو نامناسب دیکھتے ہوئے بالواسطہ مقابلہ کیا اور حقیقی اسلام کی ترویج اور استحکام کے لیے حکیمانہ سیاست اختیار کی۔ اس بارے میں چند نکات درج ذیل ہیں:

عاشورہ کی یاد کو زندہ رکھنا:

امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی شہادت، اُموی حکومت کے لیے بہت مہنگی ثابت ہوئی تھی۔ رائے عامہ ان کے خلاف ہوگئی تھی اور اموی حکومت کا جواز خطرے میں پڑ گیا تھا۔ چنانچہ اس اندوہ ناک واقعے کی یاد کو تازہ رکھنے اور اس کے عظیم اثرات کے حصول کے لیے آپ علیہ السلام شہدائے کربلا پر گریہ کرتے رہے اور ان کی یاد کو زندہ رکھتے ہوئے گریہ کی صورت میں منفی مقابلہ جاری رکھا۔ اگرچہ یہ بہتے آنسو جذباتی بنیادوں پر استوار تھے لیکن اس کی اجتماعی برکات اور سیاسی آثار بھی بے نظیر تھے۔ یہاں تک کہ عاشورہ کے نام کی جاودانی کا راز امام زین العابدین علیہ السلام کے اسی گریہ وزاری اور عزاداری کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

وعظ و نصیحت:

اگرچہ امام سجاد علیہ السلام اپنے دَور کے کٹھن آلودہ ماحول کی وجہ سے اپنے افکار و نظریات کو کھل کر بیان نہ کرسکے، لیکن ان ہی باتوں کو وعظ و نصیحت کی زبان سے ادا کرتے تھے۔ ان

مواعظ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام حکمت کے ساتھ، لوگوں کو موعظہ کرتے ہوئے جو چیز چاہتے ان کو سکھا دیا کرتے تھے اور اس دور میں درست اسلامی نظریات کی تعلیم کا بہترین انداز یہی تھا۔

درباری علماء کا سامنا اور ان سے مقابلہ:

درباری علماء عوام الناس کے اذہان اور ان کے افکار کو فاسق و فاجر حکمرانوں کی جانب راغب کرتے تھے تاکہ حکومت کو قبول کرنے کے لیے رائے عامہ کو ہموار کیا جائے اور حکمران اس سے اپنے مفادات حاصل کر سکیں۔ بنابریں، امام سجاد علیہ السلام گمراہی اور بربادی کی جڑوں سے مقابلہ کرتے ہوئے بنیادی سطح پر حقیقی اسلامی ثقافت کی ترویج کے لیے کوششیں کرتے تھے اور لوگوں کو ان جڑوں کے بارے میں خبردار کیا کرتے تھے جن سے ان ظالموں کو روحانی غذا ملتی تھی۔

انکسار کے لیے مناسب موقع سے فائدہ اٹھانا:

امام زین العابدین (علیہ السلام) کے دور میں تحریک کے لیے حالات مناسب نہ تھے، لیکن حالات کی سختی آپ کو مناسب مواقع پر حقائق کے انکشاف سے باز نہ رکھ سکی، بطور مثال اپنی اسیری کے دوران جب دربارِ یزید میں آپ کو کچھ دیر گفتگو کا موقع ملا، تو منبر پر جا کر فرمایا:

"اے لوگو! جو مجھے نہیں پہچانتا میں اسے اپنا تعارف کرواتا ہوں: میں مکہ و منیٰ کا بیٹا ہوں، میں صفا و مروہ کا فرزند ہوں، میں فرزند محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں کہ جن کا مقام سب پر واضح اور جس کی پہنچ آسمانوں تک ہے۔ میں علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے تشنہ لب جان دی اور اس کا بدن خاکِ کربلا پر گرا۔" (۲۹)

"اے لوگو! خدائے متعال نے ہم اہلبیت کی خوب آزمائش کی۔ کامیابی، عدالت اور تقویٰ کو ہماری ذات میں قرار دیا۔ ہمیں چھ خصوصیات سے برتری اور دوسرے لوگوں پر سرداری عطا فرمائی: حلم و علم، شجاعت و سخاوت عنایت کی اور مومنین کے قلوب کو ہماری دوستی

اور عظمت کا مقام اور ہمارے گھر کو فرشتوں کی رفت و آمد کا مرکز قرار دیا۔"

عجز و انکساری سے اپنے رب کے حضور یوں دعا گو ہوتے:

" خدایا! مَیں تجھ سے ناامید نہیں ہوں، کہ تو نے توبہ کا دروازہ ہم پر کھلا رکھا ہے۔ مَیں اس ذلیل بندے کی طرح بات کر رہا ہوں، جس نے اپنی ذات پر ظلم کیا اور اپنے پروردگار کی حرمت کا پاس نہ کیا۔ جس کے گناہ بہت زیادہ ہوں اس کی زندگی روبہ زوال ہے۔ جس وقت اس کی آنکھ کھلی تو عمل کا وقت گزر چکا ہے اور عمر کے آخری ایام آپہنچے ہیں ۔۔۔ وہ گناہ گار گریہ زاری کرتے ہوئے تیری بارگاہ میں آیا ہے، اور تیرے سامنے بصد خلوص توبہ کر رہا ہے، پاک دل کے ساتھ تیرے سامنے کھڑا ہے، اور آہ و زیاد اور حزین آواز کے ساتھ تجھے پکار رہا ہے، تیرے خوف کی شدت سے اس کے پاؤں لرز رہے ہیں اور آنسوؤں سے اس کے رخسار تر ہیں اور یاارحم الراحمین کہہ کر تجھے پکار رہا ہے۔" (۳۰)

امام زین العابدین علیہ السلام جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق قیامت کے دن "سید العابدین" کے نام سے پکارے جائیں گے (۳۱) ۵۷ سال تک رنج و مصیبت برداشت کرنے کے بعد ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں اس کے اس حکم سے جس نے اپنی خلافت و حکومت کا محور قتل و غارت اور ظلم و جور بنا رکھا تھا، مسموم ہو کر ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ کو شہادت پائی اور قبرستانِ بقیع میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی قبر کے مطہر پہلو میں سپرد خاک کیے گئے۔ (۳۲)

لیکن افسوس کہ امام علیہ السلام کی ۳۴ سالہ امامت کے دوران آپ علیہ السلام کو محبت اِلٰہی اور خدا کی طرف سے منسوب "امام" کے عنوان سے آپ علیہ السلام کی ذات سے دینی تعلیمات حاصل کرنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ لیکن اس نکتہ کی یاد دہانی ضروری ہے کہ امام اس بات کا محتاج نہیں ہوتا کہ لوگ اس کے پاس آئیں اور اس کے علم سے بے پناہ فائدہ اٹھائیں، لہٰذا لوگوں کو نہ آنے کا نقصان انہیں خود ہوتا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام سے عقائد و معرفت کے سلسلہ میں بہترین اور عمیق مطالب پر مشتمل روایات منقول ہیں۔ آپ علیہ السلام کے زریں اقوال کے چند عظیم الشان نمونے بیان کیے جاتے ہیں:

ابوحمزہ ثمالی امام زین العابدین علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

☆ ما من قطرة احب الى الله عزوجل من قطرتين قطرة دم فى سبيل الله وقطرة دمعه فى سواد الليل لا يريد بها العبد الا الله عزوجل۔

کوئی بھی قطرہ خدا کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ محبوب نہیں ہے، ایک وہ خون کا قطرہ جو راہِ خدا میں گرے اور دوسرا اشک کا وہ قطرہ جو رات کی تاریکی میں بندے کی آنکھوں سے خدا کے لیے نکلتا ہے۔" (۳۳)

☆ اتقوا الكذب الصغير منهب فى الصغير اوالكبير فى كل جد وهزل . فان الرجل اذا كذجترا على الكسر۔

جھوٹ سے پرہیز کرو، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، یا مذاق کی صورت میں ہو یا حقیقت میں، کیونکہ انسان اگر چھوٹا جھوٹ بولنے لگے تو پھر بڑا جھوٹ بولنے کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔" (۳۴)

☆ اشد الساعات ابن آدم ثلاثہ ساعات:
۱۔ التى يعاين فيها ملك الموت
۲۔ والساعة التى يقوم فيها من قبره
۳۔ والساعة التى يقف فيها بين يدى الله تبارك وتعالى . فاما الى الجنة واما الى النار

انسان کے لیے تین مواقع سب سے زیادہ سخت ہیں:
۱۔ جب وہ ملک الموت کو دیکھتا ہے۔
۲۔ اور جب وہ قبر سے اٹھے گا۔
۳۔ اور جب خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوگا کہ یہ جنت میں جائے گا یا دوزخ میں۔" (۳۵)

☆ ما ينقم الناس منا . فنحن والله شجرة النبوة وبيت الرحمه ومعدن العلم ومختلف الملائكة

یہ لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں!! خدا کی قسم! ہم شجرۂ نبوت، خاندانِ رحمت، معدنِ علم اور فرشتوں کی آمد و رفت کا مقام ہیں۔ (۳۶)

☆ ما من رجل تصدق على مسكين مستضعف فدعاله المسكين بشىء تلك الساعة الا استجيب له۔

☆ ليس لک أن تقعد مع من شئت لان الله تبارك وتعالى يقول : (اذا رأيت الذين يخوضون فى آياتنا فاعرض عنهم حتى يخوضوا فى حديث غيره ، واما ينسيينک الشيطان فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين) وليس لک ان نتكلم بما شئت لان الله تعالى ، قال: (ولا تقف ماليس لک به علم) ولان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : رحم الله عبدا قال خيرا فنعم او صمت فسلم وليس لك ان تسمع ما شئت لان الله تعالى يقول:(ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسؤلا)

کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ کسی مسکین اور تنگدست کو صدقہ دے اور وہ مسکین اس شخص کے لیے دعا کرے، مگر یہ کہ اس شخص کے بارے میں وہ دعا قبول ہوگی۔" (۳۷)

"تمہارے لیے سزاوار نہیں ہے کہ ہر کسی کے ساتھ رفت وآمد کرو، کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے: (جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری نشانیوں کی مذاق اڑاتے ہیں تو ان سے رخ موڑ لو، یہاں تک کہ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں۔ لیکن اگر شیطان تمہیں بھلا دے، اور بعد میں تمہیں یاد آئے تو اس ظالم گروہ کے ساتھ نہ بیٹھو) اس طرح تمہارے لیے مناسب نہیں ہے کہ ہر ایک کے ساتھ گفتگو کرو کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے: (جس کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیروی نہ کرو) اور حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: خداوند عالم اس بندہ پر رحمت نازل کرے جو نیک گفتگو کرے تاکہ قابل قدر بن جائے یا خاموش رہے تاکہ سالم رہے۔ اسی طرح تمہارے لیے مناسب نہیں ہے کہ ہر چیز سنو، کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے: (بے شک آنکھ، کان اور دل، ان سب سے سوال کیا جائے گا۔)" (۳۸)

حوالہ جات:

۱۔ الفصول المہمۃ ۔ص ۲۰۱
۲۔ اصول کافی جلد ۱/ ۴۶۶، ارشاد مفید/ ۲۵۳، اعیان شیعہ ۱/ ۶۲۹
۳۔ اعیان الشیعہ ۱/ ۶۲۴، بحار الانوار ۴۶/ ۱۵۴
۴۔ شرح احقاق الحق، ۱۹/ ۴۴۰
۵۔ خصال صدوق: مطبع غفاری، ص ۵۱۷، مناقب: ۴/ ۱۵۰
۶۔ اعیان الشیعہ ۱/ ۶۳۳، ارشاد مفید، ص ۲۵۹، مناقب ۴/ ۱۶۳
۷۔ ارشاد مفید، ص ۲۵۷
۸۔ تذکرۃ الخواص، ابن الجوزی، اعیان الشیعہ، ۱۸۴، ۱/ ۶۳۳، مناقب ۴/ ۱۵۳
۹۔ مناقب ابن شہر آشوب، ۱/ ۱۴۴
۱۰۔ اعیان الشیعہ، محسن الامین، ۱/ ۶۳۵
۱۱۔ مطالب السؤال، ص ۲۶۵، نور الابصار، ص ۱۲۶
۱۲۔ صواعق المحرقہ، ص ۱۲۰
۱۳۔ حیٰوۃ الحیوان ۱/ ۱۲۱
۱۴۔ احتجاج، ص ۳۰۴
۱۵۔ مطالب السؤال، ص ۲۶۳
۱۶۔ یہ واقعہ سانحہ کربلا کے بعد یزید کی حکومت کے دوسرے سال پیش آیا تھا۔ اس میں یزید کے حکم سے سپاہ شام نے مدینہ پر حملہ کیا اور تین دن تک مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو کو اپنے اوپر مباح سمجھتے رہے۔
۱۷۔ اعیان الشیعہ ۱/ ۶۳۶، بحار ۴۶/ ۱۳۸، کامل ابن اثیر ۱۳/ ۱۱۲
۱۸۔ اعیان الشیعہ ۱/ ۶۱۳، بحار ۴۴/ ۱۱۲
۱۹۔ بحار، ۴۴/ ۱۱۷۔ ۱۱۸
۲۰۔ تذکرۃ الخواص ابن الجوزی، ص ۱۸۴، اعیان الشیعہ ۱/ ۶۳۵، بحار ۴۴/ ۱۳۲
۲۱۔ ذریعۃ النجاۃ، ص ۲۳۴
۲۲۔ تاریخ الخلفاء ۱/ ۲۲۳
۲۳۔ معالم العلماء، ص ۱
۲۴۔ ینابیع المودۃ، ص ۹۴۴
۲۵۔ ریاض السالکین، ص ۱
۲۶۔ شرح نہج البلاغۃ، ابن ابی الحدید، ص ۲
۲۷۔ ایضاً
۲۸۔ اثبات الوصیۃ، مسعودی، جلد ۴
۲۹۔ مناقب آل ابی طالب، ابن شہر آشوب، ص ۳۹۵
۳۰۔ صحیفہ سجادیہ دعا ص ۴۴
۳۱۔ ایضاً
۳۲۔ کافی، ۱/ ۴۶۸۔ بحار، ۱۵۲
۳۳۔ بحار الانوار ۱۰۰/ ۱۰
۳۴۔ مقدمہ منہاج الصالحین، تالیف: حضرت آیت اللہ العظمیٰ، وحید خراسانی، ص ۷۳۔ ۳۔
۳۵۔ خصال شیخ صدوق، ص ۱۱۹
۳۶۔ کافی، ۱/ ۲۲۱
۳۷۔ ثواب الاعمال، ص ۱۴۵
۳۸۔ علل الشرائع، ۲/ ۴۰۴

آئمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ایک گل سر سبد

حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

از تبرکات: حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب، ابو محمد جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نہایت بلند خیال اور پسندیدہ سیرتوں سے مزین تھے اور سریر امامت کی رونق دینی میں آپ موزوں تھے۔ آپ کے ارشادات جمیلہ تمام علوم میں مشہور ہیں اور معانی دقیقہ میں آپ کی تقریر مسلم تھی۔ مشائخ کرام میں آپ کو لطائف کلام اور حقائق طریقت میں خاص درجہ حاصل ہے بیان طریقت میں آپ کی تصنیفات مشہور ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

من عرف اللّٰہ اعرض عما سواہ — "جس نے اللہ کو جان لیا وہ ماسویٰ اللہ سے علیحدہ ہوگیا"

یعنی عارف الٰہی وہی ہے جو معرض از غیر اور منقطع از علل و اسباب ہو جائے۔ اس لئے کہ اللہ کی معرفت یہی ہے کہ غیر خدا کے ساتھ اجنبی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ عرفا مخلوقات اور اس کی فکر سے اپنے کو جدا رکھتے اور اپنے رب سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں غیر کی ایسی قدر و منزل نہیں کہ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اور نہ وجود غیر سے انہیں کچھ خطرہ ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ ذکر غیر کے لئے اپنے دل میں جگہ نہیں رکھتے۔

ایک روایت میں حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یوں بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لا تصح العبادة الا بالتوبة لان اللّٰه تعالٰی قدم التوبة علی العبادة قال اللّٰه تعالٰی التائبون — "عبادت بغیر توبہ کے صحیح نہیں حتیٰ کہ خود رب کریم نے عبادت پر توبہ کو مقدم کیا۔ اس لئے کہ توبہ عبادت کی ابتداء ہے اور عبودیت

العابدون   اس کی انتہا۔"

چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کا ذکر کیا تو انہیں بھی توبہ کا حکم فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے:

وَتُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝   "اے مسلمانو! اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح یافتہ ہو جاؤ۔"

(النور:۳۱)

اور جہاں سید اکرم تاجدار عرب و عجم کو یاد فرمایا وہاں بھی فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى۝ (النجم:۱۰) کہا تو گویا مقام عبودیت منتہاء کمال کا نام ہے۔۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور عرض کی یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے اس لئے کہ میرا دل سیاہ ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابو سلیمان! (حضرت داؤد طائی کے صاحبزادے کا نام سلیمان تھا) آپ اس زمانہ کے بڑے زاہدوں میں سے ہیں۔ آپ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے؟ عرض کی اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو اللہ نے سب پر فضیلت بخشی ہے آپ پر نصیحت کرنا واجب ہے۔ حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابو سلیمان! میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں بروز قیامت میرے جد امجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے یہ نہ فرمائیں کہ تو نے ہماری اطاعت کا حق کیوں نہ ادا کیا اس لئے کہ یہ کام نسب کی نسبت سے صحیح نہیں اترتا یہ کام عمل کے اوپر موقوف ہے۔

یہ سن کر حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے اور کہنے لگے الٰہی جن ہستیوں کا خمیر آب نبوت سے ہو اور جن کی ترکیب طبعی اصول دین پر اور برہان و حجت قرآن سے ہو جن کے جد کریم شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں جن کی ماں حضرت زہرا بتول رضی اللہ عنہا ہوں وہ اس خوف و حیرانی میں رکھے گئے ہیں اور اپنے اعمال کا اس شان سے محاسبہ کر رہے ہیں تو پھر داؤد طائی کس شمار میں ہے اور وہ اپنے اعمال و عبادات پر کیا فخر کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک روز حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے احباب و خدام میں تشریف فرما تھے تو آپ نے سب سے فرمایا: آؤ! ہم تم آپس میں بیعت کریں اور اس امر کا عہد لیں کہ جسے اللہ تعالیٰ بروز قیامت رستگاری عطا فرما دے وہ سب کی شفاعت کرے سب نے

عرض کی اے ابن رسول اللہ ﷺ! اس عہد کی اسے حاجت ہے جو محتاجِ شفاعت ہو آپ کو ہماری شفاعت کی کیا پروا ہے؟ آپ کے جد امجد شفیع مجرمانِ خلائق ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اپنے اعمال پر شرماتا ہوں اور اپنے نفس کے عیبوں پر نظر کر کے ڈرتا ہوں کہ بروز قیامت جد امجد ﷺ کے حضور کس طرح منہ دکھاؤں گا؟ کمال خاص جو عارف کامل کو حاصل ہوتا ہے کہ ہر وقت وہ اپنے نفس کے عیبوں پر نظر رکھتا ہے یہ صفت اوصاف کمالیہ ہے۔ اور تمام ممکنانِ الٰہی یعنی نبی، ولی، غوث، قطب سب کے سب اسی اصول پر قائم ہیں۔ چنانچہ حضور سید یوم النشور ﷺ نے فرمایا:

اذا اراد اللہ بعبد خیر بصرہ بعیوب نفسہ "جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ خیر فرماتا ہے تو اسے عیوب نفس کے لیے چشم بینا عطا فرماتا ہے۔"

اور جو از روئے تواضع اپنا سر بارگاہِ حق میں جھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مراداتِ دارین پوری فرماتا ہے۔

خصائص حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
کشف المحجوب کی روشنی میں

مفتی محمد رمضان سیالوی ☆

تصوف کی اُمہات کتب کی فہرست میں "کشف المحجوب" وہ واحد کتاب، جسے فارسی زبان میں دنیائے تصوف کی پہلی کتاب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔(۱) یہ کتاب جہاں ایک طرف تصوف کی اصطلاحات کا بیانِ کامل اور تشریحِ مدلّل ہے تو دوسری طرف حضرات خلفائے راشدین، ائمہ اہل بیت، اصحاب صفہ، ائمہ تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم اور صوفیاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے مختصر اور جامع حالات کا مدلّل مجموعہ بھی ہے۔ حضرت داتا گنج بخش المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے شخصیات کے تذکروں میں اُن حضرات کے مختصر حالات کے ساتھ اُن کی بعض نمایاں خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام باقر علیہ السلام کا ذکرِ خیر کشف المحجوب میں "ذکر ائمہ اہل بیت" کے عنوان سے قائم کیے گئے باب میں کیا ہے۔ اس باب میں مجموعی طور پر اہل بیت رضی اللہ عنہم کے پانچ ائمہ حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقر اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کا ذکرِ جمیل ہے۔(۲)

ان تمام ائمہ کی خصوصیات اور القابات، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ہر امام کے تذکرے میں الگ الگ ذکر کیے ہیں لیکن اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ذکر پر مشتمل باب کی ابتداء میں تمام اہل بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کی خدمت میں ایک اجتماعی ارمغانِ محبت و عقیدت پیش کیا گیا ہے جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو ائمہ اہل بیت سے کس

☆ خطیب، جامع مسجد دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

درجہ محبت اور عقیدت ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں اِن مقدس ہستیوں کا مقام و مرتبہ اور ان کی خصوصیات کیا ہے۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آنان کہ بطہارتِ اصلی مخصوصند، ہر یکے را اندرایں معانی قدمی تمام است، وجملہ قدوۃ ایں طائفہ بودہ اند، خاص و عام ایشاں۔(۳)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت وہ ہستیاں ہیں کہ جو ازل سے ہی طہارت کے لیے مخصوص ہیں، ان میں سے ہر ایک طہارت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے، یہ حضرات طریقت میں کامل اور دیگر مشائخ طریقت کے امام ہیں۔"

حضرت امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے ہدیہ عقیدت پیش کیا ہے:

ومنھم نیزحجب براھل معاملت وبرہانِ اربابِ مشاھدت، امام اولادِ نبی وگزیدہ نسل علی، ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب الباقر "(۴)

"انہی ائمہ اہل بیت میں سے" اہلِ معاملہ پر حجت"،" اربابِ مشاہدہ کے لیے برہان"، "امام"،"اولاد نبی"، برگزیدہ نسل علی" حضرت ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب، "الباقر" ہیں۔"

دیگر ائمہ کی طرح کشف المحجوب میں حضرت امام باقر علیہ السلام کے حالات انتہائی اختصار سے مذکور ہیں لیکن آپ علیہ السلام کے خصائص کا ذکر قدرے تفصیل سے ہے۔ بلاشبہ حضرت امام باقر علیہ السلام بیشمار فضائل اور خصوصیات کے مالک تھے لیکن ان ڈھیروں خصائص میں سے کشف المحجوب میں صرف دو بیان کی گئی ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کا نام "محمد" کنیت "ابوجعفر" اور "ابوعبداللہ" جبکہ لقب "باقر" ہے۔ آپ علیہ السلام ۳ صفر المظفر، ۵۷ ہجری، بروز جمعۃ المبارک مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔(۵) آپ علیہ السلام، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزندِ ارجمند، حضرت امام حسین علیہ السلام کے پوتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے ہیں، والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت حسن بن علی تھا، یوں آپ

علیہ السلام والد اور والدہ دونوں کی طرف سے "نجیب الطرفین ہاشمی" تھے۔ آپ علیہ السلام کا وصال ۵۷ سال کی عمر میں ۱۱۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوا اور آپ اپنے والد گرامی کے جوار میں جنت البقیع میں دفن ہوئے۔(۶)

آپ علیہ السلام کی ولادت کی خبر آپ علیہ السلام کے نام کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو سلام بھی بھیجا۔ چنانچہ حضرت امام باقر علیہ السلام خود بیان فرماتے ہیں کہ: مَیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ رضی اللہ عنہ کی بصارت ختم ہو چکی تھی، مَیں نے آپ کو سلام کہا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا: آپ کون ہیں؟ میں نے بتایا کہ میں محمد بن علی بن حسین (رضی اللہ عنہم) ہوں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے بیٹے! میرے قریب آؤ۔ مَیں جب نزدیک ہوا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مجھے اپنے ساتھ چمٹا لیا اور روتے ہوئے میرے ہاتھ چوم لیے اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں سلام بھیجا ہے، مَیں نے پوچھا کہ یہ کیسے ہو؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مَیں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور فرمایا کہ میرے اس بیٹے کے ہاں ایک بیٹا علی بن حسین پیدا ہوگا جو "سید العابدین" ہوگا مزید فرمایا کہ:

يُوْلَدُ لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ اِبْنٌ يُقَالُ لَهٗ: مُحَمَّدٌ، إِذَا رَأَيْتَهٗ يَاجَابِرُ فَاَقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ

علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جس کا نام "محمد" ہوگا، اے جابر رضی اللہ عنہ! جب تیری اُس سے ملاقات ہو تو اُسے میرا سلام کہنا۔(۷)

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اُسے انوار و حکمت عطا فرمائے گا"(۸)

آپ رضی اللہ عنہ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا۔(۹) علامہ عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی اکیس کرامات کا ذکر کیا ہے۔(۱۰) آپ رضی اللہ عنہ کی ایک مشہور کرامت کشف المحجوب میں بھی بیان کی گئی ہے کہ:

"ایک بار آپ رضی اللہ عنہ کو ایک بادشاہ (۱۱) نے اپنے پاس اس نیت سے بلایا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ بادشاہ کے پاس آئیں گے تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کرا دے گا، آپ رضی اللہ عنہ جب اس

بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے تو وہ آپ رضی اللہ عنہ سے بڑے احترام سے پیش آیا، آپ رضی اللہ عنہ سے معذرت کی اور ہدایا و تحائف دے کر آپ رضی اللہ عنہ کو بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ دربار کے حاضرین نے جب خلافِ توقع بادشاہ کا یہ طرزِ عمل دیکھا تو اس کی وجہ پوچھی، تو بادشاہ نے کہا، کہ جب وہ میرے پاس آئے تو میں نے دیکھا کہ دو شیر آپ رضی اللہ عنہ کے دائیں اور بائیں کھڑے ہیں اور ان شیروں نے مجھے کہا کہ: "اگر تو نے ان کے قتل کا ارادہ بھی کیا تو ہم تجھے ہلاک کر دیں گے۔" (۱۲)

کشف المحجوب میں آپ رضی اللہ عنہ کی ایک نمایاں خصوصیت آپ رضی اللہ عنہ کی علمی وجاہت اور قرآن کریم کے لطیف اشارات کی وضاحت اور تفسیر بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مخصوص بود بدقائق علوم و بلطائفِ اشارات اندر کتاب خدای عزوجل۔ (۱۳)

"آپ علوم دقیقہ (کے بیان) اور اور قرآن کریم کے لطیف اشارات (کی تفسیر) کے لیے خاص طور پر مشہور ہیں۔"

تحقیق کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ اپنے علمی مرتبہ و مقام کی وجہ سے ہی "باقر" کے لقب سے مشہور ہیں۔ لغت میں "بَقَرَ یَبْقَرُ" کا معنی ہے، کھولنا، پھاڑنا، وسعت دینا۔ (۱۴) صاحب تاج العروس نے آپ رضی اللہ عنہ کے مختصر تذکرے میں آپ رضی اللہ عنہ کے اِس لقب سے مشہور ہونے کی وجہ آپ رضی اللہ عنہ کی وسعت علمی کو قرار دیتے ہوئے کہا ہے: "وَاِنَّمَا لُقِّبَ بِهٖ لِتَبَحُّرِهٖ فِي الْعِلْمِ وَتَوَسُّعِهٖ" (۱۵)

ابن خلکان نے صراحت کی ہے کہ:

كَانَ الْبَاقِرُ عَالِمًا سَيِّدًا كَبِيْرًا، وَاِنَّمَا قِيْلَ لَهُ الْبَاقِرُ لِأَنَّهٗ تَبَقَّرَ فِي الْعِلْمِ۔ (۱۶)

امام باقر علیہ السلام بہت بڑے عالم اور سردار تھے آپ کو 'باقر' اس لیے کہا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ وسعتِ علمی کے حامل تھے۔

حضرت عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے تو واضح طور پر لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ مختلف علوم میں وسعتِ نظر کے مالک تھے، آپ رضی اللہ عنہ مختلف علوم کی خوب تصریح و توضیح فرماتے۔ (۱۷) آپ رضی اللہ عنہ کی علمی شان میں امام قرطبی کا ایک مشہور شعر ہے:

يَا بَاقِرَ الْعِلْمِ لِأَهْلِ التُّقٰى وَخَيْرَ مَنْ لَبّٰى عَلَى الْأَجْبُلِ (۱۸)

"اے پرہیزگاروں کے لیے علم کو ظاہر فرمانے والے اور قوم کے سرداروں کو بلائے جانے کی صورت میں آپ سب سے افضل ہیں۔"

عبداللہ بن عطاء آپ رضی اللہ عنہ کی مجلس علمی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ الْعُلَمَاءَ عِنْدَ أَحَدٍ أَصْغَرَ عِلْمًا مِنْهُمْ عِنْدَ أَبِيْ جَعْفَرَ لَقَدْ رَأَيْتُ الْحَكَمَ عِنْدَهٗ كَأَنَّهٗ مُتَعَلِّمٌ۔ (۱۹)

"میں نے علماء کا اپنے آپ کو کسی کے سامنے اس قدر چھوٹا سمجھتے ہوئے نہیں دیکھا، جس طرح وہ اپنے آپ کو ابو جعفر (امام باقر) کے رو برو سمجھتے تھے، میں نے حکم جیسے متبحر عالم کو ایک طالب علم کی طرح آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے سر جھکائے بیٹھے ہوئے دیکھا۔"

حضرت امام باقر کا مشہور فرمان ہے کہ:

"ایک عالم کی وفات ابلیس کے نزدیک ایک ہزار عابد سے کی وفات سے زیادہ محبوب ہے۔" (۲۰)

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ آپ کی نمایاں خصوصیت قرآن کریم کے لطیف اشارات کی وضاحت اور تفسیر ہے۔ قرآنِ کریم کی ایک آیت کریمہ کی لطیف تفسیر کشف المحجوب میں بھی بیان کی گئی ہے کہ:

"حضرت امام باقر نے آیہ کریمہ:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ (۲۱)

جس نے بتوں کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا۔

کی تفسیر میں فرمایا:

كُلُّ مَنْ شَغَلَكَ عَنْ مُطَالَعَةِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوْتُكَ

ہر وہ شے جو تجھے مطالعہ حق سے باز رکھے وہی تیرا طاغوت (بت) ہے۔" (۲۲)

مالک بن اعین جہنی نے آپ رضی اللہ عنہ کی علمی وجاہت اور قرآنی علوم پر کثرتِ اطلاع

کے بیان میں قصیدہ لکھا ہے جس کے تین اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں: (۲۳)

إِذَا طَلَبَ النَّاسُ عِلْمَ الْقُرْآن كَانَتْ قُرَيْشٌ عَلَيْهِ عِيَالًا
وَإِنْ قِيْلَ: إِنِّيْ ابْنُ بِنْتِ الرَّسُوْلِ نِلْتَ بِذٰلِكَ فَرْعًا طَوِيْلًا
نَجُوْمٌ تُهَلِّلُ لِلْمُدْلِجِيْنَ جِبَالٌ تُوَرِّثُ عِلْمًا جِبَالًا

"جب لوگ قرآن کریم کا علم حاصل کرنا چاہیں تو پورا قبیلہ قریش اس کے بتانے سے عاجز ہوگا۔"

"اور اگر قرآنی علم کے لئے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم امام باقر علیہ السلام سے رجوع کیا جائے تو (اے مخاطب!) تجھے اُن سے مسائل کے بے حد و بے حساب ذخیرے میسر آجائیں گے۔"

"آپ رضی اللہ عنہ ایسے ستارے کی مانند ہیں جو تاریکیوں میں چلنے والوں کی رہنمائی کے لیے چمکتے ہیں اور خود علم کے ایسے پہاڑ ہیں جو پہاڑوں جیسا علم تقسیم فرماتے ہیں۔"

چھ آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر اور آپ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کی تفصیل "تاریخ دمشق" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے جن کا ایک ایک لفظ بے شمار علمی لطائف اور نکات پر مشتمل ہے۔ (۲۴)

حضرتِ امام باقر علیہ السلام کی دوسری خصوصیت "کشف المحجوب" میں آپ رضی اللہ عنہ کی کثرتِ عبادت و ریاضت اور خشیتِ الٰہی بیان کی گئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی رات کی عبادت، گریہ و زاری اور ربِّ کریم کی بارگاہ میں مناجات کو کشف المحجوب میں قدرے تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے جس کے ایک ایک جملہ پر غور کرنے سے امام باقر علیہ السلام کی "خشیت الٰہی" کا پتہ چلتا ہے۔ "کشف المحجوب" کی فارسی عبارت نقل کرنے کی بجائے صرف مناجات کا اردو ترجمہ دیا جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ رات کا ایک حصہ گزرنے کے بعد اپنے معمولات اور اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر بلند آواز سے یہ دعا پڑھتے:

"اے میرے اللہ، اے میرے مالک، رات ہوگئی ہے اور بادشاہوں کی حکومت اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے، ستارے آسمان پر ظاہر ہو گئے ہیں اور تمام مخلوق اس طرح سو گئی ہے کہ جیسے ان کا وجود ہی نہیں، لوگوں کی آوازیں بند ہیں اور آنکھیں سو رہی ہیں، تمام بنو اُمیہ آرام کر رہے ہیں اور ان کے دروازوں پر ان کے پاسبان موجود ہیں، بنو اُمیہ کے دربار بند پڑے ہیں اور ان کے کارندے ان کی حفاظت کر رہے ہیں، جن لوگوں کی ان سے کچھ حاجات تھیں وہ

اس وقت انہیں چھوڑ چکے ہیں، اے میرے اللہ! تو زندہ ہے، تو پائندہ ہے، تو بصیر بھی ہے اور علیم بھی ہے، تو اونگھ اور نیند سے پاک ہے، جو تجھے اونگھنے اور سونا والا خیال کرے وہ تیری نعمتوں سے محروم ہے، مولا! تو وہ ہے کہ جسے کوئی شے اُس کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی اور رات اور دن میں سے کسی بھی لحہ تیری صفت بقا میں خلل نہیں آسکتا، تیری رحمت کے دروازے کھلے ہیں، ان حالات میں جو بھی تجھے پکارے تو تیری بخشش کے خزانے اس پر فدا ہیں، جو بھی تیری حمد وثنا میں رطب اللسان ہو تو تو مالک الملک ہے تو کسی کا سوال رد نہیں فرماتا، کوئی بندہ مومن تجھ سے سوال کرے تو تو کسی بھی سائل کو سوال کرنے سے منع نہیں فرماتا، وہ سوال کرنے والا زمین مخلوق سے ہو یا آسمانی مخلوق سے، الٰہی! جب مجھے موت اور قبر کا خیال آتا ہے اور حساب کا تصور کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ تیری حضوری کے مقابلے میں دنیا کی کس چیز سے سکون حاصل کیا جائے اور جب ملک الموت کا خیال آتا ہے تو سوچتا ہوں کہ دنیا کی کسی شے سے کیسے تعلق رکھ سکتا ہوں!!، پس میں جو بھی چاہتا ہوں تجھ سے ہی چاہتا ہوں، کیونکہ میں تو صرف تجھے ہی جانتا ہوں، اس لیے کہ جب بھی تجھے یاد کرتا ہوں تو دل میں سکون محسوس کرتا ہوں، اے اللہ! مجھے مرگ کی کیفیت راحت سے نصیب فرما اور آخرت میں عذاب کے بغیر حساب لے کر مجھے عزت عطا فرما۔"

حضرت امام باقر علیہ السلام کی اس گریہ وزاری اور مناجات کا یہ سلسلہ پوری پوری رات جاری رہتا۔

. آپ رضی اللہ عنہ کے غلام افلح روایت کرتے ہیں کہ میں ایک بار امام باقر علیہ السلام محمد بن علی کے ساتھ حج پر گیا، آپ رضی اللہ عنہ جب مسجد حرام میں داخل ہوئے اور کعبۃ اللہ پر نظر پڑی تو رو پڑے، روتے روتے آپ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہوگئی، میں نے عرض کی: حضور! سب لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہے ہیں، آپ ذرا آہستہ آواز سے گریہ فرمائیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے افلح! میں اس لیے رو رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری طرف بھی نظرِ رحمت فرمائے، مجھے بخش دے اور کل قیامت کے دن میں کامیاب ہو جاؤں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے طواف فرمایا اور مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعتیں ادا کیں اور جب آپ رضی اللہ عنہ نے سجدے سے سر اٹھایا تو سجدہ کرنے کی تمام جگہ آپ رضی اللہ عنہ کے آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی۔ (۲۵)

کثرتِ عبادت کا یہ عالم تھا کہ عبداللہ بن یحیٰ فرماتے ہیں کہ: "ہر فرض نماز کے ساتھ پچاس نفل رکعتیں ادا فرماتے ہیں۔"(۲۶)

آپ رضی اللہ عنہ بلاشبہ اپنے تمام اعمال، اخلاق، کردار و سیرت میں نبی کریم کی سیرتِ پاک کا کامل نمونہ اور امت کیلئے ہدایت کا نشان تھے۔ بقول امام ابن حجر مکی: "آپ رضی اللہ عنہ علم، عبادت اور زہد میں اپنے والد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔"(۲۷)

آپ رضی اللہ عنہ بے شمار فضائل اور خصوصیات کے حامل تھے لیکن کشف المحجوب میں ان ڈھیروں خصائص میں سے صرف دو خصوصیات کا ذکر "مشتے از خروارے" آپ کی عظیم شخصیت کا اجمالی تصور اور خاکہ پیش کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ کسی بھی شخصیت کا مرتبہ اس کے علم اور عمل سے ہی جانا جاسکتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام باقر علیہ السلام کے "علمی مرتبۃ" اور "زہد و ورع" کو ذکر فرما کر آپ رضی اللہ عنہ کی مجموعی عظمت اور رفعت کو چند سطروں میں سمو دیا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ تاریخ مشائخ چشت: پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص ۹۸

۲۔ 'کشف المحجوب' (فارسی): علی بن عثمان الہجویری" ص ۹۱ تا ۱۰۴، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

۳۔ 'ایضاً' ص ۹۱ ۴۔ ایضاً' ص ۱۰۰

۵۔ 'شواہد النبوۃ': ملا عبدالرحمن جامی، ص ۳۱۷

۶۔ تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے تاریخ کبیر، حلیۃ الاولیاء، طبقات ابن سعد، تہذیب التہذیب اور وفیات الاعیان۔

۷۔ 'مجمع الزوائد': ج ۱۰، ص ۲۲ / لسان المیزان: ج ۵، ص ۱۹۰

۸۔ 'شواہد النبوۃ': ملا عبدالرحمن جامی، مترجم، ص ۳۱۷

۹۔ 'کشف المحجوب' (فارسی): علی بن عثمان الہجویری" ص ۱۰۰

۱۰۔ 'ایضاً' ص ۳۱۸ تا ۳۲۶

۱۱۔ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی ۵۷ سالہ حیات مبارکہ میں کل ۱۰ (دس) افراد مسند خلافت یا بادشاہت پر فائز رہے، حضرت امیر معاویہ، یزید بن ابی معاویہ، مران بن حکم، معاویہ بن یزید، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، حضرت عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک بن مروان، ہشام بن عبدالملک (تاریخ الخلفاء مترجم، ص ۴۰۵ تا ۴۹۶)، ان میں سے ولید بن عبدالملک کے بارے اس طرح کی روایات ملتی کہ وہ اہل بیت سے سخت عداوت اور دشمنی رکھتا تھا اور یہ بات سلیمان بن عبدالملک کے بارے میں بھی ملتی ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ حضور داتا گنج بخش نے جس بادشاہ کا ذکر فرمایا ہے کہ اس سے مراد ان دو میں سے کوئی ہے۔ (سیالوی)

۱۲۔ 'کشف المحجوب' (فارسی): ص ۱۰۰

۱۳۔ 'کشف المحجوب' (قلمی نسخہ فارسی): علی بن عثمان الہجویری" مطبوعہ از کاوش میاں شیخ خوشی محمد سجادہ نشین دربار حضرت داتا گنج بخش، ص ۱۰۰

۱۴۔ 'المنجد' ص ۱۴۱ 'اقرب الموارد فی فصیح العربیۃ والشوارد' منشورات مکتبۃ العظمی، قم ایران

۱۵۔ 'تاج العروس': ج ۴، ص ۵۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان

۱۶۔ 'وفیات الاعیان لابن خلکان': ج ۴، ص ۱۷۴، مطبوعہ بیروت لبنان

۱۷۔ 'شواہد النبوۃ': ملا عبدالرحمن جامی، ص ۳۱۷

۱۸۔ 'سیر اعلام النبلاء لابن ذہبی': ج ۴، ص ۴۰۴

۱۹۔ 'حلیۃ الاولیاء': ابونعیم اصفہانی': ج ۳، ص ۲۱۷

۲۰۔ 'البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر دمشقی': ج ۵، ص ۳۲۵

۲۱۔ 'القرآن: سورۃ البقرۃ، ۲۵۲

۲۲۔ 'کشف المحجوب' (قلمی نسخہ فارسی): علی بن عثمان الہجویری، ص ۱۰۰

۲۳۔ 'سیر اعلام النبلاء لابن ذہبی': ج ۴، ص ۷ ۵۴

۲۴۔ 'تاریخ دمشق لابن عساکر': ج ۲۹، ص ۲۰۹ تا ۲۳۲

۲۵۔ 'ایضاً': ص ۲۱۹

۲۶۔ 'ایضاً': ص ۲۱۸

۲۷۔ 'الصواعق المحرقۃ لابن حجر مکی': ص ۱۲۰

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سیدی فیض عالم داتا گنج بخش کی عقیدت

خلیل احمد رانا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ، امام ال آئمہ سراج الامۃ، رئیس الفقہاء والمجتہدین، سید الاولیائ، مبشر مصطفیٰ، دعا مرتضیٰ، الغرض نبوت اور صحابیت کے بعد کسی انسان میں جس قدر فضائل ومحاسن پائے جاسکتے ہیں، آپ ان تمام اوصاف کے جامع اور رہنما تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت بمقام کوفہ (عراق) ۸۰ھ میں ہوئی اور وصال بمقام بغداد (عراق) ۱۵۰ھ میں ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، اسی مجلس میں سورۃ جمعہ نازل ہوئی، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورت کی آیت تیسری وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ط تلاوت فرمائی تو حاضرین نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ "آخرین" کون لوگ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت فرمایا، حاضرین کے بار بار سوال کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر دست اقدس رکھ کر فرمایا اگر ایمان ثریا ستارہ کی بلندی پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ وہاں سے بھی ایمان کو لے آئیں گے۔

(تفسیر مظہری، بخاری ومسلم، بہ حوالہ معارف القرآن جلد ۸، ص ۴۳۶)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے بہ اتفاق اصل صحیح ہے کہ اس میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ ہونے پر اعتماد ہے............ اس لیے کہ اہل فارس سے کوئی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبہ علم کو نہ

پہنچ سکا۔ (زجاجۃ المصابیح (عربی) از سید عبداللہ شاہ، مطبوعہ حیدر آباد دکن)[1]

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے توسل:

علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۳ھ) اپنی کتاب "الخیرات الحسان" کی فصل پینتیس میں لکھتے ہیں کہ:

"ہمیشہ سے علماء اور اہل حاجت کا یہ طریقہ رہا کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے اور ان کے وسیلے سے حاجت روائی چاہتے اور اس ذریعہ سے کامیابی کا اعتقاد رکھتے اور منہ مانگی مراد پاتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد میں فروکش تھے فرمایا کرتے تھے کہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور آپ کی قبر کی زیارت کرتا ہوں اور جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھ کر آپ کی قبر مبارک کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو میری حاجت فوراً پوری ہو جاتی ہے"[2]

مگر آج کل ایک ایسی جاہل قوم پیدا ہوئی ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فعل پر عمل کرنے والوں کو قبر پرست کہتے ہیں ہم ان کی اس زیادتی کا معاملہ روز محشر اللہ کریم پر چھوڑتے ہیں۔

قصیدۃ النعمان

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہ رسالت میں جو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے اس سے آپ کے عقیدہ کے مطابق سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مالک ومختار، نور مجسم، حاضر و ناظر، حاجت روا، مشکل کشا، باعث تخلیق ارض وسما سید انبیاء شافع روز جزا اور تمام مخلوقات کے آقا و مولیٰ اور ملجا و ماویٰ ہونے پر واضح روشنی پڑتی ہے۔ اس قصیدہ مبارکہ کے ترپّن اشعار ہیں۔[3] بعض خشک لوگ اس قصیدہ کی نسبت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تسلیم نہیں کرتے مگر الحمدللہ قفل ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ دیوبندی مکتبۂ فکر کے مشہور مدرسہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (صوبہ سرحد) کے ایک فاضل مولانا عبدالقیوم حقانی نے اپنی کتاب "امام اعظم ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات" کے صفحہ ۸۳، ۸۴ پر اس قصیدہ کے سولہ اشعار نقل کئے ہیں اور ساتھ ترجمہ بھی۔ اس کتاب کا پیش لفظ

مولانا سمیع الحق مدیر الحق اکوڑہ خٹک (پشاور) نے لکھا ہے۔ ؂۴

امام اعظم رضی اللہ عنہ:

بعض لوگ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو امام اعظم نہیں مانتے اور نہ لکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ امام اعظم تو فقط حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان لوگوں سے بعید نہیں عنقریب یہ لوگ حکومت سے بھی مطالبہ کر دیں کہ بانئ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کو کتابوں اور اخبارات میں قائد اعظم نہ لکھا جائے۔

ان کی جہالت کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مولوی نذیر حسین دہلوی کو متعدد کتابوں میں "شیخ الکل" لکھا ہے ؂۵ تو کیا اس سے یہ مراد ہے کہ مولوی نذیر احمد دہلوی معاذ اللہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی شیخ ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آئندہ لقب امام اعظم پر بھی اعتراض نہ کریں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کی جگہ کو آج بھی "الاعظمیہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے، تمام حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی حضرات اسی نام سے پکارتے ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مسجد شریف میں آج بھی اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے۔ اگر کسی کو یقین نہ ہو تو بغداد (عراق) میں جا کر یا کسی عزیز سے جو وہاں رہتا ہو پتہ کر کے تسلی کر سکتے ہیں۔ ؂۶

بعض لوگ آئمہ کرام کی تقلید سے تو انکار کرتے ہیں مگر ابن تیمیہ، ابن قیم اور قاضی شوکانی کے اقوال کی تقلید کرتے ہیں، چنانچہ نواب وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکے دار بنا رکھا ہے جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا، بس اس کے پیچھے پڑ گئے، برا بھلا کہنے لگے۔"

بھائیو! ذرا غور تو کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابوحنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑی، تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟ ؂۷

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فاذا كان جاهل فى بلاد الهند او بلاد ماوراء النهر وليس هناك عالم شافعى ولا مالكى ولا حنبلى ولا كتاب من كتب هذه المذهب وجب عليه ان يقلد لمذهب ابى حنيفة و يحرم عليه ان يخرج من مذهبه لانه حينئذ يخلع ربقة الشريعه و يبقى سدا مهملا[۸]

جب ہندوستان اور ماوراء النہر (تاجکستان، ازبکستان وغیرہ) کے شہروں میں کوئی بے علم شخص ہو اور وہاں کوئی شافعی، مالکی، حنبلی عالم نہ ہو اور ان مذاہب کی کوئی کتاب بھی نہ ہو تو اس پر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تقلید واجب ہے اور اس پر حرام ہے کہ امام کے مذہب کو ترک کرے، کیونکہ اس طرح وہ شریعت کا قلاوہ گلے سے اتار کر بے کار اور مہمل رہ جائے گا۔

اب غیر مقلدین خود انصاف کر لیں کہ قرآن وحدیث کے سمجھنے میں آئمہ مجتہدین سے ہماری کیا نسبت ہے، ان بے چاروں کو تو عربی بھی صحیح طرح سے نہیں آتی۔ قرآن وحدیث کا فہم تو دور کی بات ہے لہٰذا غصہ اور ضد کو چھوڑ کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کہا مان لیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کر لیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے تاثرات کا خلاصہ

حضرت داتا گنج بخش سیدی علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں۔

امام ال آئمہ، مقتدائے اہل سنت، شرف فقہائ، علماء سیدنا امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخزار رضی اللہ عنہ مجاہدات وعبادات میں نہایت ثابت قدم اور طریقت کے اصولوں میں

نہایت جلیل الشان عالم تھے، ابتدائے زمانہ میں آپ نے گوشہ نشینی کا قصد کیا اور لوگوں سے اجتناب ظاہر کیا اور چاہا کہ لوگوں کے ہجوم سے نکل جائیں اور یہ اس لئے تھا کہ لوگوں کے منصب و حشمت پانے سے دل کو پاک وصاف کر کے حق تعالیٰ کی راہ میں رات رات بھر کھڑے رہیں۔

ایک رات خواب میں دیکھا کہ رسول کریم ﷺ کی مبارک ہڈیوں کو جمع کر رہے ہیں اور بعض کو بعض سے چُن رہے ہیں، خواب کی اس ہیبت سے بیدار ہو گئے اور سخت پریشان ہوئے، آخر کار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک شاگرد اور علم تعبیر کے ماہر حضرت سیدنا محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے اور خواب بیان کیا۔ آپ نے کہا کہ گھبرائیے نہیں خواب مبارک ہے تم سید الانبیاء حضور نبی کریم ﷺ کا علم حاصل کر کے سنت کی حفاظت میں بلند مرتبہ پاؤ گے، بلکہ روایات سنت میں نقد و تنقیح کر کے تصرف کرنے کے مجاز ہو گے اور صحیح کو سقیم سے ممتاز کرو گے۔

دوسری مرتبہ پھر حضور نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا اے ابو حنیفہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری سنت زندہ کرنے کے لئے بنایا ہے، گوشہ نشینی کا عزم نہ کرو۔ چنانچہ آپ نے خدمت دین شروع کی اور بڑے بڑے جلیل القدر مشائخ حضرت شیخ ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ، حضرت شیخ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ، حضرت شیخ داؤد طائی رضی اللہ عنہ، حضرت شیخ بشر حافی بغدادی رضی اللہ عنہ نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ سبحان اللہ۔

ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور نے ارادہ کیا کہ حضرت امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری حضرت مسعر ابن کدام اور حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی ایک کو قاضی کے عہدہ پر فائز کیا جائے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ چاروں حضرات زبردست علماء میں سے تھے، خلیفہ نے ایک ملازم کو حکم دیا کہ ان چاروں علماء کو بلا لاؤ، جب ایلچی آیا تو یہ چاروں بزرگ حضرات روانہ ہوئے، جب جا رہے تھے تو راستہ میں امام ابو حنیفہ نے فرمایا میں آپ حضرات سے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں جو فراستہً میرے ذہن میں آئی ہیں، سب نے کہا آپ فرمائیں۔ امام ابو حنیفہ فرمانے لگے کہ میں تو کسی حیلہ سے اپنے آپ کو عہدہ قضاء سے بچا لوں گا مسعر بن کدام دیوانہ بن کر بچ جائیں گے، سفیان ثوری بھاگ جائیں گے اور شریح قاضی بن جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت سفیان ثوری راستہ ہی سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک کشتی میں سوار ہو کر کہنے لگے کہ مجھے چھپا لو حکومت میرا

سر کاٹنا چاہتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

من جعل قاضیاً فقد ذبح بغیر سکینیعنی — جو قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔

ملاح نے آپ کو چھپا دیا۔ باقی تینوں حضرات خلیفہ ابو جعفر کے دربار میں پہنچے۔

خلیفہ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ آپ منصب قضاء قبول فرمالیں، آپ نے فرمایا امیر المومنین میں عربی النسل نہیں ہوں بلکہ ان کے غلاموں میں سے ہوں، سادات عرب میرے حکم پر خوش نہ ہوں گے۔ ابو جعفر منصور نے کہا حضرت اس عہدہ کو نسب سے تعلق نہیں ہے۔ یہ عہدہ علم والے کو ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا میں اس کے لائق نہیں اگر میں یہ سچ کہہ رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ میں تو پھر اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں اور اگر یہ جھوٹ ہے تو جھوٹے آدمی کو مسلمانوں کا قاضی بنانا درست نہیں، آپ نے تو یہ کہہ کر عہدہ قضاء سے نجات پائی۔ اس کے بعد مسعر بن کدام رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو آپ خلیفہ ابو جعفر منصور کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے ابو جعفر تمہارا کیا حال ہے تمہارے بچے تو اچھے ہیں؟ ابو جعفر منصور نے یہ بے ربط کلام سن کر حکم دیا کہ یہ تو دیوانہ معلوم ہوتا ہے اسے نکال دو۔

اس کے بعد خلیفہ نے حضرت شریح رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ کو عہدہ قضاء پر آنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا میں سوداوی مزاج کا آدمی ہوں اور میرا دماغ بھی کمزور ہے۔ خلیفہ منصور نے کہا تم مزاج کے مطابق شربت اور شیرے سے علاج کرو تا کہ دماغی کمزوری دور ہو کر عقل کامل حاصل ہو۔ آخر منصب قضاء حضرت شریح کو دے دیا گیا۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت شریح کو چھوڑ دیا اور پھر کبھی ان سے کلام تک نہ کی۔

اس واقعہ سے آپ کا کمال دو صورت میں ظاہر ہے، ایک تو آپ کی پیش گوئی کی صداقت کہ جیسا فرمایا تھا ویسا ہوا، دوسرے اپنے آپ کو صحت و سلامتی پر اتنا قائم رکھا کہ جاہ و اعزاز خلقت کی پرواہ نہ کی۔

یہ حکایت اس امر کی قوی دلیل ہے کہ صحت و سلامتی کے لئے مخلوق سے کنارہ کشی بہتر ہے، حالانکہ آج علماء و فضلاء اس قسم کے عمل اور ورع و تقویٰ کی پروا نہیں کرتے۔ اس لئے کہ سب لالچ، خواہش و نفس پرستی کے ساتھ وابستہ ہیں اور راہ حق سے دور چلے گئے ہیں، ان کے لئے

امرا کے گھر قبلہ کی مانند ہیں، ظالم اہل حکومت کی بارگاہ بیت المعمور ہے اور جابروں کے دربار میں ان تک پہنچ جانا قاب قوسین او ادنی سے کم نہیں سمجھتے اور جو کچھ ان کی مرضی کے خلاف بات ہو اس سے یہ پہلے منکر ہو جاتے ہیں۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوفل بن حیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت ہے اور مخلوق حساب و کتاب کے مقام پر کھڑی ہے۔ میں نے دیکھا کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حوض کوثر کے کنارے جلوہ فرما ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں بائیں بہت سے مشائخ عظام کھڑے ہیں، انہیں میں ایک معمر بزرگ کو دیکھا کہ بہت خوبصورت ہیں اور سر کے بال سفید ہیں، انہوں نے اپنا رخسار مبارک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ مقدس پر رکھا ہوا ہے اور ان کے برابر حضرت نوفل بن حیان کھڑے ہیں، انہوں نے جیسے مجھے دیکھا تو میری طرف آئے اور سلام فرمایا، میں نے انہیں کہا مجھے پانی دیجئے، وہ فرمانے لگے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے لوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلی مبارک سے پانی دینے کا اشارہ فرمایا۔ میں نے پانی پیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا، مگر پیالہ سے پانی کم نہ ہوا۔ میں نے حضرت نوفل بن حیان سے پوچھا کہ یہ بزرگ سفید بالوں والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں جانب کھڑے ہیں کون ہیں؟ تو فرمایا یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں جانب جو کھڑے ہیں وہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، اسی طرح میں پوچھتا رہا اور اپنی انگلیوں پر گنتا رہا، حتیٰ کہ سولہ بزرگوں کو میں نے گنا۔ جب میں بیدار ہوا تو سولہ گرہ کی گنتی پر انگلی تھی۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیامت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہاں تلاش کروں، فرمایا ابوحنیفہ کے جھنڈے کے پاس۔

غرضیکہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی پارسائی اور تقویٰ میں اس کثرت سے مناقب ہیں کہ یہ کتاب (کشف المحجوب) ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

ایک بار میں (یعنی سیدی علی بن عثمان جلابی داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) ملک شام میں تھا اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مؤذن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار مبارک کے سرہانے سو رہا تھا، خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب بنی شیبہ سے تشریف لا

رہے ہیں اور ایک معمر بزرگ کو اپنے پہلو میں اس طرح لے رکھا ہے جیسے بچوں کو شفقت سے آغوش میں لیتے ہیں، میں فرطِ محبت سے دوڑا اور حضور اکرم ﷺ کے پائے اقدس کو چومنے لگا، میں حیران تھا کہ یہ بزرگ حضور ﷺ کے اتنے محبوب کون ہیں؟ حضور ﷺ میرے تعجب کو نورِ نبوت سے سمجھ گئے اور فرمایا یہ تیرے امام ہیں اور تیرے شہر کے لوگوں کے امام ہیں یعنی ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، مجھے اس خواب کے بعد اس ہستی پاک کے ساتھ امید قوی ہے اور میرے اہل شہر بھی بالخصوص امیدوار ہیں اور اس خواب سے میرا یہ خیال بھی صحیح ہو گیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ انہی پاک ہستیوں میں سے تھے جو اوصافِ طبع سے فانی اور احکامِ شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں، اس لئے کہ ان کے چلانے والے حضور ﷺ ہیں۔

تلخیص ماخوذ کشف المحجوب: (از سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ)

حوالہ جات:

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، مقدمہ کتاب "سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ" مطبوعہ دہلی ۱۹۹۱ء، ص: ۳۸۔۳۹

۲۔ امام شہاب الدین احمد حجر مکی، الخیرات الحسان، (اردو ترجمہ) مطبوعہ استنبول (ترکی) ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء، ص: ۱۶۶

۳۔ ترپن اشعار پر مشتمل قصیدہ نعمانیہ (عربی) الخیرات الحسان (اردو ترجمہ) مطبوعہ استنبول ترکی ۱۹۷۶ء، ص: ۱۹۴تا۲۰۰ پر اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۴۔ عبدالقیوم حقانی، امام اعظم ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات، مطبوعہ اکوڑہ خٹک (پشاور) ۱۹۸۸ء، ص: ۸۳۔۸۴

۵۔ احسان الٰہی ظہیر، البریلویہ (عربی) مطبوعہ لاہور، ص: ۳۷

۶۔ فتاویٰ نذیریہ، مطبوعہ اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور، ۱۹۷۱ء، ص: ۱

۷۔ محمد علی ظہوری، مضمون سفر سعادت، ماہنامہ منہاج القرآن لاہور، شمارہ اکتوبر ۱۹۸۸ء، ص: ۲۸۸

۸۔ محمد عبدالحلیم چشتی، حیات وحید الزماں، (بحوالہ وحید اللغات) مطبوعہ نور محمد کراچی، ص: ۱۰۲

۹۔ شاہ ولی محدث دہلوی، الانصاف (عربی) مطبوعہ مکتبہ ایشیق استنبول ترکی، ص: ۲۲

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی بیان

فرمودہ حکایاتِ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم

مولانا ضیاء اللہ قادری سیالکوٹی

دیوبندی حضرات کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی حضرات کے ہی حکیم الاسلام قاری محمد طیب لکھتے ہیں کہ:

تھانوی صاحب وفات سے تقریباً دو سال قبل دانت درست کرانے کے لئے لاہور تشریف لے گئے۔ تو واپسی سے ایک دن قبل لاہور کے قبرستان کی زیارت کے لئے بھی نکلے۔ سلاطین کی قبروں پر بھی گئے اور مساکین کی قبریں بھی دیکھیں فاتحہ پڑھی ایصال ثواب کہا۔ اس سلسلہ میں حضرت علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچ کر دیر تک مراقب رہے۔

وصل صاحب بگرامی ساتھ تھے۔ اور انہوں نے ہی یہ واقعہ مجھ سے تھانہ بھون میں بیان فرمایا تھا کہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے لوٹتے ہوئے فرمایا کہ بہت بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے ہزارہا ملائکہ کو ان کے سامنے صف بستہ دیکھا۔

سفرنامہ لاہور و لکھنؤ کے صفحہ ۵۰ پر جو مکتبہ اشرفیہ لاہور نے شائع کیا ہے اس میں لکھا ہے۔

(داتا صاحب) بہت بڑے شخص ہیں۔ عجیب رعب ہے۔ وفات کے بعد بھی سلطنت کر رہے ہیں۔ غیر مقلدین جو کہ اہل حدیث کہلاتے ہیں ان کے مجدد، شیخ الاسلام مولوی ثناء اللہ امرتسری ملقب سردار اہل حدیث نے بھی اخبار اہلحدیث امرتسر ۸ جنوری ۱۹۳۷ء کے شمارہ میں آپ کو داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کو مشاہدہ فرمانا:

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو کفار مکہ معظمہ میں سولی پر لٹکانے لگے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔

"وے راھمی دیدو با صحاب میگفت آنچہ یا اوھمے کردند وخدائے تعالیٰ حجاب از پیش چشم خبیب نیز برداشت تا وے ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را بدید و برو سلام گفت۔ سلام وے را خداوند تعالیٰ بگو غشی رسول صلی اللہ علیہ وسلم رسانید و جواب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مرخبیب را بشنوانید و دعا کرد تا روئے وے بقبلہ گشت"

آپ وہیں سے سب کچھ دیکھ رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ سب کچھ بتا رہے تھے۔ جو کفار حضرت خبیب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کر رہے تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں کے سامنے سے سارے حجاب اٹھا دیے۔ چنانچہ وہ بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں سلام پیش کئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اسلام کو اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جواب حضرت خبیب رحمۃ اللہ علیہ کو سنوایا آپ نے دعا فرمائی اور ان کا رخ قبلہ کی طرف ہوگیا۔

(کشف المحجوب فارسی ص ۱۹۷)

سبق:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے غلاموں کو مشاہدہ فرماتے ہیں اور ان کے حالات اور واقعات سے خوب آگاہ ہیں کہ وہ اپنے غلاموں کا سلام سنتے ہیں اور ان کو جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں نیز ان کے لئے دعا فرماتے ہیں۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ہزار درہم آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کمبل مبارک پر ڈالا۔ اور وہاں سے جب اٹھے تو سب تقسیم ہو چکے تھے۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ بھوک کی وجہ سے شکم اقدس پر پتھر بندھا ہوا تھا۔

(کشف المحجوب فارسی ص ۲۷۸۔۲۷۹)

سبق:

حضور پرنور رحمت عالمیاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور رحمت اپنی امت پر مثالی ہے۔ ایک مقام پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے مال سے ستر گنا زیادہ اپنی امت سے پیار ہے۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت، امام اہل سنت مجدد دین وملت امام الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

آتا ہے فقیروں پر انہیں پیار کچھ ایسا خود بھیک دیں اور خود ہی کہیں منگتے کا بھلا ہو

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دریائے رحمت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سائل نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی تھی وہ بکریوں سے بھر کر اسے عطا فرما دی۔ وہ اپنی قوم میں آیا اور کہا:

یا قوماہ مسلمان وید کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا کسے بخشید کہ از درویشے نترسد۔

اے میری قوم مسلمان ہو جاؤ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی عطا فرماتے ہیں کہ اپنے درویش کو ترسنے نہیں دیتے۔

(کشف المحجوب فارسی ص ۲۷۸)

سبق:

نبی پاک ﷺ کے جود و سخا کے اغیار بھی معترف تھے۔کلمہ پڑھ کر آپ کی عنایات اور عطا کے پر حیف صد حیف ہے میرے اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام اہل سنت، مجدد دین و ملت امام شاہ احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ نے خوب فرمایا ہے۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آتش پرست:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت کھانا نہیں کھاتے تھے۔جب تک کوئی مہمان نہ آ جائے ایک دفعہ تین دن گزر گئے۔کوئی مہمان نہ آیا۔اتفاق سے ایک آتش پرست آپ کے دروازے پر آ گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: تم کون ہو؟

مہمان: آتش پرست

حضرت ابراہیم علیہ السلام: چلے جاؤ میری مہمانی اور عزت افزائی کے لائق نہیں ہو۔تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رنجیدگی کا اظہار ہوا۔فرمایا جس شخص کی ستر سال تک میں نے پرورش کی ہے تم اسے ایک روٹی بھی نہ دے سکے۔(کشف المحجوب فارسی ص ۲۷۶)

سبق:

اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ وہ اپنے دشمن کو بھی رزق دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ناراضگی کا اظہار فرمانے میں حکمت تھی کہ اس آتش پرست کے اسلام قبول کرنے کا یہ واقعہ ذریعہ بننا تھا۔بعض روایات میں ہے کہ اس آتش پرست نے اللہ تعالیٰ کی یہ شان کریمی دیکھ کر آگ کی پوجا چھوڑی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور حقیقی معبود کی عبادت کرنے لگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لباس میں انوار و تجلیات:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس وقت آسمان پر اٹھائے گئے۔ تو آپ لباس صوفہ پہنے ہوئے تھے۔ ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ میں نے خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ اونی گڈری پہنے ہوئے تھے۔ اور اس کے اس پیوند سے ایک نور پھوٹ رہا ہے میں نے عرض کیا۔ یا حضرت آپ کے کپڑوں پر یہ انوار کیسے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔ میرے اضطرار اور بے قراری کے انوار ہیں جو میں بوقت ضرورت اپنے لباس کی بخیہ گری کے وقت برداشت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پیوند کاری کے دوران میری رنج و تکلیف کے ایک ایک لمحے کو نور میں تبدیل کر دیا ہے۔

سبق:

اللہ تعالیٰ اپنے مقبولوں کے صبر و رضا اور رنج و غم کو نور میں تبدیل فرما دیتا ہے جو ان کے درجات کی بلندی کی واضح نشانی ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام اور حضرت زلیخا:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت زلیخا کو اللہ تعالیٰ نے پھر شباب بخشا اور وہ مشرف باسلام ہوئیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی طرف ارادہ فرمایا تو زلیخا آپ سے بھاگتی تھیں۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اے زلیخا! من آں دلربای توام از بن چرا میگریزی؟

مگر دوستی من از دولت پاک شدست

میں تیرا وہی محبوب ہوں۔ مجھ سے کیوں بھاگتی ہے۔ تیرے دل میں میری محبت اور دوستی نہیں ہے؟ تو زلیخا نے کہا۔ قسم بخدا دوستی اور محبت قائم ہے بلکہ پہلے سے زیادہ ہے۔ لیکن مجھے اپنے معبودِ حقیقی کا پاس ادب ہے۔ جس دن میں نے آپ کی طرف خلوت چاہی تھی۔ وہاں ایک بت تھا۔ جو آپ نے نہیں دیکھا۔ اس کی دونوں آنکھیں اندھی تھیں۔ میں نے اس پر

پردہ ڈالا تاکہ بے ادبی نہ ہو اب جبکہ میرا معبود دانا و بینا ہے۔ بلا بصیر ہے اور بلا آلہ سب کچھ جانتا ہے۔ میں جس حال میں بھی ہوں وہ مجھے دیکھتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ۔ اس لئے تارک ادب ہونا نہیں چاہتی۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۲۹۲۔ ۲۹۳)

سبق:

مسلمان کا ہر وقت یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ یقین ہو تو ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ دریائے نیل کے نام حکمنامہ:

روایت ہے کہ عہد فاروقی میں دریائے نیل اپنی پرانی رسم کے مطابق خشک ہو گیا۔ اس لئے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ ہر سال ایک آراستہ خوبصورت لونڈی اس میں بھینٹ چڑھایا کرتے تھے۔ تو دریا جاری ہو جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا۔

اے آب اگر بخود ایستادہ ی عمر رواں مباش
اگر بفرمان خدا ئے ایستادہ ی عمر میگوید برو

اے پانی۔ اگر تو خود رکتا ہے تو ہرگز جاری نہ ہو۔ اور اگر خدا عزوجل کے حکم سے ٹھہرا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کہتا ہے کہ رواں ہو جا۔

چوں رقعہ اندر آب انداختند آب روان گشت

جب رقعہ دریا میں ڈالا گیا تو پانی فوراً جاری ہو گیا۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۱۷۹۔ ۱۹۰)

سبق:

اسلام غلط رسموں کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اور اس کے پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کا لحاظ کرنے والوں کا نباتات، جمادات بحر و بر بھی لحاظ کرتے ہیں اور ان کے احکامات اور ارشادات کی تعمیل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ

اعزاز عطا فرمایا ہے اور مسلمانوں کے دل ان کے ان اعزاز سے مطمئن ہوتے ہیں۔ تب ہی تو گورنر مصر اہالیان مصر کو ساتھ لے کر دریائے نیل کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا رقعہ دینے کے لئے گئے تھے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور قاتل:

ایک جوان مرد مدینہ طیبہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی غرض سے آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ میدان میں سر کے نیچے درہ رکھ کر سوئے ہوئے ہیں کہ اس نے اپنے دل میں خیال کیا۔

ایں ھمہ فتنہ اندرین جہاں از ینست وکشتنش بنزدیک من سخت آسان است۔

جہاں میں تمام فتنہ اس شخص سے ہے۔ اس کو قتل کرنا میرے نزدیک بہت آسان ہے۔

شمشیر برکشید در شید پدیدار آمدند وقصد وے کردند فریاد برآورد عمر رضی اللہ عنہ بیدار شد قصہ باوے بگفت و اسلام آورد۔

اس نے تلوار سونتی کہ اچانک دو شیر ظاہر ہوئے۔ جو اس جوان مرد پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر فریاد کرنے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے۔ ان سے سارا قصہ بیان کیا اور اسلام لے آیا۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۲۰۸)

سبق:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ مراد پیغمبر ہیں۔ دشمنان اسلام ان کے دشمن تھے۔ اور ان کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ مگر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر مقام پر کامیاب و کامران رہے۔ دشمن ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت اس انداز سے فرمائی کہ عقلیں دنگ رہ جاتی تھیں اور دشمن آتے مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام بن کر جاتے۔ جیسا اس واقع سے بھی واضح ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایثار پر اللہ تعالیٰ کا فخر فرمانا:

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نبی پاک ﷺ کے بستر مبارک پر سوئے اور ہجرت کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں گئے۔ اور مکہ سے باہر غار میں ٹھہرے۔ اس رات کفار کا ارادہ نبی پاک ﷺ کو شہید کرنے کا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام کو فرمایا۔ میں نے تمہارے مابین بھائی چارہ رکھا ہے اور تمہاری زندگی بھی ایک دوسرے سے دراز کی ہے۔

کیست از میان شما دو کہ ایثار کنندہ مر برادر خود رای برخود بزندگانی و مرگ مرخود را اختیار کند۔

بتاؤ تم میں سے کون ہے جو اپنے بھائی پر اپنی زندگی کا ایثار کرے اور مرنے کو تیار ہے۔ ہر دو خود را زندگانی اختیار کروند دونوں اپنی اپنی زندگی طلب کرنے لگ گئے۔

تو خداوند تعالیٰ نے جبریل و میکائیل علیہما السلام سے فرمایا۔

شرف علی ببنید و فضلش ہر خود کہ من میان دے و میان رسول خود برادرے دادم وے قتل و مرگ خود را اختیار کرد و جائے محمد ﷺ بخفت و جان فدائے او کرد و زندگانی بروے ایثار کرو بہلاک خود۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بزرگی اور شرافت کہ وہ تم سے بلند ہے۔ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول مقبول ﷺ کے مابین مواخات کی تھی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے قتل و مرگ کو قبول کر کے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خواب گاہ پر سو گئے اور اپنی جان ان پر فدا کر دی۔ اب تم دونوں جاؤ اور اس کی محافظت دشمنوں سے کرو۔

چنانچہ جبرائیل و میکائیل علیہما السلام حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی خدمت میں آئے۔ ایک سرہانے بیٹھ گیا اور ایک پائینتی کی طرف اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

سے زبان حال سے کہنے لگے۔

بخ بخ من مثلک یا ابن ابی طالب لان اللہ تعالیٰ یباھی بک علی ملائکتہ

زندہ باد اے علی ابن ابی طالب! تمہاری مثل اس ایثار میں کون ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ آپ کے اس ایثار کو ملائکہ میں پیش فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار فرما رہا ہے۔

آپ محو خواب ہیں۔ اس وقت یہ آیت کریم نازل ہوئی۔ جس میں حضرت مولانا کل کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان عظمت ظاہر ہے۔

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضاۃ اللہ واللہ روف بالعباد (پ۲ع۹)

اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہنے میں، اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

سبق:

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی عظمت رفعت اللہ تعالیٰ نے ملائکہ پر بھی واضح فرما دی۔ اور ان کی شان میں قرآن پاک کی آیت بھی نازل فرما دی وہ لوگ جو خارجی ذہن کے ہیں اور قرآن کے استدلال کے بڑے مدعی ہیں ان کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ نیز اس ہجرت کی رات کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بستر پر سلا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتماد تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان قربان کر دیں گے۔ مگر آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیں گے۔ تب ہی تو وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے جانے پر اور خود آپ کے بستر پر لیٹنے پر رضا کا اظہار فرمایا۔ یہ ہجرت کا واقعہ اور صدیق رضی اللہ عنہ کا ہمراہ جانا اور آپ کے ایثار کا تذکرہ شیعہ حضرات کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ بالخصوص حملہ حیدری جو کہ ان کے علامہ باذل کی کتاب ہے۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا اخلاق:

جنگل سے ایک اعرابی آیا۔ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما اس وقت کوفہ میں ایک مکان کے دروازہ پر تشریف فرما تھے۔ اس نے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے آپ کے آباؤ اجداد کی شان میں بھی گستاخی کے کلمات کہے۔ تو سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے بڑی طمانت اور سنجیدگی سے اسے فرمایا۔

تم مجھے بھوکے معلوم ہوتے ہو یا پیاسے یا تمہیں کوئی اذیت اور تکلیف پہنچی ہے تو اس کے جواب میں اور سخت کلام شروع کر دی۔ یہاں تک وہ بکنے لگا کہ۔

تو چنیں و مادر و پدرت چنیں وچنیں

تم ایسے تمہاری ماں اور باپ ایسے ایسے ہیں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے خادم کو حکم فرمایا کہ دینار کی ایک تھیلی لائے۔ وہ لایا تو آپ نے اس شخص کو تھیلی دے دی اور فرمایا اے اعرابی!

معذور دار کہ اندر خانہء ما بیش ازیں نمائندہ است والا ز تو دریغ نداشتی۔ — معذرت خواں ہوں کہ اس وقت میرے گھر میں یہی تھا۔ ورنہ اور کچھ بھی خدمت کرنے سے دریغ نہ تھا۔

اعرابی نے جب الفاظ سنے اور سخاوت دیکھی تو فوراً بولا۔

اشھد انك ابن رسول الله — میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی آپ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ہیں۔

من ایں جا بتجرت حلم تو آمدم — میں تو تمہاری حلم و کظم وغیظ کو آزمانے کے لیے آیا تھا۔

یہ صفت محققان مشائخ کی ہے کہ ان کی تعریف اور بد تعریف کرنا ان کے نزدیک ایک جیسا ہوتا ہے اور وہ لوگ سخت گوئی، درشت خوئی سے متغیر اور پریشان نہیں ہوتے۔

(کشف المحجوب فارسی ص ۶۲۔ ۶۳)

سبق:

اخلاق ایک بہترین ہتھیار ہے۔ نبی اکرم شفیع معظم ﷺ کے اخلاق سے متاثر ہو کر کئی کفار یہود اور نصاریٰ نے اسلام قبول کیا۔ آج اپنے اور بیگانے بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے نہیں اخلاق سے پھیلا ہے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نواسہ رسول ہیں۔ حسن اخلاق ان کو ودیعت ہوا ہے۔ آپ کے اخلاق کے تذکرے اغیاروں نے بھی اپنی کتابوں میں درج کیے ہیں۔ نیز سخاوت اور بے آسراؤں کا آسرا ان کے گھرانہ کی صفت ہے۔ آپ نے تو اپنے قاتل کو بھی معاف فرما دیا تھا۔ آپ نے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت بھی فرما دی تھی۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا درِ فیض:

ایک مرد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے پر آیا۔ اور سوال کیا۔ چار سو درہم اسے عطا فرما دیئے۔ اور گھر میں روتے ہوئے تشریف لے گئے۔ لوگوں نے عرض کیا؟ حضور رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا میں نے اس سائل سے دریافت کرنے میں غلطی کی۔ جس کی وجہ سے اسے سوال کرنا پڑا۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۲۷۸)

سبق:

خانوادہ نبوت کے درِ فیض و کرم سے کوئی بھی خالی نہیں گیا۔ یہ کریموں کا خاندان ہے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت، مجدد دین وملت امام الشاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا ہے۔

کیا بات ہے رضا چمنستانِ کرم کی زہرہؓ ہو کلی جس میں حسینؓ اور حسنؓ پھول

نعم الراکب:

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت پیغمبر ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ تو دیکھا آپ نے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو پشت انور پر سوار کیا ہوا ہے

ایک ڈوری اپنے دہن مبارک میں سے نکال کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مبارک میں دے رکھی ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ جس طرف ڈوری کھینچتے ہیں آپ اپنے گھٹنوں کے بل ادھر ہی تشریف لے جا رہے تھے۔ جب میں نے یہ انداز شفقت دیکھا تو عرض کیا۔ اے حسین رضی اللہ عنہ! آپ نے سواری تو بہت خوب پائی ہے تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

نعم الراکب ھو یا عمر رضی اللہ عنہ۔ اے عمر رضی اللہ عنہ! سوار بھی بہت اچھا ہے۔

(کشف المحجوب فارسی ص ۶۳)

سبق:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی۔ مندرجہ بالا روایت اس حقیقت کی عکاسی کر رہی ہے۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نعم الراکب فرمانا اس کی بین دلیل ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا ارشاد مبارک ہے۔

حسین رضی اللہ عنہ منی و انا من حسین رضی اللہ عنہ

کسی شاعر نے بھی خوب فرمایا ہے۔

کونین میں بلند ہے رتبہ حسین رضی اللہ عنہ کا فرش زمین سے عرش تک شہرہ حسین رضی اللہ عنہ کا

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی سخاوت:

ایک دن ایک شخص سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ اے پسر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں غریب و مفلس عیالدار ہوں میرے لئے آپ کی طرف سے آج رات کے کھانے کا انتظام ہونا چاہیے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ ہمارا وظیفہ آ رہا ہے تو وہ تجھے دے دیں گے۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پانچ تھیلیاں دینار کی لائی گئیں اور ہر تھیلی میں ایک ایک ہزار دینار تھے۔ لانے والے نے کہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیغام ہے۔

از تو عذری خواہد و می گوید این قدر اندر وجہ کہتر ان صرف کن آپ سے معذرت خواہ ہیں کہ یہ دینار غرباء میں تقسیم فرما دیں۔ تو آپ نے وہ تھیلیاں

اسی سائل کو دے دیں۔

اور فرمایا:

پس دیر ماندے وایں بے خطر عطائے بود	تجھے انتظار میں ٹھہرنا پڑا۔ اگر اتنی سی رقم کا
کے یافتے واگر من دانستمی کہ ایں مقدار	مجھے گمان ہوتا تو تجھے اس قدر انتظار کی
است ترا انتظار نفرمودی۔	زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔

ہمیں معاف کرنا کہ ہم اہل بلاء سے ہیں اور ہم نے دنیاوی تمام آرام راحت سے انقطاع کر لیا ہے۔ اپنی تمام تمناؤں آرزوؤں کو ختم کر دیا ہے اور دوسروں کی تمنا پوری کرنے میں عمر وقف کر دی ہے۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۶۳۔۶۴)

سبق:

خانوادہ نبوت کا ہر فرد سخی اور بیکسوں کی پناہ گار ہے۔ ان کے دروازے سے کوئی سائل بھی خالی نہیں گیا۔

ان کے در سے کوئی خالی جائے ہو سکتا نہیں　　ان کے دروازے کھلے ہیں ہر گدا کے واسطے

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی سخاوت کا تو یہ عالم ہے کہ اسلام کو اگر ان کے بچوں اور شہزادگان کی ضرورت پڑی تو آپ نے بھی قربان کر دیئے۔ اگر ان کے خون کی ضرورت پڑی تو وہ بھی پیش فرما دیا۔ اور آج دنیا کہتی ہے۔

شاہ است حسین رضی اللہ عنہ پادشاہ است حسین رضی اللہ عنہ
دین است حسین رضی اللہ عنہ دین پناہ است حسین رضی اللہ عنہ
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین رضی اللہ عنہ

نیز معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے تعلقات بہت بہتر تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو وظیفہ ارسال کرتے تھے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ قبول فرماتے تھے بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے دست اقدس سے غرباء اور مساکین میں مال تقسیم کراتے تھے۔

سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی شان وشوکت:

ہشام بن عبدالملک بن مروان ایک سال حج کے لئے آیا۔ اور طواف بیت اللہ سے فارغ ہو کر استلام حجر اسود کو چلا۔ مگر مخلوق کے ہجوم کی وجہ سے اسے راستہ نہ ملا تو دوسروں نے اس کے لئے کرسی لگا دی۔ اور وہ خطبہ دینے لگا اسی اثناء میں سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں تشریف لے آئے تو آپ کے رخ انور سے چاند کی طرح روشنی نکل رہی تھی اور رخسار مبارک نور تاباں تھا۔ اور لباس مبارک معطر کہ عطر بیزی سے راستہ مہک گیا۔

اول آپ نے طواف بیت اللہ فرمایا۔ پھر جب حجر اسود کے پاس پہنچے تو لوگوں نے آپ کو تشریف لاتے دیکھ کر فوراً تعظیماً راستہ چھوڑ دیا۔ آپ نے آسانی سے حجر اسود کو بوسہ دیا اور تشریف لے گئے۔ ہشام آپ کا وقار اور سطوت آنکھوں سے دیکھ رہا تھا تو ایک شامی نے ہشام سے پوچھا۔ یہ عزت و وقار والا کون ہے؟ تم امیر ہو مگر تجھے حجر اسود کا بوسہ دینے کے لئے لوگوں نے راستہ نہ دیا۔ مگر یہ نورانی حسن و جمال والا جب آیا تو لوگوں نے خود بخود راستہ دے دیا۔ ہشام اگرچہ جانتا ہے۔ مگر محض اس خیال سے کہ شامی لوگ انہیں پہچان کر ان سے عقیدت نہ رکھ لیں اور اس کی امارت میں فرق نہ آ جائے کہنے لگا میں نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہے اتفاقاً فرزدق شاعر وہاں کھڑا تھا اس نے فوراً کہا ہشام تو نہیں جانتا مگر میں انہیں خوب جانتا ہوں تو شامیوں نے کہا اے فرزدق! بتاؤ یہ کون ہیں؟ تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اس جاہ و جلال اور شان و شکوہ والا جوان کون ہے؟ تو فرزدق نے زبان حال سے آپ کے تعارف میں یہ مدحیہ اشعار سنائے۔

هذا الذی تعرف البطحا وطاته	یہ وہ ہستی ہے جس کے قدموں کی عزت سرزمین بطحا جانتی ہے۔
والحل یعرفه والبیت والحرم	اور ان کے منصب جلیل کو کعبہ جانتا ہے اور حل وحرم واقف ہے۔

هذا ابن خير عباد الله كلهم — یہ لختِ جگر ہے اس ہستی کا جو اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں سے افضل ہے۔

هذا التقى الطاهر العلم — یہ پرہیزگار پاکباز اور پاک باطن دنیا میں مشہور ہے۔

اس کی مثل اور ابیات فرزدق نے کہے اور اہل بیت علیہم الرضوان کی مدح اور تعریف اتنی فرمائی کہ ہشام غضبناک ہوگیا اور حکم دیا کہ اسے عسفان میں قید کر دیا جائے۔ عسفان مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان ایک مقام ہے جہاں ایک کنواں ہے اس میں قیدی بند کیے جاتے تھے۔

اس واقعہ کی خبر جب سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو بطور ہدیہ عطیہ بھیجے اور فرمایا اسے کہنا۔

مارا معذور دار که ما ممتحنا نیم و بیش ازیں چیزے معلوم ناداشتیم که بتو فرستادیمی — معذرت خواہ کہ ہم لوگ وقت امتحان اور ابتلا میں ہیں اس ہدیہ سے زائد اس وقت ہمارے پاس کچھ نہ تھا کہ زائد ارسال کرتے۔

فرزدق نے وہ درہم یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ حضور قسم بخدا! زر و سیم کے لالچ میں بادشاہ اور امراء کے دربار میں بہت کچھ کہہ چکا ہوں مگر وہ حقیقت نہ تھا۔

من ایں ابیات مر کفارت بعضے از آنرا گفت کہ از برائے خدائے و دوستی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و فرزندان ویرا — میں نے جو یہ قصیدہ کہا ہے محض اپنے گناہوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے پیارے فرزندوں کی محبت کے لیے کہا ہے۔

جب یہ پیغام سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ملا تو آپ نے فرمایا یہ درہم واپس لے جاؤ اس کو کہو۔

اگر مارا دوست داری پسند کہ ماہ باز گردیم بدان چیزے کے بداده باشیم و از ملک خود بیرون کردہ۔

اگر ہمیں دوست رکھتے ہو تو ایسا نہ کہو اس لیے کہ جو ہم چیز کسی کو عطا کر دیں وہ واپس نہیں لیا کرتے۔ تو فرذوق نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ عطیہ قبول کرلیا۔

(کشف المحجوب فارسی ص ۶۴ تا ۶۶)

سبق:

سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا جاہ جلال شان و سطوت سب پر آشکارہ تھا۔ ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور و جمال عیاں تھا۔ مگر حاسد حسد کی بنا پر اس کا اظہار نہ کرتے تھے۔

خانوادہ نبوت سے محبت الفت اور ان کی مدح سرائی دنیا اور آخرت میں بھلائی اور کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی بھی ہے۔ ان کی مداح سرائی کرنے والا یہاں بھی خوش حال ہے آخرت میں تو یقیناً اخروی نعمتوں سے مالا مال ہو گا۔ یہ گھرانہ اتنا سخی ہے کہ عطا کی ہوئی چیز واپس نہیں لیتا۔

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتے کا بھلا ہو

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور شیر:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ تشریف لے جا رہے تھے کہ جنگل میں آپ نے دیکھا کہ ایک گروہ رکا کھڑا ہے اور شیر نے ان کا راستہ روکا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر اس شیر کو فرمایا:

اے سگ! اگر از خدا فرمانے داری براں وگرنے مارا راہ دہ تا بگزریم۔ شیر برخاست و مراورا تواضع کرد و دور گذشت۔

او کتے اگر تو بحکم الٰہی راستہ روکے کھڑا ہے تو کھڑا رہ۔ ورنہ ہٹ جا۔ اور ہمیں راستہ دے تاکہ ہم گذر جائیں وہ شیر راستے سے ہٹ گیا۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۲۰۷)

سبق:

درندے بھی اولیاء اللہ کے تابع اور فرمانبردار ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے تو ہر چیز اس کے تابع ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور زہر:

عہد خلافت صدیقی میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سواد عراق میں تھے تو بادشاہ کی طرف سے ایک پہلوان جو تحفے لے کر آیا۔ اس میں ایک شیشی بھی تھی۔ جس میں سخت زہر تھا۔ اور کہا کہ اس سے زیادہ قیمتی چیز اس بادشاہ کے خزانے میں نہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ شیشی کھولی۔ اور اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر اس زہر کو ڈالا۔ اور بسم اللہ پڑھ کر منہ میں ڈال کر نگل لیا۔ آپ کو اس سے کچھ بھی تکلیف نہ ہوئی۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئے۔ اور اکثر راہ راست پر آ گئے۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۲۰۸)

سبق:

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کا خود محافظ ہوتا ہے۔ زہریلی چیز بھی ان پر کوئی اثر نہیں کرتی۔ ان کے وجود سے کئی گمراہ لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

مولانا روم علیہ الرحمۃ نے اسی لئے فرمایا ہے۔

گرچہ مانند در نوشتن شیر و شیر

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے مزار پر:

داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ شام میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے مزار پر سویا ہوا تھا کہ خواب دیکھا، میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بزرگ کو بچوں کی طرح شفقت و محبت سے اپنی بغل مبارک میں لئے باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لا

رہے ہیں۔ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں چومے۔
میں حیران تھا کہ یہ خوش قسمت کون بزرگ ہیں؟
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور باطن سے میرے دل کی کیفیت سے مطلع ہو گئے اور فرمایا۔
یہ تیرا امام ہے۔ اور تیرے ہی علاقے کا رہنے والا ہے۔
ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (رضی اللہ عنہ) (کشف المحجوب فارسی ص ۸۶)

سبق:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منظور نظر ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان پر نگاہ کرم ہے۔ ان کو امام کے لفظ سے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوازا ہے۔ اسی لیے حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق یہ القابات تحریر فرمائے ہیں۔

امام اماماں۔ مقتدائے خلقاں۔ شرف فقہاء وعز علماء

حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ حنفی ہیں۔ مقلد کو مشرک اور گمراہ کہنے والے خود مشرک اور گمراہ ہیں۔ ان کو اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ نیز معلوم ہوا کہ ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینا جائز ہے۔ یہ سجدہ اور شرک نہیں ہے اگر ناجائز اور حرام ہوتا تو سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرت علی ہجویری رضی اللہ عنہ کو منع فرماتے۔

بیماری کا علاج:

حضرت عمرو بن مکی رضی اللہ عنہ جب اصفہان تشریف لائے تو ایک نوجوان لڑکا آپ کی صحبت میں شامل ہوگیا۔ اس کا والد اس کو حضرت کی صحبت سے روکتا تھا۔ والد کی سختی کی وجہ سے وہ لڑکی بیمار ہوگیا۔ اور اس کی بیماری طول پکڑ گئی۔

ایک دن حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ فقراء کی جماعت کے ساتھ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ نوجوان نے اشارے سے حضرت کی خدمت میں قوال سے کچھ سنوانے کی عرض کی۔ تو آپ نے قوال کو حکم فرمایا۔ تو اس نے یہ شعر پڑھے۔

مالی مرضت فلم یعدنی عائد منکم و یمرض عبدکم فاعود

مجھے کیا ہے جب میں بیمار ہوا تو کسی نے آپ میں سے میری عیادت نہ کی۔ جب کہ آپ کا کوئی غلام بیمار ہوتا ہے تو میں اس کی بھی عیادت کرتا ہوں۔

یہ شعر سنتے ہی وہ لڑکا اٹھ بیٹھا اور اس کی بیماری کا زور اور غلبہ کم ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ کچھ اور سناؤ۔ تو قوال نے کہا۔

و اشد من مرضی علی صدودکم و صدود عبدکم علی شنید

میری مرض سے زیادہ سخت بات میرے لئے آپ کی خدمت میں حاضری کی رکاوٹ ہے اور میرے آپ سے یہ رکاوٹ مجھ پر بہت ہی سخت ہے۔

مریض کھڑا ہو گیا۔ اس کی مرض جاتی رہی۔

پدر وے را صحبت عمرو تسلیم کرد و از اں اندیشہ کہ مے بودش اندر دل توبہ کرد و آں نورس از بزرگان طریقت شد۔

اس لڑکے کے والد نے اسے حضرت عمرو علیہ الرحمۃ کی صحبت میں رہنے کی اجازت دے دی اور اپنے دل کی بدگمانی سے توبہ کی۔ اور یہ نوجوان آپ کے فیض صحبت سے طریقت کا بزرگ بنا۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۱۲۷)

سبق:

اولیاء اپنی نگاہ ولایت سے جان جاتے ہیں کہ ان کی فیض صحبت سے کون کامل بنے گا۔ پھر ان پر وہ توجہ فرماتے ہیں۔

نیز روحانی تعلق ایک ایسا تعلق ہے جب وہ خوراک نہ ملے تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے اس کا علاج جسمانی طبیبوں کے پاس نہیں ہوتا بلکہ روحانی طبیبوں کے پاس ہوتا ہے۔ مولانا عارف کھڑی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

عشق ازل دا قطرہ ازلی تیں میں دے دس ناہیں

زبان بند ہو جانا:

حضرت ابو الحسن سمنون رحمۃ اللہ علیہ کا جب بغداد شریف میں چرچا ہوا تو ہر شخص آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ غلام الخلیل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اس نے آپ کے متعلق کئی سازشیں اور الزامات تراشنے کی کوشش شروع کر دی۔

اتفاق سے ایک عورت حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی آپ نے اس عورت کو جھڑک دیا۔ وہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ آپ حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کو فرمائیں کہ وہ مجھے اپنے عقد میں قبول فرمالیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو عورت کی یہ بات ناگوار گزری آپ نے اس کو جھڑکا اور زجر و ملامت فرمائی۔

وہ عورت اتفاق سے غلام الخلیل کے ہتھے چڑھ گئی۔ اس نے اپنی ناکامی کا بدلہ لینے کے لئے حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ پر تہمت لگا دی غلام الخلیل نے اس کو خوب ہوا دی۔ اور خلیفہ وقت کو اتنا اکسایا کہ اس نے حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کے حکم کے لئے اس کو تیار کر لیا۔ جلاد آ گیا۔ جب خلیفہ نے حکم صادر کرنے کے لئے زبان کھولنا چاہی تو وہ بند ہو گئی۔ اور حکم نہ دے سکا۔

رات کو خواب میں خلیفہ کو متنبہ کیا گیا کہ حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کا قتل تیری حکومت کے زوال کا باعث ہے۔ دوسرے روز اس نے حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ سے معذرت کی اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۱۲۵)

سبق:

اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت اور دشمنی تباہی اور بربادی کا سبب ہوتا ہے مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

گر خدا خواہد پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں کند

درویش اور جیل:

ابومسلم مروزی کے دور حکومت میں ایک درویش کو چوری کے جھوٹے الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا۔ رات کے وقت ابومسلم خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا اے ابومسلم!

مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اس کا ایک دوست بے جرم تمہاری جیل میں ہے اٹھو اور اسی وقت اسے باہر نکالو۔

ابومسلم پھڑک اٹھا اور اسی وقت ننگے سر ننگے پاؤں قید خانہ کے دروازہ پر پہنچا۔ دروازہ کھلوایا اور درویش کو آزاد کیا۔ اس سے معافی مانگی اور کہا کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ۔ درویش نے کہا اے امیر!

کسے کہ چنیں خداوندی دارد کہ نیم شب ابومسلم را سروپا برہنہ از بستر گرم برانگیزد و بفرستد تا اورا از بلا ھا برھاند روا باشد کہ دیگرے سوال کند و حاجت خواہد

جس کا مالک آدھی رات کے وقت ابومسلم کو گرم بستر سے ننگے پاؤں اور ننگے سر اٹھا کے اسے مصیبت سے چھڑانے کے لئے بھیج سکتا ہے اسے کب لائق ہے کہ وہ دوسرے سے سوال کرے اور اپنی حاجت طلب کرے ابومسلم رونے لگا اور درویش چلا گیا۔

(کشف المحجوب فارسی ص ۳۱۳)

سبق:

اللہ تعالیٰ اپنے مقبولوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور ان کی عظمت و رفعت سے لوگوں کو آشنا کراتا ہے۔

غیب کے خزانے:

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ کے متعلق ہے کہ وہ بچپن میں اپنی

والدہ سے کچھ کھانے کو مانگتا تو وہ فرماتیں کہ اپنے رب سے مانگو۔

لڑکا محراب میں جا کر سجدہ کرتا۔ تو اس کی والدہ ماجدہ چپکے سے وہ چیز لا کر سامنے رکھ دیتی۔ لڑکے کو یہ علم نہ ہوتا کہ یہ چیز میری والدہ نے رکھی ہے۔ یہاں تک کہ لڑکے کو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت پڑ گئی۔

ایک دن بچہ مدرسہ سے گھر پہنچا تو والدہ گھر میں موجود نہ تھیں اس نے حسب عادت سر سجدہ میں رکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت کی چیز موجود کر دی۔ والدہ نے واپس آ کر یہ معاملہ دیکھا تو پوچھا بیٹا! یہ چیزیں کہاں سے آئی ہیں۔ اس نے کہا جہاں سے ہمیشہ آتی ہیں۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۳۱۷)

سبق:

اللہ تعالیٰ اپنے مقبولوں کی خواہش پوری فرماتا ہے۔ ان کے لئے غیب کے خزانے کھول دیتا ہے قرآن پاک میں ہے حضرت مریم علیہا السلام کے لئے بھی اللہ تعالیٰ غیب سے بے موسم کے پھل بھیجتا تھا۔

اس طرح کا واقعہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی کتابوں میں درج ہے۔

شریر بچہ:

ایک دن حضرت احمد بن حرب نیشا پوری رحمۃ اللہ علیہ نیشا پور کے امراء اور معززین کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ یہ لوگ سلام عرض کرنے کی خاطر حاضر ہوتے تھے۔ اتنے میں آپ کا بیٹا مستانہ انداز میں گاتا ہوا لاپرواہی کے ساتھ وہاں سے گزرا۔ اس کا انداز دیکھ کر سب پریشان ہوئے۔ حضرت شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جب احباب کی یہ پریشانی دیکھی تو فرمایا آپ لوگ کیوں پریشان ہیں؟ تو انہوں نے عرض کیا۔

حضرت! لڑکے نے آپ کا بھی لحاظ نہیں کیا۔

آپ نے فرمایا وہ معذور ہے۔ ایک رات ہمارے پاس ہمسائے کے گھر سے کھانا کھانے کی چیزیں آئی تھیں۔ وہ میں نے اور میری بیوی نے کھا لیں اسی رات کو مباشرت میں

اس لڑکے کا حمل ٹھہرا۔ اس رات نیند کے غلبے سے ہمارے اوراد اور وظائف بھی رہ گئے۔

صبح کو ہم نے ہمسائے سے معلوم کیا کہ کھانے کی چیزیں کہاں سے آئی تھیں تو معلوم ہوا کہ یہ چیزیں ایک شادی کی تقریب سے آئی تھیں۔ مزید جستجو سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں بادشاہ کے گھر سے آئی تھیں۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۳۱۹)

سبق:

مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی غذا میں حلال وحرام بلکہ مکروہات تک کا خیال رکھیں کھانے کی چیزوں میں ہدیہ اور تحفہ قبول کرنے میں بھی اس کا خیال رکھنا چاہئے۔ نیز ذکر الٰہی سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ان چیزوں میں بے احتیاطی اولاد پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے جو کہ دنیا و آخرت کی تباہی اور پریشانی کا باعث ہے۔

وقت کی اہمیت:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک درویش جنگل میں کیکر کے درخت کے نیچے سخت جگہ پر انتہائی تکلیف میں بیٹھا ہے۔ میں نے پوچھا میرے بھائی تم کہاں بیٹھے ہو؟ اس نے کہا مجھے وقت میسر تھا مگر اسی جگہ ضائع ہو گیا۔ اسی کے غم میں بیٹھا ہوں۔

میں نے پوچھا۔ کتنے عرصہ سے۔ اس نے کہا بارہ سال سے بیٹھا ہوں۔ پھر کہنے لگا۔ میرے لئے دعا کرو۔ کہ میری مراد پوری ہو یعنی کھویا ہوا وقت دوبارہ مل جائے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا۔ وہاں حج سے فارغ ہو کر میں نے اس کے لئے دعا کی۔ جو قبول ہوئی۔ اور اس کی مراد پوری ہو گئی۔ واپس آیا تو دیکھا کہ وہ بدستور اسی جگہ بیٹھا ہے پوچھا تمہارا وقت تو تمہیں مل گیا۔ اب کیوں بیٹھے ہو۔ کہنے لگا یہ وہ جگہ ہے جہاں مجھے وحشت اور پریشانی لاحق ہوئی تھی۔ اور اسی جگہ سے میری دولت گم ہوئی دوبارہ اسی جگہ ملی۔

دل نہیں چاہتا کہ اس جگہ کو چھوڑ کر جاؤں۔ اسی مٹی سے مجھے محبت ہو گئی ہے۔ آپ

مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور تشریف لے جائیں۔

میری تمنا ہے کہ مٹی اسی خاک سے ملے۔ تاکہ قیامت کے روز میں اس خاک سے سر اٹھاؤں۔ جہاں سے میری متاع گشتہ ملی جو میرے دل کا قبلہ ہے۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۳۲۱)

سبق:

مسلمان کی زندگی بڑی قیمتی ہے۔ اس کا ہر لمحہ قیمتی ہے۔ اس کو ضائع نہیں کرنا چاہئے اور جو وقت ضائع ہو گیا اس کا افسوس ہونا چاہیے۔ اور کوشش کرنی چاہئے کہ وہ ضائع شدہ وقت حاصل ہو جائے۔ یعنی رب کریم کی جو عنایات ہوتی تھیں اللہ تعالیٰ وہ بھی عنایت فرما دے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے مقبولوں سے دعائیں کرانی چاہئیں۔ نیز معلوم ہوا کہ اپنے نقصان کی تلافی کے لئے نفع اور فائدہ حاصل کرنے کے لئے بزرگوں سے دعائیں کرانا درست ہے۔

میرے داتا اور اقبال کا لاہور

(کچھ علمی باتیں)

سید محمد عبد اللہ شاہ قادری

لاہور (پنجاب پاکستان) میں ایسی دو عظیم شخصیات ہو گزری ہیں جن کا تذکرہ ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔ یوں ہی رہتی دنیا تک ان کے ناموں اور کارناموں کو قوم ہمیشہ یاد رکھے گی اور جنہیں فراموش کرنے کے باوجود بھی فراموش نہ کیا جا سکے گا۔

ان شخصیات پر اللہ تعالیٰ عزوجل شانہٗ اور اس کے حبیب مکرم آقا دو جہاں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے حد و حساب عنایات ہیں۔

ان شخصیات سے مراد:

تصوف کی دنیا کے شہنشاہ مخدوم الامم حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت، شاعر مشرق حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی شہرت بقا دوام تک رہے گی۔ حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے عالی عقیدت مند تھے انہوں نے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مقدور بھر روحانی فیض حاصل کیا۔ اس فیض کا ذکر حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر اپنے خاص دوستوں سے کیا کرتے تھے۔ جن کا تذکرہ محقق مصنفین نے اپنی تحریروں میں کیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت کا بھرپور اظہار ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ پر کتنی نظر عنایت تھی۔

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بھر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف "کشف المحجوب" کو حرز جان بنائے رکھا بہت استفادہ کیا اور اپنے ملنے والوں کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی ترغیب دیتے۔

میں (سید محمد عبداللہ قادری) نے حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی شعری تصنیف "اسرار خودی" کی شرح سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ اسرار خودی کی شرح، پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے کی ہے جو اس فن میں خوب مہارت رکھتے تھے اور شرح کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے جس میں وہ کافی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں اور نئی معلومات بھی فراہم کرتے ہیں۔

اسرار خودی کی شرح کے علاوہ میں نے نامور محقق و نقاد ماہر اقبالیات سید نور محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۵ نومبر ۱۹۹۶ء) مصنف اقبال کا آخری معرکہ، اقبال کے دینی اور سیاسی افکار، میلاد شریف اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون "علامہ اقبال کی صوفیائے عظام سے عقیدت" مشمولہ "اقبال ریویو" لاہور جنوری ۱۹۸۴ء سے بھی مستفید ہوا ہوں۔ مجھے (سید نور محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ چک نمبر ۱۵ شمالی ضلع منڈی بہاؤ الدین سے نسبت فرزندی ہے)۔

مجھے امید واثق ہے کہ "حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت" کا مطالعہ قارئین کے لیے اور راقم کے لیے باعث انبساط اور وسیلہ نجات بنے گا۔ ان شاء اللہ العزیز بجاہ سید المرسلین صلی الہ علیہ وآلہ وسلم۔

سید محمد عبداللہ قادری

☆☆☆

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تالیف "کشف المحجوب" کے دیباچہ میں حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی فخری ابن حکیم فقیر محمد چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ (۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء) تحریر فرماتے ہیں۔

"علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کی عظیم الشان دینی خدمات اور روحانی عظمت کو چند اشعار میں جو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ ان (علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ) ہی کا حصہ ہے۔ (۴) ذیل میں ان کے وجد آفرین اشعار ملاحظہ ہوں۔

سید ہجویر مخدوم اُمم — مرقد او پیر سنجر را حرم
بند ہائے کوہسار آساں گسیخت — در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق رضی اللہ عنہ از جمالش تازہ شد — حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبان عزت ام الکتاب — از نگاہش خانہ باطل خراب

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت صبح ما از مہر او تابندہ گشت (۵)

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شعری تصنیف "مثنوی اسرار خودی" میں حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ العزیز کی ایک حکایت بیان کی ہے اس حکایت میں اس نوجوان کا قصہ بیان کیا ہے جو مرد سے چل کر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا تھا اور حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دشمنوں کے ستم کی شکایت کی تھی جس پر شیخ موصوف نے اسے نصیحت فرمائی۔

راست می گویم عدو ہم یار تست ہستی او رونق بازار تست

معروف شارح پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے "اسرار خودی" کی شرح کرتے ہوئے بحث "یازدہم" میں ایک عنوان یوں مرتب کیا ہے۔

"اس نوجوان کی داستان جو مرو سے چل کر حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا تھا۔"

میں (سید محمد عبداللہ قادری ولد سید نور محمد قادری) چاہتا ہوں کہ اس بحث کو پورے کا پورا نقل کر دیا جائے۔ جو خالی از دلچسپی نہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ "بحث یازدہم" ص ۴۲۴ تا ص ۴۳۱ تک محیط ہے۔

تمہید:

اس فصل میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس نوجوان کی حکایت بیان کی ہے جو مرو سے چل کر حضرت سید علی ہجویری المقلب بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا تھا۔

اگرچہ مخدوم الملت حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور سلطان الہند حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ غایت مشہوریت کی بنا پر تعارف سے بے نیاز ہیں مگر حصول برکت و جلب سعادت کی غرض سے راقم الحروف ان کے تذکرے سے اپنی ناچیز تالیف کے اوراق کو مزین کرنا چاہتا ہے۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

(سعدی)

تذکرہ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ:

ابوالحسن کنیت ہے علی اسم گرامی ہے۔ غزنی کے قریب ہجویر نامی گاؤں میں ولادت ہوئی اس لیے ہجویری مشہور ہوئے۔ ظاہری تعلیم سے فراغت کے بعد باطنی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی۔ ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان کے حکم سے تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے لاہور تشریف لائے چند سال قیام کے بعد پھر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی وفات کے بعد پھر لاہور کو اپنے قدموں سے برکت بخشی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے مواعیظ حسنہ میں وہ تاثیر عطا فرمائی تھی کہ ان کی بدولت ہزاروں غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت کا معمول یہ تھا کہ صبح کو قرآن حکیم کا درس دیتے۔ پہر کو مبلغین اسلام کی ترتیب فرماتے تھے اور شام کو نماز مغرب کے بعد بھاٹی دروازہ کے باہر کھلے میدان میں وعظ کے پردہ میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ کم و بیش تیس سال تک سرزمین لاہور کو انوار اسلام سے منور کرنے کے بعد ۴۶۵ھ/ ۱۰۷۲ء میں رحلت فرمائی۔

چونکہ سردار ملک بمعنی بود سال رحلت بر آید از "سردار"

۴۶۵ھ

حضرت کی تصانیف میں سے کشف المحجوب بہت مشہور اور مقبول ہے۔ محبوب الٰہی سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ اگر کسی کو مرشد نہ ملتا ہو تو کشف المحجوب کا مطالعہ کرے۔ ان شاء اللہ اس کی برکت سے مرشد مل جائے گا۔

۱۹۱۴ء میں راقم الحروف (یوسف سلیم چشتی) سیہ کار اعتزال و فلسفہ کی سرحدوں سے گزر کر تشکیک و الحاد کی وادی میں قدم رکھ چکا تھا۔ لیکن کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مسلک عشق و محبت سے روشناس ہوا بعد از اں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ کی بدولت مرشد رومی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ تک رسائی ہو گئی۔

اگر کسی کو خالص اسلامی تصوف سے آگاہی مقصود ہو تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ ان شاء اللہ گوہر مراد ہاتھ آ جائے گا۔ مزید تفصیل کی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔

دوسرے مصرع میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی

طرف اشارہ کیا ہے حضرت موصوف چھٹی صدی ہجری میں بلدہ، سجستان میں پیدا ہوئے اسی لیے سنجری مشہور ہوئے۔ یہ لفظ کثرت استعمال سے سنجری بن گیا چنانچہ اقبال نے "پیر سنجر" ہی لکھا ہے۔

عنفوان شباب میں، محبت الٰہی دل میں موجزن ہوئی۔ چنانچہ وطن سے نکل کر عراق تشریف لائے اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا بیس سال تک غلاموں کی طرح اپنے مرشد کی خدمت کی، تب جا کر سند ارشاد و ہدایت پر فائز ہوئے (لیکن یہ پرانے زمانہ کی باتیں ہیں۔ عہد انگلش کی برکات میں سے ایک برکت یہ بھی ہے کہ آج کل مسند ارشاد پر فائز ہونے کے لیے کسی مرشد یا ہادی کی صحبت یا خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ محض اڈیٹری کی بدولت ایک مسلمان "صالح" بن سکتا ہے اس کے بعد جماعت بنا کر "امیر جماعت" کے عہدہ پر فائز ہو جاتا ہے اور امارت کے بعد ہدایت کا درجہ خود بخود حاصل ہو جاتا ہے)۔

منازل سلوک طے کر لینے کے بعد مرشد کی معیت میں حج کی سعادت حاصل کی جب مدینہ منورہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حضوری کی سعادت نصیب ہوئی تو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بشارت ملی کہ ہندوستان جا کر تبلیغ و اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دو اسی لیے حضرت کا لقب "سلطان الہند" ہے۔ کیونکہ اس اقلیم کی ولایت (بادشاہی) کا پروانہ خاص شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ سے صادر ہوا تھا اس وصفِ خاص میں ہندوستان کا کوئی روحانی پیشوا حضرت کا شریک نہیں ہے۔

یہ بشارت عظمیٰ پا کر حضرت اقدس عازم ہندوستان ہوئے اور براہ کابل و پشاور، وارد لاہور ہو کر حضرت مخدوم الامم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر معتکف ہوئے جب چلہ سے فارغ ہوئے تو ملتان تشریف لے گئے اور وہاں پانچ چھ سال قیام کر کے ہندی اور سنسکرت میں مہارت بہم پہنچائی تا کہ ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا فریضہ بوجوہ احسن انجام دے سکیں۔

ڈاکٹر آرنلڈ لکھتا ہے کہ خواجہ صاحب نے دلی سے اجمیر تک دوران سفر کم و بیش آٹھ سو ہندوؤں کو اسلام میں داخل کیا۔ ۱۰ محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر میں نزول اجلال فرمایا اور ستر سال تک کفرستان ہند کو نور اسلام سے منور کرنے کے بعد ۶ رجب ۶۳۲ھ کو رحلت فرمائی۔

حضرت کا آستانہ عالیہ گزشتہ سات سو سال سے مسلمانان ہند کی عقیدت کا مرکز بنا ہوا ہے اور بڑے بڑے سلاطین مثلاً اکبر اور شاہ جہان نے عقبہ عالیہ پر جبہ سائی کو اپنے لیے باعث

صد فخر و مباہات سمجھا ہے۔

حضرت کی ذات بابرکات، عاشقوں کے لئے راحت اور مسرت کا سب سے بڑا منبع ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اگر کسی کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہرہ اندوز ہونے کی آرزو ہو تو سرخیل عشاق، خواجہ خواجگان، سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کر کے تماشہ دیکھ لے جبھی تو حضرت گرامی ہوشیار پوری مرحوم نے یہ شعر لکھا ہے:

من بداماں معین الدین حسن دستے زدم سید من، ہادی من، خضر من، مولائے من

حکایات بیان کرنے سے قبل مرو کا مختصر حال بھی لکھ دوں تو مناسب ہے۔ واضح ہو کہ یہ تاریخ شہر خیوا سے ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر وادیٔ مرغاب میں واقع ہے اس شہر کو سکندر اعظم نے آباد کیا تھا۔ سلمانوں کے عہد عروج میں یہ شہر صوبہ خراسان میں شامل تھا اور کئی مرتبہ شاہان نے اس کو اپنا دارالحکومت بھی بنایا۔ لیکن ۱۷۸۶ء میں جب ازبکوں نے اس کو فتح کیا تو تباہ کر دیا چنانچہ آج تک اسے گذشتہ عظمت نصیب نہ ہو سکی۔ دلی کی طرح اس شہر کے آثار قدیمہ سینکڑوں میلوں کے رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ۱۸۸۳ء میں جب روسیوں نے ترکستان فتح کیا تو یہ شہر بھی ان کے قبضہ میں آ گیا اس وقت شہر کی آبادی ۲۰ ہزار سے کچھ زائد ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مخدوم الامم ہیں۔ ان کے مزار سے حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فیض حاصل کیا۔ انہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ کی۔

در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

جس طرح فاروق اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) نے اسلام کو دنیا میں آشکار کیا۔ حضرت کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے، کسی شخص کو مکہ میں اپنے اسلام کا اعلانیہ اظہار کرنے کی جرأت نہیں تھی چنانچہ فردوسی لکھتا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کرد اسلام را آشکار بہار است گیتی جو باغ و بہار

اسی طرح حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں اسلام کو آشکار کیا حضرت موصوف قرآن حکیم کی عزت کے محافظ تھے اور ان کی نگاہ کی تاثیر سے باطل مغلوب ہو گیا مختصر یہ ہے کہ۔

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت

ایک دن ایک نوجوان شہر مرو (ترکستان) سے چل کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں دشمنوں میں محصور ہو گیا ہوں۔ اندریں حالات مجھے زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھائیے۔

یہ سن کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جن کی ذات میں جمال کے ساتھ جلال کا رنگ بھی موجود تھا فرمایا کہ دشمنوں کا خوف اپنے دل سے بالکل نکال دو اور تمہارے اندر جو قوتیں خواب بزیدہ ہیں ان کو بیدار کرنے کا انتظام کرو یعنی اپنی خودی کو مستحکم کرلو دیکھو! اگر تم نے اپنے آپ کو کمزور ناتواں اور ضعیف تصور کرو گے تو رفتہ رفتہ ایسے ہی ہو جاؤ گے۔

سنگ چوں برخود گمان شیشہ کرد شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد

اے عزیز! تو اپنے آپ کو کمزور مت سمجھ۔ جو شخص اپنے آپ کو ناتواں سمجھتا ہے قانون قدرت یہ ہے کہ اس کے دل سے مدافعت اور مقابلہ کی طاقت سلب ہو جاتی ہے اور رہزن بآسانی اسے مغلوب کر لیتا ہے نیز تو اپنے آپ کو پانی اور مٹی سے مرکب مت سمجھ۔ تیرے اندر شعلۂ طور پوشیدہ ہے اس کو نمایاں کر دے تاکہ ایک دنیا تیرے سامنے سربسجود ہو جائے۔ تو دشمن کو دشمن سمجھتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ۔

راست می گویم عدو ہم یار تست ہستی او رونق بازار تست

دشمن بھی ایک رنگ میں تیرا دوست ہے کیونکہ اس کی بدولت تیری پوشیدہ قوتیں بروئے کار آ سکتی ہیں اگر دشمن نہ ہوتا تو ممکنات زندگی (فطری صلاحیتوں) کے اظہار کی کوئی صورت نہیں ہے اس لیے ۔

کشت انسان را عدو باشد سحاب

اے نوجوان! اگر تو ہمت سے کام لے تو راستہ کا پتھر پانی کی طرح تیرے سامنے سے ہٹ جائے گا۔ یاد رکھ! کھانا پینا اور سونا یہ تو حیوانوں کی زندگی ہے نہ کہ انسانوں کی جس انسان کی خودی محکم اور مستحکم نہ ہو اس کا وجود اور عدم دونوں یکساں ہیں۔

لیکن اگر تو اپنی خودی کو مستحکم کرے تو دشمنوں کی تو حقیقت ہی کیا ہے۔

تو اگر خواہی جہاں برہم کنی

تو ساری دنیا کا مقابلہ کر سکتا ہے اور بفضل خدا کامیاب ہو سکتا ہے۔ اے نوجوان! اگر تو اپنی خودی کی حفاظت سے غافل ہو جائے گا تو انجام کار فنا ہو جائے گا پس اگر تو بقاء (ابدی زندگی) کا آرزومند ہے تو اپنی خودی کو مستحکم کرلے۔

گر فنا خواہی زخود آزاد شو گر بقا خواہی بخود آباد شو

یہ شعر اس فصل کی روح رواں ہے کیونکہ اس میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سارا فلسفہ قلم بند کر دیا ہے۔ اے نوجوان! موت جو ایک عالمگیر حقیقت ہے، یہ فراق جان وتن کا نام نہیں ہے جیسا کہ عموماً لوگ سمجھتے ہیں دراصل موت خودی کی تربیت سے غافل ہونے کا نام ہے۔

نوٹ: علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر کا پہلا مصرعہ مرشد رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مشہور شعر سے مستعار لیا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن! نے قماش ونقرہ وفرزند وزن!

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

چیست مردن؟ از خودی غافل شدن تو چہ پنداری، فراق جان وتن

اے نوجوان! اگر تو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح اپنی خودی کو مستحکم کرے تو اسیری (غلامی) سے بادشاہی کے رتبہ کو پہنچ سکتا ہے یہ نصیحت جو حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے ہزار سال پہلے مرو کے نوجوان کو دی تھی۔

یہی نصیحت آج چودھویں صدی میں اقبال پاکستان کے نوجوانوں کو دے رہے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مخاطب ان کی طرف متوجہ تھا اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مخاطب سینما کی طرف متوجہ ہے۔ (۶)

"راوی" کے اقبال نمبر اپریل ۱۹۷۴ء میں میاں ایم اسلم (برادر میاں امیر الدین) اپنے ایک مضمون میں حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا یوں ذکر کرتے ہیں۔

"آپ (علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ حضرت گرامی آئے ہوئے تھے اور حسب دستور میرے پاس مقیم تھے۔ ایک روز ہم دونوں صبح صبح گھر سے نکل کر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کو چلے، بھاٹی دروازہ کے باہر ایک سفید ریش آدمی ہاتھ پھیلائے

بیٹھا تھا میری جیب میں ایک چونی تھی۔ میں نے وہ چونی اس کے ہاتھ پر رکھ دی لیکن اس نے چونی زمین پر پھینک دی اور ایک روپیہ مانگا۔ مانگنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ میرا قدم آگے کو نہ بڑھا میں نے گرامی صاحب سے کہا کہ آپ دربار کو چلیے میں آپ کے پیچھے پیچھے پہنچتا ہوں۔ گرامی صاحب نے کہا کہ وہ اسی جگہ میرا انتظار کریں گے۔ گھر دروازے کے قریب ہی تھا۔ میں نے گھر سے ایک روپیہ لیا اور واپس آ کر اس فقیر کو دے دیا۔ اس نے دعا دی پھر میں اور گرامی، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا پہنچے۔ یہاں ہم کچھ دیر ٹھہرے اور فاتحہ پڑھ کر گھر واپس لوٹ آئے۔ اسی روز میرے منشی طاہر نے مجھے پانچ سو روپے کا نوٹ دیا اور کہا کہ ایک مقدمے والا آیا تھا اور وہ یہ پانچ سو روپے آپ کی فیس دے گیا ہے۔ حضرت گرامی جو میرے پاس بیٹھے تھے۔ بولے ڈاکٹر صاحب لیجئے آپ کو ایک کے پانچ سو مل گئے۔" (۷)

"روزگار فقیر" کے مصنف فقیر سید وحید الدین، اپنے والد ماجد کی زبانی حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

"کل صبح میں اقبال کے ہاں گیا تو گویا میرے منتظر تھے۔ دیکھتے ہی کھل گئے اور کہا اچھا ہوا فقیر تم آ گئے۔ سنا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں آج کل کوئی بہت روشن ضمیر بزرگ قیام رکھتے ہیں۔ ان سے ایک سوال کا جواب چاہتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ جب مسلمانوں سے یہ وعدۂ ایزدی ہے کہ وہ اقوام عالم میں سرفراز اور سربلند ہوں گے تو آج کل یہ قوم اتنی ذلیل وخوار کیوں ہے اچھا ہے تم بھی ساتھ چلو، اکیلے زحمت کون کرے۔ میں نے حامی بھر لی اور چلنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے سفر کا فیصلہ ہوتے ہی انہوں (علامہ اقبال) نے علی بخش کو آواز دی اور کہا دیکھو ہم باہر جا رہے ہیں ذرا جلدی سے فقیر کے لئے حقہ بھر دو اور بھاگ کر کچھ سوڈا لیمن وغیرہ لے آؤ اس اہتمام میں حسب معمول جانے کتنا وقت نکل گیا۔ جب صبح سے دوپہر ہو گئی تو میں نے کہا بھئی اقبال تمہارا کہیں جانے کا ارادہ تو ہے نہیں یوں ہی وقت ضائع کر رہے ہو۔ میں تو اب گھر چلا! اقبال اس پر کچھ چونک سے پڑے اور کہا بھئی اب تو واقعی دھوپ تیز ہو گئی ہے۔ تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ لیکن یہ وعدہ کرو شام کو ضرور آؤ گے کچھ بھی ہو ہمیں ان بزرگ کے پاس ضرور جانا ہے میں وعدہ کر کے چلا آیا۔ پہر کو پھر پہنچا لیکن پھر اس طرح حقہ اور سوڈا لیمن میں دن ڈھل گیا۔

میں نے اقبال سے اس تساہل کا ذکر کیا تو اقبال بہت ہی انکساری سے کہنے لگے۔ بھئی اس دفعہ معاف کر دو صبح ضرور چلیں گے۔ اگلی صبح میں عمداً دیر سے پہنچا گیارہ بجے کا وقت ہو گا اقبال کو دیکھا تو ان کی عجیب کیفیت تھی رنگ زرد، چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ تفکر اور اضطراب کا یہ عالم کہ جیسے کوئی شدید سانحہ گزر گیا ہو۔ میں نے پوچھا خیر تو ہے کہنے لگے فقیر میرے قریب آ کر بیٹھو تو کہوں۔

آج صبح میں بیٹھا تھا کہ علی بخش نے آ کر اطلاع دی کہ کوئی درویش صورت آدمی ملنا چاہتا ہے تو میں نے کہا بلا لو اور ایک درویش صورت اجنبی میرے سامنے خاموش آ کھڑا ہوا۔ کچھ وقفہ کے بعد میں نے کہا فرمائیے۔ آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے۔ اجنبی بولا۔ ہاں تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے۔ میں تمہارے سوال کا جواب دینے آیا ہوں اور اس نے مثنوی کا یہ مشہور شعر پڑھا۔

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کاباداں کنند تو ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

کچھ پوچھو نہیں مجھ پر کیا گزر گئی۔ چند لمحوں کے لئے مجھے قطعی اپنے گرد و پیش کا احساس جاتا رہا۔ ذرا حواس ٹھکانے ہوئے تو بزرگ سے مخاطب ہونے کے لیے دوبارہ نظر اٹھائی لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا علی بخش کو ہر طرف دوڑایا لیکن کہیں سراغ نہ ملا۔" (۸)

آخری عمر میں تو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فنا فی الگنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہو کر رہ گئے تھے، ان دنوں میں ایک تو وہ "کشف المحجوب" کا بہ کثرت مطالعہ کرتے اور دوسرے ۱۹۳۶ء سے لے کر اس وقت تک جبکہ چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو گئے ہر روز صبح کی نماز اپنے ایک عزیز دوست ڈاکٹر نیاز احمد کی ہمراہی میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں ادا کرتے رہے اور معمول میں کبھی ناغہ نہ ہوا۔

ہاں اگر وہ لاہور سے باہر گئے ہوں تو علیحدہ بات ہے۔ ڈاکٹر نیاز احمد سابق ڈائریکٹر انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی پنجاب یونیورسٹی کی نواسی محترمہ شمائلہ امین صاحبہ اپنے ایک مضمون میں "علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے روزانہ کے معمولات میں حاضری درگاہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ" کا یوں تذکرہ کرتی ہیں اپنے نانا کی وساطت سے۔

نانا مرحوم ایک بات جس کا وہ خاص طور پر ذکر کرتے تھے وہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے لیے عقیدت تھی۔ ایک بار جب علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے جاوید منزل گئے تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ "کشف المحجوب" کا مطالعہ کر رہے تھے۔ نانا کو دیکھتے ہی پرنم آنکھوں سے بولے دیکھو ڈاکٹر نیاز یہ کتاب نہیں یہ تو گنجینہ معنی ہے کیا خوبصورت پیغام کتنے سادہ لفظوں میں دیا گیا مگر سمجھ نہیں آتی مسلمان اس قدر بے حس کیوں ہو گیا ہے۔ واللہ اگر ہم آج بھی داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصوف کی گہرائی اور گیرائی سمجھ لیں تو اسلام کو سمجھنے میں دقت ہی کچھ نہ رہ جاتی۔

نانا مرحوم کہتے ہیں ۲۲ فروری ۱۹۳۶ء سے لے کر نومبر ۱۹۳۷ء تک یہ دستور رہا کہ میں صبح تین بجے کا الارم لگا کر سوتا ۳ بجے گاڑی لے کر سیدھا جاوید منزل پہنچتا۔ پہلے ہی ہارن پر حضرت علامہ تشریف لے آتے۔ ہم دونوں نماز فجر داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں ادا کرتے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ قرآن کا نصف پارہ تلاوت کرتے اور اجالا ہونے پر میں انہیں ان کی اقامت گاہ پر چھوڑ کر واپس آتا اس معمول میں اندھیرے، سویرے، گرمی، سردی، برسات میں کبھی فرق نہیں پڑا نومبر ۱۹۳۷ء کے آغاز میں جوڑوں کے درد کے باعث چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے جس سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ (۹)

حضرت سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے پہنچے۔ جناب سید اسرار بخاری اپنی تالیف "حیات مغفور" میں یوں تذکرہ فرماتے ہیں (جو صفحہ ۶۲ تا ۶۴ تک پھیلا ہوا ہے) ملاحظہ فرمائیں:

"آپ (سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ) کو حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اور کلام سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا تقریباً سارا کلام اقبال زبانی یاد تھا۔ تحریر و تقریر میں اس کثرت سے حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار سناتے کہ لوگ حیران رہ جاتے، خلوت اور تنہائی میں بارہا آپ کو کلام اقبال ترنم سے پڑھتے اور مضطرب انداز میں روتے دیکھا گیا۔ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے انتہائی خواہش مند اور شائق تھے مگر اس کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو رہی تھی دوسری طرف دور دراز دیہاتی علاقے میں رہنے کی وجہ سے آپ کو اس بات کا قطعاً علم نہیں تھا کہ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دنیاوی رکھ رکھاؤ اور تکلفات کے برعکس انتہائی سادہ، درویشانہ بلکہ قلندرانہ طریقہ رائج تھا۔ ہر شخص کے لیے رات دن دروازہ کھلا تھا۔ کسی پیشگی اجازت یا وقت

مقرر کرنے کے مصنوعی طریقوں سے یہ عاشق رسول ﷺ بالکل ناآشنا تھا۔ لیکن چونکہ آخری دور میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ حضرت والا اپنے طور پر یہ سمجھتے تھے کہ نہ معلوم حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کے لیے کتنی تگ و دو کرنی پڑے گی۔

۱۹۳۶ء کے اواخر میں حضرت والا لاہور تشریف لے گئے ظہر کے وقت سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس کی زیارت کے لیے آستانہ عالیہ پہنچے آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جس شہر میں داخل ہوتے پہلے وہاں کے معروف بزرگوں کے مزارات پر حاضری دیتے۔ آپ نے مزار مبارک پر مراقبہ فرمایا تو دل میں غیبی تقاضا ہوا کہ ابھی ابھی علامہ اقبال کی خدمت میں جائیے۔ اس زمانے میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ جاوید منزل میں منتقل ہو چکے تھے۔ آپ (سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ) ایک خادم کے ہمراہ اسی وقت جاوید منزل کے لیے روانہ ہو پڑے۔

مغرب سے تقریباً آدھ گھنٹہ قبل آپ جاوید منزل پہنچے۔ جوں ہی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئے آپ نے دیکھا کہ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ برآمدے میں کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ آپ نزدیک ہوئے اور سوچنے لگے کہ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ سے کس طرح اپنا تعارف کراؤں۔ اتنے میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے خلاف معمول فرمایا، آئیے آئیے شاہ صاحب میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ یہ فرماتے ہوئے حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور ان کی آواز گلوگیر ہوگئی۔ حضرت مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ یہ معاملہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے کہ نہ میری جان نہ پہچان نہ پہلے سے وقت مقرر کیا ہے۔ میرے انتظار کے کیا معنی! اندر پہنچے تو کمرے کی سادگی دیکھ کر آپ متعجب ہوئے۔ بیٹھتے ہی حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے شاہ صاحب، کچھ سنائیے۔ حضرت والا نجی محافل میں یا کسی شخصیت کی خواہش پر کبھی کبھار انتہائی پُر سوز اور خوبصورت انداز میں مثنوی، نعتیہ کلام اور کافیاں پڑھتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار شروع کیے۔

سید و سرور محمدؐ نورِ جاں   مہتر و بہتر شفیع مجرماں

مہترین و بہترین انبیاء علیہم السلام   جز محمد ﷺ نیست در ارض و سما

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ انتہائی کیف و جذب کی

حالت میں تھے اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سچل سرمست فاروقی کی ایک کافی کے چند مصرع پڑھے تو حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا ضبط ٹوٹ گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت والا نے دریافت کیا کہ حضرت ذرا اس راز سے تو پردہ اٹھائیے کہ جان پہچان کے بغیر میرے انتظار اور تعارف میں کیا حکمت ہے۔

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "شاہ جی بات کچھ نہیں گزشتہ رات مجھے خواب میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی انہوں نے آپ کی شکل دکھاتے ہوئے مجھے فرمایا کہ مغرب کے وقت سلسلہ قادریہ کے ایک دردمند درویش کو تمہارے پاس بھجوا رہا ہوں۔ اس کا خیال رکھنا، آپ کی ٹوپی (مخصوص قادری ٹوپی) میرے لیے خاص نشانی تھی۔ آپ جوں ہی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئے ہیں میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ میں تو صبح سے آپ کے انتظار میں تھا اس کے بعد کچھ دیر وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں صوفیائے کرام کے مختلف سلاسل پر بات چل نکلی تو حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلسلہ قادریہ تمام سلاسل کا جامع سلسلہ ہے اور بالآخر یہی سلسلہ غالب آ جاتا ہے۔ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے بھی اسی سلسلہ سے فیض ملا ہے۔

محفل کے آخر میں حضرت والا نے علامہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میرے حق میں دعا کیجئے اس پر حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے اور فرمانے لگے کہ شاہ صاحب آپ ہی دعا فرمائیں۔ اس کے بعد آپ واپس آ گئے لیکن حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مختصر ملاقات کا ہمیشہ مزہ لے لے کر ذکر فرماتے اور اکثر اوقات آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔ بارہا آپ نے فرمایا کہ افسوس! ہماری قوم اقبال کو زندگی میں نہ پہچان سکی۔" (۱۰)

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص میاں علی بخش نے اپنی زندگی میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک ایسا ناقابل فراموش واقعہ دیکھا جسے میاں علی بخش عمر بھر یاد کرتے رہے۔ ایک دن نصف شب کا واقعہ ہے جس میں ایک بزرگ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے دوسرے بزرگ بازار میں لسی کی دکان لگائے بیٹھے تھے۔ یہ واقعہ بہت مشہور اور زبان زد عام ہے۔

مئی ۲۰۰۰ء کے ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ کراچی میں سید مہر علی کا ایک مضمون دریا

دل، شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں واقعہ نصف شب تحریر کیا ہے جو ادھورا چھوڑ دیا ہے۔ یہ نہیں بتا سکتے دونوں بزرگ کون تھے۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد عبد الستار خاں نیازی رحمۃ اللہ علیہ کو راوی لکھا ہے۔ میں (سید محمد عبداللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ) واقعہ کی تہہ تک جانا چاہتا ہوں کہ اصل واقعہ کیا ہے ہماری خوش قسمتی ہے کہ نیازی صاحب ہم میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ عزوجل شانہ انہیں صحت والی عمر عطا فرمائے بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت نیازی صاحب کی عمر تقریباً ۸۵ سال ہے۔

میں نے ۱۹ اگست ۲۰۰۰ء کو مولانا نیازی صاحب کو "واقعہ نصف شب" کے سلسلہ میں ایک خط بذریعہ جناب ظہور الدین خاں، مکتبہ رضویہ ۲/ ۲۴ سوڈی وال کالونی ملتان روڈ لاہور روانہ کیا۔ کیونکہ ظہور الدین صاحب کی مولانا نیازی صاحب سے پرانی نیازمندی ہے۔ اکثر و بیشتر ملاقات کرتے ہیں۔ مولانا کی کتاب "اتحاد بین المسلمین" بھی شائع کر چکے ہیں۔

اس تحریر کے وقت حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ زندہ تھے اب جبکہ وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔

راقم الحروف کے والد مکرم نامور محقق و نقاد ماہر اقبالیات سید نور محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ ۱۵ نومبر ۱۹۹۶ء) چک نمبر ۱۵ شمالی ضلع منڈی بہاؤ الدین اور راقم کے سے بھی ظہور الدین خاں کے دیریانہ علمی و ادبی مراسم ہیں الحمدللہ یہ تعلقات آج تک بڑی گرم جوشی سے قائم ہیں۔

جناب ظہور الدین خاں میرا خط لے کر مولانا نیازی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہیں میرا خط سنایا تو نیازی صاحب نے اپنی یادداشت کے مطابق اصل واقعہ لکھوا دیا۔ نیازی صاحب کا کہنا مستند ہے کیونکہ وہ ثقہ راوی ہیں۔

ظہور الدین خاں نے مجھے بذریعہ خط مورخہ ۱۸ اگست ۲۰۰۰ء جواب روانہ کیا ملاحظہ فرمائیں۔

۲/ ۲۴

سوڈی وال کالونی ملتان روڈ لاہور

برادرم سید محمد عبداللہ قادری زید مجدکم

سلام و رحمت

مولانا نیازی صاحب (محمد عبدالستار خاں) خوش قسمتی سے ان دنوں لاہور میں ہی تھے پچھلے دنوں نواب زادہ نصر اللہ خاں کی A.P.C کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ جونہی میں نے آپ (سید محمد عبداللہ قادری) کا معاملہ ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے فوراً واقعہ لکھوانا شروع کر دیا۔

احقر نے واقعہ آپ کے مرسلہ واقعہ کی پشت پر لکھنا شروع کر دیا۔ جلدی میں لکھا ہے امید ہے پڑھا جائے گا۔

گوجرانوالہ کے جس بزرگ نے واقعہ نیازی صاحب سے بیان کیا تھا۔ اس وقت زندہ نہیں ہیں اور ان کا نام بھی مولانا کو بھول گیا ہے۔ یاد نہیں آ رہا۔ ان کی اولاد بیٹے وغیرہ موجود ہیں۔

والسلام مع الاکرام

ظہور الدین

(واقعہ نصف شب کی کہانی مولانا نیازی صاحب کی زبانی)

اصل واقعہ:

گوجرانوالہ کے ایک بزرگ علی بخش کے پاس آئے اور کہا مجھے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے کچھ واقعات بتاؤ علی بخش نے جواب دیا کوئی بات ایسی نہیں رہ گئی جو مجھ سے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بیان نہ کی ہو حتیٰ کہ مجھے ان کے شب و روز خوراک کا حال بھی یاد ہے۔ ایسی کوئی بات یاد نہیں جو بیان نہ کی ہو اور آپ کو بتاؤں۔ جب اس بزرگ نے اصرار کیا تو علی بخش نے کہا۔ ہاں ایک واقعہ ایسا ہے جو پیش آیا مگر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفصیلات نہیں بتائیں۔

ایک روز وہ میری فدا کارانہ خدمت سے مسرور تھے اور مجھے کہا علی بخش بتاؤ تمہیں کیا دوں تا کہ تم خوش ہو جاؤ میں نے جواب دیا کہ جو معاملہ آپ کو ایک دن نصف شب کو پیش آیا تھا اور میں نے اس کے بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپ نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اب بتانا چاہتا ہوں مگر اس شرط کے ساتھ میرے حین حیات (عمر بھر) کسی کو نہ بتانا البتہ میری زندگی کے بعد بتا سکتے ہو۔

جس رات کا ذکر ہے وہ یوں ہے ایک روز نصف شب آپ (علامہ محمد اقبال) بستر پر لیٹے ہوئے بے حد بے چین اور مضطرب تھے دائیں بائیں پلٹتے تھے یکا یک آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور کوٹھی (میکلوڈ روڈ) کے باہر گیٹ کی طرف نکل گئے میں بھی پیچھے چلا گیا۔ اتنے میں ایک پاکیزہ بزرگ اندر داخل ہوئے ان کا لباس خوبصورت سفید تھا انہیں آپ نے پلنگ پر بٹھا دیا اور خود نیچے ان کے پاؤں میں بیٹھ گئے اور اس روحانی بزرگ کے پاؤں دبانے لگے اور اسی دوران علامہ نے ان سے پوچھا کہ آپ کے لیے کیا لاؤں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے دہی کی لسی بنا کر پلا دو۔ اس پر میں نے علی بخش کو کہا جگ لے کر جاؤ اور باہر سے لسی بنوا کر لے آؤ۔

میں (علی بخش) حیران تھا کہ اس وقت لسی کہاں سے حاصل کروں بھاٹی گیٹ جا کر مسلمان کی کسی دکان سے بنوا کر لے آؤں یا لاہور اسٹیشن جا کر کسی مسلمان سے بنوا کر لے آؤں۔ جونہی میں باہر نکلا تو کوٹھی کے سامنے ایک بازار دکھائی دیا۔ بازار میں مجھے ایک لسی والے کی دکان نظر آئی میں اس کے پاس چلا گیا اور اسے کہا کہ مجھے جگ میں لسی بنا کر دے دو اس نے جگ مجھ سے لیا جگ کو اچھی طرح دھویا اور پھر ایک دہی کی مُنگ (کونڈا) اٹھا کر اپنے گڑوے میں لسی بنا کر مجھے میرے جگ میں بھر کر دے دی۔

میں (علی بخش) نے اس کے پیسے پوچھے تو سفید ریش بزرگ دکاندار نے جواب دیا کہ علامہ محمد اقبال سے ہمارا حساب چلتا رہتا ہے تم لے جاؤ اور ان کو پیش کر دو میں جگ لے کر آیا تو حضرت علامہ کو پیش کر دیا۔ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گلاس بھر ان سفید ریش روحانی بزرگ کو پیش کیا انہوں نے پی لیا اور پھر دوسرا گلاس بھر کر دیا وہ بھی انہوں نے پی لیا جب تیسرا گلاس بھرا تو بزرگ نے فرمایا خود پی لو۔ کافی دیر تک علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بزرگ کے پاؤں دباتے رہے اور باتیں کرتے رہے کچھ دیر بعد وہ بزرگ اٹھ کھڑے ہوئے اور کوٹھی سے باہر نکلنے کے لیے چل دیے۔ علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ساتھ نکلے میں بھی ان کے پیچھے چلا گیا۔ کوٹھی سے باہر وہ بزرگ نکلے تو پھر غائب ہو گئے میں حیران کہ یہ کون ہیں کہاں چلے گئے اور پھر سامنے وہ دکاندار بھی نہ تھا جس نے مجھے لسی بنا کر دی تھی۔

میں نے پوچھا حضرت (علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ) یہ بزرگ کون تھے اور دکان پر بیٹھے سفید ریش بزرگ کون تھے۔

علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ان کے نام بتاتا ہوں لیکن میری زندگی میں کسی کو نہ بتانا۔ جو بزرگ کوٹھی میں تشریف لائے اور لسی پی وہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تھے اور جس بزرگ نے لسی بنا کر دی وہ داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

یہ سارا واقعہ گوجرانوالہ کے اس بزرگ کو علی بخش نے بتایا اور پھر گوجرانوالہ کے اس بزرگ نے یہ واقعہ مجھے (محمد عبدالستار خاں نیازی) کو بتایا۔

(مولانا) محمد عبدالستار خاں نیازی

تحریر: ظہور الدین خان ۱۸ اگست ۲۰۰۰ء (۱۱)

میرا مضمون "علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں" واقعہ نصف شب ماہ نامہ ضیائے حرم لاہور جنوری ۲۰۰۳ء مجلہ انوار رضا جوہر آباد، نیازی نمبر میں شائع ہوا تو حافظ آباد کے جناب مکرم محمد یوسف حضوری صاحب کی نظر سے گزرا تو انہوں نے از راہِ عنایت مجھے خط تحریر کیا خط کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

راقم الحروف (محمد یوسف حضوری) آپ (سید محمد عبداللہ قادری) کا تجسس دور کر رہا ہے۔ مولانا نیازی مرحوم ۱۲ اپریل ۱۹۸۷ء کو حافظ آباد تشریف لائے تھے وہ ڈاکٹر محمد حسین بھٹی چشتی گولڑوی (۳۱ مارچ ۱۹۸۷ء) کے ختم قل کی تقریب میں بیان فرما رہے تھے اس خطاب میں چونکہ ڈاکٹر بھٹی مرحوم کے ایصال ثواب کی بات تھی۔ اسی حوالہ سے مولانا نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت کا واقعہ، ڈاکٹر محمد حسین بھٹی کی زبانی سنایا تھا۔ راقم الحروف (محمد یوسف حضوری) نے ازاں بعد اسے روزنامہ مشرق لاہور کو ارسال کیا تھا۔ مضمون ۷ ۲ جون ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ بعد ازاں راجا رشید محمود نے ماہ نامہ "نعت" لاہور کے لیے کاپی منگوائی تھی۔ وہ گوجرانوالہ کی شخصیت ڈاکٹر محمد حسین بھٹی مرحوم ہی تھے۔ جس کا ذکر نیازی صاحب نے کیا کیونکہ حافظ آباد ۱۹۹۳ء سے قبل ضلع گوجرانوالہ کی تحصیل تھی اور مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی مرحوم کے مطابق اس واقعہ کے راوی، مندرجہ ذیل لوگ ہیں۔
علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ علی بخش رحمۃ اللہ علیہ (خادم خاص علامہ اقبال)

ڈاکٹر محمد حسین بھٹی حافظ آبادی اور مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳) جناب ظہور الدین خان صاحب ۲/۲۴ سوڈی وال کالونی ملتان روڈ لاہور نے ایک واقعہ حضرت

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تحریر کر کے راقم السطور کو روانہ کیا ہے۔

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی کتب بانگ درا وغیرہ کی کتابت معجز رقم خطاط استاد یگانہ عبدالمجید پروین رقم کرتے تھے۔ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مجموعوں (کلام) کی کتابت میں بھرپور دلچسپی لیتے تھے کیونکہ خراب کتابت شاعری کے حسن کو دھندلا دیتی ہے۔

اب واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ جناب ظہور الدین خاں کو پروین رقم، حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کی کتابت کیا کرتے تھے۔ جتنی کتابت کر لیتے تھے وہ میرے ہاتھ (ذریعہ) حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھجواتے تھے ان دنوں حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ منزل، گڑھی شاہو میں مقیم تھے۔ ایک دفعہ کسی وجہ سے میرے استاد، حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے ناراض ہو گئے اور حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں آئندہ آپ کا کام (کتابت) نہیں کروں گا۔ چند دنوں بعد میرے استاد مکرم پروین رقم نے مجھے بتایا کہ ایک روز خواب میں مجھے (پروین رقم) حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ملے اور مجھے فرمایا (ہدایت کی) پروین رقم علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کام نہیں چھوڑنا بلکہ کرتے رہنا۔

مجھے (ظہور الدین) خوشی محمد ناصر قادری مرحوم نے ایک اور واقعہ سنایا کہ جب میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کتابت لے کر جایا کرتا تھا تو ایک دن میں نے علی بخش خادم خاص حضرت علامہ سے پوچھا کہ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کو کتنی تنخواہ دیتے ہیں تو علی بخش نے جواب دیا جتنی ضرورت ہوتی ہے دے دیتے ہیں۔ (۱۳)

جناب خوشی محمد ناصر قادری کو ان کے استاد گرامی پروین رقم نے ضرور واقعہ سنایا ہوگا۔

روحانی تصرف تو موجود ہے اور ہر دور میں رہے گا بزرگ شخصیات کسی نہ کسی طرح حکم صادر فرماتے رہتے ہیں اگرچہ وہ لوگ ہم میں موجود نہیں ہیں ان کی توجہات برابر رہنمائی کرتی رہتی ہیں۔

جناب ظہور الدین خاں، مزید لکھتے ہیں کہ میں نے مذکورہ واقعہ آپ (سید محمد عبداللہ قادری) کے والد گرامی قدر نامور محقق و نقاد سید نور محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا تھا تو سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کسی وقت یہ واقعہ جناب خوشی محمد ناصر قادری صاحب کی قلم سے لکھوا لو میں اپنی سستی و کاہلی

کے باعث ایسا نہ کر سکا اب وہ ہم میں موجود نہیں ہیں۔ میں اس موضوع کو حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر پر ختم کرتا ہوں۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں　　محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اس شعر کا انگریزی میں ترجمہ مولانا محمد بخش مسلم (بی اے) نے یوں کیا ہے:

"Lips cannot disclose what is being observed by eyes. There will be most amazing and wonderful change in the world". (۱۴)

ماخذ:

(۱) ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی مئی ۱۹۷۴ء

(۲) ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور ص ۱۴ صفر المظفر ۱۴۰۸ء

(۳) مکتوب سردار عبد القیوم خان طارق سلطانپوری بنام سید محمد عبد اللہ قادری (راقم الحروف) ۲۷ جون ۲۰۰۰ء

(۴) تذکرہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ و تعارف کشف المحجوب، از حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۵، ناشر مصطفائی تحریک پاکستان لاہور جنوری ۲۰۰۰ء

(۵) کلیات اقبال حصہ فارسی اسرار و رموز ص ۵۲

(۶) شرح اسرار خودی از پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص ۴۲۴ تا ص ۴۳۱

(۷) "راوی" لاہور اقبال نمبر مضمون میاں ایم اسلم ص ۱۹ اپریل ۱۹۷۴ء

(۸) روزگار فقیر، فقیر سید وحید الدین طبع ششم لاہور ص ۳۲، ۳۳۔ ۱۹۶۶ء

(۹) روزنامہ نوائے وقت لاہور (اقبال نمبر) مضمون شمائلہ آمین (نواسی ڈاکٹر نیاز احمد) ۲۱ اپریل ۱۹۸۲ء

(۱۰) حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق چند نایاب تحریریں، مضمون سید نور محمد قادری ماہنامہ ضیائے حرم لاہور اپریل ۱۹۹۷ء

(۱۱) مکتوب ظہور الدین خاں ۲/۲۴ سوڈی وال کالونی ملتان روڈ لاہور بنام سید محمد عبد اللہ قادری محررہ ۱۸ اگست ۲۰۰۰ء

(۱۲) مکتوب جناب محمد یوسف حضوری بنام سید محمد عبد اللہ قادری محررہ ۵ جنوری ۲۰۰۲ء

(۱۳) مکتوب ظہور الدین خاں بنام سید محمد عبد اللہ قادری محررہ ۲۴ اگست ۲۰۰۰ء

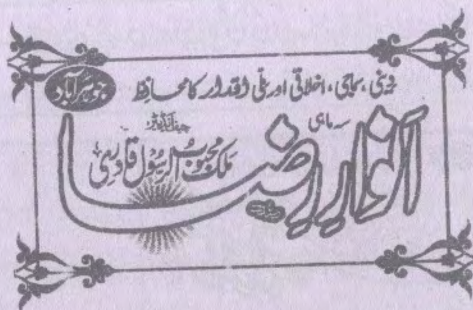
(۱۴) اقبال اے گریٹ مسلم مضمون مولانا محمد بخش مسلم، ماہنامہ رزم نو گجرات (حکیم الامت علامہ محمد اقبال نمبر) نومبر ۱۹۹۳ء

(۱۰)

بہارِ عقیدت

گنج بخش فیض عالم کیوں نہ ہوں داتا مرے ۔۔۔ مظہر جو دِ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں گنج بخش
کاشف محجوب اک تصنیف کو ہونا ہی تھا ۔۔۔ لکھنے والے جب امام الاتقیاء ہیں گنج بخش
ترجمانِ علم وحکمت، ناطق حق وصواب ۔۔۔ حق نیوش وحق نگر ہیں، حق نما ہیں گنج بخش

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)



حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر

حسن ترتیب

معارفِ کشف المحجوب۔۔۔ زبانِ شعر میں

راجا رشید محمود☆

اپنے مقالے "کشف المحجوب کے اردو تراجم اور ان کے مقدمات" میں راقم الحروف نے تراجم کے حوالے سے لکھا تھا:

"کسی زبان میں لکھی گئی کسی کتاب کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا جہاں بہت اہم کام ہے، خصوصاً کسی بہت اہم موضوع پر لکھی گئی کسی بنیادی کتاب کا، وہاں اس کے لیے مترجم میں جو صلاحیتیں لابدی اور ضروری ہیں وہ بہت کم مترجمین میں نظر آتی ہیں۔ اصل کتاب کی زبان پر مکمل عبور، اس کے موضوع پر عالمانہ اور منتہیانہ گرفت، تصنیفِ کتاب کے عہد کی زبان سے اور عہد بہ عہد اس میں دَر آنے والی تبدیلیوں سے پوری طرح واقفیت کے ساتھ ساتھ، ترجمے کی زبان پر مکمل دسترس کے بغیر ترجمہ، درحقیقت ترجمہ کہلانے کا حق ہی نہیں رکھتا۔ پھر اگر اصل کتاب کا کوئی ایک مصدقہ نسخہ ہی سامنے ہو تو اور بات ہے لیکن اگر مختلف حضرات کے لکھے ہوئے کئی نسخے سامنے ہوں تو بڑی حد تک درست متن کی تلاش اور تحقیق و تفحص کی اعلیٰ درجے کی صلاحیت اور مشق کے بغیر ترجمے کا حق کیسے ادا ہو گا۔ آج کل تو ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ترجمہ چھپ گیا ہے، مترجم کا نام بھی پیشانی پر جھلملا رہا ہے مگر مترجم کو نہ موضوع سے کوئی تعلق ہے، نہ نسخے کی زبان سے "صاحب سلامت" ہے اور نہ وہ اپنی زبان کے حُسن و قبح سے واقف ہے۔ جسے اردو تک صحیح نہیں آتی، وہ فارسی اور عربی کی کتابوں کا مترجم مشہور ہوا جا رہا ہے۔ جو حضرات کچھ پڑھے لکھے بھی ہیں، ان میں سے بھی بہت سے، مترجم کے تمام اوصاف سے بہ کمال متصف نہیں ہوتے۔ نیز چونکہ عہدِ موجود میں مطالعۂ کُتب کے لیے لوگوں کے پاس وقت ہی نہیں رہا اس لیے کسی کو پتا نہیں چلتا کہ مترجم جہاں خود کوئی بات سمجھنے سے قاصر رہا ہے، یا کوئی بات اس کے مسلک، مقصد

☆ عالمی شہرت یافتہ قادر الکلام نعت گو شاعر، جن کے چھ حمدیہ مجموعے (کلیات) اور ۵۸ نعت مجموعے چھپ چکے ہیں جبکہ ۱۳ نعتیہ مجموعے تشنۂ اشاعت ہیں۔

یا نقطہ ءنظر کے مطابق نہیں ہے، اسے چھوڑ چکا ہے، مصطلحات کا ترجمہ خاصا مشکل کام ہوتا ہے اور آج کے زیادہ تر "مترجمین" ترجمے کو آسان ترین کام سمجھ کر کرتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ چند ترجمے سامنے رکھ کر نیا ترجمہ "تخلیق" کر لینا بھی فن کا درجہ اختیار کرتا جارہا ہے۔"(۱)

جن حضرات نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی "کشف المحجوب" کے ترجمے کے کام میں ہاتھ نہیں ڈالا، انھیں یہ کہنے میں تردّد نہیں ہوا کہ "حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے کشف المحجوب کو تکلف اور تصنع سے بَری، آسان اور روزمرہ کی فارسی میں تحریر کیا ہے۔ اندازِ بیان ایسا صاف اور واضح ہے کہ مفہوم و معنٰی کے سمجھنے میں کہیں دِقت پیدا نہیں ہوتی۔"(۲)

جبکہ کپتان واحد بخش سیال کا کہنا ہے کہ:

"اس کتاب میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جو زبان استعمال فرمائی ہے، سعدی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی قدیم فارسی زبان سے ہٹ کر ملکِ خراسان کی زبان ہے، جس کا محاورہ سمجھنے میں کافی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس زمانے کے فنِ تحریر کے مطابق حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قافیہ سنجی سے بھی کام لیا ہے۔ جس کی وجہ سے کتاب کی عبارات بڑی حد تک منظوم نثر کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔"(۳)

اپنے محولہ بالا مقالے میں تراجم کے بارے میں راقم نے پروفیسر سجاد باقر رضوی، پروفیسر جیلانی کامران، پروفیسر سید خیال بخاری، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر عطش درانی اور ڈاکٹر سی اے قادر کے خیالات رقم کرنے کے بعد لکھا تھا کہ "پروفیسر محمد عبدالمجید یزدانی جنھوں نے بڑی حد تک تحقیق و تدقیق کے ساتھ، اپنی فارسی دانی اور اُردو دانی کی معیت میں ژوکوفسکی کے تصیح شدہ نسخہ کشف المحجوب کا ترجمہ کیا ہے، اس سلسلے میں پیش آمدہ مشکلات کا ذکر اپنے مقدمے میں یوں بیان کرتے ہیں:

"بقول ملک الشعراء بہار مرحوم، کشف المحجوب فارسی کے سبکِ قدیم کا ایک نادر نمونہ ہے اور دورِ سامانی کی نثر کے نزدیک تر ہے، اگرچہ اس سے بدرجہا بالاتر اور اصل تر ہے۔ تاہم اس میں کہنہ، غریب اور دقیق الفاظ، تراکیب اور اصطلاحات کی خاصی بھرمار ہے جن میں سے بعض کتبِ تصوف میں مستقل طور پر رواج پذیر ہو گئیں لیکن بعض کا شمار آج متروکات میں ہوتا ہے۔ چنانچہ نثر غیر مغلق ہونے کے باوجود بعض جگہ دشوار فہم ہو گئی ہے۔۔۔۔ بعض جگہ قرینہ سے

افعال کو حذف کرنے کا التزام پایا جاتا ہے اور بعض جگہ قرینہ تک بھی محذوف ہے۔ اس سے عبارت میں دلکشی پیدا ہو جاتی ہے لیکن ساتھ ہی ترجمہ میں دشواری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔"(۴)

مقالے کے آخر میں راقم نے اپنی رائے ظاہر کی تھی کہ "کشف المحجوب کا اردو ترجمہ کرنے میں جتنی ہمہ جہت کاوش محمد عبد المجید یزدانی کی ہے، اس کی تحسین کے بغیر بات نہیں بنتی۔"(۵)

حقیقت یہ ہے کہ یزدانی صاحب فارسی اور اُردو کے واقعی فاضل تھے، مگر اس سے بھی زیادہ تصوف ان کا موضوعِ مطالعہ بھی تھا، موضوعِ خامہ بھی۔ اور وہ اس حوالے سے اتنے "غالی" تھے کہ جہاں کسی نظم یا نثر پارے میں کسی اور کو تصوف کی کارفرمائی نظر نہیں آتی تھی، وہاں بھی ان کی تیز نظر اپنے اس موضوع کو تلاش کر لیتی تھی۔ یزدانی صاحب موصوف اور راقم الحروف، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ میں اردو کے ماہرین مضمون رہے۔ میں ان کے علم و فضل، تصوف اور زبانوں کے معاملے میں ان کی دیدہ ریزی اور ژرف نگاہی کا عینی شاہد ہوں اور میری شہادت ان کے ترجمہ کشف المحجوب "گنج مطلوب" اور ان کی گراں قدر تصنیف "گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت عالم" کی صورت میں اہلِ محبت کے سامنے ہے۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبان کے ادق مقامات سے وہ ترجمے کے حوالے سے جتنی کامیابی اور سبک روی سے کامیاب نکلے ہیں، جتنی دیدہ زیب اُردو زبان انہوں نے برتی ہے اور جس طرح تصوف کے معارف کو انہوں نے سمجھا اور نہایت کامیابی سے قارئین کو سمجھایا ہے، اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔

اپنے اس دعوے کی ایک دلیل کے طور پر میں یہ حقیقت بیان کرنا چاہتا ہوں کہ وہ "معارفِ کشف المحجوب" کو اساتذہ شعراءِ کرام کے اشعار میں بھی سامنے لائے ہیں۔ "تصنیف اور صاحبِ تصنیف" کے زیرِ عنوان اپنے مقدمے میں انہوں نے لکھا: "ایک خاص بات (جسے میں عاجزانہ فخر کے ساتھ اس ترجمے کی ایک خصوصیت بھی قرار دوں تو شاید بے جا نہ ہوگا) یہ ہے کہ کم و بیش ہر صفحے پر حسبِ حال اور حسبِ موقع اردو (اور کہیں کہیں فارسی) اشعار درج کر دیے گئے ہیں تاکہ مفہوم کی زیادہ سے زیادہ وضاحت ہو جائے، تاہم یہ اشعار حاشیے میں دیے گئے ہیں تاکہ اصل متن کی بے ادبی نہ ہو (ہر چند کہ اشعار کا استعمال یوں بھی بے ادبی میں شامل نہیں۔ خصوص

درآنحالیکہ مصنف محترم نے خود بھی جا بجا موقع ومحل کے مطابق استعمال کرنے میں کسی جھجک یا بخل سے کام نہیں لیا۔لیکن وہ سب کے سب عربی زبان میں ہیں۔ پوری کتاب میں صرف ایک شعر فارسی کا ہے۔) میں نے جن شعرا کے کلام سے حواشی کو مزین کیا ہے،ان میں خواجہ میر درد، میر تقی میر، غالب، آتش، اقبال، حالی، امیر مینائی، اصغر، فانی، جگر، مولانا روم، حافظ، جامی، سعدی، خسرو، ذوق اور ظفر وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔بعض دوسرے شاعروں کے کلام میں جہاں کوئی مطلب کا شعر نظر آیا، اسے مناسب مقام پر استعمال کیا گیا ہے۔"(۶)

یزدانی صاحب نے کتاب میں ۱۲۸۹، اشعار اور ۵۳ مصرعے حاشیے میں دیے ہیں۔ان سے ان کی تصوف اور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی اس تصنیف لاجواب سے گہرا لگاؤ واضح ہوتا ہے۔تصوف کو روح وجاں پر حاوی کیے بغیر نہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سمجھی جا سکتی ہے، نہ ایسی اُردو میں اس کے مطالب ومعانی بیان کیے جا سکتے ہیں جو معیاری ہو اور نہ معارفِ تصنیف کی مزید وضاحت کے لیے اہم شعراءِ کرام کے اشعار، ترجمے کے حاشیے میں جمع کیے جا سکتے ہیں۔

تیرہ سو کے قریب اشعار میں سے چند "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔حضرت ابوالحسن علی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ سوالات درج کرنے کے بعد، جواب کی ابتدا میں فرمایا:

"اب اس کے جواب میں مَیں علی بن عثمان جلابی (اللہ اس پر رحم کرے) عرض پرداز ہے کہ ہمارے اس دور میں سچ پوچھو تو علم تصوف ایک قصہ پارینہ بن چکا ہے۔خصوصاً ہمارے ملک میں جہاں تمام لوگ حرص وہوا میں گرفتار ہیں اور رضائے الٰہی سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور علمائے وقت اور دین کے نام نہاد دعویداروں نے اس سلسلے میں جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے وہ اس کی اصلیت وحقیقت سے کوسوں دُور ہے۔"(۷)

یزدانی صاحب نے حاشیے میں میر تقی میر کا یہ شعر درج کیا ہے:

بت پرستی کو تو اسلام نہیں کہتے ہیں   معتقد کون ہے میر ایسی مسلمانی کا

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے زمانے کی کج روی کے ذکر میں فرمایا:

"اہلِ حقیقت کے بادشاہ برہان وتحقیق کے پیشوا اور معارف ومعانی کے امام، ابوبکر

واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ: ہمیں ایسے زمانے میں گرفتارِ ابتلا کیا گیا ہے کہ آداب اسلام، اخلاق جاہلیت اور مروّت و اخوت کی باتیں یکسر مفقود ہیں۔" (۸)

حاشیے میں میر ہی یوں بولتے دکھائی دیتے ہیں:

جہاں کو فتنہ سے خالی کبھی نہیں پایا ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا

کشف المحجوب کی فارسی کا اُردو پَرتو یہ ہے:

"یہ جان لو! مَیں اس عالم کون ومکان کے بارے میں جو کچھ سمجھ سکا ہوں، وہ یہ ہے کہ یہ جہان خداوند کریم کے بعض اسرار کا محل، موجودات اس کے جائے امانت اور مخلوقات اس کے لطیف رموز کی مظہر ہیں، اور جواہر، اعراض، عناصرِ اربعہ، اجرامِ فلکی، اجسامِ اراضی اور طبائع گوناگوں سب ان اسرار و رموز کے پردے ہیں۔" (۹)

شعر کی زبان میں یہ پردہ یوں اٹھایا گیا:

جلوہ ہے اسی کا سب گلشن میں زمانے کے گل پھول کو ہے ان نے پردہ سا بنا رکھا

"اثباتِ علم" کے باب میں تھا:

"حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک پتھر سرِ راہ پڑا ہوا پایا جس پر یہ لفظ لکھے ہوئے تھے "مجھے الٹاؤ اور پھر پڑھو"! ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے الٹایا اور دیکھا کہ یہ عبارت اس پر لکھی ہوئی ہے: "تُو معلوم شدہ چیز پر تو عمل کرتا نہیں، پھر اس چیز کا متلاشی کیوں کر ہے جس کا تجھے علم ہی نہیں" یعنی جب تو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو ناممکن ہے کہ نامعلوم کو تلاش کر سکے۔ پس اس پر عمل کر، جو کچھ کہ تو جانتا ہے تاکہ اس کی برکت سے تجھے وہ بھی معلوم ہو جائے جو تجھے معلوم نہیں اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ علما غور و فکر کرتے ہیں اور جاہلوں کا کام صرف روایتیں بیان کرنا ہے، اس لیے کہ جہالت کے لوازمات علما کے ہاں نہیں ہوتے۔" (۱۰)

شعر کی زبان تائید میں یوں کھلی۔

شیخی کا ادب کمال ہے کچھ اور حال ہے اور قال ہے کچھ اور

"ملاحدہ کا عقیدہ و مذہب" کے ضمن میں کشف المحجوب کے آئینے "گنجِ مطلوب" میں یوں نظر آتا ہے:

"ان (ملاحدہ) کا نظریہ تمام اہلِ طریقت کے خلاف ہے۔ لیکن ان کا قول جب عام لوگوں نے سنا (کہ کسی بھی چیز کا صحیح علم ہو ہی نہیں سکتا بلکہ علم کا بذاتِ خود وجود ہی نہیں ہے) تو وہ اس پر عمل کرنے لگے اور کہنا شروع کر دیا کہ تمام صوفیا کا یہی مذہب ہے اور ان کا طریقہ ہے تو یہی ہے، یہاں تک کہ اعتقاد میں تشویش اور پراگندگی پیدا ہو گئی اور حق و باطل میں امتیاز کرنا بھی ان کے لیے ممکن نہ رہا۔ لہٰذا ہم نے تو یہ معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا کہ اگر انہیں گمراہی مرغوب ہے تو اسی میں گرفتار رہیں۔ اگر انہیں دین کے گریبان گیر ہونے کا خوف ہوتا تو تصوف کی یہ گت نہ بناتے۔ اگر ان کا عمل اس سے بہتر ہوتا تو وہ رعایتِ احکام کو یوں ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور دوستانِ حق (صوفیاء و اولیاء کرام) کو اس نگاہ سے نہ دیکھتے اور اپنے اوقاتِ عزیز کو اس سے عمدہ تر صورت میں گزارتے۔ پھر اگر ان ملحدوں کے کسی گروہ نے صوفیائے کرام سے تعلق قائم کر لیا ہے کہ دنیا کے مصائب و آلام سے نجات مل جائے اور ان کے سایہ عزت میں چین سے زندگی بسر کرنے کا موقع مل جائے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ صوفیائے برحق کو بھی انہی ملاحدہ کا ہم مسلک تصور کیا جائے اور ان کے ساتھ کھلے بندوں جھگڑے شروع کر دیے جائیں اور ان کی قدر و منزلت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے مرتبے سے گرانے کی کوشش روا رکھیں۔ اس قسم کے مدعیانِ علم میں سے ایک کے ساتھ مناظرے کا اتفاق خود مجھے ایک مرتبہ ہو چکا ہے جو غرور و تکبر کو شانِ علم تصور کرتا تھا اور غلامی نفس کو سنتِ رسول ﷺ سمجھتا تھا اور شیطان دوستی جس کے نزدیک سیرتِ ائمہ کے مترادف تھی۔" (۱۱)

یہاں حاشیے میں یہ شعر نظر آتا ہے:

زاہدا شرکِ خفی کی بھی خبر تک لینا　　ساتھ ہر دانۂ تسبیح کے، زنار بھی ہے

حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

"دورانِ مناظرہ کہنے لگا کہ ملحدوں کے بارہ گروہ ہیں اور انہی میں سے ایک گروہ صوفیوں کا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر ایک گروہ ان کا ہے تو باقی گیارہ گویا تمہارے ہیں۔ لیکن وہ ایک گروہ ہوتے ہوئے بھی اپنی حفاظت اس عمدگی سے کر سکتے ہیں کہ تم گیارہ مل کر بھی نہیں کر سکتے۔" (۱۲) یعنی:

حاشیہ:

بلبل غزل سرائی آگے ہمارے مت کر سب ہم سے سیکھتے ہیں انداز گفتگو کا

اصل تحریر یوں جاری ہے:

"لیکن یہ سب کچھ ہو اس لیے رہا ہے کہ زمانے میں جو فتنے اور خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کا نتیجہ ایسی ہی آفتوں کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے اولیاء کو ہمیشہ پوشیدہ رکھا ہے اور اس قوم کے اندر رکھتے ہوئے بھی انہیں اس سے دور رکھا اور پیروں کے پیر، ارادت مندوں کے آفتاب، علی بن بندار صیرفی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے کہ "دلوں کی خرابی زمانہ اور اہلِ زمانہ کی خرابی کے مطابق ہوتی ہے۔" (۱۳)

حاشیہ:

خرابی دل کی اس حد ہے کہ پہچانا نہیں جاتا کہ آبادی بھی تھی یاں یا کہ ویرانہ ہے مدت کا

فصل "اقوالِ مشائخ وصوفیاء" میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ:

"جو شخص علمِ توحید کو محض لفظی و زبانی طور پر کافی سمجھتے ہوئے عملاً زہد وتقویٰ اختیار نہیں کرتا، وہ زندیق ہے اور جو شخص پرہیزگاری کے بغیر علم فقہ کو کافی سمجھے وہ فاسق ہے۔" یعنی جو کوئی علمِ توحید کی عبارت پر اکتفا کرتا ہے اور اس کے اضداد کو عملاً ترک نہیں کرتا، زندیق کہلانے کا مستحق ہے: (۱۴)

حاشیہ:

ہر کہ او را قوتِ تخلیق نیست نزدِ ما جز کافر و زندیق نیست

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اور جو شخص پرہیزگاری کو شیوہ بنائے بغیر شریعت وفقہ کا عالم ہونے کا دعویٰ کرے، وہ فاسق ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ عمل ومجاہدہ کے بغیر توحید پر اعتقاد محض جبر ہے اور حقیقی موحد وہی ہے جو قول میں جبری اور فعل میں قدری ہو۔

حاشیہ از یزدانی: یہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا قابل ذکر اجتہاد ہے اور فکر وعمل

میں توازن کی انتہائی قابلِ عمل صورت ہے۔ اس نظریے پر کار بند ہونے سے یہ کہنے کی نوبت نہیں آسکتی کہ:

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی چاہتے ہیں، سو آپ کرے ہیں، ہم کو عبث بدنام کیا

تاکہ اس کا طریق جبر و قدر کے بین بین درست رہے۔

حاشیہ از یزدانی: یہ مندرجہ بالا حاشیے کی مزید تشریح ہے کہ نہ تو انسان خود کو مجبورِ محض سمجھ کر، ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے اور نہ اس مغالطے میں پڑے کہ اسے ہر فعل و معاملہ پر قدرت حاصل ہے بلکہ خدا کے سامنے خود کو عاجز و مجبور سمجھے لیکن دنیا کے سامنے خود کو قوت و عمل سے عاری ظاہر نہ کرے اور قوتِ عمل کو بروئے کار لائے کہ اس شعر کا مصداق بن جائے:

گفتند جہانِ ما آیا بہ تو می سازد؟ گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن

اور یہ حقیقت ہے کہ جو اس پیرِ طریقت (ابو بکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ) نے، خدا اسے غریقِ رحمت کرے، ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ توحید جبر کے نیچے اور قدر کے اوپر ہے:

حاشیہ:

وابستہ ہے ہمی سے گر جبر ہے و گر قدر مجبور ہیں تو ہم ہیں، مختار ہیں تو ہم ہیں

(میر درد)

"کشف المحجوب" کے دوسرے باب "فقر" میں ہے:

"اللہ تعالیٰ نے فقر کو بہت بلند مرتبہ و درجہ عطا فرمایا ہے اور فقرا کو اس سے مخصوص گردانا ہے، جنہوں نے اسبابِ ظاہری و باطنی کو ترک کر کے کلی طور پر اسی مسببِ حقیقی کی طرف اس حد تک رجوع کیا کہ ان کی ذات کے لیے باعثِ فخر بن گیا، اور اس سے جدا ہونا ان کے لیے باعثِ نالہ و فغاں اور اس سے ہمکنار رہنا موجبِ شادمانی و مسرت ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے اسی کیفیت کو سینے سے لگائے رکھا اور اس کے لوازمات و متعلقات کے علاوہ باقی ہر چیز کو ذلت کی نظر سے دیکھا۔" (۱۴)

حاشیہ:

دولتِ فقر کے حضور گرد ہے جاہِ سلطنت کہتے ہیں جس کو یاں ہما، اپنی نظر میں زاغ ہے

(درد)

"کشف المحجوب" کے، محمد عبدالمجید یزدانی کے عام فہم ترجمے میں فقر کی دو قسموں کی نشان دہی یوں ہوئی:

"فقر کی ایک رسم ہے اور ایک حقیقت۔ رسم سے مراد ظاہری مفلسی و اضطرار ہے اور حقیقت سے مراد خوش بختی و اختیار ہے۔ اب جس نے تو محض رسم کو دیکھا اور اسی پر قانع ہو بیٹھا (اس کے گمراہ ہونے کا خطرہ لاحق رہتا ہے کیونکہ) جب اس سے حصولِ مقصد میں کامیابی نہ ہو تو وہ حقیقت سے دور بھاگنے لگتا ہے اور جو حقیقت کو پالیتا ہے وہ جزئیات سے منہ موڑ کر اور کل میں فنا ہو کر بقائے کل کی طرف گام زن ہو جاتا ہے۔" (۱۵)

حاشیہ:

ہر جزو کل کے ساتھ بمعنی ہے اتصال دریا سے در جدا ہے، پہ ہے غرق آب میں

حضرت داتا گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا رحمۃ اللہ علیہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک درویش کی ملاقات کسی بادشاہ سے ہوگئی۔ بادشاہ نے کہا: اے درویش کوئی حاجت ہو تو بیان کر! درویش نے جواب دیا: میں اپنے غلاموں کے غلام سے کیا مانگوں؟ بادشاہ نے کہا: یہ کیونکر کہتے ہو؟ درویش نے کہا کہ حرصِ دنیا اور خواہش نفس دونوں میرے غلام ہیں اور تُو ان کا غلام ہے۔ (۱۶)

حاشیہ از یزدانی:

یہ فقیر دیو جانس کلبی تھے جن کا جواب یہ تھا:

دو بندۂ من کہ حرص و آز ند بر تو ہمہ روز سرفراز ند
بامن چہ برابری کنی تو چو بندۂ بندۂ منی تو

"ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما" ہستی لکھتی ہے:

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "فقر اہلِ فقر کی عزت ہے۔" پس جو چیز اپنے اہل کے لیے باعث افتخار ہے، وہ نا اہل کے لیے موجب ذلت ہوتی ہے، اور فقر کی عزت یہ ہے کہ اس کے اعضائے جسم لغزش و ممنوعات سے گریزاں اور اس کے اعمال و افعال خرابی و خلل سے محفوظ رہتے ہیں۔ یعنی جہاں اس کا جسم معصیت و گناہ سے آلودہ نہیں ہوتا، وہاں اس کی جان پر بھی کوئی آفت و بلا وارد نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کا ظاہر ظاہری نعمتوں سے مالا مال ہوتا ہے اور

باطن روحانی برکات کا منبع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نفس روحانیت اور دل ربانیت کا مرکز بن جاتا ہے۔ وہ خلق سے بے گانہ ہو جاتا ہے اور انسان کا اس سے کوئی واسطہ نہیں رہتا کیونکہ اس کا فقر تعلق مخلوق یا رشتہء انسانی کا مرہونِ منت نہیں ہوتا۔ اس دنیا کے ملک و مال اِس دنیا میں اور اُس دنیا کے ساز و سامان اُس دنیا میں اس کے غنا کا باعث نہیں ہوتے۔ اگر دونوں جہاں بھی اس کے ترازوئے فقر کے پلڑے میں ڈال دیے جائیں تو ان کا وزن مچھر کے پَر سے بھی کم نکلے۔ دونوں جہان کی وسعتیں اس کی ایک سانس کے مقابلے میں تنگ ہیں۔"(۱۷)

حاشیہ:

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے　　　میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تُو سما سکے

(درد)

"فقر اور غنا" کی فصل میں ہے کہ:

"مَیں کہ علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ ہوں (اور اللہ سے امرِ خیر کا طالب ہوں) یہ بھی کہتا ہوں کہ نامِ غنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو زیب دیتا ہے اور مخلوق اس نام کے قابل نہیں۔"

حاشیہ:

جز ذاتِ بے نیاز کوئی یاں غنی نہیں　　　عالم کو ہے کسی نہ کسی بات کی تلاش

(امیر مینائی)

"اور نامِ فقر سزاوارِ خلق ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں اور وہ جو مجازی طور پر کسی کو غنی کہہ دیا کرتے ہیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حقیقت میں غنی ہے۔ پھر واضح ترین دلیل یہ بھی ہے کہ ہمارا غنا اسباب کے وجود پر منحصر ہے اور ان اسباب کے حصول و قبول کے سلسلے میں ہماری حیثیت مسبب کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ خود اسباب کا پیدا کرنے والا ہے۔"(۱۸)

حاشیہ:

چاہتا ہے جب مسبّب آپ ہوتا ہے سبب　　　دخل اس عالم میں کیا ہے عالم اسباب کو

"فقر و فقیر کی مزید تحقیق" کے ضمن میں ارشادِ داتا رحمۃ اللہ علیہ ہے:

"متاخرین میں سے ایک شیخ کا ارشاد ہے کہ "فقیر وہ نہیں جس کا ہاتھ زادِ راہ سے خالی ہو

بلکہ فقیر وہ ہے جس کی طبیعت مُراد سے خالی ہو۔" یعنی فقیر وہ نہیں جو مال واسباب سے محروم ہو بلکہ فقیر وہ ہے جس کی طبیعت ہوس وخواہش سے بے نیاز ہو۔"(۱۹)

حاشیہ:

آگے جواب سے ان لوگوں کے بارے معافی اپنی ہوئی　　ہم بھی فقیر ہوئے تھے لیکن ہم نے ترک سوال کیا
(میر)

حضرت سیدّ ہجویر قدس سرہ القدیر، ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ: "فقیری یہ ہے کہ کچھ نہ ہونے پر خاموشی وسکون اختیار کرے اور جو کچھ موجود ہو، اسے خرچ کرے۔" داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس قول میں دو معنی پوشیدہ ہیں یعنی کچھ نہ ہونے پر اس کا سکون راضی برضائے الٰہی ہونے کا مظہر ہے اور ہونے کی صورت میں اس کا احسن طریق سے خرچ کرنا محبت ِالٰہی کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ راضی برضا ہونے والا نعمت کو قبول کرنے والا ہوتا ہے کہ اسے قبولِ نعمت ہی قربت ِخداوندی کی نشانی معلوم دیتی ہے اور محب، تارک ِنعمت ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک نعمت علامت ِفراق ہے اور اس کا سکون نعمت کی عدم موجودگی میں یہی ہوتا ہے کہ (چلو، نعمت میسر نہ سہی) اس کا وجود تو بہر حال ہے۔ چنانچہ اس کا انتظار ہی اس کے لیے وجہ سکون بنا رہتا ہے۔ لیکن جونہی نعمت اس کے سامنے آموجود ہو تو وہ اسے ذاتِ حق کا غیر تصور کرنے لگتا ہے اور غیر اللہ میں چونکہ اسے تسکین مل ہی نہیں سکتی، وہ اسے ترک کر دیتا ہے۔"

حاشیہ:

گرچہ سردار مسندوں کا ہے امیری کا مزا　　چھوڑ لذّت کے تئیں، لے تو فقیری کا مزا

اور یہ معنی شیخ المشائخ ابوالقاسم الجنید بن محمد (خدا ان سے راضی ہو) کے قول کے مطابق ہیں جو فرمایا کرتے تھے کہ: "فقیر وہ ہے جو اپنے دل کو تمام مشکلات سے خالی کر دے۔"

حاشیہ:

اے شیخ! ہے امیر تو دیدار کا فقیر　　اس کو نہ کشف کی، نہ کرامات کی تلاش

"جب دل میں اندیشے کی کوئی شکل (صورت یعنی ماسوائے اللہ) باقی نہ رہے گی تو

پھر (دوسروں کے لیے) لاکھ صورت (ماسوائے اللہ) کی ہوا کرے، فقیر کے لیے یہ قطعی مشکل نہ ہوگا کہ غیر اللہ کو دل سے نکال باہر کرے۔" (۲۰)

حاشیہ:

ذکرِ حق میں سب حوادث سے ہوں محفوظ اے امیر ہے حصارِ امن گنبد مجھ کو بسم اللہ کا

"تصوف" کے باب کے آغاز میں مصنف کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لوگوں نے اس نام (تصوف) کی تحقیق میں بڑی موشگافیاں کی ہیں اور کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ ایک گروہ نے کہا کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہیں وہ صوف کا لباس استعمال کرتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا کہ اسے صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ صفِ اوّل میں ہوتا ہے۔ ایک اور گروہ نے کہا کہ اصحابِ صفہ کے ساتھ قیام کرنے یا ان سے والہانہ شیفتگی کی بنا پر اسے صوفی کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ لفظ (صوفی) صفا سے مشتق ہے۔ لیکن یہ تمام لغوی معانی ہیں، ورنہ (تصوف کے) اصل معنی سے بہت بعید ہیں۔ البتہ لفظ "صفا" ان میں سے نہایت عمدہ اور دل پسند ہے اور کدورت اس کی ضد ہے۔" (۲۱)

حاشیہ:

صفا بنی ہے جہاں میں مری کدورت سے کرے جو آئنوں کو صاف، وہ غبار ہوں میں

کشف المحجوب کے اس باب میں "صوفی" کے ذکر میں ہے کہ:

"ایک شیخ کا ارشاد ہے کہ جسے محبت صاف و پاکیزہ بنا دے، وہ صافی ہے اور جسے خود محبوب صفائی و پاکیزگی بخشے وہ صوفی ہے۔" یعنی جو محبت سے مصفا ہو جائے، وہ بھی صافی تو بے شک ہے لیکن صوفی وہی ہے جو دوست میں گم ہو کر رہ جائے اور غیر اللہ سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ رہے۔" (۲۲)

حاشیہ:

جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں جی میں سما رہا ہے از بس غرور تیرا

"اقوالِ مشائخ" کے ضمن میں داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ آغاز میں ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ صوفی جب بات کرے تو اس کا کلام حقائق و معارف کا ترجمان ہوتا ہے

اور جب وہ خاموشی اختیار کرے تو اس کے اعضا اس حقیقت کے غماز ہوتے ہیں کہ وہ دنیا سے قطع تعلق کر کے فقط اسی ذاتِ واحد کا ہو چکا ہے۔

حاشیہ:

تمہارے جلوے کے مشتاق ہیں، جہاں ہو نصیب   زمیں سے کام، نہ کچھ ہم کو آسماں سے غرض

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بعد مصنف کشف المحجوب فرماتے ہیں:

"صوفی وہ ہے کہ بات کرے تو اس کے الفاظ اس کی اپنی ہی حقیقت کی ترجمانی کریں۔ یعنی وہ ایسی بات کہے گا ہی نہیں جو اس کے حسبِ حال نہ ہو اور جب خاموش ہو تو اس کے معاملات اس کے احوال کی تعبیر کر رہے ہوتے ہیں۔ یعنی خاموشی میں اس کے اعمال سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ دنیا سے قطع تعلق کر چکا ہے۔"

حاشیہ:

ہماری بے خودی تمہید ہے تیری نمائش کی   مٹا کر نقش اپنا، ہم ترا نقشہ جماتے ہیں

"اس کی گفتار بھی اصلیت پر مبنی ہوتی ہے اور اس کا کردار بھی تجرد و قطع علائق کا مظہر ہوتا ہے۔ جب بولے تو اس کا ہر قول حق اور ہر فعل درویشی کی شان لیے ہوئے ہو۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف صفائے باطن کی وہ صفت ہے جس پر بندے کا مستقل قیام ہونا چاہیے۔" کسی نے (ان سے) دریافت کیا کہ یہ صفت بندے کی ہے یا خدا کی؟ تو انہوں نے کہا کہ حقیقت میں خدا کی اور رسمی طور پر بندے کی۔ یعنی تصوف ایک صفت ہے کہ بندے کی اقامت اسی میں ہونا چاہیے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ صفتِ حق ہے یا صفتِ خلق؟ تو جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی حقیقت تو صفتِ حق ہے اور اس کی رسم صفتِ خلق ہے۔ یعنی (صفت) کی حقیقت اس امر کی مقتضی ہے کہ بندہ اپنی صفاتِ بشری کو فنا کر دے۔" (۲۳)

حاشیہ:

ہستی اپنی ہے بیچ میں پردہ   ہم نہ ہوویں تو پھر حجاب کہاں

حضرت ابو عمرو دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ "تصوف کون و مکاں کو یوں دیکھنا ہے گویا ہر طرف سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ لہٰذا اس سے آنکھیں بند کر لینا ہی تصوف ہے۔" حضرت علی

بن عثمان گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اس قول کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ:

" تصوف یہ ہے کہ موجوداتِ عالم کو یوں دیکھا جائے، گویا وہ بالکل نقصان وزیاں کا باعث ہے اور یہ صفت کے بقا کی دلیل ہے۔ بلکہ نگاہ کو کون ومکان سے بالاتر رکھے کہ یہ صفت کے فنا کی دلیل ہے اور (حق تو یہ ہے کہ) موجودات سے نگاہ کو بالا رکھنا بھی یونہی کہنے کی بات ہے کیونکہ جب موجود ہی کچھ نہ ہو تو نظر کا ڈالنا یا نہ ڈالنا کیسا؟"

حاشیہ:

ہونا جہاں کا اپنی آنکھوں میں ہے نہ ہونا آتا نہیں نظر کچھ، جاوے نظر جہاں تک

"اور موجود سے آنکھ کو بند لینا بصیرتِ ربانی کا بقا ہے۔ یعنی جو اپنی ذات سے آنکھ بند کرلے، وہ حق کی طرف آنکھ کھول لیتا ہے۔"

حاشیہ:

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب

" کیونکہ جو موجود کا طالب ہو وہ اپنا بھی طالب ہوگا۔ لہٰذا اسے اپنی ہی ذات سے کام رہے گا۔ اس کو اپنے آپ سے باہر کوئی راستہ سجھائی ہی نہ دے گا۔ پس ایک وہ ہے کہ خود کو دیکھتا ہے لیکن یہ دیکھنا ناقص وعیب دار ہے۔ اور ایک وہ ہے کہ اپنے آپ سے آنکھ بند کرلیتا ہے اور کچھ دیکھتا ہی نہیں اور جو دیکھتا (بھی) ہے تو اگرچہ اس کا دیکھنا ناقص ہی کیوں نہ ہو، اس کی آنکھ بہرحال اس کا حجاب بن جاتی ہے اور جو نہیں دیکھتا اس کا نہ دیکھنا اسے محجوب نہیں ہونے دیتا۔" (۲۴)

حاشیہ:

نظارے کی ہوس ہے تو آنکھوں کو بند کر ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کے قول کہ "صوفی وہ ہے جس کا ارادہ اس کے قدم سے آگے نہ بڑھے" کے ضمن میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "صوفی وہ ہے جس کا قصد وارادہ اس کا ہم قدم ہو۔ جہاں ارادہ ہو، وہیں اس کا قدم بھی حاضر ہو۔ جہاں دل ہو وہاں جسم بھی ہو اور جہاں تن ہو وہاں من بھی ہو۔ جہاں قول ہو وہیں قدم بھی حاضر ہو اور جہاں قدم ہو وہیں دل حاضر ہو۔"

حاشیہ:

ہووے کب وحدت سے کثرت میں خلل جسم و جاں گو دو ہیں پر ہم ایک ہیں
متفق آپس میں ہیں اہلِ شہود درد آنکھیں دونوں باہم ایک ہیں

"اور یہی وہ حضوری ہے جس میں غیر حاضری کا گزر نہیں۔ برخلاف اس کے، جو کہا کرتے ہیں کہ جو اپنے آپ سے غائب ہو، وہ حق کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ حالانکہ اصل میں یوں نہیں بلکہ (اصل صورت یہ ہے کہ) حق کے سامنے ہو تو اپنے سامنے بھی حاضر ہو اور یہ عبارت (تصوف کے مقام) جمع الجمع سے متعلق ہے اس لیے کہ جسے اپنے مشاہدہ کی خبر نہ ہو، اسے اپنی غیبت کی خبر کیوں ہونے لگی اور جب اپنے آپ کو دیکھنا باقی نہ رہا تو گویا وہ حضوری حاصل ہوگئی جس میں غیر حاضری کا عذر نہیں ہوتا۔ اور اس قول کا تعلق شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ہے کہ صوفی دونوں جہاں میں اللہ کے سوا کسی کو دیکھتا ہی نہیں۔" (۲۵)

حاشیہ:

ہے جلوہ گاہ تیرا، کیا غیب کیا شہادت یاں بھی شہود تیرا، وہاں بھی ظہور تیرا

"ترکِ علائق" کے ضمن میں صاحبِ کشف المحجوب ابو حفص نیشا پوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کرتے ہیں کہ:

"تصوف سب کا سب ادب ہے کیونکہ تمام اوقات میں ادب ہے، تمام مقامات ادب ہیں، تمام احوال ادب ہیں۔ اور جو شخص ان تمام اوقات کو ملحوظ رکھتا ہے اور ان کو لازم گردانتا ہے وہ حق کے محبوب بندوں میں شمار ہوتا ہے۔ اور جو ان آداب کو ضائع کر دے وہ بزم خویش اپنے آپ کو مقرب تصور کرتے ہوئے بھی اس سے دور ہی رہتا ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر کہ وہ مقبولِ بارگاہ ہے دراصل راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے۔" (۲۶)

حاشیہ:

مری نمود نے مجھ کو کیا برابر خاک میں نقشِ پا کی طرح پائمال ہوں اپنا

ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی اس تصنیفِ لطیف میں جگمگاتا نظر آتا ہے کہ "تصوف نہ رسوم کا نام ہے اور نہ علوم کا، بلکہ اس سے مراد تصحیح اخلاق ہے۔" (۲۷) اس پر ابو الحسن علی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رسوم و اخلاق میں فرق یہ ہوتا ہے کہ رسم کی حیثیت اس فعل کی ہوتی ہے جو تکلف

واسباب سے وابستہ ہوتا ہے اور وہ بھی یوں کہ اس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہوتا ہے گویا یہ فعل بجائے خود بے معنی ہوتا ہے اور اخلاق وہ فعل نیک ہے جو تکلف واسباب کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کے ظاہر و باطن میں کلی موافقت ہوتی ہے۔

حاشیہ:

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت جس کا جتنا ظرف ہے، اتنا ہی وہ خاموش ہے

مرتعش رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں کہ "تصوف حسنِ اخلاق کا نام ہے، نیز مذہبِ تصوف کُلی طور پر (حق کے لیے) جدوجُہد پر مبنی ہے، اس کو لغویات سے ملوث نہ کرو" اس کی وضاحت میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مذہب تصوف میں تمام جدوجہد حق گوئی اور حق پرستی کے لیے ہے، لہٰذا اس میں بے ہودہ پن کی آمیزش نہ کرو اور معاملاتِ تصوف میں رسم پرستوں کے دام میں نہ آؤ اور ان (اہلِ رسوم) کے مقلدوں سے بھی گریز کرو۔" (۲۸)

حاشیہ:

سبھوں سے میر بے گانہ سے رہتے جو ہوتا اس سے کچھ بھی آشنا دل

نیز فرمایا: "لیکن (بدقسمتی سے) جب عوام نے اہلِ دنیا پر نظر ڈالی تو ان کو عموماً ایسے صوفی دکھائی دیے، جن کا تصوف محض ایک رسم تھا۔"

حاشیہ:

برسوں سے ہے تلاوت و سجادۂ نماز پر میل دل جو سوئے مئے ناب تھا، سو تھا

مزید فرمایا کہ ان میں کوئی محوِ رقص تھا، کوئی مست ِسرود تھا اور کسی نے بادشاہوں کے دربار میں خوراک وخلعت کی خاطر جھگڑا کر رکھا تھا۔ (۲۹)

حاشیہ:

مت ان نمازیوں کو خانہ سازِ دیں جانو کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھاتے ہیں گے مسیت

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ مزید تشریح وتوضیح کرتے ہوئے حالات کی تصویر کشی کرتے ہیں:

"چنانچہ ان صوفیوں کو (اس ذلت میں) دیکھ کر وہ (عوام) تصوف ہی سے بدظن

ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس طریقت کی بنیاد ہی ایسی ہو گی اور ان سے پہلے جو صوفیا گزر چکے ہیں، وہ بھی ایسے ہی ہوں گے اور یہ معلوم کرنا ضروری نہ سمجھا کہ یہ زمانہ ہی فسق و فجور اور ضلالت و گمراہی کا ہے جس میں ایسی بلاؤں کا ظہور ہوا ہی کرتا ہے۔ جس دَور میں حرص و ہوا کا یہ عالم ہو کہ بادشاہ (تسکین حرص کے لیے) جور و ستم روا رکھے، طمع بھی اس درجہ بڑھ جائے کہ علما فسق و ریا میں مبتلا ہو جائیں۔ جہاں منافقت کا یہ حال ہو کہ زاہد بھی اس کے زیرِ دام آچکے ہوں تو ظاہر سی بات ہے کہ صوفی رقص و سرود کی محفلیں ہی جمائیں گے۔ لیکن یاد رکھو کہ اہلِ طریقت تباہی کا شکار ہو سکتے ہیں، مگر خود طریقت کبھی تباہ نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی جان لو کہ اہلِ ہزل میں کوئی گروہ اگر اپنے بے ہودہ طور طریقوں کو اہلِ صفا کے پاکیزہ اطوار میں چھپانے کی کوشش کرے تو اس سے اہلِ صفا کے پاکیزہ اطوار میں بیہودہ پن پیدا نہیں ہو سکتا۔" (۳۰)

حاشیہ:

صورتِ تقلید میں کب معنیٔ تحقیق ہیں رنگ گو ہے پرگُلِ تصویر میں کیدھر ہے بو

چوتھے باب "مرقعہ پوشی" (گدڑی پہننے) کے بارے میں ہے:

"عوام کے لیے تو مرقعہ پوشی (عزت و شہرت کی) نعمت کا درجہ رکھتی ہے لیکن خواص کے لیے یہ لباس پہننا ایسا ہی ہے جیسے کہ مصیبت کا آہنی لباس جسم پر ڈال لینا! اور یہی وجہ ہے کہ عوام میں سے بیشتر اس کے لیے بیقرار ہوا کرتے ہیں کیونکہ ان کا ہاتھ اور کسی کام تک پہنچ ہی نہیں سکتا اور حصولِ شوکت و مرتبت کا اور کوئی وسیلہ انہیں میسر ہی نہیں ہوتا، جس سے کہ سرداری و امارت انہیں حاصل ہو سکے۔ پس وہ مرقعہ پوشی کو نعمت کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔" (۳۱)

حاشیہ:

رو بات کا ہرگز نہیں اس بزم میں مجھ کو جوں آئنہ اک مَیں بھی ہوں منہ دیکھنے والا

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اور مَیں نے کہ علی بن عثمان جلابی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق کا طالب ہوں، ایک مرتبہ طوس میں شیخ المشائخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ درویش کی کمترین شرط کون سی ہے، جس کے پورا کرنے سے کوئی شخص درویش کہلانے کا مستحق قرار پا سکتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کی تین شرائط ہیں جن میں سے کمی کی گنجائش نہیں ہے: اوّل یہ کہ گدڑی

پر چیتھڑا سلیقہ سے اور سیدھی طرح لگا سکتا ہو۔ دوسرے یہ کہ سیدھی اور سچی بات سننا جانتا ہو۔۔۔" (۳۲)

حاشیہ:

نہ کٹتی ٹک نہ ہوتی گر فقیری ساتھ الفت کے   ہمیں جب ان نے گالی دی ہے جب ہم نے دعا دی ہے

"۔۔۔اور تیسرے یہ کہ زمین پر صحیح طریق سے پاؤں رکھنا (چلنا) جانتا ہو۔" (۳۳)

حاشیہ:

اس منزلِ دلکش کو دلکش نہ سمجھیے گا   خاطر میں رہے، یاں سے درپیش سفر بھی ہے

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"ایک مرتبہ میں اپنے پیر و مرشد کے ساتھ آذربائیجان کے ملک میں سے گزر رہا تھا کہ دو تین گدڑی پوشوں کو دیکھا کہ گندم کے خرمن پر کھڑے گدڑیوں کے دامن پھیلائے ہوئے ہیں تاکہ کسان کچھ گندم ان میں ڈال دے۔ شیخ ادھر متوجہ ہوئے اور یہ آیت پڑھی "یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی" پس ان کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی، دراصل وہ ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں۔" (۳۴)

حاشیہ:

جب نقاب الٹی، نگاہوں کا ہوا ایسا ہجوم   پڑ گئے پردے، وہ رخ آنکھوں سے پنہاں ہو گیا

"فقر اور صفوت کی فضیلت" کے باب میں "فقر اور مسکینی" کے حوالے سے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مشائخ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ فقیر کا درجہ مسکین سے افضل تر ہے کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے کہ: "صدقات ان فقراء کا حق ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں کہ وہ زمین میں کسب معاش کے لیے چل پھر نہیں سکتے" کیونکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس (تھوڑا بہت) سامان موجود ہوتا ہے اور فقیر وہ ہے جس نے ہر قسم کے مال و اسباب اور روزی و معیشت کو یکسر ترک کر رکھا ہو، لہٰذا فقر عزت ہے اور مسکینی ذلت۔" (۳۵)

حاشیہ از یزدانی:

علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مسکینی کو فقر سے جدا قرار دیا ہے اور یہ درست ہے، کیونکہ اگر

دونوں ہم معنی ہوتے تو خیرات کے لیے صرف "مسکینوں" کا یا صرف "فقیروں" کا لفظ کافی ہوتا۔ پھر ان دونوں میں جو فرق بیان کیا گیا ہے وہ بھی عالمانہ اور ناقدانہ اندازِ فکر کا حامل ہے۔ طریقت میں جب ترکِ دنیا ہی بنیادی شرط ٹھہری تو پھر تھوڑا بہت مال رکھنا بھی کیا ضرور ہے۔ کیونکہ روزی کا سامان تھوڑا بھی ہو، بہر حال موجود تو ہے اور اس کے ہوتے ہوئے مزید کے لیے بھیک مانگنا فقیری نہیں، گداگری ہے جو باعثِ ذلت ہے، نہ کہ موجبِ قدر و احترام۔ چنانچہ بعض لوگوں نے جو اعتراض کیا ہے کہ یہاں اس آیت کا استعمال بے محل ہے انہوں نے فقیر اور مسکین کے باہمی فرق کو ملحوظ نہیں رکھا اور انہیں ایک ہی چیز خیال کر کے خود کو مغالطے میں ڈال لیا ہے۔"

چھٹے باب میں بانیٔ مسلک ملامت کے ذکر میں داتا حضور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ طریقت میں مذہبِ ملامت کو رواج دینے والے، اپنے زمانے کے شیخ، حضرت ابو حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ملامت کی حقیقت کے بارے میں انھوں نے بڑے لطیف رموز بیان کیے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا کہ "ملامت ترکِ سلامتی کو کہتے ہیں۔" یعنی ملامت اختیار کرنے والا سلامتی سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنی سلامتی کو ترک کر دے اور اپنے آپ کو مصیبتوں کے بھنور میں ڈال لے۔۔۔"

حاشیہ:

دریں دریائے بے پایاں، دریں طوفانِ موج افزا سر افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسہا

اور اپنی تمام دلچسپیوں اور راحتوں سے کنارہ کش ہو جائے (اور اس دھن میں اس درجہ مگن ہو جائے) کہ بالآخر لوگ اسے رد کر دیں اور وہ ان سے یکسر نو مید ہو جائے اور اس کی طبیعت خود بھی ان کی الفت سے رشتہ منقطع کر لے تو اس صورت میں لوگوں سے جس قدر دور ہوتا جائے گا، اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جائے گا۔(۳۶)

حاشیہ:

ہے جی میں کہ یک چند خبر اپنی نہ لیجے کہتے ہیں کہ عالم ہے عجب بے خبری کا

اس حوالے سے خود داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لیکن میرے نزدیک طلب ملامت سراسر ریاکاری ہے، اور ریاکاری کا دوسرا نام منافقت ہے۔ ریاکار ایسی راہ اختیار کرتا ہے جو لوگوں کے لیے قابل قبول ہو اور طالبِ ملامت بالالتزام ایسی راہ اختیار کرتا ہے کہ لوگ اسے مردود قرار دیں، اور یوں (غور کریں تو) دونوں گروہ مخلوق (کی پسند و ناپسند) میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ اور اس سے باہر نکلنے کی راہ انہیں دکھائی نہیں دیتی۔ تبھی تو ایک (ریاکار) نے معاملاتِ طریقت ہی سے ناتا توڑ لیا اور دوسرے (طالبِ ملامت بالسّعی) نے وہ راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ ورنہ حقیقی درویش کے دل میں تو حدیث حق کے سوا کسی بات کا گزر ممکن نہیں کیونکہ جب خلق سے دل کا تعلق ہی منقطع کر لیا تو اسے ان دونوں چیزوں (ریاکاری اور خواہ مخواہ کی طلب ملامت) سے خود بخود فراغت مل گئی اور کوئی چیز اسے پابندِ دام کر ہی نہیں سکتی۔" (۳۷)

حاشیہ:

مل کے عالم سے ہوا اور ہی عالم اپنا　　　اپنے عالم میں ہمیں سب سے جدا رہنا تھا

ان چند مثالوں سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں پہلی یہ کہ محمد عبدالمجید یزدانی تصوف، زبان فارسی اور زبانِ اردو، تینوں پہلوؤں سے کامل ہیں۔ اگر تصوف دل کی گہرائی میں جاگزیں نہ ہو، اس کے معارف کو سمجھنے کی صلاحیت سے بندہ بہرہ ور نہ ہو، فارسی کے تاریخی ارتقا پر گہری نظر نہ رکھتا ہو، ترجمے کی زبان (اردو) پر منتہیانہ گرفت نہ ہو تو کشف المحجوب جیسی کتاب کے ترجمے پر ہاتھ ڈالنا اوقات سے بڑی جسارت ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں کہ:

"ایسا ترجمہ جس میں مترجم نے مصنف کی اصل روح کو پا کر، اپنی زبان کے مزاج میں نگینے کی طرح بٹھا دیا ہو، ایک ایسا گوہر نایاب ہے جیسے ادب کا کوئی شہ پارہ، جو کبھی کبھار وجود میں آ کر کسی تہذیب کی ساری روح کا مظہر بن جاتا ہے۔" (۳۸)

محمد عبدالمجید یزدانی کے زیرِ نظر ترجمہ کشف المحجوب میں ایسی ہی صورت نظر آتی ہے۔ دوسری بات اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ مترجم نے معارفِ تصنیف کو شعروں کے قالب میں پیش کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف دو زبانوں (فارسی اور اردو) پر دسترس تک معاملہ محدود نہیں ہے، اساتذہ فن، شعراءِ کرام کا کلام بھی مترجم کے سامنے ہے، تصوف خود ان کے من میں

رچا بسا ہے اور اسی کیفیت میں وہ اہم شعرا کے اشعار معارفِ کشف المحجوب کی تائید میں سامنے لائے ہیں۔

ان دو باتوں کے علاوہ اس حقیقت سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے کشف المحجوب کے زیادہ سے زیادہ صحیح نسخے کی تلاش پہلے کی۔ لکھتے ہیں:

"چونکہ مصنف کا اپنا نسخہ تو ہاتھ آنے سے رہا، لہٰذا کیا یہ جاتا ہے کہ متعدد نسخوں کو سامنے رکھ کر اسے اصل کے مطابق بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ کشف المحجوب کا صحیح ترین متن مرتب کرنے کا بیڑا روسی مستشرق ژوکوفسکی نے اُٹھایا اور بڑی محنت و کاوش کے بعد ۱۹۰۵ء میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ لیکن اس کی طباعت و اشاعت کا شرف بالآخر ایران کو حاصل ہوا اور ۱۹۲۶ء میں تہران سے اسے زیورِ طباعت سے آراستہ کر دیا گیا۔ ژوکوفسکی نے تصحیح کرتے وقت پانچ قلمی نسخوں کو سامنے رکھا ہے: "نسخۂ وی آنا، نسخۂ قلمی کتب خانہ تاشقند ۱۲۴۶ھ، نسخۂ قلمی سمرقند، قلمی نسخہ پیٹرز برگ یونیورسٹی ۱۰۱۱ھ اور قلمی نسخہ موسسہ السنہ شرقیہ وزارتِ خارجہ روس"۔ ان میں سے اوّل الذکر کو بنیادِ طباعت قرار دے کر باقی چار نسخوں سے اس کا موازنہ کر کے اصل متن تیار کیا گیا ہے۔ راقم ناچیز (یزدانی) نے اسی تصحیح شدہ نسخے کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ میں سب سے پہلے اس رائے کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ژوکوفسکی کی تصحیح سو فیصد درست نہیں ہے، اگرچہ ننانوے فی صد تک اس کے درست ہونے سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔" (۳۹)

"گنجِ مطلوب" کشف المحجوب کے محولہ بالا نسخے کے متن کا از اوّل تا آخر مکمل ترین ترجمہ ہے جس کے بارے میں مترجم کا یہ دعویٰ درست ہے کہ:

"پوری کوشش کی گئی ہے کہ زبان و عبارت بامحاورہ بھی ہو، لیکن مفردات و ترکیبات کا اصل لغوی و معنوی مفہوم بھی برقرار رہے۔ اس نقطۂ نظر سے یہ ترجمہ علما و فضلا کی نسبت طلبہ اور مبتدیوں کے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ اور یہی میرا اصل مقصد بھی تھا کیونکہ عالم تو بہر حال عالم ہیں، وہ میرے ترجمے کے دست نگر کیونکر ہو سکتے ہیں۔" (۴۰)

حوالہ جات:

۱۔ مجلہ معارفِ اولیاء، اشاعت خاص، مارچ ۲۰۰۷ء/صفر المظفر ۱۴۲۸ھ۔ جلد ۵- شمارہ ۱- ص ۲۴۵

۲۔ شمس بریلوی کی رائے، کشف المحجوب ترجمہ از غلام معین الدین نعیمی، مکتبہ زاویہ، لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۲۷، دیباچہ

۳۔ شرح کشف المحجوب (اردو) واحد بخش سیال۔ فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور۔ ۱۹۹۴ ص ۳۱

۴۔ معارفِ اولیا، اشاعت خاص، مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۲۴۸، ۲۴۹

۵۔ ایضاً ص ۲۵۵

۶۔ گنج مطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب از پروفیسر محمد عبد المجید یزدانی، ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور، س ن۔ ص ۱۵

۷۔ ایضاً ص ۴۴ — ۸۔ ایضاً ص ۴۶

۹۔ ایضاً ص ۶ — ۱۰۔ ایضاً ص ۵۰

۱۱۔ ایضاً ص ۵۵ — ۱۲۔ ایضاً ص ۵۵، ۵۶

۱۳۔ ایضاً ص ۵۶ — ۱۴۔ ایضاً ص ۶۱

۱۵۔ ایضاً ص ۶۱ — ۱۶۔ ایضاً ص ۶۲

۱۷۔ ایضاً ص ۶۲ — ۱۸۔ ایضاً ص ۶۳

۱۹۔ ایضاً ص ۶۷ — ۲۰۔ ایضاً ص ۶۹، ۷۰

۲۱۔ ایضاً ص ۷۴ — ۲۲۔ ایضاً ص ۷۹، ۸۰

۲۳۔ ایضاً ص ۸۲ — ۲۴۔ ایضاً ص ۸۴

۲۵۔ ایضاً ص ۸۶ — ۲۶۔ ایضاً ص ۸۹

۲۷۔ ایضاً ص ۸۹ — ۲۸۔ ایضاً ص ۹۰

۲۹۔ ایضاً ص ۹۰ — ۳۰۔ ایضاً ص ۹۱

۳۱۔ ایضاً ص ۹۸ — ۳۲۔ ایضاً ص ۹۹

۳۳۔ ایضاً ص ۹۹ — ۳۴۔ ایضاً ص ۱۰۹

۳۵۔ ایضاً ص ۱۱۴ — ۳۶۔ ایضاً ص ۱۲۲

۳۷۔ ایضاً ص ۱۲۵

۳۸۔ تنقید اور تجربہ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ یونیورسل بکس لاہور۔ ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۸

۳۹۔ گنج مطلوب۔ ص ۱۳، ۱۴ — ۴۰۔ ایضاً ص ۱۵

راجا رشید محمود

بحضور

سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و پیش کش: ملک محبوب الرسول قادری

فیضِ عالم، سبطِ محبوبِ خداوندِ قدیر
دہر کے فرماں روا ہیں، رب کے ہیں فرماں پذیر
وہ درِ فیض و عطائے سید ہجویرؒ ہے
رہتا ہے اہلِ ولایت کا جہاں جمِ غفیر
نورِ داتاؒ سے منور بلدۂ لاہور ہے
آسمانِ معرفت کے ہیں یہی بدرِ منیر
گنج بخشی سے تمتع کے لیے دربار پر
دست بستہ سر بخم حاضر ہیں سب شاہ و فقیر

☆☆☆

یہ حقیقت ہے اقلیمِ تصوف کا شرف
سکۂ تصنیفِ داتاؒ چل رہا ہے ہر طرف
کفر زارِ ہند میں پھیلائی دیں کی روشنی
کر لیا حاصل علی ہجویریؒ نے اپنا ہدف
ہے یہ مقناطیسیت فیضانِ داتاؒ کی کہ ہیں
در پہ حاضر روز و شب اہلِ محبت صف بہ صف

ایسا لگا کہ سرورِ گلُ کے حضور ہوں
اتنا سکون پایا درِ گنج بخش پر
منزل فلاح و فوز کی پاؤ گے سامنے
رکھو قدم تو رہگزر گنج بخش پر
لگتا ہے مجھ کو، خالق و مالک کا صاد ہے
ہر ایک حرفِ معتبر گنج بخش پر

☆☆☆

درجہ ولیوں پہ کس کا فائق ہے
کس کا در مرجع خلائق ہے
"کشف المحجوب" کھول کر دیکھو
سامنے دفترِ حقائق ہے
درِ داتا پہ آ گیا جو بھی
بے نیازِ ہمہ علائق ہے
کر رہا ہے جو مدحِ داتا کی
وہ ستائش کے آپ لائق ہے

☆☆☆

اولیاء اللہ کی مدحت کرو
یہ ہے استیصال ہر خلجان کا
جو ہے تصنیفِ جنابِ گنج بخش
ایک گنجینہ ہے وہ عرفان کا
یہ علی ہجویری کی تلقین ہے
کہنا تم مت ماننا شیطان کا
میں درِ داتا کا حاضر باش ہوں
یہ اشارہ ہے مرے ایقان کا

گو مناقبِ سیدِ ہجویرؒ کے
ہے یہی کہنا مرے وجدان کا

☆☆☆

جب بھی احقر مادحِ داتاؒ ہُوا
اس پہ لطفِ آقا و مولاؐ ہُوا
سیدِ ہجویرؒ کا دربار ہے
قلزمِ انوار میں ڈوبا ہُوا
نعت کہنے کے ہُوا قابل قلم
اسمِ داتاؒ اس سے جب املا ہُوا

☆☆☆

راہِ ہُدیٰ کا راہی ہو یا سالک یا مجذوب
اس رستے کی جو رہبر ہے، جو اس کو مطلوب...... ہے کشف المحجوب
ہے تحقیق سے ثابت، کوئی اور نہیں تصنیف
یہ جو یگانہ اور یکتا ہے داتاؒ کی مکتوب...... ہے کشف المحجوب
اہلِ حق نے اس کا درجہ مرشد کا فرمایا
جتنی تصوف پر ہیں کتابیں، ان سب کی مندوب...... ہے کشف المحجوب
اپنے اپنے دور میں کس نے فیض نہ پایا اس
سے؟
کس کی تعلیمات سے دیکھے بڑے بڑے مرعوب...... ہے کشف المحجوب
اہلِ تجسس، اہلِ حق، اربابِ بصیرت سارے
کون سی وہ تصنیف ہے، جو ان سب کی ہے محبوب...... ہے کشف المحجوب
حق تک پہنچانے کا ذریعہ ہے محمودؔ، تو یہ ہے
دل میں کُھب جانے والا جو رکھتی ہے اسلوب...... ہے کشف المحجوب

(راجا رشید محمود)

اقلیمِ معرفت کے سلیماں ہیں گنج بخشؒ
راحت فزائے روح و دل و جاں ہیں گنج بخشؒ
ربِ جہاں کے تابع فرماں ہیں گنج بخشؒ
دینِ رسولِ حق ﷺ کے نگہباں ہیں گنج بخشؒ
یوں بیکسوں کے حال کے پُرساں ہیں گنج بخشؒ
امدادگار تا حدِ امکاں ہیں گنج بخشؒ
نکہت فشاں ہیں جتنے تصوف کے سلسلے
دیکھو تو ان میں وجہِ بہاراں ہیں گنج بخشؒ
عادی ہیں یوں بھی لوگوں پہ احسان و لطف کے
خود زیرِ لطف و رحمتِ رحماں ہیں گنج بخشؒ
حُب نبیؐ و رب کے حوالے سے بات ہو
تو پھر کتابِ عشق کا عنواں ہیں گنج بخشؒ
رخشندہ نورِ ذات سے ہیں جن کی چھاتیاں
ان کے دلوں میں وجہِ چراغاں ہیں گنج بخشؒ
اپنائیت کے رشتے میں انساں جُڑے رہیں
بہبود و سُودِ دہر کے خواہاں ہیں گنج بخشؒ
افکارِ گنج بخشؒ سے محمود پر یہ کُھلا
اربابِ معرفت میں نمایاں ہیں گنج بخشؒ

☆☆☆

پا سکو تو پاؤ داتاؒ سے عقیدت کی سند
ہے جو حکمت کی، حقیقت کی، لطافت کی سند
داتاؒ تصنیفِ لطیف کاشفِ محجوب سے
اولیاء کو دے رہے ہیں کاملیت کی سند

فقرہ "تلک الرسل" کی روح سے واضح ہے یہ
پائی نانا جان ﷺ نے ان کے، فضیلت کی سند
التفات و لطفِ خلاقِ دو عالم پائے گا
پا گیا جو فرد بھی داتا سے نسبت کی سند
دیکھو، کیسے دل بدلتے ہیں خدا کے اولیاء
شیخ ہندی کو ملی داتا سے قربت کی سند
بارگاہِ بو الحسن میں جو پذیرا ہو گیا
پائے گا میزان سے وہ شخص نصرت کی سند
جو کہا داتا علی ہجویری نے، اس پر چلو
دوستو! اگر چاہتے ہو آپ جنت کی سند
تو جو ہے محمودؔ مدحت گستر داتا حضور
تو نے پائی ہے مدینے کی زیارت کی سند

☆☆☆

خوف سے اور حزن سے ان کا تعلق ہی نہیں
اولیاء اللہ نے پائی ہے آیت کی سند

☆☆☆

تصنیفِ گنج بخش کو پڑھ کر جو شاد تھا
اس پر کرم خدائے جہاں کا زیاد تھا
داتا کے در کی دیکھیں فلک نے کرامتیں
آیا جو نامراد یہاں، بامراد تھا
ان کے لیے، جو حاضر دربار ہو گئے
نعرہ ملاءِ اعلیٰ کا "پائندہ باد" تھا
غربالِ نقد پر جونہی پرکھا تو یہ کھلا
اقوالِ گنج بخش پر آقا ﷺ کا صاد تھا

محبوبِ رب ﷺ جو ساجد رب پہ تھے لطف زا
داتا علیؒ کا اس پہ کرم مستزاد تھا
وہ زیرِ التفاتِ خدا و نبی ﷺ رہا
ہجویریؒ کے کرم پہ جسے اعتماد تھا
داتاؒ کے در پہ آتے ہوئے جو تھا غم زدہ
واپس جو پلٹا گھر کو یہاں سے، تو شاد تھا
داتاؒ کی مدح کی، تو ملی اس کو مغفرت
محمودؔ خوش نصیب رہا، خوش نہاد تھا

☆☆☆

جمع ہوتے ہیں درِ داتاؒ پہ رب کے سب ولی
سہروردی اور چشتی، نقشبندی، قادری
گنج بخش فیضِ عالم، پُورِ سبطین نبی ﷺ
جن سے میری بھی ہے اور تیری بھی ہے وابستگی
پاتے ہیں نورِ حقیقت کی یہاں سے روشنی
عاصی و مُذنب ہوں، یا ہوں پارسا و متقی
دل میں جو رکھتا رہا ہو خواہش دیدہ وری
فیضِ عالمؒ کی نہ کیوں کرتا رہے مدحت گری
لوٹا کب مایوس اس در سے کوئی سائل کبھی
آڑے آتی ہی نہیں عصیاں گری، تر دامنی
میری جب جب بھی نظر داتاؒ کے گنبد پر پڑی
گنبدِ آقا ﷺ کی یادوں سے ہوئی شبنمی
آپ اقلیمِ طریقت کے ہیں ایسے تاجدار
سامنے دربار ہجویریؒ کے ہر گردن جھکی
فیضِ عالمؒ جب ہیں ممنونِ کرم سرکار ﷺ کے

ان کی ہے ممنون احساں ہر صدی کی ہر گھڑی
ہو رہی ہے حاضرین و زائریں پر واشگاف
اس درِ فیض و عطا و لطف کی دریا دلی
ہو گیا اس پر ہر اک سرِ حقیقت آشکار
جس نے آ کے مسجدِ داتا میں پیشانی دھری
کشفِ محجوبِ طریقت سے یہی ظاہر ہوا
بات جو سمجھی کہ ہے سچی، وہ داتا نے کہی
استفادہ لطفِ ہجویری سے ممکن ہے، مگر
کام آتی ہے یہاں وجدان کی پاکیزگی
بارگاہِ رب عالم تک رسا ہو جائے گا
پہنچے گا حُسنِ عقیدت سے یہاں تو جس گھڑی
رکھے تعلیماتِ ہجویری کو وہ پیشِ نظر
جس کی خواہش ہو کہ ہو اس کی صفائی باطنی
یہ عنایات حبیب کبریا ﷺ کا ہے اثر
عرض کی جس نے یہاں، اُس کی ہر اک مشکل ٹلی
کار احسن "مظہر نور خدا" کی ہے ثنا
مرتے دم تک کرتے رہنا کام یہ محمودؔ جی

☆☆☆

کر لیا ہے مرکبِ تقدیر کو داتا نے رام
وقت کے اشہب کی دیکھی ان کے ہاتھوں میں زمام
پڑھتے ہیں قرآن جو زائر یہاں پر صبح و شام
مستفیدِ التفاتِ فیض عالم ہیں تمام
واقفِ اسرارِ عرفاں و ولایت آپ ہیں
راز دارانِ حقیقت کے ہوئے داتا امام

سید ہجویرؒ کے دربار پر حاضر ہوئے
معرفت کے سب سلاسل کے ولی، بہرِ سلام
پائے گا چشمِ شفاعت سرورِ کونین ﷺ کی
حشر میں دامن جو داتاؒ کا لیا بندے نے تھام
لطف فرما ابن عثمانؒ "مظہرِ نورِ خدا"
رہتے ہیں اپنے عقیدت مند لوگوں پر مدام
خالق داتا نے سر اُس شخص کا اونچا کیا
کر لیا کچھ دیر جس نے پائینتی اِن کی قیام
دل کی آنکھیں کھول کر دیکھو تو پاؤ گے یہی
جاری ہے چوبیس گھنٹے بو الحسنؒ کا فیضِ عام
ہیں مبلغ احترامِ دیں کے جب داتا حضورؒ
کیوں نہ ہم محمودؔ پائیں دل میں ان کا احترام

☆☆☆

ہیں تصوف کی ریاست کے حقیقی حکمراں
فیضِ عالمؒ قرۃ العینین سرکارِ جہاں ﷺ
ہے سخاوت کیش یوں داتا علیؒ کا آستاں
بیکس و مجبور بندوں کو جو دیتا ہے اماں
"گنج بخش فیضِ عالم" عظمتوں کا ہیں نشاں
خاکی و نوری ہیں سب ان کی ثنا میں تر زباں
شاعرِ مشرقؒ نے "مخدومِ اُمم" ان کو کہا
"مظہرِ نورِ خدا" کہتے ہیں میرِ خواجگاںؒ
عاصیان و پارسایاں دیکھتے پائے ہیں سب
دل پسند و دل نشیں دربارِ داتاؒ کا سماں
کشف المحجوب حقائق نے دیا ایسا یقیں

کر دیے حرفِ غلط جس نے بھی وہم وگماں
اس کے سلطاں کا مجھے کرنا ہی تھا ذکرِ جمیل
آتے ہی ہونٹوں پہ اقلیمِ ولایت کا بیاں
عرسِ داتا میں جونہی محمودؔ ہوتا ہے شریک
اس کی ہو جاتی ہیں طیبہ کی طرف تیاریاں

☆☆☆

ہے اولیاءؒ کے لب پہ ثنائے ابو الحسنؒ
رکھے ہوئے دلوں میں ولائے ابو الحسنؒ
اپنے خدا سے جب ہے وفائے ابو الحسنؒ
ہو مستجاب کیوں نہ دعائے ابو الحسنؒ
مجھ پر ہے یوں عطائے خدائے ابو الحسنؒ
اشعارِ منقبت ہیں برائے ابو الحسنؒ
تصنیفِ ابو الحسنؒ سے دلوں تک رسا ہوئے
سارے نکاتِ قلب کشائے ابو الحسنؒ
کشفِ حجابِ ذات پر ڈالو نگاہِ قلب
ہر حرف پر ہے نقشِ بقائے ابو الحسنؒ
تصنیف ان کی زندۂ جاوید ہے کہ ہیں
اقوالِ آقا ﷺ راہ نمائے ابو الحسنؒ
کھولے ہیں جس نے بھید ولایت کے، سب کے سب
ایسا کوئی نہیں ہے سوائے ابو الحسنؒ
لگتا ہے یہ کہ خالقِ عالم کو ہو گئی
مقبولِ بارگاہ ادائے ابو الحسنؒ
محمودؔ میں جو واصفِ داتا حضورؒ ہوں
مجھ پر کرم نما ہے خدائے ابو الحسنؒ

سبھی اہلِ ولا ہیں مجتمع دربارِ داتاؒ پر
فلک حیران پایا رونق بازارِ داتاؒ پر
ہے تصنیفِ علی ہجویریؒ کے اوراق سے ظاہر
اثر کردار کا ہے گرمیٔ گفتارِ داتاؒ پر
فراست کچھ تجھے بخشی ہے گر ربِ عوالم نے
ولایت کے دعاوی کو پرکھ معیارِ داتاؒ پر
جنہوں نے نظم میں یا نثر میں یہ راہ لے لی ہے
قبالے مغفرت کے پائیں گے اذکارِ داتاؒ پر
جو بندہ "گنج بخش فیض عالمؒ" کا کرم چاہے
کھڑا ہو پائینتی، رکھے نظر انوارِ داتاؒ پر
تُو دربارِ عالی جلابیؒ کا جاروب کش ہو جا
فرشتوں کی نظر رہتی ہے خدمت گارِ داتاؒ پر
نہیں ہے کارِ آساں معرفت خلاقِ عالم کی
ولایت ہے کہ چلنا ہے رہِ دشوارِ داتاؒ پر
جو داتاؒ متبع محمودؔ ہیں سرکارِ والا صلی اللہ علیہ وسلم کے
کرم فرما خدا دیکھا ہے پیروکارِ داتاؒ پر

☆☆☆

رازِ عرفانِ خدا اُس پر افشا ہوا
قبۂ داتاؒ کے سائے میں جو ہے آیا ہوا
جو کتابِ سید ہجویرؒ کا شیدا ہوا
معرفت کے ملک کا وہ بندہ باشندہ ہوا
میرے خامے سے جو حرفِ منقبت املا ہوا
میری بخشش کا وہیں امکان اک پیدا ہوا
آئے اِس در پر جو ہے حالات کا مارا ہوا

پائے گا فوراً وہ ہر درد و الم عنقا ہوا
اولیائؒ کے ذکر سے دل جس کا بھی میلا ہوا
بدنصیبی کا وہی انسان ہے مارا ہوا
سبطِ آقائی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہاں، مانگو گے جو مل جائے گا
دامن حسنِ طلب ہو تو یہاں پھیلا ہوا
چادرِ لطف و عطا داتاؒ کے در سے پائے گا
وہ کہ ملبوسِ عقیدت جس نے ہے پہنا ہوا
منزلیں راہِ سلوکِ معرفت کی مار لے
پہنچا ان کے در پہ تو جوئندہ یا بندہ ہوا
کنجیاں رب نے خزائن کی عطا کر دیں انہیں
یوں لقب ان کا بہ فیضِ کبریا "داتا" ہوا
کیں بیاں داتاؒ کے در پر حاجتیں میں نے جونہی
خواہشوں کے گرد ان کے لطف کا ہالہ ہوا
ان کی تصنیفوں سے اک تصنیف ہی گو بچ سکی
پر، زمانے بھر میں ان کے علم کا چرچا ہوا
مدحتِ منظوم و منثور ان کی میں کرتا رہوں
جب ہوا، دل میں خیالِ خوش یہی پیدا ہوا
عرس پر حاضر ہوا جب جب، یہی ہوتا رہا
اِذنِ داتاؒ پا کے بندہ عازمِ طیبہ ہوا
مدحِ داتاؒ میں رواں رکھنا قلم محمودؔ جی
کان میں میرے، مرا وجدان یوں گویا ہوا

☆☆☆

عرفانِ الٰہی کی جو منزل پہ نہ پہنچائے
وہ سیدِ ہجویرؒ کا منہاج نہیں ہے

دربار پہ داتا کے، جھکی گردنیں دیکھو
کیا مملکتِ قلب پہ یہ راج نہیں ہے
ہجویری کے "لنگر" سے جسے مل گیا کھانا
وہ گنجِ گراں مایہ کا محتاج نہیں ہے
آ سیدِ ہجویر کے دربار میں، اور دیکھ
کیا بحرِ سخاوت۔ یہاں مواج نہیں ہے
تکریم کے قابل تُو کہاں ہے، ترے سر پر
گردِ درِ داتا کا اگر تاج نہیں ہے
کل پائے گا کیسے تُو پیمبر کی شفاعت
داتا کا ثنا گو تُو اگر آج نہیں ہے
دروازۂ داتا پہ مدد کرنا کسی کی
محصول نہیں ہے، یہ کوئی باج نہیں ہے
کرتا ہے بیاں داتا کے ہر سال مناقب
محمودؔ یہی کیا تری معراج نہیں ہے

☆☆☆

عطائے سرورِ کُل ﷺ سے ہیں اونچی شان کے داتا
میں اُن سے مانگتا ہوں لوگو! ان کو جان کے داتا
جہاں والوں کے دل پر راج تو کرنا ہی تھا اِن کو
ہیں ذُریت نبی ﷺ کی، بندے ہیں رحمان کے داتا
جلیل القدر سارے اولیائے تسلیم کرتے ہیں
علی ہجویری کو مانا گیا عرفان کے داتا
کوئی کشکول در کف ہو کہ سر پر تاج رکھتا ہو
علی ہیں ہر فقیرِ راہ کے، سلطان کے داتا
تمنائی ہیں ہم بخشش کے، تو ممدوحِ اجمیری

ہیں راہِ جنت الفردوس کے سامان کے داتا
نہیں دیکھا ہے خالی ہاتھ جاتا کوئی اِس در سے
یہ ہیں دانندۂ اسرار کے، انجبان کے داتا
عقیدت سے جو دے گا حاضری، وہ اِن کو پائے گا
کرم کے، التفات و لطف کے، احسان کے داتا
مقاماتِ علُو حُضار کو محمودؔ دیتے ہیں
مگر غربالِ اخلاص و وفا میں چھان کے داتا ؒ

☆☆☆

ہے اولیاء کے لب پہ ثنائے ابو الحسنؒ
رکھے ہوئے دلوں میں ولائے ابو الحسنؒ
اپنے خدا سے جب ہے ولائے ابو الحسنؒ
ہو مستجاب کیوں نہ دعائے ابو الحسنؒ
مجھ پر ہے یوں عطائے خدائے ابو الحسنؒ
اشعارِ منقبت ہیں برائے ابو الحسنؒ
تصنیفِ بُو الحسنؒ سے دلوں تک رسا ہوئے
سارے نکاتِ قلب کُشائے ابو الحسنؒ
کشفِ حجابِ ذات پر ڈالو نگاہِ قلب
ہر حرف پر ہے نقش بقائے ابو الحسنؒ
تصنیف ان کی زندۂ جاوید ہے کہ ہیں
اقوالِ آقا ﷺ راہنمائے ابو الحسنؒ
کھولے ہیں جس نے بھید ولایت کے، سب کے سب
ایسا کوئی نہیں ہے سوائے ابو الحسنؒ
لگتا ہے یہ کہ خالقِ عالم کو ہو گئی
مقبول بارگاہ ادائے ابو الحسنؒ

محمودؔ میں جو واصفِ داتا حضورؒ ہوں
مجھ پر کرم نما ہے خدائے ابو الحسنؒ

☆☆☆

بن گیا لاہور جب سے واقعی داتا نگر
پا گیا ہے حیثیت اک مرکزی داتا نگر
جس کے باعث شہر میں بھوکا کوئی سوتا نہیں
رکھتا ہے داتاؒ سے وہ وابستگی داتا نگر
یہ علی ہجویری داتاؒ کی عنایت ہے کہ ہے
رنج سے، اندوہ سے، غم سے بری داتا نگر
پا گیا فیضِ قدومِ سید ہجویرؒ سے
آگہی و دلکشی و تازگی داتا نگر
تو جو پہچانے گا داتاؒ کے حوالے سے اسے
کیوں نہ فرمائے گا تیری بہتری داتا نگر
سب سلاسل کے تعلق دار سر کو خم کیے
پانے کو آتے رہے دیدہ وری داتا نگر
جگمگا اٹھتے ہیں دل لوگوں کے داتاؒ کے طفیل
دیتا ہے ظلمت زدوں کو روشنی داتا نگر
نو سو سڑسٹھ سال وصلِ ربِ داتا کو ہوئے
بانٹتا ہے لطفِ داتاؒ آج بھی داتا نگر
یوں تو ہے محمود نگری ملک سب ان کی، مگر
ہے دمِ داتاؒ سے شہر ایک معنوی داتا نگر

☆☆☆

کون ہے سرخیل اہلِ حق کا، اہل اللہ کا
شاعرِ مشرقؒ نے "مخدومِ اُمم" جس کو کہا
خواجۂ اجمیرؒ جس ہستی کے ہیں اوصاف گو
جس کو اہلِ رشد نے مانا ہے اپنا مقتدا
جس کی تصنیفِ لطیف ایسی حقیقت بیز تھی
درجہ مرشد کا اسے سلطان جیؒ نے دے دیا
ایک صوفی عمر بھر جو معرفت کی منزلیں
رہرووں کے واسطے آسان کرتا ہی رہا
مدحِ محبوبِ خدائے لم یزل ﷺ کے ساتھ ساتھ
جس عظیم انسان کا محمودؔ ہے مدحت سرا
سید ہجویرؒ ہے وہ، جس کا "لنگر" حشر تک
ختم ہونا غیر ممکن ہے بعونِ کبریا

☆☆☆

چاہتے ہیں سب کی جب بہبود مخدومِ اُممؒ
لطف فرمائیں گے دیر و زود مخدومِ اُممؒ
شاعرِ مشرقؒ حکیمِ اُمتِ سرکار ﷺ تھا
جس نے داتاؒ کو کہا محمودؔ "مخدومِ اُممؒ"
رہنما ہے فکر ان کی نوعِ انساں کے لیے
ہیں بہ فضل و رحمتِ معبود مخدومِ اُممؒ
گنج بخشِ فیضِ عالم سید ہجویرؒ ہیں
آشنائے شاہد و مشہود مخدومِ اُممؒ
ہیں امیرِ مُلکِ معنیٰ، مخزنِ انوارِ حق
قاسمِ گنجِ عطا و جُود مخدومِ اُممؒ
مجمعُ البحرین شرع و معرفت داتا حضورؒ
واقفِ اسرارِ ہست و بود مخدومِ اُممؒ

بند ہر دروازۂ تشکیک فرماتے گئے
کر کے راہِ شرک کو مسدود مخدومِ اُمم
پردہ ہائے معرفت وا کر دیے ہیں آپ نے
ہیں مشیت کا درِ مقصود مخدومِ اُمم
جس جگہ جب بھی پکارا آپ کو محمودؔ نے
اس نے پایا، ہیں وہیں موجود مخدومِ اُمم

☆☆☆

یوں رب نے اونچا فرمایا اقبال علی ہجویریؒ کا
ہر ماہ علی ہجویریؒ کا، ہر سال علی ہجویریؒ کا
ماضی جو رہا ہے داتاؒ کا تو استقبال بھی اِن کا ہے
اور دیکھ رہی ہے سب دنیا، ہے حال علی ہجویریؒ کا
تم پیڑ ولایت کا دل کی آنکھوں سے جو دیکھو، پاؤ گے
سب پات علی ہجویریؒ کے، ہر ڈال علی ہجویریؒ کا
کیوں جملہ شیوخ سلاسل کے، حاضر نہ ہوں اِس درِ عالی پر
تفصیل ہے سارے ولیوں کی، اِجمال علی ہجویریؒ کا
تصنیف علی ہجویریؒ کی ہر وقت بسا لے آنکھوں میں
جو حکم سمجھ میں آ جائے، مت ٹال علی ہجویریؒ کا
مخدوم اُمم کا فرمایا، مرقد کو حرم اظہار کیا
مداح رہا ہے کچھ ایسا اقبالؒ علی ہجویریؒ کا
نسبت سب اہلِ تصوف کی، قائم ہوئی فیضِ عالمؒ سے
ہر غوث علی ہجویریؒ کا، ابدال علی ہجویریؒ کا
محمودؔ نظر والے جو ہیں، وہ دیکھتے ہیں ہر صبح و مسا
دل یادِ خدا میں رہتا ہے فعال علی ہجویریؒ کا

☆☆☆

عطائے سرورِ کل ﷺ سے ہیں اونچی شان کے، داتا
میں ان سے مانگتا ہوں لوگو! ان کو جان کے داتا
جہاں والوں کے دل پر راج تو کرنا ہی تھا اِن کو
ہیں ذُریت نبی ﷺ کی، بندے ہیں رحمان کے داتا
جلیل القدر سارے اولیا تسلیم کرتے ہیں
علی ہجویری کو مانا گیا عرفان کے داتا
کوئی کشکول در کف ہو کہ سر پر تاج رکھتا ہو
علی ہیں ہر فقیر راہ کے، سلطان کے داتا
تمنائی ہیں ہم بخشش کے، تو ممدوحِ اجمیری
ہیں راہِ جنتُ الفردوس کے سامان کے داتا
نہیں دیکھا ہے خالی ہاتھ جاتا کوئی اِس در سے
یہ ہیں دانندہ اسرار کے، انجان کے داتا
عقیدت سے جو دے گا حاضری، وہ اِن کو پائے گا
کرم کے، التفات و لطف کے، احسان کے داتا
مقاماتِ علُو حُضار کو محمودؔ دیتے ہیں
مگر غربالِ اخلاص و وفا میں چھان کے، داتا

☆☆☆

اخیار و اتقیا کے ہیں رہبر ابُو الحسن
اور عاصیوں کے ناصر و یاور ابُو الحسن
کیوں کاشفِ رمُوز طریقت نہ آپ ہوں
ہیں بابِ شہر علم کے مظہر ابُو الحسن
تشنہ رہے گا کیسے محب آپ کا کوئی
ہمراہ ہوں گے جب سرِ کوثر ابُو الحسن
ہیں رہنمائے کاروانِ زُہد و اِتقا
ہیں بحر معرفت کے شناور ابُو الحسن

ہو گا لباس صُوف سرِ حشر زیبِ تن
جیسے رہے جہان میں اکثر ابُو الحسنؒ
دل کے ورق پہ میرے، لکھا نام آپ نے
قسمت کا ہو گیا۔ ہوں سکندر، ابُو الحسنؒ!
اِن پر نگاہِ لطف و عطا و کرم رہے
ہیں حاضر دربارِ سخنور ابُو الحسنؒ!
محمودؔ پر نگاہِ عنایت نبی ﷺ کی ہے
اور لطف زا ہوئے ہیں برابر ابُو الحسنؒ

☆☆☆

لطف کے، شفقت کے خُوگر گنج بخشؒ
ہوں گے یاورِ روزِ محشر گنج بخشؒ
مُستفاد آقا ﷺ کی تنویروں سے ہیں
مصطفی ﷺ خُور، ماہِ انور گنج بخشؒ
پیروی میں سنت سرور ﷺ کی ہیں
اولیاؒ تک میں قد آور گنج بخشؒ
نیرِ برجِ عطا و فضل ہیں
لطف فرما ہیں برابر گنج بخشؒ
کر دی اصلاحِ بطُونِ مردماں
ہیں جو راہِ حق کے رہبر گنج بخشؒ
بحرِ زخارِ علوم باطنی
نورِ خالق، نُورِ سرور ﷺ گنج بخشؒ
قاسم گنجِ حبیب کبریا ﷺ
ہیں ہمہ انسانوں سے برتر گنج بخشؒ
آپؒ کو محمودؔ مشکل تو بتا
تیرا بدلیں گے مقدر گنج بخشؒ

حاجت ہے لطف وافسر داتا حضور کی
بس عرض یہ ہے زائرِ داتا حضور کی
مومن ہوں سارے اپنے خدا کے ثنا طراز
حکمت ہے فکرِ نادرِ داتا حضور کی
حُبِ خدا تھی چہرۂ انور پہ بھی رقم
یہ کیفیت تھی ظاہرِ داتا حضور کی
سایہ ہے سر پہ آپ کے نانا حضور ﷺ کا
رحمت ہے مجھ پہ قادرِ داتا حضور کی
عزت بحال دہر میں اسلامیوں کی ہو
فریاد ہے یہ شاعرِ داتا حضور کی
داتا کے جو محب ہیں، وہ حق دارِ خُلد ہیں
بھد کیوں نہ ہو گی منکرِ داتا حضورؒ کی
احسان مند اُن کا سدا سے ہوں، اور مری
ہے حیثیت ہی شاکر داتا حضورؒ کی
ہر سال ہے رشیدؔ کی طیبہ میں حاضری
عظمت تو دیکھو ذاکرِ داتا حضورؒ کی

☆☆☆

دیارِ غزنی سے لاہور آنا فیضِ عالمؒ کا
ہے اس کی عزت و وقعت بڑھانا فیضِ عالمؒ کا
ہے ہم پر سرورِ کون و مکاں ﷺ کا لطفِ بے پایاں
کرم کرتے ہوئے روضہ دکھانا فیضِ عالمؒ کا
دلوں میں انقلابِ خوب تر کا پیدا کر دینا
زرِ عرفاں کو ہے ہر سُو لٹانا فیضِ عالمؒ کا
درِ داتاؒ ہمہ اوقات ہے مرجع خلائق کا
ہر اک زائر کے لب پر ہے ترانہ فیضِ عالمؒ کا

علمبردار یہ ہیں نشر آیاتِ الٰہی کے
تو ہے اندازِ تبلیغ عاجزانہ فیضِ عالمؒ کا
نہیں زُدار خود سے حاضرِ دربار ہو سکتے
یہ ہوتا ہے حقیقت میں بلانا فیضِ عالمؒ کا
نہ کہتے کس لیے لاہور کو داتا نگر سارے
ہُوا مشہور جب "لنگر" کھلانا فیضِ عالمؒ کا
اسے تکریم کے قابل بنانے ہی کی صورت ہے
دلِ محمودؔ میں تشریف لانا فیضِ عالمؒ کا

☆☆☆

خواہش یہ ہے کہ شعر پر ہو صادِ گنج بخشؒ
مل جائے منقبت پہ مجھے دادِ گنج بخشؒ
ازبر انہیں تھا درسِ حقیقت کا لفظ لفظ
نانا جو ان کے، آپ تھے استادِ گنج بخشؒ
نسبت کا اک تسلسل عظمت اِسے کہو
اولادِ مصطفیٰ ﷺ رہے اجدادِ گنج بخشؒ
اُس کی سرِ نشور شفاعت نبی ﷺ کریں
حاصل رہے کسی کو جو امدادِ گنج بخشؒ
غیرِ خدا کی اُس کے لبوں پر ثنا ہو کیوں
ہو نقش جس کے قلب پر ارشادِ گنج بخشؒ
اِس شہرِ خوش پہ سایۂ الطافِ ذات ہے
لاہور جو ہے معرفت آبادِ گنج بخشؒ
میں نے کرایا تمکیش اسے شہرِ حضور ﷺ میں
دل پر جو نقش ہو چکی تھی یادِ گنج بخشؒ
محمودؔ ان کی یوں بھی یقینی ہے مغفرت
سب منقبت کو پائیں گے اسنادِ گنج بخشؒ

ہر خبر رکھتے ہیں داتا آپ نزد و دور کی
حاضری فرمائیے منظور ہر مجور کی
بے کسِ و بے ثروت و نادار کی، مجبور کی
سید ہجویر داتا نے مدد بھرپور کی
عام کر کے آپ نے عفو و عطا و درگزر
درد عنقا کر دیا، ہر اک مصیبت دور کی
اس سے علمِ معرفت پھیلا جہاں میں ہر طرف
روضۂ داتا سے پھوٹی جو تجلی نور کی
ہے گداز و اہتزازِ معرفت کا در یہی
سر بخم رہنا یہاں پر، بات ہے دستور کی
حشر میں جانچیں گے، کتنا پیار کس کو اِن سے تھا
ہو گی اک تفریق یہ رنجیدہ و مسرور کی
جب دعا میں واسطہ تھا سید ہجویر کا
ہر گزارش ربِ اَرحَم نے مری، منظور کی
بعدِ حمد و نعت، ہونٹوں پر ہو داتا کی ثنا
جب سنو محمودؔ تم آواز بانگِ صُور کی

☆☆☆

عطا ہے نبی ﷺ کی، سخاوت کسی کی
نمایاں ہوئی جس سے وقعت کسی کی
جو ہو گی سرِ حشر شوکت کسی کی
اسی سے عیاں ہو گی عظمت کسی کی
یہ دیکھی ہے دنیا نے فطرت کسی کی
مدد کی، جو پائی مصیبت کسی کی
سوا فیض عالم کے، دیکھی کسی نے
گراں مایہ اتنی ولایت کسی کی

نگاہوں میں جچتا ہے روضہ کسی کا
دلوں پر ہوئی ہے حکومت کسی کی
حبیب خدا ﷺ سی کوئی دیکھی سیرت
سوا اپنے داتا ؒ کے، سیرت کسی کی
کثافت ہو عنقا، نفاست ہو پیدا
جو ہو لطف فرما لطافت کسی کی
خدا تک رسائی کی خواہش میں، لوگو!
مجھے راس آئی وساطت کسی کی
یہاں کرنے تبلیغِ توحید خالق
تھی غزنی سے لاہور ہجرت کسی کی
عطا خواجگی کا نہ کیوں اوج ہوتا
تھی قدموں کی جانب ریاضت کسی کی
وہ دیکھے گا روضے پہ رحمت برستی
کھلی ہو جو چشم بصیرت کسی کی
یقیں ہے سرِ حشر سب عاصیوں کو
کفایت کرے گی کفالت کسی کی
مدینے پہنچنا نہیں کوئی مشکل
ملے جب کسی کو اجازت کسی کی
یہ دنیا کو ہے علم، داتا نگر میں
ہے ہر لحہ جاری ضیافت کسی کی
جو ہیں جمع مدحت سرایانِ داتا ؒ
کسی کا کرم ہے، عنایت کسی کی
میں محمودؔ کیا ہوں، مری منقبت کیا
ثنا لکھے جب کِلکِ قدرت کسی کی

☆☆☆

سید ہجویرؒ کی نسبت کا پایا یہ اثر
حشر تک لاہور کہلائے گا داتاؒ کا نگر
چشمِ بینا چاہیے محمود آئے گا نظر
ان کے روضے پر تصدق نورِ خورشید و قمر
ہیں رجالُ الغیب حاضر باش اِن کی بزم کے
بارگاہِ ربُّ العزت میں ہیں داتاؒ معتبر
ہیں یہ روحانی گورنر خطۂ پنجاب کے
جانتے ہیں یہ حقیقت اہلِ دانش دیدہ ور
وصف، حکم اور حال کی تطبیق فرماتے ہیں یہ
تُو کبھی حاضر تو ہو دربار پر پچھلے پہر
لاڈلے شیرِ خداؓ کے ہیں یہ فرزندِ حسنؓ
یوں ہیں محبوب خدائے پاک ﷺ کے لختِ جگر
ان کا اقلیم تصوف پر تصرف دیکھ کر
عالمِ حیرت میں ہیں اہلِ نظر، اہلِ خبر
گنج بخشِ علم و عرفاں، کاشفِ اسرار ہیں
اِن مقاصد کے لیے حاضر تو ہو کوئی بشر
ان کے ہیں مداح سارے صُوفیہ متقدمین
دین کے خورشید ہیں سرور ﷺ تو داتاؒ ہیں قمر
تشنگانِ معرفت کے ساقیٔ خوش خُلق ہیں
جمع ہوتے ہیں جہاں سارے، وہ ہے داتاؒ کا در
آبیاری نخل حُب سید ہجویرؒ کی
کرنی ہے تو پیش کر چشمِ عقیدت کے گہر
لرزہ براندام جب ہوں گے قیامت میں سبھی
دیں گے داتاؒ اپنے نانا ﷺ کی شفاعت کی خبر
حاضر دربارِ داتاؒ عارفانِ کاملیں

اس توقع میں رہا کرتے ہیں، ہو جائے نظر
دولتِ فقر و غنا پانے کو داتا کے یہاں
عامی و زاہد سبھی پائے گئے شِیر و شکر
تیری کیا بے چارگی محمودؔ، جب داتا حضور
ہیں عطائے رب و فضل مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چارہ گر

☆☆☆

خدا کے دوستوں میں ہے شمار گنج بخش کا
نگاہِ قدسیاں میں ہے وقار گنج بخش کا
ثنا طراز ابو الحسن علی کے ہیں سب اِس لیے
کرم رہا، عطا رہا شعار گنج بخش کا
میں تیرے حُسنِ آخرت کی کر رہا ہوں یوں دعا
خدا کرے، ہو تیرے دل میں پیار گنج بخش کا
کوئی نہ وار شیطنت کا اُس پہ کامیاب ہو
ہو اردگرد جس کے بھی حصار گنج بخش کا
شعور ہی ہمیں کہاں ہے عظمتوں کا آپ کی
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جُڑا ہوا ہے تار گنج بخش کا
سمجھتا ہوں کہ یہ ہے اک سعادتوں کا سلسلہ
کہ بلبلِ مدینہ ہے ہزار گنج بخش کا
رہائشی جہاں کا ہے رشیدؔ منقبت سرا
ہے بستی گنج بخش کی، دیار گنج بخش کا

☆☆☆

دل کے اندر جلوہ فرما سید ہجویر ہیں
اِس میں جب جھانکا تو دیکھا، سید ہجویر ہیں
ہے نسب بے مثل ان کا، نسبتیں عالی سبھی
سبطِ سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید ہجویر ہیں

ناصر و داتا جب ان کا، کبریا ہے بے گماں
سب کے ناصر، سب کے داتا سید ہجویرؒ ہیں
پیاس جس سے بجھ رہی ہے اُمتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
خُلق کا اک ایسا دریا سید ہجویرؒ ہیں
کیوں نہ اپنے آپ کو داتاؒ کی خاکِ پا کہوں
جب مرے، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدا سید ہجویرؒ ہیں
آج لب پہ منقبت ان کی ہے جاری اس لیے
دستگیر روزِ فردا سید ہجویرؒ ہیں
اُن کے جب محمودؔ آقا ہیں حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تو مرے محبوب، داتا سید ہجویرؒ ہیں

☆☆☆

سلیم ایسی بنائی رب نے فطرت میرے داتاؒ کی
کرم مخلوقِ خالق پہ ہے عادت میرے داتاؒ کی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت ہے بیعت میرے داتاؒ کی
یہ رفعت میرے داتاؒ کی ہے، عظمت میرے داتاؒ کی
فقط اقطاب و اغواث جہاں کو علم ہے اس کا
نگاہِ کبریا میں ہے جو وقعت میرے داتاؒ کی
بہت کم اولیاءؒ تک میں مماثل ان کا دیکھو گے
ہو صورت میرے داتاؒ کی یا سیرت میرے داتاؒ کی
خدا سے پائے گا بارانِ رحمت کی فراوانی
بشرطیکہ ترے دل میں ہو چاہت میرے داتاؒ کی
مری فرطِ عقیدت سے ہُوئی جاتی ہے خم گردن
کوئی کرتا ہے جب بھی بات بابت میرے داتاؒ کی
اسے مل جائے گی داتاؒ کے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت
وہ بندہ جس کو حاصل ہو گی قربت میرے داتاؒ کی

کسی کو جاگتے میں بھی زیارت ان کی ہوتی ہے
کسی کو خواب میں ہوتی ہے رُویت میرے داتا کی
عقیدت خوش نصیب افراد کو داتا کی ملتی ہے
عطا زُہاد کو ہوتی ہے الفت میرے داتا کی
کسی صورت سے کوئی خوش ہو ان کا نام لیوا ہی
مجھے اتنی سی ہی مل جائے نسبت میرے داتا کی
پکارے تو کوئی محمودؔ داتا کو تہ دل سے
پہنچ جاتی ہے ہر حالت میں نصرت میرے داتا کی

☆☆☆

نبی ﷺ کے، رب کے ترجماں ابو الحسن علی ہوئے
تو معرفت کے آسماں ابو الحسن علی ہوئے
مِرے ہر امتحان میں، ہر ایک دکھ میں، درد میں
مُمد ہُوا ہے کون؟ ہاں، ابو الحسن علی ہوئے
جو قُربِ ربِ لم یزل سے مستفید ہو گئے
نثارِ شاہِ اِنس و جاں ﷺ ابو الحسن علی ہوئے
لباسِ صُوف وہ سجا تھا ان کے جسمِ پاک پر
کہ بے نیازِ پرنیاں ابو الحسن علی ہوئے
خدا کی مہربانیوں کا ٹارگٹ بنا وہی
کہ جس کسی پہ مہرباں ابو الحسن علی ہوئے
ہم اپنی خوش نصیبیوں کا کیا شمار کر سکیں
عزیزِ دل، عزیزِ جاں ابو الحسن علی ہوئے
رشید مدحت آپ کی کریں تو کس طرح کریں
زمین ہم تو آسماں ابو الحسن علی ہوئے

☆☆☆

ہر لحظہ خدا کی کر کے ثنا مخدوم علی بن عثمانؒ نے
کی توصیفِ مہمانِ دنا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مخدوم علی بن عثمانؒ نے
اصلاح و ہدایت کی جانب ہندی نہ قیامت تک آتا
کر کے یہ دکھایا ہے داتا مخدوم علی بن عثمانؒ نے
بُت پوجنے والے لوگوں کو توحید پرستی میں ڈھالا
سینوں کو منور کر ڈالا مخدوم علی بن عثمانؒ نے
اس برِ صغیر میں داتاؒ نے اسلام کا پرچم لہرایا
یہ مرتبہ خالق سے پایا مخدوم علی بن عثمانؒ نے
چلّہ تو معین الدینؒ کو بھی اِس روضے پر کرنا ہی پڑا
خواجہؒ کو دیا اعزاز بڑا مخدوم علی بن عثمانؒ نے
فیضانِ علی ہجویریؒ سے ملتی ہے نگاہ و دل کو جلا
مدحت کا دیا یہ ہم کو صلہ مخدوم علی بن عثمانؒ نے
محمودؔ جہاں کو بتلایا، ہے کون نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے کون خدا
اطابِ جہاں کے راہ نما مخدوم علی بن عثمانؒ نے

☆☆☆

خدا اپنائے گا اُس کو، جو ہو گا فیضِ عالمؒ کا
تعالیٰ اللہ! یہ اعزاز و رتبہ فیضِ عالمؒ کا
انہیں دنیا نہ مانے گنج بخش ہر دو عالم کیوں
لقب ہے "سید ہجویر" داتا فیضِ عالمؒ کا
خداوندِ دو عالم کیوں کرم اس پر نہ فرمائے
تہِ دل سے ہُوا جو نام لیوا فیضِ عالمؒ کا
دکھائی دے نہ اس کے زیرِ پا ظلِ ہُما کیونکر
کہ جس خوش بخت کے سر پر ہے سایہ فیضِ عالمؒ کا
یہ آخر کیوں نہ ہوتا، وہ خدا کے دوست جو ٹھہرے
ثریٰ سے تا ثریا نام گونجا فیضِ عالمؒ کا

صفائے قلب کی تلقین فرماتے رہے پیہم
رضائے خالق و مالک ہے منشا فیض عالمؒ کا
غم واندوہ کے چُنگل میں پھنس جائے، ہے ناممکن
جو عاشق ہے نبیؐ کا، اور شیدا فیض عالمؒ کا
کبھی میں بے نیازِ ہر دو عالم ہو نہ سکتا تھا
اثر دل پر اگر میرے نہ ہوتا فیض عالمؒ کا
وہی پائے گا محشر میں بھی دامانِ شفاعت کو
یہاں پر جس نے بھی تھاما ہے پلاّ فیضِ عالمؒ کا
عطا اُن کو ہوئی آخر محبت سرورِ دیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
خدا نے اُنس جن لوگوں کو بخشا فیض عالمؒ کا
جہاں دیندار سارے، متقی سارے ہیں داتاؒ کے
وہاں دیکھو، ہے دنیا دار مجھ سا فیض عالمؒ کا
اگرچہ حق تعالیٰ نے مقامات آپؒ کو بخشے
نظر آیا نہ پھر بھی کوئی دعویٰ فیض عالمؒ کا
دلِ محمودؔ کیفِ خرمی میں رقص کرتا ہے
نمونہ اُس نے جو رحمت کا دیکھا فیض عالمؒ کا

☆☆☆

ملا جو نظم کو عنوان داتا فیض عالمؒ کا
خدا کا فضل ہے، احسان داتا فیض عالمؒ کا
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایۂ الطاف اِس بیٹے پہ قائم ہے
خدا ہے آپ پُشتیبان داتا فیض عالمؒ کا
یہیں سے سب کو عرفانِ خدائے پاک ملتا ہے
کبھی در دیکھ تو ناداں، داتا فیض عالمؒ کا
شبانہ روز کے چوبیس گھنٹوں میں بہر لمحہ
ہے جاری چشمۂ فیضان داتا فیض عالمؒ کا

گناہوں سے کرو توبہ، تو میرا فیض پا لو گے
یہی ہر آن ہے اعلان داتا فیضِ عالمؒ کا
نہ تھا لاہور پر ہی صرف 65ء میں کرم ان کا
کہ ہے ممنون پاکستان داتا فیضِ عالمؒ کا
محبت اور عقیدت کا اگر کچھ تجھ کو دعویٰ ہے
تو پھر محمودؔ کہنا مان داتا فیضِ عالمؒ کا

☆☆☆

آئینہ اخلاق کا ہیں "مظہرِ نُورِ خدا"
دل زدو! تسکین زا ہیں "مظہرِ نُورِ خدا"
یہ علی ہجویری جلابیؒ نے پائی حیثیت
ان کو خواجہؒ نے کہا ہے "مظہرِ نُورِ خدا"
کبریا کے دوستوں میں خاص رتبہ پا چکے
قُطب اک زیرِ سما ہیں "مظہرِ نُورِ خدا"
پُھوٹتی ہے روشنی دیوار و در سے آپ کے
نور کا اک سلسلہ ہیں "مظہرِ نُورِ خدا"
کاہ کی صورت کِھنچی آتی ہے دنیا روز و شب
دیکھو، کیسے کہرُبا ہیں "مظہرِ نُورِ خدا"
نورِ خالق تک رسائی اس لیے آسان ہے
اس عمل میں واسطہ ہیں "مظہرِ نُورِ خدا"
فیض سے محمودؔ پاتے ہیں ضیا سب اِنس و جاں
روشنی کا ارتقا ہیں "مظہرِ نُورِ خدا"

☆☆☆

شفقت جو مجھ پہ سید ہُجویرؒ کی ہوئی
نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجھ کو عطا روشنی ہوئی

اک کیفیت نگاہ و دل و روح کو ملی
داتاؒ کے در پہ جب بھی مری حاضری ہوئی
لب جس کے حمد و نعت و مناقب سے دور ہیں
سوچو تو وہ کہ یہ بھی کوئی زندگی ہوئی
سُوجھا اسے کہ پہنچے مدد کے لیے یہاں
حد سے زیادہ جب کسی کی بیکسی ہوئی
ہجویریؒ بارگاہ میں جو جا کھڑا ہوا
اس کی مدد کو ان کی عطا اُٹھ کھڑی ہوئی
چُپ چاپ جب میں حاضر دربار ہو گیا
ہر خامشی یہاں پہ ملی بولتی ہوئی
محمودؔ رب کی معرفت میں کامیاب تھی
خواجہؒ کی پیروی میں جو چلّہ کشی ہوئی

☆☆☆

یوں عقیدت آپ اپنے آپ پر طاری کریں
سید ہجویرؒ فرمانِ کرم جاری کریں
اپنی جانب چاہتے ہوں جو توجہ کی نظر
حاضرِ دربار ہوں، آہیں بھریں، زاری کریں
آپ تعلیماتِ داتاؒ پر کریں دل سے عمل
رستگاری چاہیں تو کچھ خود بھی تیاری کریں
منقبت لکھتے لکھاتے سید ہجویرؒ کی
آج کے دن ہم بھی اظہارِ وفاداری کریں
بعدِ اِسمِ خالق و اسمِ حبیبِ کبریا ﷺ
نامِ ہجویریؒ زبانِ قلب پر جاری کریں
حاضری سیدھے بھاؤ دیں سبھی دربار پر
مت اداکاری کریں، مت کوئی فنکاری کریں

تُو جو دم بھرتا رہا محمودؔ ان کا عمر بھر
کیوں نہ داتا حشر میں تیری طرف داری کریں

☆☆☆

نورِ عرفانِ حقیقت کا تجلّی گنج بخش
اپنے رب سے پا چکے ہیں خاص رتبہ گنج بخش
حق ہے، جب کہتی ہے ان کو ساری دنیا گنج بخش
ڈھونڈ کر لاؤ تو کوئی آپ جیسا گنج بخش
لوحِ محفوظِ طریقت پر ہے لکھا "گنج بخش"
"فیض عالم، سید ہجویرؒ داتا گنج بخش"

☆☆☆

خود تقرب ذات کا رکھتے ہیں اتنا گنج بخش
روز تکتے ہیں ثریٰ سے تا ثریا گنج بخش
جب پکارے دل کی گہرائی سے تُو "یا گنج بخش"
تجھ پہ کر دیں سرِ حق کو آشکارا گنج بخش
اے تعالی اللہ! وہ ہیں جلوہ آرا گنج بخش
فیض عالم، سید ہجویر، داتا گنج بخش

☆☆☆

اژدہے پھنکارتے تھے کفر کے شام و سحر
اور بتوں کے پاؤں پر ہوتے تھے انسانوں کے سر
کتنا جاں پرور ہے تعلیماتِ داتاؒ کا اثر
ملتِ بیضا کا قلعہ بن گیا "داتا نگر"
ہیں جو مقبولِ حبیب حق تعالیٰ ﷺ گنج بخش
فیض عالم. سید ہجویر، داتا گنج بخش

☆☆☆

رہ نوردانِ رہِ الفت کے ہیں وہ رہنما
رشتۂ اخلاص اُن کے دم سے مستحکم ہوا
تھی مروت اُن کی قوت، خُلق ان کا اسلحہ
قلعۂ طاغوت کو زیر و زبر جس نے کیا
ہے سخا میں کون ان سا، کون ان سا گنج بخشؒ
فیضِ عالم، سید ہجویر، داتا گنج بخشؒ

☆☆☆

یہ مرے مخدوم سید ابن عثمانؒ نے لکھا
ہے تصوف نام ہی اخلاق کی تصحیح کا
جس نے سبقت خُلق میں لی، وہ تصوف میں بڑھا
اُن کی سیرت سے ملا ہے جادۂ رشد و ہُدیٰ
کفر کو اخلاق سے کرتے تھے پسپا گنج بخشؒ
فیضِ عالم، سید ہجویر، داتا گنج بخشؒ

☆☆☆

فیضِ عالمؒ نے ہمیں تعلیم یہ کیا دی نہیں!
جو صفائے قلب کا عادی نہیں، صوفی نہیں
جس کے قول و فعل میں ہے بُعد، وہ کچھ بھی نہیں
خالق ہر دو جہاں اُس شخص سے راضی نہیں
کھولتے ہیں، دیکھو، کیسا کیسا پردہ گنج بخشؒ
فیضِ عالم، سید ہجویر، داتا گنج بخشؒ

☆☆☆

پیشِ داتاؒ حق شناسی کا ذریعہ علم ہے
کھول دے جو رازِ در پردہ کا پردہ، علم ہے
بے نیازِ حلقۂ دیروز و فردا علم ہے
بابِ اول ہی کتابِ معرفت کا علم ہے

بے عمل عالم کو فرماتے ہیں اندھا، گنج بخشؒ
فیضِ عالم، سید ہجویر، داتا گنج بخشؒ

☆☆☆

کشفِ محجوب آپ کی کرتی ہے اسرار آشکار
جس کا ارشاداتِ محبوبِ خدا ﷺ پر ہے مدار
دوستو! گر چاہتے ہو دین و دنیا میں وقار
فکر و تعلیماتِ ہجویریؒ کو کرنا اختیار
دیکھنا، تم کو عطا کرتے ہیں کیا کیا گنج بخشؒ
فیضِ عالم، سیدِ ہجویر، داتا گنج بخشؒ

☆☆☆

ہر لحظہ خدا کی کر کے ثنا مخدوم علی بن عثمان نے
کی توصیف مہمان دنا مخدوم علی بن عثمان نے
اصلاح و ہدایت کی جانب ہندی نہ قیامت تک آتا
کر کے یہ دکھایا ہے داتا مخدوم علی عثمان نے
بت پوجنے والے لوگوں کو توحید پرستی میں ڈھالا
سینوں کو منور کر ڈالا مخدوم علی بن عثمان نے
اس برصغیر میں داتا نے اسلام کا پرچم لہرایا
یہ مرتبہ خالق سے پایا مخدوم علی بن عثمان نے
چلہ تو معین الدین کو بھی اس روضے پر کرنا ہی پڑا
خواجہ کو دیا اعزاز بڑا مخدوم علی بن عثمان نے
فیضانِ علی ہجویری سے ملتی ہے نگاہ و دل کو جلا
مدحت کا دیا یہ ہم کو صلا مخدوم علی بن عثمان نے
محمودؔ جہاں کو بتلایا ہے کون نبی ہے کون خدا
اقطابِ جہاں کے راہ نما مخدوم علی بن عثمان نے

حضرت طارق سلطانپوری

بحضور

سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و پیش کش: ملک محبوب الرسول قادری

تاجدارِ کشورِ عرفان داتا گنج بخشؒ
سربراہِ دولتِ ایقان داتا گنج بخشؒ
معرفت کی سلطنت کی شان داتا گنج بخشؒ
آگہی کی مملکت کی آن داتا گنج بخشؒ

حسنِ تعلیماتِ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ماہتاب
آفتابِ حکمتِ قرآن داتا گنج بخشؒ

حُجتِ محکم شکوہِ دین و اوجِ فقر کی
سطوتِ حق کی قوی بُرہان داتا گنج بخشؒ

محرمِ رازِ محبت، عشق کا رمز آشنا
علم و حکمت کا دقیقہ دان داتا گنج بخشؒ

نقشِ اجلالِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آئینہ شانِ علیؓ
مظہرِ تابانیٔ سبحان داتا گنج بخشؒ

چہرہ خوانِ وقت، نباضِ زمانہ، فیضِ عصر
مرشدِ دوراں، عظیم انسان داتا گنج بخشؒ

رزم گاہِ خیر و شر میں ہے سپاہِ خیر کا
حوصلہ افزا و پُشتیبان داتا گنج بخشؒ

باخبر رندانِ دریا نوش کی حاجات سے
ساقئ میخانۂ فیضان داتا گنج بخشؒ
وہ ہمارا مایۂ عظمت، متاعِ افتخار
ارضِ پاکستان کی پہچان داتا گنج بخشؒ
یہ غلامانِ محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہے چمن
اس چمن کا حافظ و نگران داتا گنج بخشؒ
اہلِ ایماں اس حقیقت کے ہیں طارقؔ معترف
زیب و زین گلشن ایمان، داتا گنج بخشؒ

☆☆☆

ابد تک رہے گی شبستانِ حق میں
درخشانئ شمعِ فیضانِ داتاؒ
نہیں اس کو تغیرِ دوراں سے خطرہ
خزاں سے ہے محفوظ بُستانِ داتاؒ

☆☆☆

روح پرور اہلِ دل کے واسطے صدیوں سے ہیں
جلوہ ہائے لازوالِ بزمِ فیض گنج بخشؒ
دیدنی ہے صرف اے اہلِ نظر، اے اہلِ شوق
گفتنی ہے کب کمالِ بزمِ فیض گنج بخشؒ

☆☆☆

فرِ تاجداراں فسون و فسانہ
فقیروں کا جاہ و حشم جاودانہ
عمل میں وحید، علم میں بھی یگانہ
کریمِ جہاں، فیض بخشِ زمانہ
شکستہ دلوں، بے کسوں کا ٹھکانا
مرے شاہِ ہجویرؒ کا آستانہ

نہ کیوں اُن کا گرویدہ ہوتا زمانہ
نظر دلبرانہ، عمل مشفقانہ
خدا کا ولی، پیکر حشمتِ حق
وقار عالمانہ، جلال عاشقانہ
تمام عمر عشقِ خدا و نبی ﷺ کا
کُشادہ دلی سے لٹایا خزانہ
جہانگیر فیض اُن کا ہوتا نہ کیسے
نگارِشں حق افزا، کلام عارفانہ
معارف سے لبریز تحریر ایسی
کہ نازاں ہے اُس پر ادب صوفیانہ
بہ صد جاہ و اجلال درویش کامل
فقیر اور انداز میں خسروانہ
وہ مولیٰ صفات عبدِ حق شان، جس کا
لبِ وقت پر آج بھی ہے ترانہ
سن وصل سلطانِ ملکِ ہُدا کا
کہاں ہے وہ "ابراسں بزمِ زمانہ"
5 6 4 ھ

☆☆☆

الف۔ سال ولادت: 387ھ
بہ الفاظ بحساب ابجد "پیکر مجدِ حق" "شانِ حوبِ حجاز"

....

ب۔ سالِ وصال: 465ھ
بہ الفاظ حساب ابجد "تجلی حبیب" "شاہ بازِ اَوجِ الحق"

....

امامِ اولیا و پیشوائے کاملاں کہیے
بہ غایت شوق ہجویری علیہؒ کی داستاں کہیے
کوئی اندازہ کر سکتا نہیں اُن کی جلالت کا
انہیں نازِ زماں لکھیے، انہیں فخرِ جہاں کہیے
انہیں تسلیم کیجے صدر بزمِ فقر و عرفاں کا
انہیں عشق و محبت کا امیر کارواں کہیے
وہ فرزندِ حسنؓ ہیں، بُو تُرابی ہیں تعالی اللہ
انہیں نورِ نگاہِ تاجدارِ مرسلاں ﷺ کہیے
ہدایت اُن سے لاکھوں گمرہانِ دہر نے پائی
انہیں دینِ محمد ﷺ کی صداقت کا نشاں کہیے
اُٹھے پردے دلوں سے معصیت کے، اُن کی حکمت سے
انہیں دینِ نبی ﷺ کا راز دان و ترجماں کہیے
زمیں لاہور کی ہے دائمی آرام گاہ اُن کی
فلک پایہ اسے کہیے، اسے رشکِ جناں کہیے
مبارک مرقدِ سید، منور قبرِ داتاؒ کو
مقامِ لُطف و جُود و جائے فیضِ جاوداں کہیے
تہی دامن ہزاروں تشنگانِ دہر آتے ہیں
درِ مخدومؒ کو بخشش کا بحرِ بیکراں کہیے
بہ امیدِ کرم یہ منقبت طارقؔ نے لکھی ہے
اسے بھی سید ہجویرؒ کا توصیف خواں کہیے
کہا طارقؔ نے یوں سالِ وصالِ حضرت داتاؒ
"زعیمِ ملکِ معنی" ساتھ ہی "زیبِ جہاں" کہیے
465 = 78 + 387

☆☆☆

وہ عظیم عہد آفریں ہے، کار داتا گنج بخشؒ
ہیں زبانِ وقت پہ اذکارِ داتا گنج بخشؒ
آنکھ والوں نے کیا دیدارِ داتا گنج بخشؒ
خوش نصیبوں نے سُنی گفتارِ داتا گنج بخشؒ

آندھیوں، صدیوں سے طوفان میں بھی ہے برقرار
نورِ شمعِ عظمتِ دربارِ داتا گنج بخشؒ

انقلابِ وقت اُن کے آستاں کا پاسبان
گردشِ دوراں ہے پہرہ دارِ داتا گنج بخشؒ

اُن کی دانش کاشف المحجوب ہے ہر دور کی
کنزِ عرفان و ہدیٰ افکارِ داتا گنج بخشؒ

زیبِ تاریخ، سلوک حُسنِ کتابِ معرفت
صوفیانہ فکر کے انوارِ داتا گنج بخشؒ

کارنامے، اُن کی تحریریں، مزارِ فیض بار
عالمی ورثہ ہیں سب آثارِ داتا گنج بخشؒ

غلبۂ کفر و ضلالت میں جو آیا سامنے
ہے وہ جراٴت آفریں کردارِ داتا گنج بخشؒ

آج جو بھی ناظمِ میخانۂ عرفان ہے
یہ حقیقت ہے، وہ ہے میخوارِ داتا گنج بخشؒ

اُن کی یادیں ولولہ انگیز ہیں اذہان میں
ہیں دلوں کی آب و تاب اذکارِ داتا گنج بخشؒ

آج وہ سب سے زیادہ ہیں ہمارے دل پسند
جو ہے زیرِ سایۂ دیوارِ داتا گنج بخشؒ

منتظر طارقؔ کا ہے دشتِ حیات، ہو مُلتفت
ابرِ گل ریز و لطافت بارِ داتا گنج بخشؒ

☆☆☆

پرتوِ حُسنِ رخِ محبوب ﷺ داتا گنج بخشؒ
جلوۂ حیدرؓ کا عکس خوب داتا گنج بخشؒ
علم و حکمت کا جہانِ خوب داتا گنج بخشؒ
معرفت کی کشور مرغوب داتا گنج بخشؒ
جس کو حضرت ﷺ نے کہا دروازۂ شہرِ علومؓ
اُس عظیم ہستی سے ہے منسوب داتا گنج بخشؒ
مرجع اربابِ عشق و آرزو مندانِ حق
طالبانِ فقر کا مطلوب داتا گنج بخشؒ
انقلاب آئے، کئی فتنے، کئی طوفاں اُٹھے
کب کسی سے ہو سکا مغلوب داتا گنج بخشؒ
فیض عالم ہے شریکِ زمرۂ لَا یَحْزَنُوْن
جیش باطل سے نہیں مرعوب داتا گنج بخشؒ
فَاذْکُرُوْنِیْ اور اَذْکُرْکُم کا اظہار حسیں
راغبِ حق، خلق کا مرغوب داتا گنج بخشؒ
ان کے خوانِ فیض سے کس کو نہیں حصہ ملا
کون ہے جس کو نہیں مرغوب داتا گنج بخشؒ
وہ جگت داتا عوام الناس کا، ہر دلعزیز
اہلِ علم و فقر کا محبوب داتا گنج بخشؒ
کشورِ صدق و صفا، ملکِ حقیقت کا سفیر
عشق کی اقلیم کا مندوب داتا گنج بخشؒ
اہلِ حاجت روز و شب در پر قطار اندر قطار!
گنج بخشی کر رہا ہے خوب داتا گنج بخشؒ
شہرِ علم ﷺ و بابِ شہرِ علمؓ کے فیضان سے
آشکارا تجھ پہ زشت و خوب داتا گنج بخشؒ
کل بھی اُس نے کھولے عُقدہ ہائے علم و معرفت

آج بھی ہے کاشفِ محجوب داتا گنج بخش
ہو گیا وہ بھی حقیقت آشنا، جس نے پیا
تیرے جامِ عشق کا مشروب داتا گنج بخش
تیرے دیوانوں میں دانش مند اربابِ سلوک
تیرے فرزانوں میں ہیں مجذوب داتا گنج بخش
میرا سازِ زندگی، میرا ربابِ سوزِ عشق
ہے ترے مضراب کا مضروب داتا گنج بخش
ختم ہوتا ہی نہیں میری تہی دستی کا دور
التفات اے شاہِ جُود اسلُوب، داتا گنج بخش
اس سے طارق اس لیے دہری عقیدت ہے مجھے
ہے مرے محبوب ﷺ کا محبوب داتا گنج بخش

☆☆☆

حسنِ تعلیماتِ محبوبِ خدا ﷺ کا ماہتاب
آفتابِ حکمتِ قرآن داتا گنج بخش
حُجتِ محکم شکوہِ دین و اوجِ فقر کی
سطوتِ حق کی قوی بُرہان داتا گنج بخش
محرمِ رازِ محبت، عشق کا رمز آشنا
علم و حکمت کا دقیقہ دان داتا گنج بخش
نقشِ اجلالِ نبی ﷺ، آئینہ شانِ علیؓ
مظہرِ تابانیٔ سبحان داتا گنج بخش

☆☆☆

سرگروہِ اصفیا و اولیاء ہے گنج بخش
مرشدِ پاکاں، امام الاتقیا ہے گنج بخش
قافلہ سالارِ علم و اہتدا ہے گنج بخش
کاملانِ معرفت کا رہنما ہے گنج بخش

قاسم سرمایۂ صدق و صفا ہے گنج بخشؒ
ناظمِ میخانۂ رشد و ہُدیٰ ہے گنج بخشؒ
مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت و حشمت کا عکس دیدہ زیب
سطوتِ حیدرؓ کا نقشِ خوشنما ہے گنج بخشؒ
اس کی خوشبو، اس کی رنگت اس لیے ہے دلپذیر
وردِ گلزارِ علی المرتضیٰؓ ہے گنج بخشؒ
راست اس کے قدِ بالا پر سیادت کی قبا
سید و جید حسنؓ کا لاڈلا ہے گنج بخشؒ
حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے بقول
"فیض عالم، مظہرِ نورِ خدا" ہے گنج بخشؒ
"سید ہجویر، مخدوم اُمم" اُس نے کہا
مرجع و ممدوحِ اقبالؒ (حق نوا) ہے گنج بخشؒ
اوجِ فقر و رفعتِ عرفان کی تصویرِ خوب
حق پرستی کا نشانِ ارتقا ہے گنج بخشؒ
عشقِ حق نعمت ہے جو وافر عطا اُس کو ہوئی
معرفت ہے سلطنت، فرماں روا ہے گنج بخشؒ
آخری پیغمبرِ حق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا جس کا نفاذ
اُس شریعت کا حقائق آشنا ہے گنج بخشؒ
اِس حقیقت کو عیاں محرابِ مسجد نے کیا
کاشفِ محجوب کعبے تک رسا ہے گنج بخشؒ
سامعین اُس کے نہیں محدود صرف اِس ملک تک
عالمی آواز، آفاقی صدا ہے گنج بخشؒ
اُس کے در پر روز و شب ہیں سائلوں کی ٹولیاں
جھولیاں دن رات سب کی بھر رہا ہے گنج بخشؒ
باقی و قیوم کا حاصل ہے اُس کو خاص قرب

زندہ، پائندہ، فنا ناآشنا ہے گنج بخشؒ
اس کی خدمت میں عقیدت کے جو گل کرتے ہیں پیش
دیکھتا سنتا ہے اُن کو، جانتا ہے گنج بخشؒ
اُس کی قدر و منزلت کا مُعترف ہر نابغہ
ہر بڑے انسان نے مانا، بڑا ہے گنج بخشؒ
کل بھی اُس کی دل کشی کا کوئی اندازہ نہ تھا
آج بھی حد سے زیادہ دل ربا ہے گنج بخشؒ
کل بھی مقبولِ مُحبانِ محمد مصطفیٰ ﷺ
آج بھی محبوبِ مردانِ خدا ہے گنج بخشؒ
اللہ اللہ! کیا عظیم المرتبت انسان ہے
نازِ پاکستان و فخرِ ایشیا ہے گنج بخشؒ
وہ شہِ فقر اور طارقؔ میں گدا کچھ مجھ بیاں
میری تعریف و ستائش سے سوا ہے گنج بخشؒ

☆☆☆

فردِ آلِ احمدِ مختار ﷺ داتا گنج بخشؒ
وردِ باغِ حیدر کرارؓ داتا گنج بخشؒ
ذوقِ حق کا گلشن بے خار داتا گنج بخشؒ
طیبِ صدق اخلاص کی مہکار داتا گنج بخشؒ
معرفت کا قافلہ سالار داتا گنج بخشؒ
فیضِ حق کا عالمی دربار داتا گنج بخشؒ
نقش دل آویزیٔ گفتار داتا گنج بخشؒ
پیکرِ تابانیٔ افکار داتا گنج بخشؒ
جیش ایثار کا علم بردار داتا گنج بخشؒ
ولولہ بخشِ دلِ احرار داتا گنج بخشؒ
قصرِ ناموسِ حبیبِ کبریا ﷺ کا پاسباں

حصنِ دینِ حق کا پہریدار داتا گنج بخشؒ
کوئی رہنے دی نہ تبلیغِ حقیقت میں کمی
تازہ دم، با حوصلہ، جی دار داتا گنج بخشؒ
اک مفکرِ، صاحبِ قلبِ سلیم و شہ دماغ
نکتہ فہم و محرمِ اسرار داتا گنج بخشؒ
فاتحِ اذہان و حکمت دانِ تسخیرِ قلوب
کاشفِ مجحوبئی اسرار داتا گنج بخشؒ
مرشدِ روشن ضمیراں، مقتدائے اہلِ دل
قائدِ حزبِ اُولی الاَبصار داتا گنج بخشؒ
سرگروہِ اصفیا و تاجدارِ اولیا
شہ نشینِ مجلسِ ابرار داتا گنج بخشؒ
کائنات افروزِ دانش وہ جہاں آرائے فقر
طُرفہ معمول و عجوبہ کار داتا گنج بخشؒ
عالمِ طُغیان، کفر و شرک کے ماحول میں
مرکزِ توحید کا معمار داتا گنج بخشؒ
ملتِ بیضا کے اجلال و حشم کا خواستگار
اوجِ خواہِ اُمت سرکار ﷺ داتا گنج بخشؒ
سیدِ ہجویر، فرمودات جس کے جاں فزا
روح پرور جس کے ہیں افکار، داتا گنج بخشؒ
حشمت و شوکت میں تیرا آستاں ہے بے مثال
ہم نے دیکھے ہیں کئی دربار داتا گنج بخشؒ
حق نے دی ہے تجھ کو وہ مقبولیت، جس کی نظیر
کم ہے زیرِ گنبدِ دوار داتا گنج بخشؒ
تیری صہبائے وِلا سے مست ہے ہر حق پرست
تیرا متوالا ہے ہر دیندار داتا گنج بخشؒ

کشورِ عرفاں کی سرداری تجھے بخشی گئی
سالِ رحلت ہے ترا "سردار" داتا گنج بخشؒ
ارضِ پاکستان کا اعزاز و ناز و افتخار
اعتبارِ شہر شالامار داتا گنج بخشؒ
بے نوا بے چارہ طارق با اُمیدِ التفات
آج پھر ہے حاضر دربار داتا گنج بخشؒ

☆☆☆

وہ فرزندِ حسنؓ ہیں، بو تُرابی ہیں تعالیٰ اللہ!
انہیں نور نگاہِ تاجدارِ مُرسلاں ﷺ کہیے
ہدایت ان سے لاکھوں گمرہانِ دہر نے پائی
انہیں دینِ محمد ﷺ کی صداقت کا نشاں کہیے
زمیں لاہور کی ہے دائمی آرام گہ اُن کی
فلک پایہ اِسے کہیے، اِسے رشکِ جناں کہیے

☆☆☆

سال وصال: 465
قرآنی مادہ تاریخ: فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہ
عرس شریف: 966واں
بہ الفاظ بحساب ابجد "خوبیٔ صراب اولیا" 966

تذکرہ ہے مرشدِ عالم جہاں کے پیر کا
رنگ اک اک لفظ میں ہے اِس لیے تاثیر کا
اک نشاں، تخریب کے ماحول میں تعمیر کا
کام داتا نے لیا ہے خاک سے اکسیر کا
تو دلوں ذہنوں کا فاتح اے شہِ اقلیمِ فقر
چار سُو عالم میں شہرہ ہے تری تسخیر کا

خسروانِ دہر و شاہانِ جہاں سمجھیں گے کیا
جو ہے طول و عرض تیرے فقر کی جاگیر کا
کتنی صدیوں سے منور اُس سے ہے بزمِ جہاں
بڑھ رہا ہے دائرہ ہر دم تری تنویر کا
ہر طرف ہے آج بھی تیری صدائے حق کی گونج
غلغلہ اب بھی ہے تیرے نعرۂ تکبیر کا
نیک پر، بد پر برابر کا ہے تیرا التفات
دلنواز و مہرباں یکساں جوان و پیر کا
گردشِ دوراں ہے تیری گنج بخشی کی گواہ
آسماں شاہد ہے تیرے فیض عالمگیر کا
کاشف المحجوب ہے تیری کتابِ حق مآب
جاوداں فیضان تیری خوبیٔ تحریر کا
اک نظر سے گم رہوں کو کر دیا حق آشنا
ہے وہ خوش قسمت ہوا زخمی جو اِس شمشیر کا
تیر انداز اور بھی تھے ہر طرف بہر شکار
دل بنا میرا ہدف تیری نظر کے تیر کا
مجھ کو تیری منقبت خوانی کا حاصل ہے شرف
ہے نصیبا اوج پر اِس عبدِ پُر تقصیر کا
تیرے مرقد پر خدا کی رحمتوں کا ہے نزول
نجمِ تاباں ہے یہ پاکستان کی تقدیر کا
کر دیا شامل ترے در کے گداؤں میں اِسے
ہے دلی ممنون طارقؔ کاتبِ تقدیر کا

☆☆☆

شعراء کرام کا نذرانۂ عقیدت

بحضور

سیّدی فیض عالم رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا قاری محمد شیر محمدی سیفی، مفتی محمد فاروق محمدی سیفی

گنج بخش، فیض عالم، مظہر نور خدا
ربِ کعبہ کی عطا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما
فیض عالم کی بدولت یہ نگر آباد ہے
تحفۂ ربُّ العلیٰ ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ
پیکرِ حق و صداقت، معدن رشد و ھدیٰ
مظوہرِ صدق وصفا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ
آستان سید ھجویر، منبع کرم
مخزن جود وسخا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ
فیض عالم کا ہے فیضان جاری وساری سدا
مصدرِ لطف وعطا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ
بے سہاروں کی پناہ گاہ یہ درِ اقدس کہو
بے بسوں کا آسرا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ
بے نواؤں کو سکوں ملتا ہے اس دربار سے
غم زدوں کی دل کشا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

سید ہجویر کا دامن ہے غربت کا کفیل
پالتی ہر اک گدا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

لطف کی خیرات ملتی ہے یہاں صبح و مسا
فیض کا اک در کھلا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

روشنی اسلام کی بخشی جہان کفر کو
دین حقہ کی ضیا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

حق پرستوں کے لئے مینارۂ نورِ یقین
تا ابد قبلہ نما ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

خوش عقیدہ، باادب عشاق داتا کے ہیں سب
مانگتی جن کا بھلا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

بد عقیدہ، بے ادب گستاخ طبقہ کے لئے
ایک پیغام قضا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

خائب و خاسر رہے گا جو کوئی بد خواہ ہے
کہہ رہی یہ برملا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

مرکز انوار کے انور سے روشن جہاں
قلب مردہ کی جلا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

اس وطن کی در حقیقت بادشاہ و حکمراں
مرحبا صد مرحبا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

آج بھی فیضانِ داتا شامل احوال ہے
آج بھی جلوہ نما ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

الغرض، مجبور، قصہ مختصر تم بھی کہو
مظہر نور خدا ہے ذاتِ داتا گنج بخشؒ

(بشکریہ مجلہ "جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" خانقاہ ڈوگراں، اکتوبر ۲۰۱۷ء)

سید محمد عارف محمود مجبور رضوی

سید ہجویر روحِ زندگی جانِ عطا
مرکزِ رشد و ہدایت جانِ بزمِ اتقیا
رہبر راہِ صداقت پیکرِ جُود و کرم
سید السادات زیبِ مسندِ صدق و صفا
صورتِ شمعِ یقین کردار اِس کا ضُو فگن
مثل پروانہ عقیدت مند ہوتے ہیں فدا
وہ غلامِ سرورِ کونین مخدومِ اُمم
اس سے نسبت پر ہیں نازاں وقت کے فرمانروا
اس کے در پر سائلوں کا ہر گھڑی دیکھا ہجوم
اہلِ دل کو مل رہا ہے اس کے در سے مُدعا
اس کے مرقد کا نظارا ہے قرارِ قلب و جاں
فیضیاب اس کے کرم سے ہو رہے ہیں اولیاء
اس کا ہر قول حسیں شہپارۂ علم و عمل
ہر گھڑی ہر آن دیکھا اس کا لطف بے بہا
سب کے سب اس کی عنایت سے ہیں یکساں مفید
مفلس و نادار و بے کس ہوں وہ یا کہ اغنیا
شہ معین الدین چشتی خواجۂ اقلیم عشق
نازشِ بزمِ طریقت رہبر گردوں نوا
تا ابد زندہ رہے گا گفتۂ سلطانِ چشت
"گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما"

پروفیسر محمد اکرم رضا

☆☆☆

منقبت

رونق لاہور بستی آفتاب پر ضیا　　عاشق شیدا علی مشتاق محبوب خدا
اے مرے حامی مشکل اے مرے حاجت روا　　آستانے پر ترے جھکتے ہیں سب شاہ و گدا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

آپ محتاجوں کے والی درد مندوں کی دوا　　بیکسوں کے آپ وارث اے ولی شان خدا
مشکلیں حل ہوتی ہیں دربار عالی سے سدا　　جاری دریا ہے سخاوت کا تری شاہنشا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

محسن عالم ہو تم حاجت روا ہر کام کے　　واقف راز نہاں آغاز اور انجام کے
سائل آتے ہیں یہاں بغداد و روم و شام کے　　صدقے اس دربار کے قربان میں اس نام کے
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

آپ کو سید حسن اور شاہ نظام الدین بھی　　خواجہ قطب الدین بھی خواجہ معین الدین بھی
یہ بھی چاروں اور صابر اور فرید الدین بھی　　کہہ رہے ہیں صاحب ارشاد اور تلقین بھی
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

یہ مجھے معلوم حضرت آپ ہیں ہجویر کے　　خاک رہ پر سینکڑوں نقش قدم ہر شیر کے
اے ولی لائی یہاں تیری ہدایت گھیر کے　　صاحب لطف و کرم ہو خواجہ اجمیر کے
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

جھومتے عابد ہیں سب اسم شہ لولاک پر　　وجد میں صوفی ہیں ہے دھوم عرش کی افلاک پر
لوٹتے پھرتے ہیں مجذوب آج فرش خاک پر　　کہہ رہے سالک ہیں یہ مل کر مزار پاک پر

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

دست بستہ شوق کی التجا ہے آپ سے
دور بیماری ہو اتنا مدعا ہے آپ سے
تنگ آ کر عرض یہ کرنا پڑا ہے آپ سے
آپ اولاد علیؓ ہیں کہہ دیا ہے آپ سے

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

☆☆☆

کیا سر بلند شان ہے داتا حضور کی
گردوں پہ بھی کمان ہے داتا حضور کی
باد نسیم فرط عقیدت کے جوش میں
ہر آن مدح خوان ہے داتا حضور کی
دائم رہے گی مگی سطوت و جبروت لا کلام
فطرت بھی ترجمان ہے داتا حضور کی
ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا ہیں بالیقیں
کیا ذات بے گمان ہے داتا حضور کی
لایا ہے جو بھی دامن امید غم نصیب
وہ گیا امان ہے داتا حضور کی
ملتا ہے ہر کسی کو یہاں گوہرِ مراد
ہر ہستی قدر دان ہے داتا حضور کی

سال وصال ان کا یہ مجہور تم کہو
منبع فضل شان ہے داتا حضور کی

سپاس گزار: سید عارف مجہور رضوی گجرات

☆☆☆

مرشد و مخدوم شیدائے کلامِ کبریا
ترجمانِ حق فدائے سنت خیر الوریٰ
داعیٔ توحید و آئین محمد مصطفیٰ
طالب صدیقؓ و فاروقؓ و غنیؓ و مرتضیٰؓ
سید و حسنیؓ و حسینیؓ و امام الاصفیاء
غزنوی حنفی، جنیدی پیکر علم و ہدیٰ
راز دار و خود شناس است و حقیقت آشنا
کشف محجوب، است شاہکار ولی الاولیاء
در دیار کفر آمد، صاحب نور و ضیاء
عالماں را پیشوا و عارفاں را مقتدا
گفت تبلیغ و تصوف مرحبا صد مرحبا
بیگماں شد اولیں معمار پاکستان ما

خواجہ اجمیرؒ داند سید ہجویر را آشنا گوید بوصفِ آشنا و ہمنوا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

مولانا محمد بخش مسلمؔ

☆☆☆

بحمداللہ کتاب کشف محجوب
کہ رشد و معرفت زان ہست مطلوب
زتصنیف مقدس قطب عالم
کہ نمش گنج بخش پاک محبوب
بہ توحید و تصوف لوح عرفان
برائے سالکان فیضی ست موہوب
مترجم گشت در اردو زبانی
زبو الحسنات احمد گشت مکتوب
چوانشای رموزش شد بہ عالم
از واعدای دین گشتند مغلوب
بہ تقدیمش حکیم نیک موسیٰ
بہ تحقیق و تفکر ہست معسوب
شرافت جست از سال طباعت
شدہ مسموع، باب علم مرغوب
۱۳۹۳ھ

سید شریف احمد شرافت نوشاہی

☆☆☆

سید ہجویر، داتا، سرگروہ اولیاء
منزل قرب خدا کے آپ ہیں اک رہنما

آپ کا سینہ فروزاں جلوہ توحید سے
آپ کا سرمایہ عشق تاجدار انبیاء
فقر فخری کا تھی مظہر آپ کی ارفع حیات
ملک ایثار و وفا کے آپ اک فرماں رواں
مرکز لطف و کرم ہے آپ کا عالی مزار
رہتی ہے انوار کی بارش یہاں صبح و مسا
آئے جب لاہور میں وہ پرتو شیر خدا
دین کا پھیلا اجالا سرنگوں باطل ہوا
نقش لوح وقت پر ہیں ان کے لافانی نقوش
ضوفشاں دائم رہے گا ان کی عظمت کا دیا
ہو کے حاضر ان کے روضہ پر ہوا مجھ کو یقیں
جھولیاں بھرتے ہیں سب کی وہ رئیس الاسخیا
ان کے دم سے اب بھی زندہ خاک ہے پنجاب کی
ان کی خوشبو سے معطر ہے زمانے کی ہوا
آج ملک پاک دہشت گردوں کے نرغے میں ہے
اس کے حق میں اپنے رب سے کیجئے داتا دعا
سچ کہا ہے خواجہ اجمیر نے فیض الامینؔ
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

از صاجزادہ فیض الامین فاروقی

☆☆☆

سید و شاہ سید ہجویر
صاحب جاہ سید ہجویر
ہست بہر نہار مہر منیر
در شباں ماہ سید ہجویر

از مقام رسول و شان خدا
کرو آگاہ سید ہجویر
رہبرو پیر عارف و عامی
واقف راہِ سدِ ہجویر
شد عروسا! برائے پاکستاں
رحمت اللہ سید ہجویر

از صاحبزادہ محمد نجم الامین عروس فاروقی

☆☆☆

بشنوائے سوختہ دل، اے دل بے تاب وتواں
بشتابی کہ در خسرواں خوباں ایں جاست
جلوہ وصف نبی، آیت قرآں ایں جاست
روز وشب جلوہ نما مہر درخشاں ایں جاست
بہر دربار علی ساز مژگاں جاروب
شکر صد شکر کہ خوش منزل جاناں ایں جاست
تا بکے آں ہمہ بے تابی جان مضطر
راحت قلب ونظر جلوہ جاناں ایں جاست
زائراں باادب وبندہ صفت حلقہ زناں
بردر بارگہ حسن کہ سلطان ایں جاست
تیرگی ہائے گنہ ظلمت بخت تاریک
دور وکافور شود شمع فروزاں ایں جاست
گنج بخش دو جہاں مظہر نور یزداں
فیضے فیضان نبی روشن وتاباں ایں جاست
درد ہا نیست کہ آں را نہ بود درمانے
دردمنداں بہ کجا ئند کہ درماں این جاست

ہم بگرداب بلا نیست مرا خوف خطر
بسکہ از رحمت حق کار من آساں ایں جاست

از سردار علی احمد خاں

☆☆☆

گنج اسرار محبت ہے کلام گنج بخش
ہے کلید مخزن انعام نام گنج بخش
سرنگوں ہوتے ہیں درگاہ معلیٰ پر ملک
فہم انساں سے ہے بالاتر مقام گنج بخش
ہم بھٹک جائیں تو پائیں منزل جذب و سلوک
وادی الفت میں دیکھیں گر خرام گنج بخش
دل مرا ہو لذت اندوز خمستان حجاز
تشنہ کامی میں اگر حاصل ہو جام گنج بخش
بھول جائیں طاران قدس پرواز فلک
جب کہیں حق سرہٗ مرغانِ بام گنج بخش
کھینچ لایا ہے مجھے جذب مقدر آپ ہی
میرے حق میں ہے یہ اک رمز پیام گنج بخش
بہرہ اندوز ولایت تاج کو اب کیجیے
تاج شاہی میں بنوں ہو کر غلام گنج بخش

علامہ تاج الدین تاج عرفانی

☆☆☆

دل ترا ہے مہبط نور خدا گنج بخش
در ترا ہے مخزنِ جود وسخا یا گنج بخش
تیرے انوار ولایت سے جہاں ہے جلوہ زار
ہے چراغِ معرفت تیری ضیا یا گنج بخش

قلزم فیض و کرامت آپ کا ہے موجزن
تشنہ لب ساحل پہ ہے سائل ترا یا گنج بخش
تیرے بستان ولایت کی شمیم جانفزا
ناز کرتی ہے سر دوش صبا یا گنج بخش
میں سمجھتا ہوں اسے موجِ نسیم خلد ہی
تیرے کوچے کی جو آتی ہے ہوا یا گنج بخش
میں سمجھتا ہوں مسیحائے محبت آپ کو
میرے درد عشق کی کیجئے دوا یا گنج بخش
کیجئے گنج ولایت سے مجھے بھی مستفیض
تاج کو اب تاج ہی کر دو عطا یا گنج بخش

ابو المعانی علامہ تاج الدین تاجَ عرفانی

☆☆☆

مصحفِ اسرار حق بے شک ہے روئے گنج بخش
مخزن علم لدنی گفت گوئے گنج بخش
روکش فردوس اعلیٰ ہے جو کوئے گنج بخش
دل کھچا جائے مرا پھر کیوں نہ سوئے گنج بخش
ہیں نگاہ قدسیاں میں بھی عظیم المرتبت
اللہ اللہ! بارک اللہ آبروئے گنج بخش
لطف حق سے تھا انہیں حاصل حضوری کا شرف
دید روئے مصطفیٰ تھی آرزوئے گنج بخش
پی رہے ہیں تشنہ کامانِ محبت خُم پہ خُم
بادہ عشق نبی ہے در سبوئے گنج بخش
سیرت اقدس ہے ان کی آئینہ شرح و دیں
مرآت فقر و غنا و خلق، خوئے گنج بخش

منکشف ہوتے ہیں بے شک اس پہ اسرار نہاں
ہو ارادت سے جو کوئی رو بروئے گنج بخشؒ
کب تہی دست ان کے در سے ہے پھرا سائل کوئی
بحر الطاف و کرم جاری ہے جوئے گنج بخشؒ
ان کے ذکر حق میں ذوق و جد کی کیفیتیں!
رقت و سوز دروں تھا در گلوئے گنج بخشؒ
بے مراد و گستاخ بدبخت ازل
منکر منشائے فطرت ہے عدوئے گنج بخشؒ
مہبط نور معارف ہے فدا قلب حضور
ہو نہ کیوں ہر اہل دل کو جستجوئے گنج بخشؒ

ابو الطاہر فدا حسین فدا

☆☆☆

عاشقوں میں سب سے اونچا ہے مقام گنج بخش
رشک فردوس بریں ہے جس کا نام گنج بخش
جس کو دیکھو ان کے در پہ مست اور سرشار ہے
ہے گدا اور شہ پہ یکساں فیض عام گنج بخش
ہیں معین الدین، فرید الدین، شمس الدین سب
پینے والے بادہ گلگوں سے جام گنج بخش
پی رہے ہیں سب کے سب پیتے رہیں گے تا ابد
جُرعہ جُرعہ فیض من کاس الکرام گنج بخش
شکلیں حل ہو گئیں مقصد ملا کیف آ گیا
جب لیا مستی میں، میں نے پاک نام گنج بخش
خشک زاہد کی سمجھ سے ہے وریٰ میرا مقام
کیونکہ چشتی ہے بہت ادنیٰ غلام گنج بخش

شیخ القرآن محمد عبد الغفور ہزاروی

یا علی ہجویری داتا گنج بخش! واہ ذاتت ہمچناں عسجد درخش
اندریں لاہور شہرے لا حرم ذات پاکت ہست قندیل حرم

جوق جوق آیند مردم بردرت
فیض بخشی واہ! عالی مرتبت

پیر کامل آفتاب لازوال پیکر تو ہست ظل ذی الجلال
فیض روحانی ز تو حاصل بود از نگاہ مہر تو دل "دل" بود

حبذا ساز نسیم لطف تو
واہ اعجاز نسیم لطف تو!

در ہمی آیند روز و شب ملک از پے طوف و زیارت از فلک
گنج بخشا! گنج اسرار و رموز اشابت ہست از روحی کنوز

می شود تا قدسیاں پرواز تو
ہست از لاہوت عالم ساز تو!

ہر چہ اوصاف بگویم کم بود از کمالت دیدہ حیرانم بود
چشمہ دینی علوم و معرفت بارہا پیدا شدہ گردم سرت

لودہ از تو سو بہ سو دینی بلاغ
کردی افروزاں بہ ظلمت ہا چراغ

سر بسر نور ہدایت ہست تو بود بیعت روز و شب بردست تو
در ایں چنیں تو دینی خدمت کردہ جائے ہا معدوم ظلمت کردہ

مرشدے مقبول درگاہِ رسول
ہر چہ بودہ پرورش بودت حصول

خدمت دیں راز ہے شہ کاریت واہ عشق صدق را سرشاریت
آفریں صد آفریں عالی ہمم آفریں صد آفریں ماذا العلم!

واہ وا! اے مرشد سالک طریق

چشتی تیراک دریائے عمیق

انک انت الولی ذوالکمال زومنۃ لک من بدیعات الجمال
تشنگان آب عرفاں روز و شب از تومی یا بند سیرابی عجب

طالبان را بردرت آسودگی
می شود حاصل بہ صد بہبودگی

زاہدانہ بے نیازی می دھد ذات پاکت شرح اللہ الصمد
در گہے تو ہست چہ دار الاماں ہمچناں کہ صحن گلزار جناں!

تحفۂ بے چین اے عالی مقام
ہست گل ہائے عقیدت والسلام

بے چین رجپوری (بدایونی)

☆☆☆

ایک فردوس کی حکایت کیا جنتیں بے حساب دیکھی ہیں
فیض عالم کے آستانے پر رحمتیں بے نقاب دیکھی ہیں

☆☆☆

فیض عالم کی راہگزاروں پر نقش پائے رسول ملتے ہیں
تتلیاں رحمتوں کی رقصاں ہیں جذب و مستی کے پھول کھلتے ہیں

☆☆☆

فیض عالم کے سبز گنبد پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے
ان کے در سے سکون ملتا ہے جب کبھی دل ملول ہوتا ہے

☆☆☆

مرمریں تابناک دیواریں غمزدوں کو قرار دیتی ہیں
ان پہ تعظیم سے نگاہیں ڈال یہ مقدر سنوار دیتی ہیں

☆☆☆

تُربت گنج بخش پر آ کر عبدیت کو فروغ ملتا ہے
اہل ایماں کو آپ کے در سے لامکاں کا سراغ ملتا ہے

☆☆☆

قدسیوں کے ہجوم صف بستہ حُور و غلماں طواف کرتے ہیں
گردشِ دہر کے اسیروں کو فیض عالم معاف کرتے ہیں

حضرت ساغر صدیقی

☆☆☆

مُسلم فضلِ خالق سے ہے عظمت میرے داتاؒ کی
قلوبِ خلق میں راسخ ہے چاہت میرے داتاؒ کی
تعالیٰ اللہ! کیا ہے شان و شوکت میرے داتاؒ کی
دلوں پر مومنوں کے ہے حکومت میرے داتاؒ کی
ضمانت عافیت کی ہے عقیدت میرے داتاؒ کی
قیامت میں بھی کام آئے گی نسبت میرے داتاؒ کی
رسول اللہ ﷺ کی الفت ہے الفت میرے داتاؒ کی
بہارِ خُلدِ ایماں ہے محبت میرے داتاؒ کی
اِمام و سبطِ پیغمبر حسنؓ کی پاک نسبت سے
مسلم ہے نجابت اور سیادت میرے داتاؒ کی
نظام الدینؒ ہوں، گنج شکرؒ ہوں یا کہ خواجہؒ ہوں
قلوبِ اولیاء میں ہے عقیدت میرے داتاؒ کی
سلاطین زمانہ جبہہ سا ہیں ان کی چوکھٹ پر
خرد سے ماورا ہے جاہ و حشمت میرے داتاؒ کی
کوئی جانے تو کیا جانے، کوئی سمجھے تو کیا سمجھے
خدا کو ہے پتا، کیا ہے حقیقت میرے داتاؒ کی
کریں تذکار جس پہلو سے بھی ان کی فضیلت کا
نہایت روح پرور ہے حکایت میرے داتاؒ کی

بصد حُب و نیاز و عجز حاضر ہیں ثنا گستر
خدایا ایک بار ان کو ہو طلعت میرے داتا کی
خدا کی بارگہ میں میری نوریؔ یہ تمنا ہے
کہ ہو جائے مجھے اک شب زیارت میرے داتا کی

(صاحبزادہ محمد محب اللہ نوریؔ۔ بصیر پور)

☆☆☆

ہے خدا مشکل کُشا، پر اُس کے اِذنِ خاص سے
بالیقیں حاجت روا، مشکل کشا ہیں گنج بخشؒ
سارے ابدالِ زمانہ، سارے اقطابِ جہاں
مانتے ہیں صدقِ دل سے، پیشوا ہیں گنج بخشؒ

(محمد محب اللہ نوریؔ)

☆☆☆

صدرِ بزمِ اولیا ہیں گنج بخشؒ
تاج دارِ اصفیا ہیں گنج بخشؒ
محورِ مہر و وفا ہیں گنج بخشؒ
مصدرِ صدق و صفا ہیں گنج بخشؒ
کی فروزاں مشعل حق دہر میں
ایسا مرکز نور کا ہیں گنج بخشؒ
خواجۂ اجمیرؒ کا اعلان ہے
"مظہر نور خدا" ہیں گنج بخشؒ
کشفِ مجوب آپ کی ہے فیض بخش
اک سمندر علم کا ہیں گنج بخشؒ
صاحب کشف و کرامت کیوں نہ ہوں
وارث خیرُ الوریٰ ﷺ ہیں گنج بخشؒ
کفر زارِ ہند میں حق کی ضیا
نائبِ نور الہدیٰ ہیں گنج بخشؒ

نام ہے اِن کا علی، عالی ہیں یہ
وارثِ مشکل کشا ہیں گنج بخش
تاجور بھی ان کے در کے ہیں گدا
صاحبِ جُود و سخا ہیں گنج بخش
نافعِ خلقِ خدا ہیں بالیقیں
دافعِ رنج و بلا ہیں گنج بخش
جان آ جاتی ہے نوریؔ جان میں
وہ نویدِ جانفزا ہیں گنج بخش

(صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوریؔ)

☆☆☆

گنج بخش فیض عالم کیوں نہ ہوں داتا مِرے
مظہرِ جُودِ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں گنج بخش
کاشفِ محجوب اک تصنیف کو ہونا ہی تھا
لکھنے والے جب امام الاتقیاء ہیں گنج بخش
ترجمانِ علم و حکمت، ناطقِ حق و صواب
حق نیوش و حق نگر ہیں، حق نما ہیں گنج بخش

(محب اللہ نوریؔ)

☆☆☆

ترا خیال ہے دل میں بسا ہُوا داتا
جبھی تو ہے مِرا دامن بھرا ہُوا داتا
ترے وصال کو صدیاں گزر گئیں لیکن
ہے آج بھی ترا گلشن کِھلا ہُوا داتا
معین الدین حسن بن گئے غریب نواز
ترے کرم کا جونہی سامنا ہُوا داتا

جلائی تو نے اندھیروں میں مشعل توحید
ہے اک جہاں ترے در پہ جھکا ہُوا داتاؒ
زمین بوس ہوئے قصر بادشاہوں کے
تری عطاؤں کا در ہے کُھلا ہُوا داتاؒ
تری کتاب کو پڑھ کے، حجاب اُٹھتے ہیں
فروغِ فقر ہے تیرا لکھا ہُوا داتاؒ
نزول کیوں نہ ہو لاہور پر تجلی کا
کہ اس میں ہے ترا مدفن بنا ہُوا داتاؒ
سخنورانِ زمن مجھ پہ رشک کرتے ہیں
تری ثنا کا شرف ہے ملا ہُوا داتاؒ
نگاہِ مہر سے فیضانؔ کو بھی روشن کر
چراغ جذب ہے کب سے بجھا ہُوا داتاؒ

(پروفیسر فیض رسول فیضانؔ۔ گوجرانوالہ)

اُسے پوچھو، تصوف کیا ہے؟ عرفاں کس کو کہتے ہیں؟
ہے جس پر فاش گفتہ گنج بخش فیض عالمؒ کا
بہشت آثار و پُر انوار و بے خار و ترو تازہ
بڑا سیدھا ہے رستہ گنج بخش فیض عالمؒ کا

☆☆☆

مسجد و دربار داتاؒ ہیں جہاں پر جلوہ گر
وہ زمیں ساری ہے رشکِ آسماں لاہور میں
فیض عالمؒ کے فیوضِ بیکراں ہیں دیدنی
ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے اک جہاں لاہور میں

☆☆☆

لاہور! اپنی خوبیٔ قسمت پہ ناز کر
مدفن ہے تیرے دل میں بنا گنج بخشؒ کا

(فیض رسول فیضانؔ)

☆☆☆

یہ آستانِ قدس سراپا بہار ہے
ذروں پہ اِس کے، رحمتِ پروردگار ہے
ہوتے ہیں نامراد یہاں آ کے با مراد
ہر پھول اِس چمن کا درِ تابدار ہے
انوارِ ذوالجلال ہیں روضہ کے آس پاس
دیوار و در پہ حُسن مشیت نثار ہے
دیکھی ہیں مہر و مَہ کی جبینیں جھکی ہوئی
اِس خاک پر کہ جس کی فضا لالہ زار ہے

(شورشؔ کاشمیری)

☆☆☆

پھر ذکر نہ کیسے ہو، اکثر مرے داتاؒ کا
جب سینے میں رہتا ہے نوکر مرے داتاؒ کا
رکھی تھی محبت کی اِک خاص کشش اس میں
جب رب نے بنایا تھا پیکر مرے داتاؒ کا
آغوش میں لے لے گی اِک رحمت بے پایاں
دیکھے تو کوئی دس سے بن کر مرے داتاؒ کا
ملتی ہے اسی باعث توقیر زمانے میں
اِک ہالہ برکت ہے سر پر مرے داتاؒ کا
ایجاب کے لگتے ہیں پر کیسے دعاؤں کو
تو دیکھ وسیلہ تو دے کر مرے داتاؒ کا
یہ کیسا خزانہ ہے جو ختم نہیں ہوتا
جاری ہے زمانوں سے لنگر مرے داتاؒ کا
عرفان کی منزل سے آگاہ وہ ہو جائے
جس شخص پہ کھل جائے جوہر مرے داتاؒ کا
نگری میں مجھے اپنی رکھا ہے محبت سے
کتنا ہے کرم مجھ پر سرورؔ، مرے داتاؒ کا

(سرور حسین نقشبندی۔ لاہور)

☆☆☆

قصیدہ بزبانِ فارسی

برائے

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نمبر

از ۔۔۔ دکتر محمد حسین تسبیحی (رہا)

املا فارسی متن: ڈاکٹر معین نظامی

اُردو ترجمہ: ڈاکٹر محمد شاہ کھگہ

ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی (رہا) کا تعلق ملک ایران کے دارالحکومت تہران سے ہے۔ جنہوں نے اوری اینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان سے، پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ اکرام کی نگرانی میں داتا صاحب علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی معروف تصنیف لطیف "کشف المحجوب" کی تصحیح و تدوین، متن و حواشی و تعلیقات پر تحقیقی کام کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ (مرکز تحقیقاتِ ایران و پاکستان، اسلام آباد) پاکستان میں بھی بطور محقق و پژوھش گر کے سال ہا سال کام کیا۔ جس کے نتیجہ میں بیسویں کتب پر تحقیقی و پژوھشی کام کیا۔ فہارس کتب، اشاریہ سازی اور مقدمات و دیباچہ بھی لکھے۔ وہ بیک وقت استاد فارسی، محقق و مدبر، شاعر و نویسندہ و انشاء پرداز اور پژوھش گر ہیں۔ اور علم شعر پر اس قدر دسترس حاصل ہے کہ فی البدیہہ سینکڑوں اشعار پر مشتمل قصائد لکھتے ہیں۔ ملک پاکستان سے اس قدر محبت ہے کہ آپ اور ان کے اہل خانہ اُردو زبان بڑی عمدگی کے ساتھ بول بھی لیتے ہیں اور سمجھ کر خوبصورت تحریر بھی لکھ لیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے میری کئی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ اسلام آباد میں بھی، لاہور اور تہران میں بھی، بڑی مہربانی فرماتے تھے۔ آپ کی طبیعت بڑی ملنساز اور جاذبیت والی ہے۔ آج کل ایران میں مقیم ہیں اور شب و روز پڑھنے، لکھنے اور تحقیق کرنے میں گزرتے ہیں۔ خدائے لم یزل انہیں سلامت رکھے اور آباد رکھے آمین ثم آمین۔ آپ نے ایک قصیدہ جناب محترم المکرم چیف ایڈیٹر "انوارِ رضا" ملک محبوب الرسول دامت برکاتہم کی خدمت میں فارسی زبان میں لکھا ہے۔ فارسی متن اور ترجمہ کے ساتھ قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

به نامِ خدای بسیار بخشنده، بخشایشگر و مهربان

سلام و دعا

جناب آقای ملک محبوب الرسول قادری

مدیر و سردبیرِ مجله انوار الرضا

جوهر آباد، ضلع خوشاب

ان شاءالله در همه احوال سلامت باشید.

ملک محبوب الرسول میرِ محبت و عرفان

همان بوَد که نوشته کلامِ حضرتِ قرآن

ببین به جوهر آباد گوهرِ رخشان

رسیده لطفِ خدا با کلامِ قادرِ سبحان

ملک محبوب الرسول گُلِ بهارِ علی

همان بوَد که نویسد کلام و لطفِ الله و ایمان

بیا به درگهِ او ای همه عزیز و شریف

ببین که مجلهٔ انوار الرضا شده نعمان

خدای پاک و یگانه همارہ یارِ دلش

که در حقیقت و عرفان رسد به سوی خدای لا یمکان

ملک محبوب الرسول توئی عزیز و شریف

که لطفِ حق همه جا یارِ تو شده رحمانؔ

نوشته ای تو برای علیؒ هجویری

همان که نامِ شریفش بوَد علیؒ ابنِ عثمان

ملک محبوب الرسول محبتت بسیار

سلام و لطفِ خدا یارِ تو در آن شهرِ خوش آب و ایمان

منم محمد و نامم حسینِ تسبیحی

به مدتِ چهل سال بودم به پاکستان

مرا به درگهِ حضرتِ داتا همیشه رفت و آمد بود
همان که پیرِ سنجر به اعتکاف شده یکسان
همارهٔ حضرتِ داتا گُلِ بهارِ مردمِ پاک است به
جنّتی دروازه برو، زیارتش بستان
بوَد به شهرِ لهاوور جایگاهِ آن بزرگ
شدم همارهٔ در آن مسندش چو ماهِ نو تابان
همارهٔ استادِ من اکرم و اکرام بود آنجا
که از شهرِ لاهور و ایوانِ اقبال بوَد پیمان
ملک محبوب الرسول قادری تونی به جوهر آباد ساکن
همان طریق که خدای بزرگ ترا همراه و هم امکان
ملک محبوب الرسول صفاتِ نیکِ تو وردِ زبانِ مردمِ مسلمان است
چرا؟ تونی یگانه مردِ بزرگ و شریف و مسلمان
همان طریق که الله ترا سپرده به انوار الرضا
رضای حق ز تو باشد نشانِ گلشنِ ایمان
بیا به درگهِ داتا، بگیر ز چاهِ فیضِ او آب
که شیخ هند و در شیر نوشی نموده او را همراه یزدان
به عرسِ مبارکِ او همواره من شدم مهمان
همان طریق که مردم در آن زمان نمودند مرا دوران
گرفتم ز محبت به حضرتِ هجویریِ داتا
که آن بزرگ در آنجا مرکزِ تجلیِ عرفان شده یکسان
خدای همره تو ای ملک محبوب الرسولِ پاک دل
تو پاک و شریفی، عزیز و ارجمند پاکستان
خدای همره تو من دها سلام و دعا
دهم به تو همارهٔ از طرفِ خود و مردمِ ایران

والسلام علیکم و رحمہ اللہ و برکاتہ

دکتر محمد حسین تسبیحی "رہا"، تہران، ایران

اُردو ترجمہ

جناب آقای ملک محبوب الرسول قادری

ایڈیٹر و چیف ایڈیٹر مجلہ "انوارِ رضا"

ان شاء اللہ خیر و عافیت سے ہوں گے۔

☆ ملک محبوب الرسول محبت و عرفان کے قافلے کے سالار ہیں ویسے ہی جیسے کہ قرآنِ پاک میں محبت و عرفان کا ذکر ہے۔

☆ جوہر آباد پر توجہ کیجیے جو ایک درخشاں موتی کی مانند ہے اور اس خطے کو خداوند متعال کی طرف سے مہربانیاں اور مقام ملا ہے۔

☆ ملک محبوب الرسول صاحب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علم کے پھول کی طرح ہیں بعینہ جیسے کلامِ حق میں یہ خصوصیات تحریر ہیں۔

☆ اے تمام عزیز و اقارب و شرفا! ان کی یار و مددگار/ معاون رہو۔ درحقیقت عرفان ذات کی بدولت وہ خدائے لامکاں کو پہنچتے ہیں۔

☆ ملک محبوب الرسول! آپ عزت و شرف والے ہیں اور خداوند کریم کا احسان ہر جگہ آپ کے شاملِ حال ہے۔

☆ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق آپ نے بہت کچھ تحریر کیا ہے وہی علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کہ جن کا محترم نام علی ابن عثمان ہے۔

☆ ملک محبوب الرسول آپ کی محبت کا پیکر ہیں یعنی محبت سے بھرپور ہیں۔ خداوند متعال کی سلامتی اور مہربانیاں ہوں آپ پر اور اس میٹھے پانی والے۔

☆ میں محمد ہوں اور میرا نام حسین تسبیحی ہے چالیس سال کا عرصہ میں نے پاکستان میں گزارا۔

☆ حضرت داتا صاحب کے دربار پر اکثر و بیشتر میرا آنا جانا رہتا تھا جیسے کہ پیر سنجر وہاں کے

لیے معتکف ہوئے تھے۔

☆ حضرت داتا گنج بخش خطے کے لوگوں کے لیے ہمیشہ بہار کے پھول کی طرح ہیں۔ جنتی دروازے جاؤ اور ان کی زیارت کرو۔

☆ شہر لاہور، عظیم ہستی کا جائے قیام ہے/رہی ہے اور میں ماہِ ہلال کی مانند عرش، ان کی درگاہ پر ہمیشہ حاضر ہوتا رہتا ہوں۔

☆ اس شہر میں (ڈاکٹر) اکرم اکرام شاہ، میرے استاد ہیں جو کہ شہر لاہور اور ایوانِ اقبال سے دلی وابستگی رکھتے تھے۔

☆ ملک محبوب الرسول قادری، آپ کی نیک صفات مسلمانوں کی زبان پر عام ہیں کیونکہ آپ ایک نیک، بے مثال، بزرگ اور شرف والے مسلمان ہیں۔

☆ جس طرح اللہ تعالیٰ نے "انوارِ رضا" کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی ہے خداوند متعال کی رضا آپ کی ذات کی بدولت گلشن ایمان کی علامت قرار پائے۔

☆ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کی طرف آؤ، ان کے چاہِ فیض سے پانی بھرو کہ ہندو شیخ بھی ان کی صحبت سے خدا والا ہو گیا۔

☆ میں ہمیشہ ان کے عرس مبارک پر مہمان بنا۔ اسی وجہ سے لوگوں نے بھی مجھ پر مہربانی فرمائی۔

میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی محبت میں اسیر ہوا کیوں کہ ہمیشہ وہاں علم و عرفان کی تجلی کا مرکز بنا ہوا ہے۔

☆ اے پاک دل ملک محبوب الرسول! خدائے لم یزل تمہارا حامی و ناصر ہو کیونکہ آپ تو پاکستان کے عزت و شرف والے ہیں۔

☆ خدائے متعال تمہارا معاون و مددگار ہو۔ مجھ رہاؔ کا سلام و دعا قبول فرمائیں میں تجھے اپنی طرف سے اور اہل ایران کی طرف سے بھی ہمیشہ تسلیمات پیش کرتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دکتر محمد حسین تسبیحی رہا، تہران، ایران

مترجم: ڈاکٹر محمد شاہ کھگہ، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد ایران

حضرت شیخ الحدیث مناظر اسلام علامہ پیر

سید محمد عرفان مشہدی موسوی کاظمی

مرکزی ناظم اعلیٰ: مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان

کی ایک نشری

تقریر سے اقتباس

مولانا قاری محمد طاہر شریف نقشبندی ☆

ایک زمانہ میں لاہور میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی مرکزیت سے لوگ نسبت جوڑتے تھے۔ان دنوں میں شیرانوالہ گیٹ سے ایک رسالہ نکلتا تھا "خدام الدین" اور ایک "تعلیم القرآن" نکلتا تھا اچھرہ سے۔انہوں نے لکھا کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تو یہاں قبر ہی نہیں ہے۔شہزادہ دارالشکوہ نے لکھا ہے سفینۃ الاولیاء میں کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر تو دریائے راوی کے کنارے، بادشاہی مسجد کے غربی سائیڈ پر ہے۔یہ بھاٹی گیٹ میں کیسے آ گئی تو دارالشکوہ کو ساڑھے تین سو سال گزر گئے جب سفینۃ الاولیاء میں یہ بات لکھی گئی تو شور ہوا کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر یہاں نہیں ہے یہ شوشہ چھوڑا گیا تاکہ لوگ داتا حضور حاضری نہ دیں یا شک میں پڑ جائے۔یہ ۱۹۵۳ء کی بات ہے اس وقت کے رسائل اس پر شاہد ہیں ایک دن جمعرات کو حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ فیصل آباد سے داتا حضور حاضری کے لئے آئے اور ان کا معمول تھا ہر جمعرات کو داتا حضور حاضری دیتے تھے۔آپ خلاف معمول تھوڑی دیر داتا حضور کے قدموں میں حاضری دینے کے بعد آپ اٹھ گئے جو علماء ساتھ تھے وہ کہتے ہیں کہ عموماً محدث اعظم دیر تک حاضری دیتے تھے لیکن آج تھوڑی دیر کے بعد اُٹھ گئے۔داتا صاحب کے قدموں سے اٹھ کر مسجد شریف جو پرانی مسجد تھی اُس میں چلے جاتے ہیں اور مسجد میں کھڑے ہو کر آپ نے اعلان فرمایا کہ آج کل

☆ خطیب: جامع مسجد مدینہ غوثیہ اسلامیہ پارک لاہور، 0300-4707207

کچھ لوگ لکھ رہے ہیں کہ داتا صاحب کی قبر یہاں نہیں ہے بلکہ وہ قلعہ کے اندر ہے۔ شہزادہ دارالشکوہ نے اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء کے اندر اس کو لکھا ہے۔ فلاں ہے فلاں ہے

میں یہ اعلان کرتا ہوں جس کو شک ہے وہ میرے ساتھ آ جائے۔ ۱۹۵۳ء کوہستان کے ۲۸ مئی کے شمارے میں یہ پورے رپورٹ چھپی ہوئی ہے۔ اس وقت کوہستان اخبار نکلتا تھا۔ ۲۸ مئی ۱۹۵۳ء کے کوہستان اخبار میں یہ رپورٹ آپ دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت محدث اعظم پاکستان نے اعلان فرمایا کہ جس کو شک ہے کہ داتا حضور کی قبر کہاں ہے وہ میرے ساتھ آ جائے میں یہاں سے پکاروں گا اگر داتا صاحب اپنی قبر مبارک سے جواب دیں تو میرا ساتھ دینا اور اگر جواب نہ آئے تو جو آپ کہو گے میں مان جاؤں گا۔ میں یہاں بیٹھا ہوں حضرت مفتی اعظم پاکستان سید احمد قادری موجود تھے جو فرزند تھے رئیس المحدثین حضرت سید دیدار علی شاہ محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ کے۔ آپ نے محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ مولانا آپ کیا قلندرانہ باتیں کرتے ہیں یہ کوئی عالم کی گفتگو ہے؟ علما تو دلیل سے بات کرتے ہیں۔ یہ عالم برزخ کی باتیں ہیں یہ آپ نے کیا کر دیا؟ آپ رو پڑے اور عرض کیا۔ حضرت سید صاحب قبلہ! آپ اس شہر میں موجود ہیں میں کبھی ایسی بات نہ کرتا بلکہ آپ ہی کرتے میں قرآن کی قسم اُٹھا کر کہتا ہوں کہ مجھے داتا صاحب نے فرمایا کہ "سردار احمد، اُٹھو یہاں تو نے بہت حاضریاں دے لیں، اب جاؤ اعلان کرو تو" میں نے عرض "کیا حضرت! اگر وہ لوگ آ گئے تو پھر میں پکاروں گا تو کیا آپ جواب دیں گے؟" تو آپ نے فرمایا اب بول سکتا ہوں تو کیا پھر نہ بولوں گا؟ جاؤ جا کر اعلان کرو یہ ایک ولی اللہ کی غیرت کا سوال ہے۔

حضور سید صاحب قبلہ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے کہ آپ کتنے خوش نصیب ہیں داتا صاحب نے اس کام کے لیے آپ کو منتخب کیا ہے۔

یقیناً یقیناً ضرور آپ کو حکم ہوا تو آپ نے اعلان کیا۔ ۲۸ مئی ۱۹۵۳ء کوہستان اخبار جو لاہور سے چھپتا تھا اس کے اندر یہ پوری رپورٹ موجود ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ — وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ



حضور ﷺ کی نماز

اپنی نمازوں کو درست کیجئے اور دوسروں کو سچا نمازی بنایئے

نماز دین کا ستون ہے اس کی ادائیگی فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق ہونی چاہئے۔ مفکرِ اسلام مولانا علامہ محمد نور المصطفیٰ رضوی مدظلہ العالی ... قلم سے قرآن وحدیث کے مضبوط دلائل وبراہین سے مزین، محققانہ ایمان افروز مختصر مگر جامع کتاب جس میں نماز پڑھنے کا مکمل طر... نہایت ہی دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جس کی ایک ایک سطر اسلامی تحقیق کا نادر نمونہ ہے۔ تمام اختلافی مسائل، قرآت خلف الاما... رفع یدین، مسئلہ آمین، دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھانا، ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا اور نمازِ وتر پر نفیس تحقیق پیش کی گئی ہے۔ طریقہ نماز... مسائلِ نماز صرف اور صرف آیاتِ قرآنی اور کتب احادیث کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔

صفحات ۱۱۲ خوبصورت جلد میں ہدیہ ۱۰۰ روپے

زیرِ اہتمام
صاحبزادہ الحاج محمد نور المصطفیٰ
سجادہ نشین
درگاہ ابوالفیض محدثِ ابدالوی
خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ
0092-300-4107809

حضرت داتا علی ہجویری نمبر انوارِ رضا



مسئلہ ختم نبوت

عقیدۂ اسلام کی شہ رگ ہے

شنید کی بنیاد پر نہیں بلکہ علم و تحقیق کی بنیاد پر دلائل
کی زبان سے مکالمہ کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں



عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ اہل اسلام کی اجتماعی ذمہ داری ہے
اس پر کسی طرح کا سمجھوتہ ممکن نہیں



طبقہ اولیاء و صلحاء نے ہمیشہ اسلام کی اساسی بنیادوں کی محافظت
کا حق ادا کیا اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے



الحمدللہ! یو کے میں ہم نے اسلام کی جنگ لڑی اور تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم
کی عظمت و عزت کے صدقہ میں فتح مند رہے



ہمارا عہد ہے کہ تا دمِ واپسیں ناموس رسالت کے تحفظ
اور عقیدۂ ختم نبوت کے ابلاغ کے لیے جدوجہد جاری رکھیں گے

پیر سید محمد ظفر اللہ شاہ


دار العلوم قادریہ جیلانیہ

Quarterly
ANWAR-E-REZA
Jauhar Abad
Vol.3,4 No.12. 2018



نامور قلم کار اور معروف صحافی ملک محبوب الرسول قادری کے زیر ادارت

ابلاغ دین کی بین الاقوامی تحریک



انٹرنیشنل غوثیہ فورم
زاویۂ قادریہ سیّدنا غوث اعظم سٹریٹ (نزد چونگی نمبر 1) سرگودھا روڈ جوہر آباد (41200)
0321-9429027 mahboobqadri787@gmail.com